احسن الفتاوی

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اِنَّمَا شِفَآءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ

احسن الفتاویٰ

بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ

جلد ۳

(از)

فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

(واحد تقسیم کنندگان)

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ـــــــ احسن الفتاویٰ
جلد ـــــــ سوم
زیر اهتمام ـــــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
ضخامت ـــــــ ۵۵۲ صفحات
کتابت ـــــــ منشی محمد فاروق سعود آباد
تعداد ـــــــ ایک ہزار
پریس ـــــــ ایجوکیشنل پریس کراچی
طبع اول ـــــــ سنہ ۱۴۰۱ھ
طبع یازدہم ـــــــ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ
ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین "احسن الفتاوی" جلد سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب صفۃ الصلوٰۃ ومایتعلق بہا

تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت کرنے سے نماز نہ ہوگی:

سوال:۔ زید نے تکبیرِ تحریمہ کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لئے اور ہاتھ باندھ کر پھر زبان سے پوری نیت کرکے تعوذ وتسمیہ فاتحہ وقراءت پڑھکر نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو بھی لازم آئے گا یا نہیں؟ اور تکبیر اولیٰ باطل ہوگئی یا وہی کافی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب:

تکبیرِ تحریمہ ختم ہونے سے پہلے نیت ضروری ہے، اس لئے زید کی نماز نہیں ہوئی، اور اگر تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے قبل دل میں نماز کی نیت کرلی تھی تو اگرچہ نیتِ قلبی کی وجہ سے نماز کی ابتداء صحیح ہوگئی مگر بعد میں نیت کے الفاظ کہنے سے نماز فاسد ہوگئی، قال فی الدر المختار ولا عبرة بنية متأخرة عنها على المذهب، وقال فی رد المحتار لان الجزء الخالی عن النية لايقع عبادة فلايبنى الباقی عليه وفی الصوم جوزت للضرورة بهنسی حتى لو نوى عند قوله الله قبل اكبر لايجوز لان الشروع يصح بقوله الله فكأنه نوى بعد التكبير، حلية عن البدائع، (رد المحتار ج ۱ ص ۳۸۷) قلت هذا الفرع مبنی علی غیر الظاهر من المذهب لما قرر الشارح والمحشی فی بیان تأليف الصلوٰة ان المذهب انه لايصير شارعا بالله فقط ونص الشارح ولايصير شارعا بالمبتدأ فقط كالله وباكبر فقط هو المختار فلو قال الله مع الامام واكبر قبله اوادرك الامام راكعا فقال الله قائما واكبر راكعا لم يصح فی الاصح (رد المحتار ص ۴۴۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ذی قعدہ ۸۶ھ

زبان سے نیت کو لازم قرار دینا بدعت ہے:

سوال:۔ ہمارے دیار میں یہ عام رواج ہے کہ نمازِ جنازہ اور عیدین کی نماز شروع ہونے سے قبل ایک آدمی زور زور سے اُن کی نیتیں فارسی زبان میں کہتا جاتا ہے اور لوگ اس سے تلقین یا تعلیم

پاتے ہوئے آہستہ آہستہ وہی الفاظ کہتے ہیں، اور اسی نیت سے اپنی نماز شروع کرتے ہیں، اس کی وجہ سے تقریباً اکثر عوام اُن کی نیات خود یاد نہیں کرتے ہیں، کہ وقت پر وہ بتایا جائے گا، اگر کوئی امام اس طرح سے نیت کو آواز بلند نہ کہے اور اس تلقین سے منع کرے تو اس کو مطعون و جاہل کہا جاتا ہے، حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ جنازہ کی نماز اس نے پڑھائی ہی نہیں، ایسی صورت میں اس رواج یا فتہ عمل کے متعلق کیا کہا جائے؟ اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ یہ مسئلہ ہمارے دیار میں بہت ہی رواج پا چکا ہے، اسی پر جنازہ کی نماز کی صحت کو موقوف سمجھا جاتا ہے، اگر یہ مسئلہ احسن الفتاویٰ میں آجائے تو مناسب ہے،

الجواب باسم ملہم الصواب

قلب کی نیت بالاتفاق کافی ہے، اور اگر زبان سے بھی نیت کرنا چاہے تو اتنے مختصر الفاظ کافی ہیں کہ "نمازِ جنازہ یا نمازِ عید امام کے ساتھ پڑھتا ہوں" لمبی چوڑی نیت جو مشہور ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت ہے، لہٰذا آپ کے ہاں مروّج طریقہ کو ضروری سمجھنا اور صحتِ نماز کو اس پر موقوف قرار دینا بلاشبہ بدعت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

نماز میں زبان سے نیت کی شرعی حیثیت:

سوال: التلفظ بالنیّۃ فی الصلوٰۃ کے مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے متعدد اقوال ذکر فرمائے ہیں، بانّہ مستحبّ وقیل سنّۃ وقیل بدعۃ ثم جعل بعضہم بدعۃ حسنۃ وبعضہم بدعۃ سیّئۃ، تقریباً ہمارے فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں عام شارحین و محققین کا میلان ذلاعبرۃ بہ کا معلوم ہوتا ہے، مثل محقق ابن الہمام وغیرہ، مولانا عبدالحی لکھنوی، اور ملّا علی قاری نے بھی عدمِ ثبوت کی تصریح فرمائی ہے، بلکہ فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کوئی بھی عہدِ رسالت اور زمان مشہود لہا بالخیر تک اس کے ثبوت کا قائل نہیں، مجدّد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے وکذلک استحسن العلماء بل بعضہم فی نیۃ الصلوٰۃ النطق باللسان مع ارادۃ قلبیۃ والحال انہ لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن اصحابہ الکرام ولا عن التابعین العظام فی النیۃ النطق باللسان لا فی روایۃ صحیحۃ ولا فی روایۃ ضعیفۃ بل کانوا یکبرون للتحریمۃ عقب القیام فیکون النطق بدعۃ وقالوا انّ ذلک بدعۃ حسنۃ ویقول ہذا الفقیر انّ ہذہ البدعۃ رافعۃ للفرض فضلاً

عن السنۃ فان اکثر الناس یکتفون علیٰ ھذا التقدیر با لنطق باللسان یعنی من غیر استحضار النیۃ بالجنان ومن غیر مبالاۃ بالغفلۃ القلبیۃ عن ھذا الشأن فحینئذٍ یکون فرض من فرائض الصلوٰۃ وھو النیۃ القلبیۃ متروکا بالکلیۃ ویفضی الیٰ فساد الصلوٰۃ (مکتوبات الامام الربانی، ص۱۶۰ ج ۱ المکتوب السادس الثمانون والمأۃ)

جب سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ثبوتِ عدم کی وضاحت ملتی ہے، اور احادیثِ مبارکہ میں اس کی تصریح ہے کہ ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ، (الجامع الصغیر للسیوطی، ص۱۴۷ ج۲) تو اس کو بدعت کہنے سے کیا چیز مانع ہے؟ نیز اس میں سنیت، استحباب، کراہت اور بدعت وغیرہ کے سب اقوال کی موجودگی میں جب سنت ہونے کی نفی تصریحِ فقہاء سے ثابت ہے، اور یہ عمل دائر بین الجائز والبدعۃ ہے تو کیا بدعت کے قول کو ترجیح نہ ہوگی، کما صرح بہ الفقھاء رحمھم اللہ تعالیٰ، نیز استحباب اگر اجتماعِ عزیمت کی وجہ سے ہے جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے فرمایا ہے تو مجدد الف ثانی کے قول کے بموجب اس سے اجتماعِ عزیمت تو کیا ہوتا انتفاءِ جزءِ اعظم لازم آرہا ہے، یعنی عموماً ارادۂ قلبیہ یا اس جانب دھیان و فکر باقی ہی نہیں رہتا، اور اگر استحباب کی دلیل استحسانِ علماء ہے تو وہ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہونا چاہئے، نیز بصورتِ جواز اگر اس کو کوئی ضروری سمجھے تو کیا حکم ہے؟ بینوا بالدلیل والبرھان اجرکم الرحمٰن،

الجواب باسم ملھم الصواب

بدعتِ شرعیہ اس لئے نہیں کہ اس کو مقصود نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ذریعۂ مقصود سمجھا جاتا ہے، وھو احضار القلب، اور جس امر کو محض ذریعہ کے درجہ میں رکھا جائے اس پر بدعت کی تعریف صادق نہیں آتی، کالمدارس العربیۃ وما فیھا من الامور المحدثۃ، البتہ اس کو مقصود اور ضروری سمجھنا بلا شبہہ بدعت ہے، باقی رہی یہ بحث کہ یہ معین احضارِ قلب ہے یا کہ مُغفِلِ قلب ہے اس میں قولِ اوّل راجح معلوم ہوتا ہے ؎

ذکر آرد فکر را در اہتزاز ⁂ ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

علاوہ ازیں صحتِ صلوٰۃ کے لئے اتنا استحضار کافی ہے کہ کسی کے اچانک دریافت کرنے پر فوراً بتا سکے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۳ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

نیت میں غلطی کا حکم:

سوال :- اگر نماز کی نیت کرتے وقت ظہر کی بجائے عصر یا عشاء وغیرہ کا لفظ زبان سے نکل گیا، یا چار رکعت کی بجائے دو رکعت کہہ گیا، اور قصر کی نیت کرنی تھی لیکن پوری نماز (چار رکعات) کے الفاظ زبان سے نکل گئے، یا چار رکعات کی بجائے قصر کی نیت کرلی، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ دل میں صحیح وقت، تعداد رکعات اور قصر یا پوری نماز کی نیت تھی صرف زبان سے الفاظ ان کے خلاف نکل گئے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے بھی یہی الفاظ نکلے اور دل میں بھی یہی خیال اور نیت تھی، تو کیا ایسی صورت میں نماز شروع کرنے کے بعد نیت کی تصحیح کرسکتے ہیں یا نیت توڑ کر دوبارہ صحیح نیت کی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نیت صرف ارادہ سے ادا ہوجاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہوجائے تو بھی نماز ہوجائے گی، نیتِ قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتاسکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے، قلبی نیت میں بھی نفل، سنت اور تراویح میں کسی قسم کی تعیین کی ضرورت نہیں، مطلق نماز کی نیت کافی ہے، البتہ فرض اور واجب میں صرف اتنی تعیین ضروری ہے کہ ظہر کے فرض ہیں یا عصر کے، اور واجب میں یہ کہ وتر ہیں یا نذر، ان میں بھی دن اور تعدادِ رکعات کی نیت ضروری نہیں، بلکہ اس میں قلبی نیت کی غلطی بھی مضر نہیں، قال فی الدر والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانہ کلام لا نیۃ الا اذا عجز عن احضارہ لہموم اصابتہ فیکفیہ اللسان مجتبی وھو ای عمل القلب ان یعلم عند الارادۃ بداھۃ بلا تأمل ای صلوٰۃ یصلی فلو لم یعلم الا بتأمل لم یجز، وفی الشامیۃ (قولہ ان خالف القلب) فلو قصد الظہر وتلفظ بالعصر سہواً اجزأہ کما فی الزاھدی قہستانی اھ (قولہ ان یعلم عند الارادۃ الخ) قال الزیلعی وادناہ ان یصیر بحیث لو سئل عنہا امکنہ ان یجیب من غیر فکر، اھ (رد المحتار، ص ۳۸۶ ج ۱) وفی التنویر وکفی مطلق نیۃ الصلوٰۃ لنفل وسنۃ وتراویح والابد من التعیین عند النیۃ لفرض ولو قضاء وواجب دون عدد رکعاتہا، وفی الشرح لحصولہا ضمناً فلا یضر الخطأ فی عددھا (رد المحتار ص ۳۹۱ ج ۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الآخر ۸۹ھ

نماز کے اندر دوسری نماز کی نیت کا حکم :

سوال : اگر کوئی شخص بوقتِ ظہر بھول کر بجائے سُنتِ مؤکدہ کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے، درمیان ہی میں یاد آنے پر پھر سنتوں کی نیت دل میں کرلے تو یہ سنت ادا ہونگی یا فرض یا نماز از سرِ نو ادا کی جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے ؟ اسی طرح اگر کوئی شخص ظہر کے فرض پڑھتا ہو اور بھول کر بجائے فرض کے سنت کہہ گیا ہو درمیان میں یاد آنے پر ارادہ بدل لے کہ مجھے فرض ادا کرنے ہیں تو یہ فرض ادا ہو جائیں گے یا نہیں ؟ یا از سرِ نو فرض پڑھنا پڑیں گے جبکہ ظہر کی سنت پہلے ادا کر چکا ہو۔

اسی طرح کوئی شخص وتر پڑھتا ہو نیت کرتے وقت بجائے وتر کے سنت کہہ گیا ہو اور دعاء قنوت کے وقت یاد آیا تو اس نے وتر دل کا ارادہ دل میں کرلیا تو یہ وتر ہو گئے یا دوبارہ ادا کریں خواہ وتر تنہا پڑھ رہے ہوں یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد شرعاً کیا حکم ہے ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں فرض صحیح ہو گئے سنت بعد میں پڑھے مگر نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں اس لئے اگر دل میں سنتِ مؤکدہ پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوگی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ر ذی قعدہ سنہ ۹۹ھ

سوال متعلق بالا :

سوال : جناب کا تحریر کردہ فتویٰ صادر ہوا شکریہ، فتویٰ ہذا میں یہ امر مبہم رہ گیا کہ آپ نے فرمایا کہ نیت میں دل کا اعتبار ہے زبان کا اعتبار نہیں، اس لئے اگر دل میں سنت پڑھنے کا قصد تھا مگر زبان سے لفظ فرض کہا تو سنت ہوئی فرض نہیں ہوئے، سوال کی بقیہ صورتوں کا بھی یہی حکم ہے لیکن فتاویٰ دار العلوم ص۲۰۳ ج ۴ میں مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ بجائے سنتوں کی نیت کے فرضوں کی نیت باندھ لے اور یاد آنے پر دل ہی دل میں سنتوں کی نیت کرلی تو نماز صحیح ہوئی کہ نہیں ؟ جواب ، نیت توڑ کر پھر سے سنتوں کی نیت باندھ لے اور دوبارہ تکبیر بنیت سنت کہے۔ رجل افتتح المکتوبۃ فظن انہا تطوع فصلی علی نیۃ التطوع حتی فرغ فالصلوٰۃ ھی المکتوبۃ ولو کان الامر بالعکس فالجواب بالعکس الخ والنیۃ بدون التکبیر لیس بمخرج (عالمگیری کشوری الفصل السابع فی النیۃ ص۶۴ ج۱ و ص۶۵ ج۱)

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نماز سے قبل زبان وقلب میں اختلاف پایا جائے تو قلب کی نیت کا اعتبار ہے، زبان کی غلطی معتبر نہیں، اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد دل سے نیت بدلے تو یہ معتبر نہیں، عزیز الفتاویٰ کی تحریر کا یہی مطلب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۵ ر ذی قعدہ ۹۹ھ

سنت کی نیت میں سنتِ رسول اللہ کہنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں ؛ کوئی شخص اگر اس طرح نماز کی نیت کرتا ہے تو صحیح ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں ہے تو عربی میں کس طرح نیت کرنی چاہئے ؟ زید کہتا ہے اگر اس طرح نیت کرے تو شرک لازم آتا ہے ، اور زید عالم بھی ہے ،

صبح کی دو رکعت سنت نماز کی نیت یہ ہے ؛ نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْنِ صَلٰوۃَ الْفَجْرِ سُنَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ،

الجواب باسم ملہم الصواب

نیت کے لئے اتنے طویل الفاظ کی ضرورت نہیں ، دل کی نیت کافی ہے ، زبان سے نیت کرنا چاہے تو فرض نماز کے لئے صرف اتنے الفاظ کافی ہیں کہ ظہر یا عصر کے فرض پڑھتا ہوں ، نہ رکعات کی تعیین ضروری نہ دن کی ، اور نہ وقتی فرض کہنے کی ضرورت ، اور واجب میں صرف وتر یا نذر کی نیت کافی ہے ، سنت اور نفل کی نیت میں سنت یا نفل کہنے کی بھی ضرورت نہیں ، مطلق نماز کی نیت کافی ہے ، معہذا اگر کسی نے نیت میں سنتِ رسول اللہ کے الفاظ کہدیئے تو اس میں کوئی حرج نہیں ، اس کو شرک بتانا جہالت ہے ، اس لئے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت مقصود نہیں ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ نماز سنت سے ثابت ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۱۵ / محرم سنہ ۹۳ھ

بوقت تکبیرِ تحریمہ انگلیوں کی کیفیت :

سوال :- تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں کھلی رکھے یا ملاکر ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملہم الصواب

تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی ، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے ، انگوٹھوں کو کانوں کی لَو سے لگائے ، اور ہتھیلیوں کو قبلہ رُخ کرے ، قال فی التنویر وسنتہا رفع الیدین للتحریمۃ ونشر الاصابع ، وفی الشرح ای ترکہا بحالہا وفی الشامیۃ (قولہ ای ترکہا بحالہا) قال فی الحلیۃ ظنّ بعضہم انہ اراد بالنشر تفریج الاصابع وھو غلط بل اراد بہ النشر عن الطی ، یعنی یرفعہما منصوبتین لامضمومتین حتی تکون الاصابع مع الکف مستقبلۃ للقبلۃ ثم لا یخفی انہ لا تتوقف السنّۃ علی ضم الاصابع اولا بل لو کانت منشورۃ غیر متفرجۃ کل التفریج ولا مضمومۃ کل الضم ثم

رفعهما كذلك مستقبلاً ببهما القبلة فقد اتی بالسنة اھ (رد المحتار ص ۳۴۴ ج ۱)
وفی التنویر ورفع يديه ماسًّا بابهاميه شحمتی اذنيه وقال الشارح هو المراد بالمحاذاة لانها لا تتيقن الا بذلك ويستقبل بكفيه القبلة وقيل خديه (رد المحتار ص ۳۴۳ ج ۱)
فقط والله تعالیٰ اعلم
۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ

تکبیر تحریمہ ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے:

سوال :- تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں تین قول ہیں:-
(۱) ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے،
(۲) ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے، رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتداء کرے اور اس کے ختم پر تکبیر ختم کرے،
(۳) ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے یہی راجح ہے، قال فی العلائية ورفع يديه قبل التكبير وقيل معه فی الشامية الاول نسبه فی المجمع الی ابی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وفی غاية البيان الی عامة علمائنا وفی المبسوط الی اكثر مشايخنا وصححه فی الهداية والثانی اختاره فی الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط بان يبدأ بالرفع عند بداءته التكبير ويختم به عند ختمه وعزاه البقالی الی اصحابنا جميعًا ورجحه فی الحلية وثمة قول ثالث وهو انه بعد التكبير والكل مروی عنه عليه الصلوٰة والسلام وما فی الهداية اولیٰ كما فی البحر والنهر ولذا اعتمده الشارح فافهم (رد المحتار ص ۳۴۵ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۴ صفر ۱۳۸۹ھ

ٹوپی سے نماز پڑھنا:

سوال :- زید کہتا ہے کہ ٹوپی سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ ٹوپی ثیابِ بذلہ سے ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟
بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

زید کا قول صحیح نہیں، کیونکہ اوّلاً تو ٹوپی کا ثیاب بذلہ سے ہونا مسلم نہیں، ثیاب بذلہ اس لباس کو کہا جاتا ہے جس سے انسان مجلس میں آنے جانے میں عار سمجھتا ہو، اگر کوئی شخص ٹوپی پہن کر مجلس میں آتا جاتا ہو اس کے لئے ٹوپی ثیاب بذلہ سے نہیں، ثانیاً ثیاب بذلہ میں نماز مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے، کما فی الشامیۃ (قولہ وصلٰوتہ فی ثیاب بذلۃ) قال فی البحر وفسرھا فی شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذھب الی الاکابر والظاھر ان الکراھۃ تنزیھیۃ اھ (رد المحتار ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الآخر ۷۳ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ٹوپی سے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی شرح التنویر فی مکروھات الصلوٰۃ وصلٰوتہ حاسراً ای کاشفاً رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل واما للاھانۃ بھا فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتھا افضل وقال فی الشامیۃ وفی الدر عن التاترخانیۃ والظاھر ان افضلیۃ اعادتھا حیث لم یقصد بترکھا التذلل علیٰ ما مر (شامیۃ ج۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلا تکاسل برہنہ سر نماز پڑھنے میں بھی کراہت نہیں تو ٹوپی سے پڑھنا بطریق اولیٰ مکروہ نہ ہوگا، نیز "ولو سقطت قلنسوتہ الخ" پر شارح کا ٹوپی سے نماز پڑھنے پر کراہت کا حکم نہ لگانا عدمِ کراہت پر بیّن دلیل ہے، لان السکوت فی معرض البیان بیان، جن عبارات سے کراہت معلوم ہوتی ہے وہ اس شخص پر محمول ہیں جو ٹوپی سے مجلس میں نہ آتا جاتا ہو اور اسے ثیاب بذلہ سے سمجھتا ہو،

مختلف روایات سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلافِ امت کا ٹوپی سے نماز پڑھنا ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے وضع ابو اسحٰق قلنسوتہ فی الصلوٰۃ ورفعھا (بخاری ص۱۵۹ ج۱) کان القوم یسجدون علی العمامۃ والقلنسوۃ (بخاری ص۵۶ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الآخر ۷۳ھ

سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے :

سوال :- ایک شخص نماز پڑھتے وقت سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر نہیں رکھتا اس غرض سے کہ پیشانی پر داغ نہ پڑجائے، اس کی نماز درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ،

الجواب ومنه الصدق والصواب

پیشانی کا اکثر حصہ اور ناک زمین پر رکھنا واجب ہے ، لہٰذا اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا ، قال فی الشامیة فی فصل فی بیان تألیف الصلوٰة الی انتہاءھا تحت (قوله ووضع اکثرها واجب الخ) اختلف هل الفرض وضع اکثر الجبهة ام بعضها وان قل قولان ارجحهما الثانی نعم وضع اکثر الجبهة واجب للمواظبة، وایضا تحت (قوله کما حررناه فی شرح الملتقی) فالاشبه وجوب وضعهما معًا ای الجبهة والانف) وکراهة ترك وضع کل تحریمًا الخ (رد المحتار ج ۱) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم ،

۱۱ رجمادی الاولیٰ ۷۴ھ

قومہ وجلسہ اور ان میں تعدیل واجب ہی :

سوال :- قومہ وجلسہ اور تعدیل ارکان سنت ہی یا واجب ؟ اور سہوًا ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا ،

الجواب ومنه الصدق والصواب

راجح قول وجوب کا ہے ، لہٰذا سہوًا ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا ، قال فی الشامیة ومقتضی الدلیل وجوب الطمانینة فی الاربعة ای فی الرکوع والسجود وفی القومة والجلسة ووجوب نفس الرفع من الرکوع والجلوس بین السجدتین للمواظبة علی ذلك کله وللامر فی حدیث المسیء صلوته ولما ذکره قاضی خان من لزوم السجود بالسهو بترك الرفع من الرکوع ساهیًا الخ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۳۳) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم ،

۱۸ محرم ۷۵ھ

توہم فساد کی بنا پر مغرب اور وتر کے اعادہ میں چار رکعات پڑھے :

سوال :- توہم فساد کی بنا پر احتیاطًا قضاء صلوٰۃ سے متعلق درمختار باب النوافل میں صلوٰۃ علی الدابة سے چند سطور پہلے یہ عبارت ہے : وما نقل ان الامام قضی صلوٰة عمره فان صح فنقول کان یصلی الوتر والمغرب اربعًا بثلاث قعدات الخ ، اس میں یہ شبہہ ہی کہ اگر

مغرب کی پہلی نماز صحیح ہے تو اعادہ میں چار نوافل میں سے تیسری رکعت پر قعدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہونا چاہئے، اور اگر پہلی نماز صحیح نہیں ہوئی بلکہ اعادہ صحیح ہے تو ایک تو تیسری رکعت کے بعد تاخیر سلام کی وجہ سے سجدۂ سہو ہونا چاہئے، دوسرے یہ کہ رکعت رابعہ نفل ہوگی، اور نفل شروع کرنے کے بعد شفع واجب ہو جاتا ہے تو اس کا تدارک کیسے ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

سجدۂ سہو عمداً میں نہیں ہوتا، اس لئے مذکورہ صورتوں میں اس کے وجوب کی کوئی وجہ نہیں، اور نوافل میں بعد الشروع اتمام شفع تب واجب ہوتا ہے کہ نوافل کو قصداً شروع کرے، اور صورت مذکورہ اس میں داخل نہیں، قال فی شرح التنویر ولو سہا عن القعود الاخیر عاد مالم یقیدها بسجدة وان قیدها تحول فرضه نفلا برفعه وضم سادسة ولو فی العصر والفجر ان شاء لاختصاص الکراهة والاتمام بالقصد، وفی الشامیة (قوله لاختصاص الکراهة الخ) جواب عما قد یقال ان النفل بعد العصر الفجر مکروه وفی غیرهما وان لم یکره لکن یجب اتمامه بعد الشروع فیه فکیف قلت ولو بعد العصر و الفجر وقلت انه مخیر ان شاء ضم والا فلا والجواب انه لم یشرع فی هذا النفل قصدا وماذکرته من الکراهة ووجوب الاتمام خاص بالنفل قصدا، وایضا فی الشرح ولا اعادة لو قطع وفی الحاشیة ای لایلزمه القضاء لو لم یضم وسلم لانه لم یشرع به مقصودا کما مر (رد المحتار، باب سجود السهو) باب النوافل میں بھی لزوم نفل شرع فیه قصدا مقید بالقصد ہے، مطلقاً ہر شروع سے لزوم کا حکم نہیں دیا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم
۲۲ رجب ۷۵ھ

مغرب یا وتر میں سجدۂ سہو نہ کیا تو بوقت اعادہ کتنی رکعات پڑھے؟

سوال:۔ مغرب یا وتر میں سجدۂ سہو واجب ہوا، مگر سجدہ نہ کیا، تو بوقت اعادہ تین رکعات

ـــہ فیه انه ان دام علی النفل المشروع بغیر قصد یجب اتمامه ایضا اما عدم الوجوب ففی صورة نقضه فی الحال کذا فی الشامیة ج ۱ ص ۵۱۶ والجواب ان الدوام یوجب الاتمام لانه یدل علی الالتزام وههنا لیس کذلک لکنه لایرید الالتزام الجدید بل اراد جبر النقصان والخروج عن العهدة ۱۲ منه

پڑھے یا کہ چار؟ بینوا بالبرھان اٰجرکم الرحمٰن،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر وقت کے اندر اعادہ کیا تو تین رکعات ہی پڑھے، کیونکہ اعادہ واجب ہے، اور اگر بعد از وقت اعادہ کیا تو یہ اعادہ صاحبِ بحر کے نزدیک مستحب ہے واجب نہیں، اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ چار رکعت تین تعدات کے ساتھ پڑھے، جیساکہ توہم فساد کے وقت اعادہ کا حکم ہے، مگر شامیہ باب قضاء الفوائت ج ۱ ص ۶۷۸ میں قبل از خروج وقت یا بعد از خروج، بہر کیف اعادہ کے وجوب کو ثابت کیا ہے، یہی بحث واجبات الصلوٰۃ اور باب سجود السہو میں بھی ہے، پس قول مختار کی بنا پر بہرحال اعادہ میں تین رکعت ہی پڑھے، غرضیکہ اس کا مدار وجوب اعادہ و عدم وجوبہا پر ہے، بعض نے جو اس کا مدار یہ قرار دیا ہے کہ "صلوٰۃ واجب الاعادہ میں صلوٰۃ اُولیٰ فرض ہے یا ثانیہ" یہ صحیح نہیں، کیونکہ اگر صلوٰۃ اولیٰ کو فرض تسلیم کیا جائے تب بھی صلوٰۃ معادہ جبر نقصان کے لئے واجب تو ضرور ہے، اور وجوب تثلیث کے منافی نہیں، (کما فی الوتر) لہٰذا چار رکعات کی حاجت نہیں، صلوٰۃ اُولیٰ کی فرضیت کے قائلین کا یہ مطلب نہیں کہ صلوٰۃ ثانیہ محض نفل ہے، شرح التنویر میں ہے: والمختار انہ جابر للاول لان الفرض لایتکرر، وفی الشامیۃ ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلۃ الجبر بسجود السہو الخ معلوم ہوا کہ صلوٰۃ ثانیہ سجدۂ سہو کی طرح جابر اور واجب ہے، بلکہ شامی نے باب قضاء الفوائت ص ۶۷۹/ج ۱ میں تصریح کی ہے کہ جو فریق صلوٰۃ اولیٰ سے سقوطِ فرض کا قائل ہے وہ صلوٰۃ ثانیہ بھی فرض ہی کہتا ہے، پوری تفصیل شامیہ میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ رجب ۷۵ھ

ہیئتِ رکوع میں مرد اور عورت میں فرق:

سوال:- ماقولکم رحمکم اللہ ھل تفارق المرأۃ الرجل فی ھیئۃ رکوع الصلوٰۃ ام لا؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

بینہما فرق ذکرہ الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کما قال فی الشامیۃ تحت (قولہ ولیسق ان یلصق کعبیہ) ھذا کلہ فی حق الرجل اما المرأۃ فتنحنی فی الرکوع یسیراً

؎۵ عورت رکوع میں مردوں کی طرح پشت کو برابر نہ کرے بلکہ کچھ انحناء کرے زیادہ نہ جھکے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر گھٹنوں پر رکھے، مردوں کی طرح انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو پکڑے نہیں اور گھٹنوں کو قدرے جھکائے اور کہنیوں کو پہلوؤں سے ملائے ۱۲ منہ

ولا تفرج ولکن تضم وتضع یدیہا علی رکبتیہا وضعًا وتحنی رکبتیہا ولا تجافی عضدیہا لان ذلک استر لہا وفی شرح الوجیز الخنثیٰ کالمرأۃ اھ، (رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الاول ۷۶ھ

سوتے شخص کو نماز کے لئے جگانا:

سوال:۔ سوتے ہوئے آدمی کو نماز کے وقت جگانا واجب ہے یا نہیں؟ نیز جب نماز کا وقت شروع ہوجائے تو اس وقت سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو سوتے ہوئے شخص کو جگانا واجب ہے، البتہ اگر یہ شخص مریض ہو اور جگانے سے تکلیف کا خطرہ ہو تو جگانا واجب نہیں، نماز کا وقت شروع ہوجانے کے بعد سونا اس شرط سے جائز ہے کہ نماز فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو، خود بیدار ہوجانے کا یقین ہو یا کوئی بیدار کرنیوالا موجود ہو، وقت نماز سے قبل سونا بہر کیف جائز ہے، قال فی الرد لایجب انتباہ النائم فی اول الوقت ویجب اذا ضاق الوقت نقلہ البیری فی شرح الاشباہ عن البدائع من کتب الاصول وقال لم نرہ فی کتب الفروع، فاغتنمہ اھ، قلت لکن فیہ نظر لتصریحہم بانہ لایجب الاداء علی النائم اتفاقًا فکیف یجب علیہ الانتباہ روی مسلم فی قصۃ التعریس عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی النوم تفریط (الی قولہ) انہ بنومہ قبل الوقت لایکون مؤخرًا وعلیہ فلا یأثم واذا لم یأثم لایجب انتباھہ اذ لو وجب لکان مؤخرًا لہا واثما بخلاف اذا نام بعد دخول الوقت ویمکن حمل ما فی البیری علیہ (رد المحتار ص ۲۳۲ ج ۱ باب المواقیت) وفی صوم الشامیۃ ومثل اکل الناسی النوم عن صلوٰۃ لان کلا منہما معصیۃ فی نفسہ کما صرح انہ یکرہ السہر اذا خاف فوت الصبح لکن الناسی او النائم غیر قادر فسقط الاثم عنہما لکن وجب علی من یعلم حالہما تذکیر الناسی وایقاظ النائم الا فی حق الضعیف عن الصوم مرحمۃ لہ (رد المحتار ص ۱۰۶ ج ۲) روی انہ علیہ السلام دخل المسجد فرای نائما فقال یا علی نبہہ لیتوضأ فایقظہ علی ثم قال علی یا رسول اللہ انک سباق الی الخیرات فلم لم تنبہہ قال لان ردہ علی کفر وردہ علیک لیس بکفر ففعلت ذلک لتخف جنایتہ لو ابی (تفسیر کبیر ص ۱۲۹ ج ۸، سورۃ القدر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شوال ۸۲ھ ہجری

لفظ "السلام" کہنے سے نماز سے خارج ہوگیا :

سوال :- کیا فرماتے ہیں بزرگانِ دین مسئلۂ ذیل میں کہ نماز سے خروج کے لئے السلام علیکم کہنا واجب ہے تو قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

علیکم سے قبل ہی صرف السلام کا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے ، لما فی واجبات الصلوٰة من شرح التنویر ولفظ "السلام" مرتین والثانی واجب علی الاصح برهان ، دون "علیکم" وتنقضی قدوة بالاول قبل علیکم علی المشهور عندنا وعلیه الشافعیة وفی رد المحتار (قوله وتنقضی قدوة بالاول) ای بالسلام الاول ، قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوٰته فلما قال "السلام" جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول "علیکم" لا یصیر داخلاً فی صلوٰته لان هذا سلام (رد المحتار ص۴۳۶ ج۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۷ محرم ۸۶ھ

بدون نماز سجدہ کا حکم :

سوال :- شریعتِ مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ خارج نماز میں سجدۂ تلاوت کے سوا اور کسی قسم کا سجدہ جائز ہے یا نہیں ؟ نیز نماز کے بعد سجدہ کی کراہت فقہاء نے لکھی ہے کیا وہ تسبیحاتِ فاطمہ کے بعد سجدہ کرنے کو بھی شامل ہے ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

قال شارح التنویر رحمه الله تعالیٰ وسجدة الشکر مستحبة وبه یفتی لکنها تکره بعد الصلوٰة لان الجهلة یعتقدونها سنة او واجبة وکل مباح یؤدی الیه فمکروه ، وفی الشامیة وهی لمن تجددت عنده نعمة ظاهرة او رزقه الله تعالیٰ مالاً او ولداً او اندفعت عنه نقمة ونحو ذلك یستحب له ان یسجد لله تعالیٰ شکراً (قوله لکنها تکره بعد الصلوٰة) الضمیر للسجدة مطلقاً قال فی شرح المنیة آخر الکتاب عن شرح القدوری للزاهدی اما بغیر سبب فلیس بقربة ولا مکروه (الی قوله) وحاصله ان ما لیس لها سبب لا تکره ما لم یؤد فعلها الی اعتقاد الجهلة سنیتها کالتی یفعلها بعض الناس بعد الصلوٰة الخ (قوله فمکروه) الظاهر انها

تحریمیۃ لانہ ید خل فی الدین مالیس منہ ط (رد المحتار، ص ۳۱ ۷ ج ۱)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے :۔

① سجدۂ شکر کو اگرچہ بعض نے مکروہ لکھا ہے مگر مفتی بہ قول پر یہ صرف اس وقت مستحب ہے جب کسی خاص نعمت جدیدہ کا ظہور ہو، بدون اس کے مستحب نہیں، اگرچہ مکروہ بھی نہیں،

② سجدۂ دعاء وغیرہ اس شرط سے جائز ہے کہ اس کی عادت نہ کرے، اور سنت یا مستحب نہ سمجھے اور عوام کے لئے فساد عقیدہ کا باعث نہ ہو،

③ نماز کے بعد ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۂ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، نماز کے بعد کی تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر بھی اس مقام پر سجدہ جائز نہیں، کیونکہ :۔

①۔۔۔ حدیث میں ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی جب تک اس مقام پر رہتا ہے اور کوئی امر نماز کے خلاف نہیں کرتا اس وقت تک وہ گویا نماز میں ہی ہے،

②۔۔۔ اگر سہواً کوئی نماز کا رکن چھوٹ گیا اور اس حالت میں یاد آگیا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس رکن کو ادا کر کے سجدۂ سہو کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے،

③۔۔۔ عرف میں بعد التسبیحات کو بھی بعد الصلوٰۃ ہی سمجھا جاتا ہے،

④۔۔۔ مواضع اجابت دعاء میں دعاء بعد الصلوٰۃ بھی ہے، اور تسبیحات فاطمہ کے بعد ہونے والی دعاء کو بالاتفاق دعاء بعد الصلوٰۃ ہی شمار کیا جاتا ہے،

⑤۔۔۔ علت نہی یعنی خطرۂ فساد اعتقاد سجدہ بعد التسبیحات میں بھی موجود ہے،

⑥۔۔۔ عوام کا معمول جس کو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مکروہ فرمایا ہے یہ ہے کہ تسبیحات کے بعد سجدہ کرتے ہیں، نماز کے بعد فوراً سجدہ کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا گیا،

غرضیکہ نماز کے بعد جب تک اسی مقام اور ہیئت پر قائم ہے اُس وقت تک کسی قسم کا کوئی سجدہ جائز نہیں، البتہ اگر کوئی شخص کبھی خلوت میں نماز کے بعد سجدہ کرے مگر عادت نہ کرے، اور اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے تو جائز ہے، پس نماز کے بعد جواز سجدہ کے لئے تین شرائط ہیں :۔

① خلوت ہو کہ اسے کوئی عامی شخص نہ دیکھ رہا ہو،

② اس کی عادت نہ بنائے،

③ اس کو سنت یا مستحب نہ سمجھے یعنی بعد نماز سجدہ کرنے میں دوسرے اوقات کی بنسبت زیادہ ثواب نہ سمجھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ سنہ ۸۶ ھ

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ مکروہ تحریمی ہے:

سوال :۔ نماز کے بعد متصل ہی یا کچھ وقفہ سے یا علاوہ نماز کے سجدہ میں دعاء مانگنے کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی صورت میں ہاتھ کس طرح رکھے جائیں ؟ جس طرح دعاء مانگتے وقت عموماً رکھے جاتے ہیں (کہ ہتھیلی اوپر کی طرف رہتی ہے) یا جس طرح سجدے میں رکھے جاتے ہیں (کہ ہتھیلی زمین کی جانب رہتی ہے) بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز کے بعد متصل ہر قسم کا سجدہ حتیٰ کہ سجدۂ تلاوت بھی مکروہ تحریمی ہے، دوسرے حالات میں دعاء کے لئے سجدہ جائز ہے، مگر اس کا التزام بدعت ہے، (تفصیل مسئلہ بالا میں ملاحظہ ہو، مرتب)

سجدہ میں دعاء کے وقت ہتھیلی زمین کی طرف رکھنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رجمادی الاولیٰ ۹۸ھ

درود میں "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے:

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف اللّٰھم صل علی محمد کہنا افضل ہے یا اللّٰھم صل علی سیدنا محمد کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ "سیدنا" کا اضافہ افضل ہے، قال فی الدر وندب السیادة لان زیادة الاخبار بالواقع عین سلوك الادب فھو افضل من ترکه ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ وقال المحشی (قوله ذکرہ الرملی الشافعی) ای فی شرحه علی منهاج النووی وعبارته الا فضل الاتیان بلفظ السیادة کما قاله ابن ظھیرة وصرح به جمع وبه افتی الشارح لان فیه الاتیان بما امرنا به وزیادة الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکه اھ (الی قوله) وانه یأتی بھا مع ابراھیم علیه السلام، (رد المحتار، ص ۴۷۹، ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ ر رجب ۸۶ھ

نماز سے خروج بالاختیار فرض ہے اور سلام واجب ہے:

سوال :۔ خروج بصنع المصلی کا کیا حکم ہے؟ نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے یا سنت؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

خروج بصنعہ فرض ہے، وجوب کا قول بھی ہے، مگر قول اوّل راجح ہے، اور لفظ "سلام" سے خروج واجب ہے، قال فی رد المحتار وقد انتصر العلامۃ الشرنبلالی للبردعی فی رسالتہ المسائل البہیۃ الزکیۃ علی الاثنی عشریۃ بانہ قد مشی علی افتراض الخروج بصنعہ صاحب الہدایۃ وتبعہ الشراح وعامۃ المشایخ واکثر المحققین والامام النسفی فی الوافی والکافی و الکنز وشروحہ وامام اہل السنۃ الشیخ ابو منصور الماتریدی (رد المحتار، ص۴۱۸ ج۱) وفی واجبات الصلوٰۃ من الدر المختار ولفظ السلام مرتین (رد المحتار، ص۴۳۶ ج۱)،

واضح رہے کہ سلام اوّل میں صرف لفظ السلام کہنے سے نماز سے فراغت ہوجاتی ہے، مگر سلام ثانی بھی واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۶ھ

قومہ وجلسہ میں دعاء ماثور:

سوال:- قومہ اور جلسہ کے اندر دعاء پڑھنا کیسا ہے؟ نیز فرائض اور نوافل میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قومہ اور جلسہ میں دعاء ماثور پڑھنا مستحب ہے، فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں، البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے، قال فی الشامیۃ قال ابو یوسف سألت الامام أیقول الرجل اذا رفع رأسہ من الرکوع والسجود اللّٰہم اغفر لی قال یقول ربنا لک الحمد وسکت ولقد احسن فی الجواب اذ لم ینہ عن الاستغفار، نہر وغیرہ اقول بل فیہ اشارۃ الی انہ غیر مکروہ اذ لو کان مکروھًا لنہی عنہ کما ینہی عن القراءۃ فی الرکوع والسجود وعدم کونہ مسنونًا لاینافی الجواز کالتسمیۃ بین الفاتحۃ والسورۃ بل ینبغی ان یندب الدعاء بالمغفرۃ بین السجدتین خروجًا من خلاف الامام احمد لابطالہ الصلوٰۃ بترکہ عامدًا ولم ار من صرح بذلک عندنا لکن صرحوا باستحباب مراعاۃ الخلاف، (وبعد اسطر) عن الحلیۃ علی انہ ان ثبت فی المکتوبۃ فلیکن فی حالۃ الانفراد اوالجماعۃ والمأمومون محصورون لایتثقلون بذلک کما نص علیہ الشافعیۃ ولاضرر فی التزامہ وان لم یصرح بہ مشایخنا الخ (رد المحتار ص۴۲۳ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الاول سنہ ۸۶ھ

گونگا نماز کیسے پڑھے؟

سوال :- گونگا اور بہرا جوکہ مادرزاد بہرا ہے نہ بات کرسکتا ہے نہ سن سکتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

گونگا تکبیرِ تحریمہ اور قراءت کے لئے زبان ہلائے، بعض نے اس کو فرض قرار دیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زبان ہلانا فرض نہیں ہے مستحب ہے، قال فی الدر ولا یلزم العاجز عن النطق کاخرس وامی تحریك لسانه وكذا فی حق القراءة هو الصحیح لتعذر الواجب فلا یلزم غیره الا بدلیل فتکفی النیة (الی قوله) ثم فی الاشباه فی قاعدة التابع تابع فالمفتی به لزومه فی تکبیرة وتلبیة لا قراءة، وفی الشامیة اقول عبارة الاشباه علی ما رأیته فی عدة نسخ ومما خرج ای عن القاعدة الاخرس یلزمه تحریك اللسان فی تکبیرة الافتتاح والتلبیة علی القول به واما بالقراءة فلا علی المختار اھ وفی بعض النسخ علی المفتی به بدل قوله علی القول به والاولی احسن لموافقها لما ذکره صاحب الاشباه فی بحره عند قوله فرضها التحریمة حیث نقل تصحیح عدم الوجوب فی التحریمة وجزم به فی المحیط ولکن یحتاج الی الفرق بین التحریمة والتلبیة فانه نص محمد علی انه شرط فی التلبیة وقال فی المحیط یستحب کما فی الصلوٰة کذا فی شرح لباب المناسك ثم قال قلت فینبغی ان لا یلزمه فی الحج بالاولی لان القراءة فرض قطعی والتلبیة امر ظنی (رد المحتار، ص ۳۵۰ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رشوال ۹۶ھ

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے:

سوال :- زید نے نماز میں درود شریف قصداً نہ پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے نماز ہوگئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز ہوجائے گی، کیونکہ درود شریف پڑھنا سنت ہے، اور سنت کے ترک سے نماز ہوجاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہٰذا جلدی کی صورت میں بھی

اللّٰھم صل علیٰ محمد تک پڑھ لینا چاہئے، قال فی الدر وسنۃ فی الصلوٰۃ ومستحبۃ فی کل اوقات الامکان وفی الشامیۃ (قولہ سنۃ فی الصلوٰۃ) ای فی قعود اخیر مطلقا وکذا فی قعود اوّل فی النوافل غیر الرواتب تأمل وفی صلوٰۃ الجنازۃ (رد المحتار ص ۳۸۳ ج ۱)، وفی سنن الصلوٰۃ من الدر (ترک السنۃ لا یوجب فسادًا ولا سهوًا بل اساءۃ لو عامدًا غیر مستخف وفی الشامیۃ فلو غیر عامد فلا اساءۃ ایضًا بل تندب اعادۃ الصلوٰۃ کما قدمناہ فی اوّل بحث الواجبات (رد المحتار ص ۴۴۲ ج ۱) ونصہ هناك اقول وقد ذکر فی الامداد بحثًا ان کون الاعادۃ بترك الواجب واجبۃ لا یمنع ان تکون الاعادۃ مندوبۃ بترك السنۃ اھ ونحوہ فی القهستانی بل قال فی فتح القدیر والحق التفصیل بین کون تلك الکراهۃ کراهۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیه فتستحب اھ (رد المحتار ص ۴۲۵ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۱۷ صفر سنہ ۸۷ھ

تشہد میں انگلی کا اشارہ مستحب ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اشارہ بالسبابہ کرنا کیسا ہے، سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اشارہ بالمسبحہ مستحب ہے، محیط میں اسے سنت لکھا ہے، مراد سنت غیر مؤکدہ ہے، کما فی شرح التنویر وفی العینی عن التحفۃ الاصح انها مستحبۃ وفی المحیط سنۃ وفی رد المحتار ویمکن التوفیق بانها سنۃ غیر مؤکدۃ (رد المحتار ص ۴۷۶ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۹۰ھ

تشہد میں عقد اشارہ کی کیفیت:

سوال :- تشہد میں انگلی کے اشارہ کے وقت انگلیوں کا حلقہ کس طرح بنایا جائے؟ نیز اشارہ کے بعد انگلی اسی حالت پر رہے یا گرا دی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

درمیان کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں کو ملا کر حلقہ بنایا جائے، قال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وفی القهستانی وعن اصحابنا جمیعًا انہ سنۃ فیحلق ابهامہ الیمنی ووسطاها ملصقا رأسہ برأسها ویشیر بالسبابۃ اھ (رد المحتار ص ۴۷۵ ج ۱) اشارہ کے بعد کی کیفیت

کے متعلق عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "یضعھا" کے الفاظ ہیں، اس سے انگلی کو بالکلیہ گرا دینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکا دینا مراد ہے، صرح بہ الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ لروایۃ ابی داؤد والنسائی (انغا اصبعہ السبابۃ وقد حناھا شیئا ای امالھا (تزیین العبارۃ بتحسین الاشارۃ لعلی القاری، ص ۸) امداد الفتاویٰ میں اس سے متعلق مفصل بحث ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۹۰ھ

بیٹھکر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کی حد :

سوال :۔ فی کتاب نفع المفتی والسائل صلی النفل قاعداً فکیف یرکع فیہ ؟ المستحب ان یرکع بحیث یحاذی جبھتہ قدام رکبتیہ، نقلہ الشامی عن حاشیۃ الفتال عن البرجندی، اس کی صورت کیسی ہے اور اس سے کیا مراد ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عبارتِ مذکورہ کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے سامنے قبلہ کی طرف اتنی نیچے جھک جائے کہ گھٹنوں کے برابر ہوجائے، یعنی گھٹنوں اور پیشانی کا فاصلہ زمین سے برابر ہو، مگر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیۂ در میں ابوالسعود سے اور حاشیۂ مراقی الفلاح میں حموی سے یحاذی جبھتہ رکبتیہ نقل کیا ہے، قدام کا لفظ نہیں، جس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ جبہہ گھٹنوں کے اوپر کی سیدھ میں آجائے، مزید بریں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ رکوع میں اتنا نہ جھکے کہ سجدہ کے قریب ہوجائے، ونصہ وفی الحموی فان رکع جالسا ینبغی ان یحاذی جبھتہ رکبتیہ لیحصل الرکوع اھ، ولعل مرادہ انحناء الظھر عملاً بالحقیقۃ لا انہ یبالغ فیہ حتی یکون قریباً من السجود (طحطاوی علی المراقی، ص ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ ذی قعدہ سنہ ۸۹ھ

نماز میں قیام عورت پر بھی فرض ہے :

سوال :۔ عورتیں عموماً بیٹھکر نماز پڑھتی ہیں، یا کھڑی ہو کر شروع کرتی ہیں مگر دوسری رکعت میں بیٹھ جاتی ہیں، اگر فرض کی یا واجب کی نمازوں کی ایک رکعت بیٹھکر پڑھ لی تو نماز ادا ہوئی یا نہیں، یا سجدۂ سہو سے تلافی ہوجائے گی ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ادا نہیں ہوئی، اور سجدۂ سہو سے بھی تلافی نہ ہوگی، اس لئے کہ فرض اور واجب بلکہ

سنتِ مؤکدہ میں بھی قیام مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے، قال فی رد المحتار تحت (قولہ وسنۃ فجر فی الاصح عن الحلیۃ فلو صلی التراویح قاعداً بلا عذر قیل لا تجوز قیاساً علی سنۃ الفجر فان کلا منہما سنۃ مؤکدۃ وسنۃ الفجر لا تجوز قاعداً من غیر عذر باجماعہم، کما ھو روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ کما صرح بہ فی الخلاصۃ فکذا التراویح وقیل یجوز والقیاس علی سنۃ الفجر غیر تام فان التراویح دونہا فی التاکید فلا تجوز التسویۃ بینہما فی ذلک قال قاضیخان وھو الصحیح اھ (رد المحتار ص ۴۴۴ ج ۱) عورتوں کی اس جہالت کا علاج اور ان میں صحیح مسئلہ کی اشاعت مردوں پر فرض ہے، ورنہ نماز صحیح نہ ہونے کے عذاب میں یہ بھی شریک ہوں گے، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم، ۲ ربیع الاول ۹۳ھ

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں:

سوال:۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ، ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہو اس لئے ہاتھ پہلے رکھنا چاہے تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں، تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے گھٹنوں میں نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ تحت (قولہ واضعاً رکبتیہ ثم یدیہ) ویضع الیمنی منہما اولاً ثم الیسریٰ کما فی القہستانی لکن الذی فی الخزائن واضعاً رکبتیہ ثم یدیہ الا ان یعسر علیہ لاجل خف اوغیرہ فیبدأ بالیدین ویقدم الیمنی اھ ومثلہ فی البدائع والتاترخانیۃ والمعراج والبحر وغیرھا ومقتضاہ ان تقدیم الیمنی انما ھو عند العذر الداعی الی وضع الیدین اولاً وانہ لا تیامن فی وضع الرکبتین وھو الذی یظھر لعسر ذلک، (رد المحتار ص ۴۶۵ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ محرم ۹۱ھ

نماز کا فدیہ:

سوال:۔ ایام مرض میں تقریباً ایک سال کی نمازیں ذمہ رہ گئیں، بیماری سے پہلے بھی نمازیں پوری نہیں تھیں، اس میں گندم یا نقد دینا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں ہی دے سکتے ہیں، دن میں مع وتر کے چھ نمازیں ہیں، ایک نماز کا فدیہ ۲ء۲۳ ۲ کلوگرام گندم ہے، گیہوں کی قیمت کے برابر اور کوئی چیز دینا چاہیں تو وہ بھی دے سکتے ہیں، مگر نقد دینا افضل ہے، قال فی العلائیۃ ومالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ (الیٰ قولہ) ودفع القیمۃ ای الدراھم افضل من دفع العین علی المذھب المفتیٰ بہ، جوھرۃ وبحر عن الظھیریۃ۔ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ای الدراھم) ولعلہ اقتصر علی الدراھم تبعاً للزیلعی لبیان انہا افضل عند ارادۃ دفع القیمۃ لان العلۃ فی افضلیۃ القیمۃ کونہا اعون علی دفع حاجۃ الفقیر (رد المحتار ص۸۴ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ صفر سنہ ۹۱ھ

سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ:

سوال:۔ آپ نے فرمایا تھا کہ قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے وقت سیدھا نیچے جانا چاہئے، اس کی قدرے تفصیل تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سجدہ کی طرف جاتے وقت کمر بالکل سیدھی رکھنا چاہئے، گھٹنے زمین پر رکھنے سے پہلے کمر میں خم نہ آنے پائے، اگر تھوڑا سا بھی جھکا تو رکوع میں تکرار لازم آئے گا، قال فی الشامیۃ ویخر للسجود قائماً مستویاً لامنحنیاً لئلا یزید رکوعاً اخریٰ یدل علیہ مافی التاترخانیۃ لو صلی فلما تکلم فذکرانہ ترک رکوعاً فان کان صلی صلوٰۃ العلماء الاتقیاء اعاد وان صلی صلوٰۃ العوام فلا لان العالم التقی ینحط للسجود قائماً مستویاً والعامی ینحط منحنیا وذلک رکوع لان قلیل الانحناء محسوب من الرکوع اھ تأمل (رد المحتار ص۴۶۵ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مزید تحقیق تتمہ میں ہے) ۱۴ شعبان سنہ ۹۲ھ

ثواب کی زیادتی پورے حرم میں ہر عبادت پر ہے:

سوال:۔ مسجد حرام میں فرض نماز پڑھنے کا ثواب کیا مسجد حرام ہی میں ہے یا حدودِ حرم کے پورے

۳

علاقہ میں کسی اور مقام پر بھی نماز ادا کرنے سے اتنا ہی ثواب ملتا ہے؟ نیز کیا یہ ثواب صرف نماز کے لئے ہے یا تمام عبادات کے لئے بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ثواب کی یہ زیادتی پورے حرم میں ہے، اور ہر عبادت کے لئے ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حرم میں مسجد اور غیر مسجد دونوں جگہ نماز کا ثواب برابر ہے، بلکہ مسجدِ حرام کی نماز مسجدِ غیر حرم کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے، اور حرم میں غیر مسجد کی نماز غیر حرم میں غیر مسجد کی نماز سے لاکھ گنا افضل ہے،

قال فی ردّ المحتار وقال شیخ ولی الدین العراقی ولا یختص التضعیف بالمسجد الذی کان فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل یشمل جمیع ما زید فیہ بل المشہور عن اصحابنا انہ یعم جمیع مکۃ بل جمیع حرمہا الذی یحرم صیدہ کما صححہ النووی (رد المحتار، ص ۶۱۶ ج ۱) ونقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شفاء الغرام للسید القاضی وجاءت احادیث تدل علی تفضیل ثواب الصوم وغیرہ من القربات بمکۃ الا انہا فی الثبوت لیست کاحادیث الصلوٰۃ فیہا اھ (رد المحتار، ص ۲۰۳ ج ۲) وقال الرافعی ان حسنات الحرم کل حسنۃ بمائۃ الف حسنۃ کما قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کما نقلہ السندی عن الحموی عن ابن العماد (التحریر المختار، ص ۸۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب سنہ ۹۲ھ

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت صرف مردوں کے لئے ہے:

سوال:- حدیث میں جو مسجدِ نبوی میں جو چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت آئی ہے، کیا یہ فضیلت صرف مردوں ہی کے لئے ہے یا عورتوں پر بھی اس کا اطلاق ہوگا، جس طرح مسجدِ حرام کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے کیا اس طرح مدینہ منورہ میں بھی مسجدِ نبوی کے بجائے گھر پر نماز پڑھنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے برات کی بشارت صرف مردوں کی فرض نماز باجماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجدِ نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ ربیع الآخر سنہ ۹۳ھ

کیا عورتوں کو گھر میں نماز کا وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو مسجدِ نبوی اور مسجدِ حرام میں ملتا ہے؟ :

سوال :- کیا عورتوں کو مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی کے بجائے گھر میں نماز ادا کرنے میں وہی ثواب ملے گا جو مردوں کو ان دونوں مسجدوں میں ادا کرنے سے ملے گا؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

تضعیفِ اجر پورے حرمِ مکہ کے لئے ہے ، لہٰذا مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجدِ حرام میں نماز پر ہے ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کوئی روایت نظر سے نہیں گذری ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدِ نبوی میں تضعیفِ اجر کی فضیلت مردوں کے ساتھ مختص ہے ، عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے پر یہ اجر نہیں ، معہٰذا مسجد کی بنسبت گھر میں ادا کرنے پر زیادہ ثواب ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۲۵ ربیع الآخر ۹۳ھ

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازوں پر بشارت مقید بتسلسل ہے :

سوال :- کیا مردوں کو فضیلت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ چالیس نمازیں مسلسل اور باجماعت مسجدِ نبوی میں ادا کی جائیں؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ من صلّی فی مسجدی اربعین صلوٰۃ لاتفوتہ صلوٰۃ کتب لہ براءۃ من النار وبراءۃ من العذاب وبراءۃ من النفاق لاحمد والاوسط (جمع الفوائد، ص ۲۳۵ ج ۱) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چالیس نمازیں مسلسل اور باجماعت ادا کرنے پر جہنم ، عذاب اور نفاق سے برأت کی بشارت ہے ، مطلقاً ایک ہزار تک تضعیفِ اجر کے لئے چالیس نمازوں اور ان میں تسلسل کی قید نہیں ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۲۵ ربیع الآخر ۹۳ھ

حالتِ ولادت میں ادائے نماز پر اشکال کا جواب :

سوال :- اگر عورت بچہ جن رہی ہے کچھ حصہ باہر ہے کچھ اندر ہے ، تو اس حالت میں نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ حالتِ حیض و نفاس میں نماز معاف ہوتی ہے ، بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے ، بچہ کا جب تک اکثر حصہ باہر

نہیں آیا، اس وقت تک عورت نہ حالتِ حیض میں ہے نہ نفاس میں، لہٰذا نماز معاف نہ ہوگی، وضو یا تیمّم کرکے اشارہ سے نماز پڑھے، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو قضا کرے، قال فی التنویر والنفاس دم یخرج عقب ولد وفی الشرح او اکثرہ ولو متقطعاً عضواً عضواً لا اقلہ فتتوضأ ان قدرت او تتیمم وتومی بصلوٰۃ، (رد المحتار ص۲۷۶ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۴ ربیع الآخر ۹۴ھ

جماعت ہوجانے کے بعد فرض نماز مسجد میں نہ پڑھے :

سوال :- جماعت تو ہوگئی، اب اگر مسجد میں نہ جائے اور فرض نماز گھر میں ادا کرے، تو کیا مسجد سے کم ثواب ملے گا یا برابر؟ زید کہتا ہے، گھر میں ایک نماز کا اور مسجد میں جاکر تنہا پڑھے تو ۲۵ نماز کا ثواب ملتا ہے، تو کیا زید کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جماعت چھوڑنا گناہ ہے، اور فرض نماز مسجد میں جاکر اکیلے پڑھنے میں ترکِ جماعت کے گناہ کا اظہار ہے، جو ناجائز ہے، اس لئے جب جماعت ہوجائے تو فرض نماز کے لئے مسجد میں نہیں جانا چاہئے، کثرتِ ثواب کا جو وعدہ ہے وہ جماعت کے ساتھ پڑھنے کے لئے ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ جمادی الاولیٰ ۹۴ھ

نماز میں یاد نہیں رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی؟ :

سوال :- ایک شخص کو حالتِ نماز میں یہ یاد نہیں رہا کہ اس نے کس وقت کی نماز کی اور کتنی رکعات کی نیت کی تھی؟ نہ زبان سے کہنا یاد ہے اور نہ دل میں نیت کرنا یاد ہے، یوں ہی غفلت کی حالت میں نماز شروع کر دی تھی، تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کسی نماز کی نیت تو کی ہو مگر یہ یاد نہ رہا کہ کس نماز کی نیت کی تھی، تو دو رکعت پوری کرلے، اور یہ نماز نفل ہوجائے گی، اور اگر نیت کی ہی نہیں تھی تو نماز میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، لہٰذا از سرِ نو نیت کرکے نماز شروع کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ ذیقعدہ ۹۴ھ

رکوع میں ٹخنے ملانا :

سوال :- درمختار میں ہے کہ رکوع میں مردوں کو ٹخنے ملالینا مسنون ہے، شامی سے بھی

اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا اسی وقت سے قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لئے کہ یہ کلیاتِ ذیل کے خلاف ہے:۔

(۱) مردوں کے لئے رکوع وسجود میں تجافی۔

(۲) پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رُخ رہنا، الصاقِ کعبین سے انگلیاں قبلہ رُخ نہیں رہ سکتیں،

(۳) نماز میں بلاضرورت حرکت نہ کرنا،

مندرجہ بالا کلیات احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں، اور بالاتفاق مسلّم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں: فرأینا السنۃ جاءت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتجافی فی الرکوع والسجود واجمع المسلمون علی ذلک فکان ذلک من تفریق الاعضاء، (شرح معانی الآثار ص۱۳۱ ج۱)

کلیاتِ مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاقِ کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمۂ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے۔ اور نہ جمہور فقہاء نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اس لئے بندہ شروع ہی سے قولاً وعملاً اس کے خلاف رہا ہے۔ مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمداللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں بحوالۂ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل ومفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

ومنھا الصاق الکعبین ذکرہ جمع من المتأخرین وجمھور الفقھاء لم یذکروہ ولا اثر لہ فی الکتب المعتبرۃ کالھدایۃ وشروحھا النھایۃ والعنایۃ والبنایۃ والکفایۃ وفتح القدیر وغیرھا والکنز وشرحہ للعینی وشرح النقایۃ لالیاس زادہ والبرجندی والشمنی وفتاوی قاضیخان والبزازیۃ وغیرھا واما الذین اوردوہ فی ذکرہ الزاھدی حیث قال فی المجتبی برمز بط یسن فی الرکوع الصاق الکعبین واستقبال الاصابع القبلۃ ونقلہ عنہ القھستانی فی جامع الرموز وفی شرح الخلاصۃ الکیدانیۃ والحلبی فی الغنیۃ وابن نجیم فی البحر وتلمیذہ التمرتاشی فی منح الغفار

واقروہ وذکرہ صاحب النہر وصاحب الدر المختار علی سبیل الجزم لکن لم یبین احد
منہم المراد من الصاق الکعبین وقال خیر المتأخرین شیخ مشایخنا محمد عابد
السندی المدنی فی طوالع الانوار شرح الدر المختار قولہ والصاق کعبیہ ای حالۃ
الرکوع قال الشیخ الرحمتی مع بقاء تفریج ما بین القدمین قلت لعلہ اراد من الالصاق
المحاذاۃ وذلک بان یحاذی کل من کعبیہ لأخر فلا یتقدم احدہما علی الاخر وظاہر لفظ
الشارح یقتضی اللصوق ونفی التفریج ولذا قال السید احمد ہذا ای الصاق کعبیہ ان
تیسر لہ ورأیت کلاماً للشیخ محمد حیات السندی یقتضی اثبات سنیۃ التفریج
ونفی سنیۃ الالصاق انتہی کلامہ، وقال ایضاً فی موضع اخر من الطوالع یسن فی حال
الرکوع کما فی المجتبی وزاد ابو السعود فی السجود ایضاً ان یلصق کعبیہ قال الشیخ ابو الحسن
السندی فی تعلیقہ علی الدر المختار ہذہ السنۃ انما ذکرہا من ذکرہا من المتأخرین
تبعاً للمجتبی ولیس لہا ذکر فی الکتب المتقدمۃ ولم یرد فی السنۃ علی ما وقفنا علیہ
وکان بعض مشایخنا یری انہ من اوہام صاحب المجتبی وکأنہم توہموا مما ورد ان
الصحابۃ کانوا یہتمون بسد الخلل فی الصفوف حتی یضمون الکعاب والمناکب لایخفی
ان المراد ہہنا الصاق کل کعب کعب صاحبہ لا کعبہ مع الکعب الاخر انتہی کلام الشیخ

قلت لقد دارت ہذہ المسئلۃ فی سنۃ اربع وثمانین بعد الالف والمائتین
بین علماء عصرنا فاجاب اکثرہم بان الصاق الکعبین فی الرکوع والسجود لیس بمسنون
ولا اثر لہ فی الکتب المعتبرۃ والقول الفیصل ان یقال ان کان المراد بالصاق الکعبین
ان یلزق المصلی احدی کعبیہ بالاخری ولا یفرج بینہما کما ہو ظاہر عبارۃ الدر المختار
والنہر وغیرہما وسبق الیہ فہم المفتی ابی السعود ایضاً فلیس ہو من السنن علی الاصح
کیف وقد ذکر المحققون من الفقہاء ان الاولی للمصلی ان یجعل بین قدمیہ نحو
اربعۃ اصابع ولم یذکروا انہ یلزقہما فی حالۃ الرکوع اوالسجود وقال العینی فی
البنایۃ نقلاً عن الواقعات ینبغی ان یکون بین قدمی المصلی قدر اربع اصابع الید لانہ
اقرب الی الخشوع والمراد من قولہ علیہ الصلوۃ والسلام الصقوا الکعاب بالکعاب
اجتماعہما، انتہی، فہذا صریح فی ان المسنون ہو التفریج مطلقاً والا لقیدہ بحالۃ
القیام وان المراد بالصاق الکعب بالکعب الوارد فی الخبر غیر الزاقہما ویؤیدہ ما اخرجہ

ابوداؤد وصححه ابن خزيمة وذكره البخارى تعليقاً عن النعمان بن بشير قال رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه وفى ردالمحتار نقلاً عن فتاوى سمرقند ينبغى ان يكون بين القدمين مقدار اربع اصابع وما روى انهم الصقوا الكعاب بالكعاب اريد به الجماعة انتهى ، وان كان المراد به محاذاة احدى الكعبين بالاخرى كما ابدع العلامة السندى فهو امر حق ولا بعد فى حمل الالصاق على المحاذاة فانه جاء استعماله فى القرب ويؤيد عدم سنية الزاق الكعبين بالمعنى الاول اى ترك التفريج بينهما انه يلزم فيه تحريك احدى الكعبين الى الاخرى وتحريك عضو فى الصلوٰة من غير ضرورة ليس بجائز عندهم حتى ان منهم من لم يجوز رفع السبابة فى التشهد لهذه العلة ومنهم من لم يجوز رفع اليدين عند الركوع لهذه العلة والظاهر ان حمل كلامهم على المعنى الثانى اولى من حمله على المعنى الاول على انه مر دها صاحب المجتبى فاحفظ هذا التحقيق فانه من النفائس المختصة بهذا الكتاب وقل من تنبه عليه من العلماء الا من شاء الله ان يتنبه (سعاية ، ص۱۸۲ ج۲)

امداد الفتاویٰ کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے «نسبت زاہدی در نافع کبیر فوائد بہیہ نوشتہ اند وان كان اماماً جليلاً فى الفقه لكنه متساهل فى نقل الروايات ايضاً هو معتزلى الاعتقاد وحنفى الفروع قال صاحب ردالمحتار فى تنقيح الفتاوى الحامدية فى كتاب الاجارة الحاوى الزاهدى مشهور بنقل الروايات الضعيفة ولهذا قال ابن وهبان وغيره انه لا عبرة بما يقوله الزاهدى مخالفاً لغيره (امداد الفتاویٰ ص ۱۴۹ ج۱)

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاہدی کے تخطئہ کی بنسبت ان کے قول کی تاویل بہتر ہے، مجتبیٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصابع القبلہ کا ذکر بیّن دلیل ہے کہ الصاق سے ان کی مراد وہی ہے جو سعایہ میں علامہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کی گئی ہے ، یعنی کعبین میں محاذاۃ ، اس لئے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہو سکتیں ،

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاۃ تو حالتِ قیام میں بھی مسنون ہے ، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا ؟

اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالتِ قیام میں مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے ، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حالتِ رکوع میں پاؤں پر نظر پڑتی ہے، اس لئے اس سنت کی تعمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے۔

ان توجیہات کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصابع القبلہ کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہٖ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کعبین میں محاذاۃ کی بھی کرلی جائے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ر رمضان ۹۸ھ

سجدہ بقدر تسبیحہ واحدہ واجب ہے:

سوال:- سجدے میں کتنی دیر ٹھیرنا فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مطلقاً سجدہ فرض ہے، اور ایک تسبیح کی مقدار ٹھیرنا واجب ہے، اور تین تسبیحات کی مقدار سنتِ مؤکدہ ہے، فی واجبات الصلوٰۃ من العلائیۃ وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذا فی الرفع منھما الخ (رد المحتار ص۴۳۲ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ر رمضان ۹۸ھ

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

سوال:- نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرمادیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں، اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیا کے ساتھ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں، اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مَردوں کے لئے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں، اور سینے پر ہاتھ باندھیں، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذا رسغھا بخنصرہ وابھامہ ھو المختار وتضع المرأۃ والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیھا، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای یحلق الخنصر والابھام علی الرسغ ویبسط الاصابع الثلاث کما فی

شرح المنیة ونحوه فی البحر والنهر والمعراج والکفایة والفتح والسراج وغیرها وقال فی البدائع ویحلق ابهامه وخنصره وبنصره ویبسط الوسطی والمسبحة علی معصمه و تبعه فی الحلیة ومثله فی شرح الشیخ اسمٰعیل عن المجتبی (قوله تحت ثدیها) کذا فی بعض نسخ المنیة وفی بعضها علی ثدیها قال فی الحلیة وکان الاولی ان یقول علی صدرها کما قاله الجم الغفیر لاعلی ثدیها وان کان الوضع علی الصدر قد یستلزم ذلك بان یقع بعض ساعد کل ید علی الثدی لکن هذا لیس هو المقصود بالافادة (رد المحتار ص۴۵۴ ج۱) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم

۱۴ صفر ۹۸ھ

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال:- نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تقریبًا چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے، اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا، کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں سنت ہے، قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ وینبغی ان یکون بینهما مقدار اربع اصابع الید لانه اقرب الی الخشوع، هکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انه کان یفعله کذا فی الکبریٰ (رد المحتار ص ۴۱۴ ج۱) وفی التنویر ویستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة ویکره ان لم یفعل وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ کذا فی التجنیس لصاحب الهدایة وقال الرملی فی حاشیة البحر ظاهره انه سنة وبه صرح فی زاد الفقیر اھ (رد المحتار ص ۴۷۰ ج۱) ، فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم،

(چار انگل فاصلہ رکھنا مستحب شرعی نہیں، تفصیل تتمہ میں ہے۔) ۴ ذیقعدہ ۹۹ھ

سہوًا بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں؟:

سوال:- امام تیسری رکعت پر سہوًا بیٹھ گیا، مگر لقمہ ملنے پر کھڑا ہوگیا، اس قیام کے وقت تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا کہ سجدہ سے اٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علماء اس میں اختلاف کر رہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال میں تکبیر کا تعدد منقول نہیں اس لئے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر

سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہو کہ اختتام انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لئے دوسری تکبیر کہے، امید کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدۂ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے اس لئے یہ انتقال اوّل و ثانی میں فصل ہوگا، اور دو انتقال مستقل ہوگئے، لہٰذا ہر انتقال کے لئے تکبیر مستقل ہوگی، اور اگر جلسۂ خفیفہ ہو جو موجب سجدۂ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا، لہٰذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لئے یہ دلیل معقول نہیں کہ پہلی تکبیر خلافِ سنت ہے، اس لئے کہ جدید تکبیر بھی خلافِ سنت ہوگی کیونکہ اس کی ابتدا سجدہ سے نہوض کی ابتداء سے نہیں ہوئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ جمادی الآخرہ ۸۹ھ

تحقیق جملہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ:

سوال:- رکوع سے اُٹھ کر رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اُٹھ کر رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ پڑھنے میں یہ یہ فضیلت ہی، اور فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لئے کرتے ہیں، اُس دن سے واؤ کا اضافہ کر دیا، لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ بہتر ہے یا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، براہِ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں:- ① اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ② اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ③ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ ④ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم، قال فی العلائیۃ وافضلہ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، ثم حذف الواو ثم حذف اللّٰھم فقط، وقال ابن عابدین وبقی رابعۃ وھی حذفھما والاربعۃ فی الافضلیۃ علی ھذا الترتیب کما افادہ بالعطف بثم (رد المحتار ص ۴۶۴ ج ۱)

حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا جن کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے وہ کلمات یہ ہیں: ربنا ولک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ (رواہ البخاری) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا فرائض میں نہیں

پڑھنا چاہئے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ ربیع الاوّل ۹۷ھ

تنگ وقت میں قضاء حاجت کے تقاضا کی وجہ سے نماز چھوڑنا جائز نہیں:

سوال:۔ ایک شخص کو تقاضا قضاء حاجت کا سخت ہے، مگر ادھر نماز کا بالکل آخری وقت ہے، اب اگر وہ آدمی قضاء حاجت کے لئے جاتا ہے تو نماز فوت ہوجائے گی اور اگر وہ نماز پڑھتا ہے تو پیٹ میں سخت تکلیف و بوجھ ہوتا ہے، اب ایسے شخص کو کیا کرنا چاہئے، یعنی اسی بوجھ و تکلیف کے ساتھ نماز ادا کرے یا رفع تکلیف کرکے بعد میں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس حالت میں ترک جماعت تو جائز ہے مگر نماز کا ترک جائز نہیں، لہٰذا اگر قضا ہونے کا خطرہ ہو تو اُسی حالت میں نماز پڑھ لے، اور فرائض و واجبات پر اکتفاء کرے، سنتیں چھوڑدے، نماز کے اندر کی سنتیں بھی چھوڑ سکتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ شوال ۹۸ھ

سجدۂ نماز میں دعاء:

سوال:۔ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی نہیت ان اقرأ القرآن راکعاً اوساجداً فاما الرکوع فعظموا فیہ الرب واما السجود فاجتہدوا فی الدعاء فقمن ان یستجاب لکم،

اس حدیث سے نماز کے سجدہ میں دعاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیا احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے کہ نماز کے سجدہ میں دعاء افضل ہے، اگر نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

قال الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح الحدیث المذکور واما السجود فاجتہدوا ای بالغوا فی الدعاء ای حقیقۃً وھو ظاھر او حکماً کما فی سبحان ربی الاعلیٰ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۱۲) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وقد ورد خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر، رواہ مالک والترمذی

واحمد وغیرهم شرح النقایة للقاری، وقیل لابن عیینة هذا ثناء فلم سماه رسول الله صلی الله علیه وسلم دعاء فقال الثناء علی الکریم دعاء لانه یعرف حاجته فتح، قلت یشیر بهذا الی خبر من شغله ذکری عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین ومنه قول امیة بن ابی الصلت فی مدح بعض الملوک ؎

أأذکر حاجتی ام قد کفانی ⁂ ثناؤک ان شیمتک الحیاء
اذا اثنی علیک المرأ یومًا ⁂ کفاه من تعرضه الثناء

(رد المحتار ص ۱۹۰ ج ۲)

تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ حدیث میں سجدہ کی تسبیحات ہی کو دعاء فرمایا گیا ہے، یا یہ مطلب ہو کہ تسبیحات کے بعد دعاء کرے، احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں تسبیحات کے بعد دعاء نوافل میں کرے فرائض میں نہیں، البتہ فرائض منفرداً پڑھ رہا ہو یا جماعت میں مقتدیوں پر ثقیل نہ ہو تو فرائض میں بھی درست ہے، قال فی العلائیة وکذا لا یأتی فی رکوعه وسجوده بغیر التسبیح علی المذهب وما ورد محمول علی النفل قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ (قوله محمول علی النفل) ای تهجدا او غیره، خزائن، وکتب فی هامشه فیه رد علی الزیلعی حیث خصه بالتهجد اه، ثم الحمل المذکور صرح به المشایخ فی الوارد فی الرکوع والسجود وصرح به فی الحلیة فی الوارد فی القومة والجلسة وقال علی انه ان ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الانفراد او الجماعة والمأمومون محصورون لا یتثقلون بذلك کما نص علیه الشافعیة ولا ضرر فی التزامه وان لم یصرح به مشایخنا فان القواعد الشرعیة لا تنبو عنه کیف والصلوٰة والتسبیح والتکبیر والقراءة کما ثبت فی السنة اه، (رد المحتار ص ۴۷۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۹۹ھ

میت کی طرف سے اس کا بیٹا نماز کا فدیہ ادا کر سکتا ہے:

سوال :- میرے والد کا انتقال ۱۹۶۳ء میں کراچی میں ہوا تھا مجھے یاد ہے کہ بیماری کے دوران اُن کی کچھ نمازیں قضاء ہوگئی تھیں، انھوں نے قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کرنے کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا تھا، تو کیا ہم لوگ اُن کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے اُن کی قضاء نمازوں کا فدیہ ادا کر سکتے ہیں؟ اور اگر ادا کریں تو پھر کس حساب سے؟ یعنی ۱۹۶۳ء کے صدقۂ فطر کے ریٹ سے

یا ۱۹۷۸ء کے صدقہ فطر کے ریٹ سے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ اپنے والد کی طرف سے فدیہ ادا کر سکتے ہیں، یومیہ چھ نمازوں کا حساب لگائیں، اس لئے کہ وتر کا مستقل فدیہ واجب ہے، جب فدیہ ادا کریں گے اس وقت کا نرخ لگایا جائے گا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم ۹۹ھ

نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملہم الصواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے ،البتہ قعدہ یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے، قال فی العلائیۃ ویکبر للنھوض علیٰ صدور قدمیہ بلا اعتماد وقعود استراحۃ ولو فعل لا بأس وفی الشامیۃ (قولہ بلا اعتماد الخ) ای علی الارض قال فی الکفایۃ اشار بہ الیٰ خلاف الشافعی فی موضعین احدھما یعتمد بیدیہ علیٰ رکبتیہ عندنا وعندہ علی الارض والثانی الجلسۃ الخفیفۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی الخلاف فی الافضل حتیٰ لو فعل کما ھو مذھبنا لا بأس بہ عند الشافعی ولو فعل کما ھو مذھبہ لا بأس بہ عندنا کذا فی المحیط، (رد المحتار ص ۴۷۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم ۹۹ھ

۴۰۲ ر ۳ گرام چاندی کے برابر نقصان کا خطرہ ہو تو نماز توڑنا جائز ہے :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ بہشتی زیور حصہ دوم باب ۱۱ مسئلہ ۵ میں لکھا ہے کہ:" اگر نماز میں ہے اور ہانڈی اُبلنے لگی جس کی لاگت تین چار آنے ہیں تو نماز توڑ کر اس کو درست کر دینا جائز ہے، غرضکہ جب ایسی چیز کے ضائع ہوجانے یا خراب ہوجانے کا ڈر ہو جس کی قیمت تین چار آنے ہو تو اس کی حفاظت کے لئے نماز کا توڑ دینا درست ہے،، اس کی تشریح فرمائیں کہ اس

زمانے میں یہ لاگت کیا ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بقدر درہم نقصان ہو رہا ہو تو نماز توڑ دینا درست ہے، درہم = ۳ ماشہ ۱/۵-۱ رتی = ۳.۰۶۲ گرام چاندی، چاندی کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ہر زمانہ میں اس وقت کی قیمت لگائی جائے گی، قال شارح التنویر ویباح قطعها لنحو قتل حیة وند دابة وفور قدر وضیاع ما قیمته درهم له اولغیره وقال ابن عابدین رحمه الله (قوله وفور قدر) الظاهر انه مقید بما بعده من فوات ما قیمته درهم سواء کان ما فی القدر له اولغیره (حتی (قوله وضیاع ما قیمته درهم) قال فی مجمع الروایات لان ما دونه حقیر فلا یقطع الصلوٰۃ لاجله لکن ذکر فی المحیط فی الکفالة ان الحبس بالدانق یجوز فقطع الصلوٰۃ اولیٰ وهذا فی مال الغیر واما فی ماله لا یقطع والاصح جوازه فیهما اه وتمامه فی الامداد والذی مشی علیه فی الفتح التقیید بالدرهم (رد المحتار ص۶۱۲ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ ربیع الآخر سنہ ۹۸ھ

نماز میں قرارت حکایۃً ہے:

سوال: نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے یا کہ انشاءً؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے بدلائل ذیل

(۱) قرآن کریم کا وہ حصہ جس میں قصص واخبار ہیں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز ہوجائیگی، حالانکہ اس میں انشاء کا امکان ہی نہیں۔

(۲) قرآن کریم کے ایسے جمل انشائیہ جن کا مخاطب اس وقت موجود نہیں، مثلاً یا مریم، یا یحییٰ، یوسف، یا ایہا النبی، یا ایہا المدثر وغیرہ پڑھنے سے نماز ہوجائے گی، حالانکہ یہ انشاءات محض حکایۃً پڑھے جاتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نماز میں صیغ خطاب بجائے حکایت کے بنیت تخاطب کہے تو نماز فاسد ہوجائے گی کما سیأتی

(۳) قرآن کے جمل دعائیہ یا تسبیح وتہلیل یا تسمیہ یا سورۂ فاتحہ کو اگر حکایۃً نہ پڑھا بلکہ انشاءً دعا یا تسبیح وتہلیل کی نیت سے پڑھا تو یہ جمل قرآنیت سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے جنب وحائضہ کو اس قصد سے پڑھنے کی اجازت ہے حالانکہ تلاوت کی نیت سے صرف تسمیہ پڑھنے کی بھی اجازت

نہیں، کما فی الشامیۃ - اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز بہر کیف حکایۃً ہی پڑھا جاتا ہے -

(۴) قال فی التنویر فی بیان ما یحرم بالحدث الاکبر وتلاوۃ قرآن بقصدہ - وفی الشرح حتی لو قصد بالفاتحۃ الثناء فی الجنازۃ لم یکرہ الا اذا قرأ المصلی قاصد الثناء فانہا تجزیہ لانہا فی محلہا فلا یتغیر حکمہا بقصدہ وفی الحاشیۃ (قولہ حتی لو قصد) تفریع علی مضمون ما قبلہ من ان القرآن یخرج عن القرآنیۃ بقصد غیرہ (قولہ فلا یتغیر حکمہا) وھو سقوط واجب القراءۃ بہا (رد المحتار ج ۱) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر سورۂ فاتحہ انشاءً پڑھی تو بھی اس کی نیت معتبر نہیں - غرضیکہ قرآن مجید کے جمل خبریہ واکثر جمل ندائیہ میں تو انشاء کا احتمال ہی نہیں - اور جن جمل ندائیہ میں انشاء نداء وخطاب کا احتمال ہے ان کو بقصدِ انشاء پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی کما سیأتی - باقی دعا، ثنا، تسبیح وغیرہ کے جملوں میں اگرچہ انشاء کا احتمال ہے مگر بقصد انشاء یہ جمل قرآنیت سے نکل جاتے ہیں کما مرّ

(۵) قال فی شرح التنویر وکذا یفسدھا کل ما قصد بہا الجواب کأن قیل أمع اللہ الٰہ فقال لا الٰہ الا اللہ او ما مالک فقال الخیل والبغال والحمیر او من این جئت فقال وبئر معطلۃ وقصر مشید او الخطاب کقولہ لمن اسمہ یحیٰی او موسیٰ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ او وما تلک بیمینک یا موسیٰ مخاطباً لمن اسمہ ذلک او لمن بالباب ومن دخلہ کان اٰمناً وفی الشامیۃ (قولہ او الخطاب الخ) ھذا مفسد بالاتفاق وھو مما اورد نقضاً علی اصل ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ قرآن لم یوضع خطابا لمن خاطبہ المصلی وقد اخرجہ بقصد الخطاب عن کونہ قرآنا وجعلہ من کلام الناس -

(رد المحتار جلد ۱)

البتہ حدیث اذا قال العبد الحمد للہ رب العٰلمین قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت انشاء بھی ملحوظ ہے بالکلیہ متروک نہیں -

حقیقتِ صلوٰۃ پر غور کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ نماز شان جلالی کا مظہر ہے، بارگاہِ الٰہی میں انسان حمد وثنا پیش کرنے کے بعد صراطِ مستقیم پر ثابت رہنے کی توفیق طلب کرنے کے لئے درخواست پیش کرتا ہے - اسی لئے امام کی قراءت مقتدین کے لئے کافی ہے - کیونکہ درخواست پیش کرنے والا ایک ہی شخص ساری جماعت کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہے اور سلام وآدابِ دربار ہر شخص پر لازم ہوتے ہیں، غرضیکہ صلوٰۃ میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے مگر سورۂ فاتحہ میں انشاء بھی ملحوظ ہے - اصل مقصد اس میں بھی تلاوتِ قرآن ہی ہے لقولہ تعالیٰ

فاقرؤا ما تیسر من القراٰن،

البتہ قرارت کو اس لحاظ سے انشاء کہا جا سکتا ہے کہ قاری اپنی طرف سے انشاء قرارت کرتا ہے، قرارتِ غیر کی حکایت نہیں کرتا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر سنہ ۷۴ھ

تشہد میں سلام انشاءً کہا جاتا ہے :

سوال : نماز میں السلام علیک ایھا النبی انشاءً پڑھا جاتا ہے یا حکایۃً ؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

السلام علیک ایھا النبی بلکہ پورا تشہد انشاءً پڑھا جاتا ہے ۔ قال فی شرح التنویر و یقصد بالفاظ التشھد معانیھا مرادۃ لہ علی وجہ الانشاء کأنہ یحیی اللہ تعالیٰ ویسلم علی نبیہ وعلی نفسہ واولیائہ لا الاخبار عن ذٰلک ، ذکرہ فی المجتبیٰ وظاھرہ ان ضمیر علینا للحاضرین لاحکایۃ سلام اللہ تعالیٰ وفی الشامیۃ (قولہ لا الاخبار عن ذٰلک) ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ربہ سبحانہ ومن الملائکۃ علیہم السلام وتمام بیان القصۃ مع شرح الفاظ التشھد فی الامداد فراجعہ (قولہ لاحکایۃ سلام اللہ تعالیٰ) الصواب لاحکایۃ سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ط (رد المحتار ج۱)

قرارت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاءً پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقتِ صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقتِ صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی تو نہ اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت لہٰذا صرف السلام علیک ایھا النبی کی حکمت تحریر کی جاتی ہے ۔ دربارِ سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنے کا دستور ہے ۔ اس لئے مصلی التحیات للہ والصلوٰت والطیبات کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ پھر یکایک خیال آتا ہے کہ یہ قربِ الٰہی ومناجاۃ بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود کی بدولت ہے ، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے تو بیساختہ مصلی اپنے محسنِ اعظم ومنعمِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے ۔

باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا ، اس لئے کہ صلوٰۃ وسلام بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے جیسا کہ خط میں صیغِ خطاب صرف اس لئے لکھے جاتے ہیں کہ خط مخاطب تک پہنچے گا۔ مخاطب روبرو موجود نہیں ہوتا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ غرہ ربیع الآخر سنہ ۷۴ھ

سجدہ میں ٹخنے ملانا :

سوال : مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیحدہ ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے ، وفی صحیح ابن حبان عن عائشۃ رضی اللہ عنہا الرص بین العقبین فی السجدۃ ای ضمہما واکثر الناس عن ھذا اغافلون (العرف الشذی ص۱۳۵) اسکے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں ، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اعلاء السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفاج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی حدیث اولہ فقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان معی علی فراشی فوجدتہ ساجدا راصا عقبیہ مستقبلا باطراف اصابعہ القبلۃ رواہ ابن حبان فی صحیحہ باسناد حسن (التلخیص الحبیر ص۹۸ ج۱) وللنسائی وقد سکت عنہ وھو ساجد وقدما منصوبتان الحدیث ، (نسائی ص۱۶۶ ج۱)

عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا رکع بسط ظہرہ واذا سجد وجہ اصابعہ قبل القبلۃ فتفاج (یعنی وسع بین رجلیہ ۱۲ منہ) رواہ البیھقی (التلخیص الحبیر ص۹۸ ج۱) قلت احتج بہ الحافظ ابن حجر بعد ما ضعف روایۃ الدارقطنی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسکت عنہ فھو حسن اوصحیح عندہ (اعلاء السنن ص۱۳۸ ج۳)

بصورتِ تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ،

تطبیق :

حدیث اوّل میں رص بین العقبین تقریب پر محمول ہے ، کما حمل علیہ العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث ضم الکفین فی الدعاء ۔

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں ، ایک استقبال الاصابع القبلۃ ، دوسرا نصب القدمین ، یہ دونوں سنتیں رص بین العقبین کی صورت میں علیٰ وجہ الکمال ادا نہیں ہوسکتیں ، مزید براں اس میں بلا ضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے ۔

ترجیح :

حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع وسجود میں سنتِ تجافی کے مطابق ہے وکفی بہ مرجحًا ، وبھذا رجح الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع علی حدیث التطبیق ، نیز

نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیونکہ بلاضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔
قال صلی اللہ علیہ وسلم فی مصل یعبث بلحیتہ لو خشع قلبہ لسکن جوارحہ۔

یہ بحث تبرعاً لکھدی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں صرف ابوالسعود سے نقل کرکے صحتِ نقل میں کلام فرمایا ہے اور سعایہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے، احسن الفتاوی میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں سعایہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۲۷ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

مرد کے لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا مسنون ہے :

سوال : ایک صاحب نے دورانِ تقریر فرمایا کہ ہاتھ ناف کے اوپر باندھے جائیں نہ زیرِ ناف نہ بالائے ناف، بلکہ ٹھیک ناف کے اوپر باندھے جائیں، ہاتھ باندھنے کی صحیح ترکیب کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مردوں کے لئے ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔ قال فی العلائیۃ ووضع الرجل یمینہ علی یسارہ تحت سرتہ آخذا رسغها بخنصرہ وابہامہ ھو المختار (ردالمحتار ص۴۵۴ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ۲۹ رجب سنہ ۹۹ھ

سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے :

سوال : رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اُٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدمِ ثبوت کے علاوہ اسمیں مزید دو قباحتیں ہیں۔

① عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

② قومہ سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹیکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جاتا ہے، لہٰذا یہ عادت سبب ترکِ سنت ہونے کی وجہ سے قابلِ احتراز ہے۔

(مزید تحقیق تتمہ میں ہے) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۔ ۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

بیٹھکر نماز پڑھنے والا نظر گود میں رکھے :

سوال : جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو وہ قراءت کی حالت میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا قعدہ کی

طرح گود میں نظر رکھے؟ بعض کا خیال ہے کہ سجدہ کی جگہ نظر ہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، کلیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ گود میں نظر رکھے، اس لئے کہ نظر ایک جگہ جمانے سے یکسوئی میں اعانت مقصود ہے، اس مقصد کے لئے جس حالت میں جس مقام پر نظر رکھنا سہل تھا اسی کو متعین کر دیا گیا ہے، بیٹھنے کی حالت میں گود میں نظر رکھنا سہل ہے اسی لئے قعدہ میں یہ حکم دیا گیا، لہٰذا بیٹھکر قرارت کی حالت میں بھی گود ہی میں نظر رکھنا چاہئیے، بالفرض سہولت کے سوا کوئی اور حکمت ہو تو بھی یہی کہا جائے گا کہ بحالت قعدہ گود میں نظر رکھنے کی جو حکمت ہے وہی بحالت قعود قرارت میں بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں:

سوال: قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں، لانہ قیام لہ قرار وفیہ ذکر مسنون ولذا قالوا بوضع الیدین فی قنوت الوتر وقومۃ صلوٰۃ التسبیح، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۹ رجب سنہ ۱۴۰۰ھ

دعاء میں ہاتھوں کے درمیان کچھ فاصلہ مستحب ہے:

سوال: دعاء میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھ آپس میں ملاکر رکھے جائیں یا کچھ فاصلے سے، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ امداد الفتاویٰ میں ملاکر رکھنا لکھا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء میں ہاتھ سینے تک اٹھائے جائیں، اور دونوں ہاتھوں کے درمیان قدرے فاصلہ رکھنا افضل ہے، فی الباب الرابع من کراھیۃ الھندیۃ والافضل فی الدعاء ان یبسط کفیہ ویکون بینھما فرجۃ وان قلت ولا یضع احدی یدیہ علی الاخری فان کان فی وقت عذر اوبرد شدید فاشار بالمسبحۃ قام مقام بسط کفیہ والمستحب ان یرفع یدیہ عند الدعاء بحذاء صدرہ کذا فی القنیۃ (عالمگیریہ ص ۳۱۸ ج ۵ المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ بمصر)۔ امداد الفتاویٰ میں ضم الکفین فقہ حنبلی کی کتاب شرح المقنع سے نقل کیا ہے، ونصہ وتکون یداہ مضمومتین لما روی الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دعا ضم کفیہ و

جعل بطونہما یلی وجہہ وضعفہ فی المواھب، اس روایت کی بنا پر اگر کوئی ضم الکفین کی فضیلت کا قول کرے تو اس کی گنجائش ہے، اور یوں تطبیق بھی دی جاسکتی ہے کہ ضم سے مراد تقریب ہے جو فرجۂ قلیلہ کے منافی نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۴ رجمادی الاولیٰ ۹۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- کیا دعاء کے وقت دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے یا کشادہ رکھا جائے؟ اس سے متعلق مولانا محمد اجمل صاحب رسالہ آداب الدعاء میں فرماتے ہیں:

"علامہ طحطاوی نہر الفائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں وفی النھر من نعل کیفیتہ المستحبۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت، اور اس کے آگے علامہ موصوف حصن حصین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دعاء کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے اور انگلیوں کا رخ بجانب قبلہ ہونا چاہئے، وفی شرح الحصن والظاھر ان من الادب ایضا ضم الیدین وتوجیہ اصابعھما نحو القبلۃ، اور آگے فرماتے ہیں کہ باہم ملانا افضل اور بہتر ہے، اور اگر معمولی کشادگی رکھی جائے تو بھی جائز ہے، اور امام شعرانی لواقح الانوار، ص ۲۹۷، پر فرماتے ہیں، آسمان کی طرف دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ دربارِ خداوندی سے معنوی عطیات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ ایک ذریعہ ہے، پس دونوں کو باہم اس قدر ضم کیا جائے جس طرح پانی پینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملاتا ہے" (رسالہ آداب الدعاء، ص ۴۰)

اس کے بعد ناکارہ نے بعض کتبِ حدیث دیکھیں، مرقاۃ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الدعوات کی فصل ثالث میں حدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ یقول ان رفعکم ایدیکم الخ کے ذیل میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں: وقد ورد انہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدعاء یوم عرفۃ جمع بین کفیہ وجعلھما مقابل صدرہ کاستطعام المسکین (مرقاۃ المصابیح ص ۲۴۷ ج ۵) لیکن اس کی کوئی سند نہیں لکھی، احقر نے مجمع الزوائد دیکھی تو اس میں حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد حافظ نور الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں: رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ الحسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ وھو ضعیف، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقاۃ، ج ۵ ص ۲۴۲ پر فرماتے ہیں: ان الضعیف حجۃ فی الفضائل اتفاقا اھ

نیز حسب ذیل احادیث سے بھی ضم یدین عند الدعاء کی تائید ہوتی ہے: عن انس بن مالک

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ بعرفۃ یدعو فقال اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا الا بتھال ثم حاصت الناقۃ ففتح احدی یدیہ فاخذھا وھو رافع الاخری، رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط بنحوہ الا انہ قال فرفع یدیہ فسقط زمام الناقۃ فتناولہ ورفع یدیہ وزادھذا الابتھال والتضرع ورجال البزار رجال الصحیح غیر احمد بن یحیی الصوفی وھو ثقۃ ولکن الاعمش لم یسمع من انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مجمع الزوائد، ص ۱۶۹ ج ۱۰)

وعن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع قوم اکفھم الی اللہ عزوجل یسئلونہ شیئا الا کان حقا علی اللہ ان یضع فی ایدیھم ما سألوا، قلت لہ حدیث فی السنن غیر ھذا، رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح (حوالہ بالا)

اور وہ تمام احادیث بھی ضمِّ یدین کی مؤید ہیں جن میں مسح یدین علی الوجہ بعد الدعاء، اور نزولِ برکاتِ سماویہ وانوارِ الٰہیہ کا ذکر ہے،

نیز عقلاً بھی احقر کو ضمِّ یدین میں تواضع وانکساری محسوس ہوتی ہے، اس کے برخلاف فرجہ بین الیدین میں تکلف معلوم ہوتا ہے، نیز فرجہ بین الیدین کی تائید میں احقر کو ابھی تک کوئی حدیث نہیں ملی،

امید ہے کہ حضرت والا اپنے محاکمہ اور تحقیق انیق سے احقر کو مطلع فرمائیں گے، بڑا کرم واحسان ہوگا، جزاکم اللہ احسن الجزاء،

الجواب باسم ملہم الصواب

رسالہ آدابُ الدعاء میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارتِ مذکورہ حاشیۂ دُر میں ہے یا کہ مراقی الفلاح کے حاشیہ میں، اس لئے دونوں کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑا، طحطاوی علی الدر المختار میں تو کوئی ایسی عبارت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح میں موجود ہے، مگر اس کے کسی جزء سے بھی بوقتِ دعاء ضمِّ الیدین کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس فرجہ بین الیدین کے استحباب کو ترجیح ثابت ہوتی ہے، پوری عبارت ملاحظہ ہو:

وفی النھر من فعل کیفیتہ المستحبۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت وان لا یضع احدی یدیہ علی الارض فان کان لا یقدر رعلیٰ رفع یدیہ لعذر او برد فاشار بالمسبحۃ اجزأ اھ لکن فی شرح الحصن الحصین والظاھر ان من الادب ایضا ضم

الیدین وتوجیہ اصابعہما نحو القبلۃ وفی شرح المشکوٰۃ وردانہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عرفۃ جمع بین کفیہ فی الدعاء وان ارید بالضم فی الکلام القرب التام لاینافی وجود الفرجۃ القلیلۃ واما قولہ جمع بین کفیہ لاینافیہ ایضًا لان المعنی جمع بینہما فی الرفع ولا یفرد احدہما بہ (طحطاوی علی المراقی، ص ۱۷۳)

رسالہ آداب الدعاء کی عبارت میں دوسرا تسامح یہ ہوا ہے کہ ضم الیدین کے استحباب کو حصن حصین کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ عبارت حصن حصین کی نہیں بلکہ شرح الحصن کی ہے، ممکن ہے کہ یہ ناسخ کا سہو یا کاتب کی غلطی ہو،

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح الحصن کی عبارت کو نہر کے جزئیہ سے تطبیق دینے کی جو صورت بیان فرمائی ہے بندہ نے بعینہ یہی وجہ تطبیق مورخہ ۲۴ جمادی الاولیٰ س۹۶ھ کے محررہ فتویٰ میں قنیہ کے جزئیہ اور شرح المقنع کی عبارت میں تحریر کی تھی، فللہ الحمد علی توفیقہ لموافقۃ الاکابر،

لواقح الانوار تلاش کی گئی لطائف المنن کے حاشیہ پر دستیاب ہوئی مستقل نہیں ملی، اس لئے حوالہ میں لکھا ہوا صفحہ نمبر کارآمد نہ ہوا، سرسری تلاش سے عبارت مذکورہ دستیاب نہ ہوئی، اگر اعتمادًا اس عبارت کا وجود لواقح الانوار میں تسلیم کرلیا جائے تو مؤلف کی طرف سے طحطاوی کے جزئیہ کی طرح اس میں بھی عبارت کے فہم میں یا نقل میں تسامح کا احتمال ہے، علاوہ ازیں امام شعرانی شافعی ہیں اس لئے ان کا قول احناف کے لئے حجت نہیں، ممکن ہو کہ عند الشوافع ضم الیدین افضل ہو، جیسا کہ شرح المقنع سے عند الحنابلہ بھی ضم الیدین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، احناف کی مندرجہ ذیل کتب میں استحباب فرجہ کی تصریح موجود ہے،

(۱) درمختار فصل فی بیان تالیف الصلوٰۃ،

(۲) قنیہ کا جزئیہ شامیہ فصل تألیف الصلوٰۃ اور عالمگیریہ کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے،

(۳) شامیہ میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی پر اعتماد فرمایا ہے،

(۴) عالمگیریہ میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے،

(۵) النہر الفائق کی عبارت اوپر طحطاوی کے حوالہ سے گذر چکی ہے،

(۶) علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہر کے جزئیہ کے خلاف شرح المشکوٰۃ کی روایت اور شرح الحصن کی عبارت ذکر فرمانے کے باوجود نہر کے جزئیہ کو ترجیح دی ہے،

(۷) حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ حصن حصین کے حاشیہ میں حصن حصین کی شرح الحرز الثمین لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیقات اس قدر کثرت سے لاتے ہیں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ الحرز الثمین کو بالاستیعاب نقل فرمایا ہے، معہٰذا اس موقع پر الحرز الثمین کی عبارت کی بجائے قنیہ کا جزئیہ ذکر فرمایا ہے، جس میں فرجہ کا استحباب مذکور ہے،

یہاں کتب فقہ کا استقراء نہیں کیا گیا، ممکن ہے اور بھی کئی کتب میں یہ حکم موجود ہو،

طحطاوی نے شرح المشکوٰۃ سے جو روایت نقل کی ہے یہ بعینہٖ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ لعلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں شرح المشکوٰۃ سے مرقاۃ اور شرح الحصن الحصین سے الحرز الثمین مراد ہے، الحرز الثمین دستیاب نہ ہوسکی، اگر واقعۃً اس میں ضم الیدین مذکور ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ احناف رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت میں ضم الیدین کا ذکر ہے، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی تأویل "القرب التام" کرکے اختلافِ عبارت کو رفع فرمادیا ہے، بالفرض شرح الحصن کی عبارت کو اس کے ظاہر ہی پر رکھا جائے تو اس سے احناف میں سے صرف ایک فرد کا تفرد ثابت ہوگا، بہرحال شرح الحصن کی عبارت یا مؤول عن الظاہر ہے یا اس میں تفرد ہے، اسی لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمہ اللہ نے حصن حصین کے حاشیہ میں اس کی بجائے قنیہ کا جزئیہ ذکر فرمایا،

رجوع الی الحدیث:

رجوع الی الحدیث مقلّد کا وظیفہ نہیں، معہٰذا برائے تسکینِ خاطرِ خام بقدرِ ضرورت تحریر ہے؛

(۱) شرح المشکوٰۃ کی روایت،

اس کا جواب علامہ طحطاوی رحمہ اللہ سے اوپر نقل کیا جاچکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ جواب محض تأویل ہی نہیں بلکہ متبادر مطلب یہی ہے، اس لئے کہ سوال کے لئے ایک ہاتھ پھیلانے اور ایک ہاتھ سے اخذِ عطاء معمول ہے، اس کے پیشِ نظر دعاء میں بھی اس کا مظنّہ تھا، اس کو رفع کرنے کی غرض سے "جمع بین کفیہ" کے الفاظ لائے گئے، چنانچہ انہی الفاظ کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کراہتِ افراد کا فتویٰ دیا ہے، کما قدمنا عن العلامۃ الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن النہر،

مرقاۃ کے الفاظ "کاستطعام المسکین" کی شرح عنقریب آرہی ہے،

(۲) روایۃ البزار والطبرانی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ،

آپ نے اس روایت میں "ففتح احدی یدیہ" سے استدلال کیا ہے، حالانکہ یہ الفاظ شرح المشکوٰۃ

کی روایت میں تأویل مذکور کی تائید کر رہے ہیں، الفاظ مذکورہ کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی مہار تھامنے کے لئے ایک ہاتھ بڑھایا اور دوسرا ہاتھ دعاء کے لئے بدستور اٹھا رہا، اس سے ثابت ہوا کہ دعاء میں اصل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں، اکتفاء علی الواحد بحالتِ عذر ہے، لہٰذا "جمع بین کفیہ" میں جمع فی الرفع مراد ہونا ظاہر ہے،

(۳) فی روایۃ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان حقاً علی اللہ ان یضع فی ایدیہم ما سألوا، ودیگر احادیث متعلقہ مسح الیدین علی الوجہ بعد الدعاء ونزول برکات السماویۃ والانوار الالٰہیۃ،

ان احادیث میں ضم الیدین کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، وضع فی الید کنایہ ہے اعطاء سے، اسی طرح رفع الیدین کا استطعام الطعام اور مسح علی الوجہ سے صرف تمثیل مقصود ہے، امور ذیل پر غور کرنے سے اس حقیقت کے سمجھنے میں مزید سہولت ہوگی،

(۱) دعاء بلا رفع الیدین کی صورت میں بھی یقیناً برکات وانوار عطا ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ صرف ہاتھوں ہی میں دیتے ہیں تو اس حالت میں ظرف ہی موجود نہیں،

(۲) ہاتھوں کا ظرف اُن کی عطاء کی بنسبت بہت چھوٹا ہے، بالخصوص جس کے ہاتھ بھی چھوٹے ہوں وہ تو بہت ہی خسارہ میں رہے گا،

(۳) بوقتِ دعاء ہاتھوں کی انگلیوں کا رُخ قبلہ کی طرف رہنا چاہیئے، اس حالت میں ہتھیلیاں تقریباً سیدھی رہیں گی، اس لئے ظرف میں امساکِ طعام کی صلاحیت بہت کم ہوجائے گی، بالخصوص جبکہ مظروف سیّال ہو، کما زعم الشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، گویا ظرف کا صرف تلا موجود ہے، دیواریں نہیں،

(۴) دعاء شروع کرنے کے بعد ہاتھوں کا ظرف تو فوراً ہی پُر ہوجائے گا، اس لئے فوراً ہی مُنہ پر مَل لینا چاہیئے، ورنہ ہاتھ بھر جانے کے بعد مظروف گرنے لگے گا، بلکہ مظروف سیّال ہے تو تھوڑی دیر کے بعد وہ ویسے ہی ہاتھوں سے بہہ جائے گا،

اپنا ایک قصّہ یاد آگیا، ایک بار مجھے نمازِ جنازہ پڑھانے کو کہا گیا، میں نے دیکھا کہ میّت کی چارپائی پر سے چادر زمین تک لٹکا کر چارپائی کے نیچے کا خلاء بند کر دیا گیا ہے، میں نے وجہ دریافت کی تو اس کی حکمت یہ بتائی گئی کہ دعاء چارپائی کے نیچے سے نہ نکل جائے،

ان امور پر توجہ کرنے سے یہ امر خوب واضح ہوگیا کہ ربِّ کریم کی عطاء صرف ہاتھوں کے ساتھ

خاص نہیں اور نہ ہی ان کے یدٰن سحاء اللیل والنھار اور ید اہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء کی شان کے یہ لائق ہے کہ وہ صرف سائل کے ہاتھوں کے ظرف کے برابر ہی عطا کریں، لہٰذا رفع الیدین سے مقصد صرف تشبہ بالسائل ہے نہ کہ عطاء کی حفاظت،

بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہے تو عطاء کثیر کے لینے اور اٹھانے کی حالت میں دونوں ہاتھوں کے درمیان لازماً فرجہ رکھنا پڑتا ہے، اس لئے کہ عطاء کثیر اگر سیال یا جامد قلیت ہو تو وہ کسی بڑے برتن میں ڈال کر دی جائے گی، اور اگر جامد غیر قلیت ہو مثلاً بکرا مسلّم وغیرہ تو اس کا حجم کافی بڑا ہوگا، دونوں صورتوں میں ہاتھوں کو کشادہ رکھنا پڑے گا، ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رُخ ہونے پر جو اشکال تھا اس صورت میں وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے کہ بڑے حجم کی چیز کو اٹھاتے وقت ہاتھوں کو چلّو نہیں بنایا جاتا، بلکہ ہاتھ تختی کی طرح سیدھے رہتے ہیں، یہ سب کچھ آپ کے زعم کے مطابق لکھ دیا ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ ہاتھوں سے عطاء کی حفاظت مقصود ہی نہیں،

فرجہ بین الیدین سے متعلق ممکن ہے کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوئی صریح حدیث ہو ورنہ کم از کم کسی حدیث سے استنباط تو ضرور کیا ہوگا، ان حضرات کے فیصلے ہوائی تیر نہیں ہوتے،

حاصل یہ کہ بوقت دعاء فرجہ بین الیدین مستحب ہے اور ضم الیدین کی بھی اجازت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الآخر ۹۸ھ

دعاء میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے:

سوال:- دعاء مانگتے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں چہرے کی طرف رکھی جائیں یا اوپر آسمان کی طرف، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دعاء میں ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھنا مستحب ہے، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فیبسط یدیہ حذاء صدرہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء ویکون بینہما فرجۃ (رد المحتار ص ۴۷۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

دعاء میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں:

سوال:- دعاء مانگتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھانے چاہئیں؟ بعض کندھوں تک بتاتے ہیں اور بعض سینے تک، صحیح طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح درست ہے، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ فیبسطہما حذاء صدرہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کذا روی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قنیۃ عن تفسیر السمرقندی (رد المحتار ص ۴۷۴ ج ۱) وفی المراقی رافعی ایدیہم حذاء الصدر وبطونہما مما یلی الوجہ، قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ الذی فی الحصن الحصین وشرحہ ان یرفعہما حذاء منکبیہ باسطاً کفیہ نحو السماء لانہا قبلۃ الدعاء اھ قال بعض الافاضل ولا منافاۃ بینہما لان المراد ان لا یجعل بطونہما جہۃ الارض والتفاوت فی مثل ذالک الرفع قلیل، کما یشیر الیہ ما فی ابی داؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوہما (طحطاوی علی المراقی ص ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۱ھ

دعاء میں انگلیاں قبلہ رُخ رکھنا مستحب ہے:

سوال:- کیا دعاء میں انگلیاں قبلہ رُخ رکھنا سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مستحب ہے، کما نقل الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح الحصن الحصین،

(طحطاوی علی المراقی ص ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۱ھ

دعاء کا مسنون طریقہ:

سوال: سنت کے مطابق دعاء مانگنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ جس کے مطابق دعاء کرنے سے قبول ہو، وضاحت سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

باوضو قبلہ رُو دو زانو باادب بیٹھکر آہستہ خشوع وخضوع سے دعاء کرے، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء مثلاً الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین، پھر درود شریف پھر دعاء، پہلے اپنے لئے، پھر والدین کے لئے، پھر سب مؤمنین کیلئے، پوری امت کو دعاء میں شامل کئے بغیر دعاء ناقص رہتی ہے، دعاء کا ہر مضمون بار بار دہرایا جائے، کم از کم تین بار تکرار کیا جائے دُعاء کے درمیان بار بار درود شریف پڑھا جائے، یا ارحم الراحمین، یا ذا الجلال والاکرام سے پکارا جائے، آخر میں درود شریف کے بعد سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین پڑھ کر آمین پر دعاء ختم کی جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۱ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ الحديث

زبدة الكلمات

فی

حکم الدعاء بعد الصلوات

مکتبہ فاروق

فرائض کے بعد دُعا

سوال : فرائض کی جماعت کے بعد دعا سے متعلق لوگوں کے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں، بعض علماء سرے سے اس دعا ہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ فرائض کے بعد فوراً نوافل کے لئے کھڑے ہوجانا چاہیئے۔ بعض اس دعا میں رفع یدین کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جو رفع یدین کے قائل ہیں انکا عمل مختلف ہے۔ بعض سرّاً دُعا کرتے ہیں۔ اور اکثر ائمۂ مساجد بلند آواز سے طویل دُعائیں کرتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ ان میں سے شرعی نقطۂ نگاہ سے صحیح طریقہ سنت کے مطابق کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

دعاء بعد الفرائض سے متعلق اوّلاً احادیث اور عبارات فقہ ذکر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام ذکر کئے جائیں گے۔

احادیث :

(١) عن انس رضی الله تعالیٰ عنہ ان النبی صلی الله علیہ وسلم قال ما من عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ یقول اللّٰھم الٰھی واِلٰہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب واِلٰہ جبرئیل و میکائیل واسرافیل اسألك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الاکان حقاً علی الله ان لا یرد یدیہ خائبتین وفی اسنادہ عبد العزیز بن عبد الرحمٰن فیہ مقال (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی)

(٢) عن الاسود العامری عن ابیہ رضی الله تعالیٰ عنہ قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث رواہ ابن ابی شیبۃ (مجموعۃ الفتاوی بہامش الخلاصۃ ص۱۰۰ ج ۱ - امداد الفتاوی ص۵۶ ج ۱ - نفائس مرغوبۃ ص۳۹) اس حوالہ کی تحقیق ضمیمہ میں ہے۔

(٣) وقال الحافظ السیوطی فی فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء اخرج ابن ابی شیبۃ قال حدثنا محمد بن یحیی الاسلمی قال رأیت عبد الله بن الزبیر رضی الله تعالیٰ عنہما ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منہا قال لہ ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتّٰی یفرغ من صلاتہ رجالہ ثقات اھ (فض الوعاء للسیوطی)

(٤) عن الفضل بن عباس رضی الله تعالیٰ عنہما قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم

الصلوٰة مثنی مثنی تشهد فی کل رکعتین و تخشع و تضرع وتمسکن ثم تقنع یدیك یقول ترفعهما الی ربك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلك فهی کذا وکذا، رواه الترمذی والنسائی وابن خزیمة فی صحیحه ورجاله ثقات (اعلاء السنن ص۲۰۶ ج۳)

(۵) اخرج عبد الرزاق عن النبی صلی الله علیه وسلم ای الدعاء اسمع ای اقرب الی الاجابة قال شطر اللیل الاخیر وادبار المکتوبة وصححه عبد الحق وابن القطان (مصنف عبد الرزاق)

(۶) ذکر الامام المحدث ابو الربیع فی کتاب مصباح الظلام عن النبی علیه الصلوٰة والسلام انه قال من، کانت له الی الله حاجة فلیسألها دبر صلوٰة مکتوبة اه (مصباح الظلام)

(۷) عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال قیل یا رسول الله ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوات المکتوبات، اخرجه الترمذی وقال حسن (فتح الباری ص۱۱۳ ج۱۱)

(۸) اخرج الطبرانی من روایة جعفر بن محمد الصادق قال الدعاء بعد المکتوبة افضل من الدعاء بعد النافلة کفضل المکتوبة علی النافلة (المواهب للقسطلانی نقلاً عن الحافظ ابن حجر)

(۹) عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه قال ما دنوت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی دبر صلاة مکتوبة ولا تطوع الا سمعته یقول اللّٰهم اغفر لی ذنوبی وخطایای کلها اللّٰهم انعشنی واجبرنی واهدنی لصالح الاعمال والاخلاق انه لا یهدی لصالح الاعمال ولا یصرف سیئها الا انت وروی النسائی وغیره اللّٰهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیها معاشی اعوذ برضاك من سخطك واعوذ بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد وروی ابو داؤد اذا انصرفت من المغرب فقل اللّٰهم اجرنی من النار سبع مرات اذا قلت ذٰلك ثم مت من لیلتك کتب لك جوار منها واذا صلیت الصبح فقل کذٰلك ان مت من یومك کتب لك جوار منها (ابن السنی)

(۱۰) عن عطاء بن مروان عن ابیه ان کعبا رضی الله تعالیٰ عنه حلف له بالله الذی فلق البحر لموسی انا لنجد فی التوراة ان داؤد نبی الله صلی الله علیه وسلم کان اذا انصرف من صلوٰته قال اللّٰهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیها معاشی اللّٰهم انی اعوذ برضاك من سخطك واعوذ یعنی بعفوك من نقمتك واعوذ بك منك لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا

ينفع ذا الجد منك الجد قال وحدثني كعب ان صهيبا حدثه ان محمدا صلى الله عليه وسلم كان يقولهن عند انصرافه من صلاته (نسائی)

(۱۱) عن معاذ بن جبل رضى الله تعالى عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذ بيدى يوما ثم قال يا معاذ والله انى لاحبك فقال معاذ بابى انت وامى يا رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وانا والله احبك فقال اوصيك يا معاذ لا تدعن فى دبر كل صلوٰة ان تقول اللهم اعنى على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك قال واوصى بذلك معاذ الصنابحى واوصى الصنابحى ابا عبد الرحمٰن الحبلى واوصى ابو عبد الرحمٰن عقبة بن مسلم هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وقال الذهبى فى التلخيص على شرطهما (مستدرك ص۲۷۳ ج ۱) واخرجه ابو داؤد والنسائى وصححه ابن حبان۔

(۱۲) عن المغيرة بن شعبة رضى الله تعالى عنه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا فرغ من الصلوٰة وسلم قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شىء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد ولفظ البخارى فى كتاب الاعتصام انه صلى الله عليه وسلم كان يقول هذه الكلمات دبر كل صلوٰة وفى كتاب الصلوٰة فى دبر كل صلوٰة مكتوبة،

(رواه البخارى ومسلم وابوداؤد والنسائى)

(۱۳) عن انس رضى الله تعالى عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم كان اذا صلى وفرغ مسح بيمينه على رأسه وقال بسم الله الذى لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم اللهم اذهب عنى الهم والحزن (رواه الطبرانى والبزار)

(۱۴) عن انس رضى الله تعالى عنه قال ما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنا الا قال حين اقبل علينا بوجهه اللهم انى اعوذ بك من كل عمل يخزينى واعوذ بك من كل صاحب يؤذينى واعوذ بك من كل عمل يلهينى واعوذ بك من كل فقر ينسينى واعوذ بك من كل غنى يطغينى (رواه البزار وابو يعلى)

(۱۵) عن على رضى الله تعالى عنه قال كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا سلم من الصلوٰة قال اللهم اغفرلى ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منى انت المقدم والمؤخر لا اله الا انت (رواه ابو داؤد)

(۱۶) عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان ینصرف من صلوٰتہ استغفر ثلاث مرات ثم قال اللّٰھم انت السلام الخ (رواہ ابوداؤد)

(۱۷) عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر کل صلوٰۃ اللّٰھم ربّنا و رب کل شیء انا شھید انک الرب لا شریک لک اللّٰھم ربنا و رب کل شیء انا شھید ان محمدًا عبدک و رسولک اللّٰھم ربنا و ربّ کل شیء انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ اللّٰھم ربنا و رب کل شیء اجعلنی مخلصًا لک و اھلی فی کل ساعۃ من الدنیا والآخرۃ یا ذا الجلال والاکرام اسمع و استجب اللہ الاکبر اللہ الاکبر اللہ نور السمٰوٰت والارض اللہ الاکبر حسبی اللہ و نعم الوکیل اللہ الاکبر اللہ الاکبر (رواہ ابوداؤد والنسائی و احمد)

(۱۸) عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقرأ بالمعوذات دبر کل صلوٰۃ (رواہ ابوداؤد)

(۱۹) فی مسند الامام احمد وسنن ابن ماجۃ وکتاب ابن السنی عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الصبح قال اللّٰھم انی اسألک علمًا نافعًا و عملًا متقبلًا و رزقًا طیبًا (کتاب الاذکار للنووی)

(۲۰) و بعد صلوٰتی الصبح والمغرب ایضًا قبل ان یتکلم اللّٰھم اجرنی من النار سبع مرات رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان (الحصن الحصین للجزری)

(۲۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فاذا فرغت فانصب یقول فاذا فرغت مما فرض علیک من الصلوٰۃ فاسأل اللہ وارغب الیہ وانصب لہ (تفسیر ابن جریر طبری)

(۲۲) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ام سلیم (الی قولہ) ثم قام الی ناحیۃ من البیت فصلی غیر المکتوبۃ فدعا لام سلیم و اھلھا الحدیث (رواہ البخاری)

(۲۳) عن عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی دبر الصلوٰت لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایّاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن الجمیل لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکٰفرون (رواہ مسلم)

(۲۴) عن عبد الرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من

قال قبل ان ینصرف و یثنی رجلیہ من صلوٰۃ المغرب والصبح لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الخ عشر مرات الخ (رواہ احمد)

(۲۵) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الصبح وھو ثان رجلیہ یقول سبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ انہ کان توابا سبعین مرۃ ثم یقول سبعین بسبعمائۃ الحدیث۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر)

اوپر کی تین حدیثوں میں حمد و ثنا کا بیان ہے جو افضل ترین دُعا ہے۔

قال صلی اللہ علیہ وسلم خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ما قلت انا والنبیون من قبلی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر رواہ مالک والترمذی و احمد وغیرھم شرح النقایۃ للقاری وقیل لابن عیینۃ ھذا ثناء فلم سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء فقال الثناء علی الکریم دعاء لانہ یعرف حاجتہ فتح قلت یشیر بھذا الی خبر من شغلہ ذکری عن مسألتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین ومنہ قول امیۃ بن ابی الصلت فی مدح بعض الملوک۔

ااذکر حاجتی ام قد کفانی   ثناؤک ان شیمتک الحیاء

اذا اثنی علیک المرء یوما   کفاہ من تعرضک الثناء

(رد المحتار ص۱۹۰ ج۲)

(۲۶) ان اللہ تعالیٰ کرہ لکم ثلاثا اللغو عند القرآن ورفع الصوت فی الدعاء والتخصر فی الصلوٰۃ (عب) عن یحیی بن کثیر مرسلا (ح) (الجامع الصغیر ص۷۲ ج۱)

عبارات فقہ

حنفیہ :

(۱) اذا دعا بالدعاء المأثور جہرا وجہر معہ القوم ایضا لیتعلموا الدعاء لا بأس بہ واذا تعلموا حینئذ یکون الجہر بدعۃ (ھندیۃ ص۳۱۸ ج۵ - بزازیۃ بہامش الھندیۃ ص۳۷۸ ج۴)

(۲) واعظ یدعو کل اسبوع بدعاء مسنون جہرا لتعلیم القوم ویخافتہ القوم اذا تعلم القوم خافت ھو ایضا وان جہر فھو بدعۃ (بزازیۃ علی ھامش العالمگیریۃ ص۳۷۸ ج۴)

(۳) ویستحب للامام (الی) وان یستقبل بعدہ الناس (الی) ثم یدعون لانفسہم وللمسلمین رافعی ایدیہم ثم یمسحون بہا وجوہہم فی آخرہ (نور الایضاح)

④ قال العلامۃ الشاہ محمد انور قدس سرہٗ نعم اصل سنۃ الدعاء یحصل بغیر رفع الیدین ولذا قل النقل فی الرفع بعد الصلوٰۃ وانما الرفع کمال فی السنۃ تحصل سنتہٗ بہ وبغیرہ فلا سبیل الی تبدیع من رفع ولا الی تجہیل من ترک واما الامور المحدثۃ من عقد صورۃ الجماعۃ للدعاء کجماعۃ الصلوٰۃ والانکار علی تارکہا ونصب امام ثم ائتمام بہ فیہ وغیر ذلک من قلۃ العلم وکثرۃ الجہل والجاہل اما مفرط او مفرّط واللہ الموفق للصواب

(النفائس المرغوبۃ للمفتی کفایۃ اللہ رحمہ اللہ ص ۳۷)

مالکیہ

⑤ کرہ مالک رضی اللہ عنہ وجماعۃ من العلماء لائمۃ المساجد والجماعات الدعاء بعد الصلوات المکتوبۃ جہرا للحاضرین الخ (امداد الفتاوی ص ۵۶۶ ج ۱)

⑥ وقد اکثر الناس فی ہذہ المسألۃ اعنی دعاء الامام عقب الصلوٰۃ وتأمین الحاضرین علی دعائہ وحاصل ما انفصل عنہ الامام ابن عرفۃ والغبرینی ان ذلک ان کان علی نیۃ انہ من سنن الصلوٰۃ وفضائلہا فہو غیر جائز وان کان مع السلامۃ من ذلک فہو باق علی حکم اصل الدعاء والدعاء عبادۃ شرعیۃ فضلہا من الشریعۃ معلوم عظمہ (امداد الفتاوی ص ۵۶۷ ج ۱)

شافعیہ :

⑦ فی فتح المعین مع المتن ویسن ذکر ودعاء سرّا عقبہا ای الصلوٰۃ ای یسن الاسرار بہما لمنفرد ومأموم وامام لم یرد تعلیم الحاضرین ولا تأمینہم لدعائہ بسماعہ

(امداد الفتاوی ص ۵۶۸ ج ۱)

⑧ فی شرح العباب لابن حجر وفتاواہ الکبرٰی ویسن للمصلی اذا کان منفردًا او مأمومًا[1] کما فی المجموع عن النص بعد السلام عن الصلوٰۃ اکثار ذکر اللہ تعالٰی والدعاء سرًّا للاخبار الصحیحۃ لکن قال الاسنوی الحق انہ یسن للامام ان یختصر فی الذکر والدعاء بحضرۃ المأمومین فاذا انصرفوا طول (امداد الفتاوی ص ۵۶۸ ج ۱)

حنابلہ :

⑨ قال الشیخ المنصور بن ادریس الحنبلی فی شرح الاقناع مع المتن یسن ذکر اللہ والدعاء والاستغفار عقب الصلوٰۃ المکتوبۃ (الی ان قال) ویدعو الامام بعد فجر و

[1] سیاق عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں "او اماما" کا لفظ رہ گیا ہے۔ ۱۲ رشید احمد

عصر لحضور الملئكة فيهما فيؤمنون على الدعاء فيكون اقرب للاجابة وكذا يدعو بعد غيرهما من الصلوات لان من اوقات الاجابة ادبار المكتوبات (الى قوله) ويكره للامام استقبال القبلة بل يستقبل المأمومين لما تقدم انه ينحرف اليهم اذا سلم ويلح الداعي في الدعاء ويكرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح والدعاء سرّا افضل منه جهرا لقوله تعالى ادعوا ربكم تضرعا وخفية لانه اقرب الى الاخلاص قال يكره رفع الصوت به في الصلوٰة وغيرها الا الحاج فان رفع الصوت له افضل لحديث افضل الحج العج والثج۔

(امداد الفتاوی ص۵۲۵ ج ۱)

مذکورہ بالا روایات و عبارات سے اُمور ذیل ثابت ہوئے:

① فرائض کے بعد ادعیہ و اذکار روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ سے ثابت ہیں۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظہر، مغرب اور عشاء میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہوجائے، تاخیر مکروہ ہے، ان کے ہاں روایات مذکورہ کی دو توجیہیں ہیں:

① یہ روایات فجر و عصر سے متعلق ہیں۔

② فرائض کے بعد کی سنن و نوافل کا حکم فرائض کے جبر نقصان کے لئے ہے، اسلئے یہ ملحق بالفرائض ہیں، لہٰذا دبر المکتوبات سے مع الملحقات مراد ہے، یعنی سنن و نوافل کے بعد۔

بہرکیف فرائض کے بعد ذکر و دعاء سے متعلق اسقدر روایات ہیں کہ اس کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

② دعاء بعد الفرائض میں رفع یدین بھی ثابت ہے، اگرچہ اس سے متعلق بعض روایات میں ضعف ہے مگر اولاً فضائل میں عمل بالضعیف بھی جائز ہے۔ ثانیاً اسے دوسری روایات سے اعتضاد حاصل ہے۔ ثالثاً مطلق دعاء میں رفع یدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور کلیہ میں دعاء بعد الفرائض بھی داخل ہے۔ (اس سے رجوع کی تفصیل ضمیمہ میں ہے)

③ دعاء بعد الفرائض میں رفع یدین کے فاعل اور تارک میں سے کسی پر بھی اعتراض اور ملامت جائز نہیں۔ (العبارة الرابعة)

④ ظہر، مغرب اور عشاء میں امام فرائض کے سلام کے بعد سنتوں کے لئے کھڑا ہوجائے، اللّٰھم انت السلام سے زیادہ تاخیر مکروہ ہے۔

⑤ دعاء میں اخفاء بالاتفاق زیادہ افضل ہے اور اس صورت میں امید قبول زیادہ ہے۔

(۶) مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام مقتدیوں کی موجودگی میں (انفراداً) مختصر دعا کرے جب مقتدی چلے جائیں تو طویل دعا کر سکتا ہے (العبارۃ الثامنۃ)

لیکن آجکل معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مقتدیوں کے سامنے تو بہت لمبی چوڑی دُعائیں ہوتی ہیں مگر چوں بخلوت مے روند؟

(۷) دعا میں امام اور مقتدیوں کا آپس میں تعلق رکھنا خواہ دعا آہستہ ہی کریں اس کا کسی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں۔

(۸) امام کے ساتھ ملکر دعا کرنے کی رسم خواہ سرّاً ہو یا جہراً بدعت ہے جو قلّتِ علم و کثرتِ جہل سے پیدا ہوئی ہے اور جہال کی افراط ہے۔ (العبارۃ الرابعۃ والخامسۃ)

(۹) اگر امام اس نیت سے جہراً دعا کرتا ہے کہ لوگ دُعا کے کلمات سُن کر یاد کریں تو اس میں کچھ حرج نہیں، جب لوگ دعا یاد کرلیں تو جہر بدعت ہے۔ (العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ)

(۱۰) بعض مالکیہ نے فرض کے بعد امام کے ساتھ اجتماعی دعاء کو اس شرط سے جائز کہا ہے کہ اس کو نماز کی سنن و فضائل میں سے نہ سمجھا جائے، اگر نماز کی سنن و فضائل میں شمار کیا جاتا ہو تو بالاتفاق جائز نہیں (العبارۃ السادسۃ)

یہ روایت خود صاحب مذہب امام مالک اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کی اس نص کے خلاف ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو کر فوراً اپنی جگہ سے ہٹ جائے (المدونۃ صفحہ ۱۴۴ ج ۱، الاعتصام للشاطبی صفحہ ۳۵۳، ۳۵۴ ج ۱)

(۱۱) شافعیہ کے ہاں امام کا جہراً دعاء کرنا خلاف سنت ہے، البتہ مقتدیوں کی تعلیم یا تأمین مقصود ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ اسکو مسنون سمجھنے کا خطرہ نہ ہو (العبارۃ السادسۃ والسابعۃ)

عبارت ثالثہ و تاسعہ سے دعا میں امام اور مقتدیوں کا آپس میں رابطہ رکھنا ثابت نہیں ہوتا۔

دعاءِ مروّج کا تجزیہ:

(۱) عوام اسے سنن صلوٰۃ میں سے سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) اس کا اسقدر التزام ہونے لگا ہے کہ تارک کو ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے۔ اگر کوئی امام اس طریقہ پر دعا نہ کرائے تو اسے امامت سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

(۳) اخفاء کی افضلیت پر اجماع کے باوجود جہر ہی پر اصرار کیا جاتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر نمازوں کے بعد عام مساجد میں دعاء کا مروّجہ طریقہ ختم کرنا چاہئے۔ اور علماء کو اس طرف زیادہ توجہ مبذول کرنا چاہئے۔ شافعیہ و بعض مالکیہ نے جو بعض شرائط سے اجازت دی ہے

ظاہر ہے کہ وہ بھی مقید بالسلامۃ من القبائح المذکورۃ ہے، التزام کی وجہ سے تو امر مندوب ومستحب بھی واجب الترک ہوجاتا ہے چہ جائیکہ جس کا کوئی ثبوت ہی نہ ہو اور پھر اسے نماز کے متعلقات میں شمار کیا جانے لگے۔ اس لئے ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ جہر کی رسم کو تو بالکلیہ ختم کردیں اور اجتماعاً سری دعاء سے متعلق بھی مقتدیوں کو یہ تبلیغ کرتے رہیں کہ یہ طریقہ سنت سے ثابت نہیں اس لئے اسکا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ ائمہ حضرات کبھی کبھار عملاً بھی اجتماعی دعا میں ناغہ کردیا کریں تاکہ عوام کے ذہن سے اس طریقہ کی سنّیت کا خیال نکل جائے، مگر عملی اقدام سے قبل بطریق حسن ملاطفت اور نرمی سے لوگوں کو مسئلہ کی حقیقت سمجھائیں اور خوب ذہن نشین کرائیں تاکہ انتشار و فتنہ کی صورت پیدا نہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ١٩ر جمادی الاولیٰ سنہ ٩٦ھ

الحاق:

روایاتِ ذیل سے اجتماعی دعاء کے ثبوت کا اشتباہ ہوسکتا ہے:

(١) من آداب الدعاء تأمين الداعي والمستمع، خ، م، د، س (حصن حصین ص ۵)

(٢) قولہ تعالیٰ قد اجيبت دعوتكما کے تحت کتبِ تفسیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعاء فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی۔

(٣) حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے غزوۂ احد میں اس طرح دعاء مانگی کہ پہلے ایک نے دعاء کی اس پر دوسرے نے آمین کہی، پھر دوسرے نے دعاء کی اس پر پہلے نے آمین کہی

(٤) لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن بعض الا اجابهم الله (تلخیص الذہبی مع المستدرک ص ۳۴۷ ج ۳)

ان روایات کا نماز کے بعد والی دعاء سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب اس صورت سے متعلق ہیں کہ کوئی شخص دعاء کر رہا ہو اتفاقاً کسی دوسرے نے سُن لی تو وہ اس پر آمین کہے، نماز کے بعد تو ہر شخص کے لئے موقعِ دعاء ہے، پھر ہر شخص کا مقصد الگ ہوتا ہے، ہر شخص اپنے مقصد کے لئے دعاء میں مشغول ہوگا تو دوسرے کی دعاء پر آمین کیسے کہے گا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ پانچ بار علانیہ باجماعت نماز ادا فرماتے تھے، اگر آپ نے نماز کے بعد کبھی اجتماعی دعاء فرمائی ہوتی تو اس کو کوئی متنفس تو نقل کرتا، مگر ذخیرۂ حدیث میں اس کا کہیں نشان نہیں ملتا، اگر اس کا استحباب تسلیم بھی کرلیا جائے تو التزام بہرصورت بدعت ہے،

وفقنا الله الجميع لما يحب ويرضى، فقط والله تعالى اعلم،

(ضمیمہ تتمہ میں) ١٠ر ربیع الاول سنہ ١٤٠٤ھ

باب القراءة والتجوید

قراءۃ میں صحت ادا کی کوشش نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک شخص نماز میں قرآن مجید غلط پڑھتا ہو، اعراب میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، سمجھانے کے باوجود اصلاح نہیں کرتا، بلکہ کہتا ہے کہ اس قسم کی معمولی غلطیاں مفسد صلوٰۃ نہیں، اس شخص کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب منه الصدق والصواب

اعراب کی غلطی اگرچہ عند المتاخرین مفسد صلوٰۃ نہیں، مگر بے احتیاطی اور بے پرواہی سے قرآن مجید غلط پڑھنا سخت گناہ ہے، قال الله تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔ وقال العلامة الجزری والاخذ بالتجوید حتم لازم، من لم یجود القراٰن اثم، جو شخص قرآن کی حرکات اور حروف کے امتیاز کو ضروری نہیں سمجھتا اس کے خیال میں قرآن کا اعراب اور متشابهة الصوت الفاظ کا تعدد فضول اور باطل ہے، وقال الله تعالیٰ لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۔

الثغ اگر صحت ادا کی کوشش نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی، قال فی شرح التنویر وحرر الحلبی وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثله ولا تصح صلوته اذا امکنه الاقتداء بمن یحسنه او ترك جهده الخ وفی الشامیة (قوله دائما) ای فی اٰناء اللیل واطراف النهار فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیه فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة کما فی المحیط وغیره الخ۔ (رد المحتار، ص ۴۲۴ ج ۱)

جب ترک جہد کی صورت میں الثغ کی نماز فاسد ہے حالانکہ یہ معذور بھی ہے، تو غیر معذور اگر صحت ادا کی کوشش نہیں کرتا، بلکہ بے پرواہی کرتا ہے تو اس کی نماز بطریق اولیٰ صحیح نہ ہوگی، غرضیکہ

اگر کبھی اتفاقاً کوئی غلطی اعراب میں ہوجائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر بے احتیاطی و بے پرواہی کی وجہ سے قرآن مجید غلط پڑھتا ہے صحتِ ادا کی کوشش ہی نہیں کرتا تو نماز صحیح نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
۷ ربیع الاولیٰ ۷۳ھ

قراءت فرض کی مقدار:

سوال: قراءت فرض کا ادنیٰ درجہ جس کے سوا نماز صحیح نہیں ہوتی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بعض نے اٹھارہ حروف کا قول نقل کیا ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ تیس حروف ہوں، قال العلائی وفرض القراءة آية على المذهب هي لغة العلامة وعرفا طائفة من القرآن مترجمة اقلها ستة احرف ولو تقديرا كلم يلد الا اذا كانت كلمة فالاصح عدم الصحة وان كررها مرارا (الی قوله) قرأ آية طويلة في الركعتين فالاصح الصحة اتفاقا لانه يزيد على ثلاث آيات قصار، قال في الشامية (قوله فالاصح عدم الصحة) كذا في المنية وهو شامل لمثل مدهامتان ومثل ص وق ون، لكن ذكر في الحلية والبحران الذي مشى عليه الاسبيجابي في الجامع الصغير وشرح الطحاوي وصاحب البدائع الجواز في مدهامتان عنده من غير حكاية خلاف (قوله لانه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لان نصف الآية الطويلة اذا كان يزيد على ثلاث آيات قصار يصح على قولهما فعلى قول ابي حنيفة المكتفي بالآية اولى ح قال في البحر وعلم من تعليلهم ان كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل ان يكون البعض يبلغ ما يعد بقراءته قارئا عرفا، وايضا فيها لكن التعليل الاخير ربما يفيد اعتبار العد في الكلمات او الحروف (الی قوله) كقوله تعالى ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستكبر وقدرها من حيث الكلمات عشر[1] ومن حيث الحروف ثلاثون (رد المحتار ج۱ ص۵۰۲)

وفي واجبات الصلوة من الشرح وضم اقصر سورة كالكوثر او ما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستكبر وكذا لو كانت

---

[1] دس کلمات ضروری نہیں صرف تیس حروف کافی ہیں، کما فی الشامیة فی بیان کراهة اطالة الرکعة الثانیة علی الاولیٰ فالمعتبر عدد الحروف لا الکلمات ۱۲ منه

الآیة او الآیتان تعدل ثلاثاً قصاراً، وفی الشامیة ای مثل ثم نظر الخ وھی ثلاثون حرفاً فلو قرأ آیة طویلة قدر ثلاثین حرفاً یکون قد اتی بقدر ثلاث آیات لکن سیأتی فی فصل یجھر الامام ان فرض القراءة آیة وان الآیة عرفاً طائفة من القرآن مترجمة اقلھا ستة احرف ولو تقدیراً کلم یلد الا اذا کانت کلمة فالاصح عدم الصحة ومقتضاہ انہ لو قرأ آیة طویلة قدر ثمانیة عشر حرفاً یکون قد اتی بقدر ثلاث آیات متوالیة علی النظم القرآنی مثل ثم نظر الخ ولا یوجد ثلاث متوالیة اقصر منھا الخ (رد المحتار ص۴۲۷ ج۱) وقال الرافعی المتبادر من قولہ ثلاثاً قصاراً الاکتفاء بقدر الثلاث من الآیة او الآیتین وان لم تکن الثلاث علی ترتیب النظم القرآنی واشتراط ذلك لاتدل علیہ عبارة الحلبی اذ قولہ تعدل ثلاث آیات قصار شامل لما اذا کانت علی الوجہ المشروع بان تکون متوالیة اولا واثباتہ لابد لہ من دلیل فمع عدم وجودہ یعمل باطلاق عبارة الحلبی من الاکتفاء بالآیة التی بلغت ثمانیة عشر حرفاً لاقامة واجب القراءة (التحریر المختار ج۱ ص۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رشعبان ۷۴ھ

فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں:

سوال:- فرض کی آخری دو رکعتوں میں اگر سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز ہوجائے گی، فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے، ضروری نہیں، فقط بقدر تسبیحہ واحدہ قیام کافی ہے، قال فی شرح التنویر وھو مخیر بین قراءة الفاتحة وصحح العینی وجوبھا وتسبیح ثلاثاً وسکوت قدرھا وفی النھایة قدر تسبیحة فلا یکون مسیئاً بالسکوت علی المذھب لثبوت التخییر عن علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنھما وھو الصارف للمواظبة عن الوجوب فی الشامیة تحت قولہ (وصحح العینی وجوبھا) لکن الاصح عدمہ (قولہ وفی النھایة قدر تسبیحة) وھو الیق بالاصول حلیة ای لان رکن القیام یحصل بھا لما مر ان الرکنیة تتعلق بالادنی (رد المحتار ص۴۷۷ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الاول ۷۶ھ

قراءۃ مسنونہ:

سوال: خالد کہتا ہے جو لوگ نماز میں طوال مفصل قصار مفصل اور اوساط مفصل کے بغیر اجزاء السورے پڑھتے ہیں ان کی نماز خلافِ سنت ہوتی ہے، چونکہ اجزاء السورے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لئے خلافِ سنت ہے۔ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجزاء السور سے پڑھنا ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف کے باب القراءۃ میں آیا ہے اور قاضی خاں نے بھی اجزاء السور سے پڑھنا حضور سے ثابت کیا ہے، جو فعل حضور سے ثابت ہو اس کو خلافِ سنت کہنا جہالت ہے یا عناد ہوگا، آجکل علماء و غیر علماء کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طوال، اوساط اور قصار کی پابندی نہیں کرتے، کیا یہ سب حضرات نماز خلافِ سنت ادا کر رہے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قال فی شرح التنویر ویسن (فی الحضر) لامام ومنفرد ذکرہ الحلبی والناس عنہ غافلون (طوال المفصل) من الحجرات الی اٰخر البروج (فی الفجر والظہر و) منہا الی اٰخر لم یکن (اوساطہ فی العصر والعشاء و) باقیہ (قصارہ فی المغرب) ای فی کل رکعۃ سورۃ مما ذکر، ذکرہ الحلبی، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای من الطوال والاوساط والقصار ومقتضاہ انہ لا نظر الی مقدار معین من حیث عدد الاٰیات مع انہ ذکر فی النہر ان القراءۃ من المفصل سنۃ والمقدار المعین سنۃ اخری ثم قال وفی الجامع الصغیر یقرأ فی الفجر فی الرکعتین سورۃ الفاتحۃ وقدر اربعین او خمسین واقتصر فی الاصل علی الاربعین وفی المجرد ما بین الستین الی المائۃ والکل ثابت من فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ویقرأ فی العصر والعشاء خمسۃ عشر فی الرکعتین فی ظاہر الروایۃ کذا فی شرح الجامع لقاضی خان وجزم بہ فی الخلاصۃ وفی المحیط وغیرہ یقرأ عشرین وفی المغرب خمس اٰیات فی کل رکعۃ اھ اقول کون المقروء من سور المفصل علی الوجہ الذی ذکرہ المصنف ہو المذکور فی المتون کالقدوری والکنز والمجمع والوقایۃ والنقایۃ وغیرہا وحسن المتن وبعد علی ماذکرہ فی النہر والبحر مما علمتہ مخالف لما فی المتون من بعض الوجوہ کما نبّہ علیہ فی الحلیۃ فانہ لو قرأ فی الفجر او الظہر سورتین من طوال المفصل تزیدان علی مائۃ اٰیۃ کالرحمٰن والواقعۃ او قرأ فی العصر او العشاء سورتین من اوساط المفصل تزیدان علی عشرین او ثلاثین

آیۃ کالغاشیۃ والفجر یکون ذلک موافقا للسنۃ علیٰ ما فی المتون لا علی الروایۃ الثانیۃ ولا تحصل الموافقۃ بین الروایتین الا اذا کانت السورتان موافقۃ للعدد المذکور ویلزم علیٰ ما مرّ عن النھر من ان المقدار المعیّن سنۃ اخریٰ ان تکون قراءۃ السورتین الزائدتین علیٰ ذلک المقدار خارجۃ عن السنۃ الّا ان یقتصر من کل سورۃ منھما علیٰ ذلک المقدار مع انھم صرحوا بان الافضل فی کل رکعۃ الفاتحۃ وسورۃ تامۃ فالذی ینبغی المصیر الیہ انھما روایتان متخالفتان اختار اصحاب المتون احداھما ویؤیدہ انہ فی متن الملتقیٰ ذکر اوّلاً ان السنۃ فی الفجر حضرا اربعون آیۃ او ستون ثم قال واستحسنوا طوال المفصل فیھا وفی الظھر الخ فذکر ان الثانی استحسان فیترجح علی الروایۃ الاولیٰ لتأیدہ بالاثر الوارد عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کتب الیٰ ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ ان اقرأ فی الفجر والظھر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل قال فی الکافی وھو کالمروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان المقادیر لا تعرف الا سماعًا اھ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۰۵)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیّتِ قراءۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے، اور دوسری میں سورِ مفصل کو، نہر میں صورتِ تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سورِ مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے، اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سورِ مفصّل کی روایت عام متون کی ہے، اور یہی راجح ہے،

پھر اس میں یہ تفصیل ہو کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر جزءِ سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخرِ سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے، غرضیکہ مفصل سور پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قراءۃ مفصّل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرضِ استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترکِ سنت یا استحباب اور کراہتِ تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام واصرار قابلِ اصلاح ہے، سورِ مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیانًا مقتضائے حال پر مبنی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ واختار فی البحر عدم التقدیر الخ) والظاھر ان المراد عدم التقدیر بمقدار معین لکل احد وفی کل وقت کما یفیدہ تمام

العبارة بل تارة يقتصر على ادنى ما ورد كاقصر سورة من طوال المفصل فی الفجر او اقصر سورة من قصاره عند ضيق وقت او نحوه من الاعذار لانه عليه الصلوٰة والسلام قرأ فى الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبى خشية ان يشق على امه وتارة يقرأ اكثر ما ورد اذا لم يمل القوم فليس المراد الغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا قال فى البحر عن البدائع والجملة فيه انه ينبغى للامام ان يقرأ مقدار ما يخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد ان يكون على التمام وكذا فى الخلاصة اھ (رد المحتار، ص ۵۰۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ محرم ۸۴ھ

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ پڑھی تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام مسئلۂ ذیل میں کہ فرض نماز میں رکعتین اُولیین میں سورت نہ ملائی گئی ہو تو اُخریین میں قراءة کا کیا درجہ ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر پہلی دو رکعتوں میں یا ایک میں سورت ملانا یاد نہ رہا تو آخری رکعتوں میں دونوں میں یا ایک میں ملانا مستحب ہے، قال فى الدر ولو ترك سورة اوليى العشاء مثلاً ولو عمداً قرأها وجوبًا وقيل ندبًا مع الفاتحة جهرا فى الاخريين وفى الشامية (قوله ولو عمدا) هذا ظاهر اطلاق المتون وبه صرح فى النهر ولم يعزه الى احد وكأنه اخذه من الاطلاق والا فصنيع الفتاوى والشروح يقتضى ان وضع المسألة فى النسيان تأمل افاده الخير الرملى، وقال تحت (قوله وجوبا وقيل ندبا) والحاصل ان اختيار صاحب الفتح والبحر والنهر الندب لانه صريح كلام محمد (رد المحتار، ص ۵۰۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ ربیع الاول ۸۶ھ

فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے:

سوال :- سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے یا نہیں ؟ بہشتی زیور میں پڑھنے کو ترجیح دی ہے، مگر مستخلص میں نہ پڑھنے کو، عبارت یہ ہے واما عند رأس كل سورة فلا يأتى به فى الصلوٰة عند ابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالىٰ وقال محمد رحمه الله تعالى يأتى بها احتياطا والصحيح قولهما، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب :- سنیت میں اختلاف ہے، اور عدمِ سنیت راجح ہے،

مگر اولویت میں کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا بہشتی زیور کا مسئلہ صحیح ہے، قال فی شرح التنویر لا تسن بین الفاتحة والسورة مطلقاً ولو سریة ولا تکرہ اتفاقاً، وفی الشامیة (قوله لا تسن) مقتضی کلام المتن ان یقال لا یسمی لکنه عدل عنه لایهامه الکراهة بخلاف نفی السنیة ثم ان هذا قولهما وصححه فی البدائع وقال محمد تسن ان خافت لا ان جهر، بحر ونسب ابن الضیاء فی شرح الغزنویة الاول الی ابی یوسف فقط فقال وهذا قول ابی یوسف وذکر فی المصفی ان الفتوی علی قول ابی یوسف انه یسمی فی اول کل رکعة ویخفیها وذکر فی المحیط المختار قول محمد وهو ان یسمی قبل الفاتحة وقبل کل سورة وفی کل رکعة وفی روایة الحسن ابن زیاد انه یسمی فی الرکعة الاولی لا غیرہ وانما اختیر قول ابی یوسف لان لفظة الفتوی آکد وابلغ من لفظة المختار ولان قول ابی یوسف وسط وخیر الامور اوسطها کذا فی شرح عمدة المصلی اھ مافی شرح الغزنویة ووقع فی النهر هنا خطأ وخلل فی النقل ایضا عن شرح الغزنویة فاجتنبه فافهم (قوله ولا تکرہ اتفاقاً) ولهذا صرح فی الذخیرة والمجتبیٰ بانه ان سمی بین الفاتحة والسورة المقروءة سراً او جهراً کان حسناً عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذہ الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة، بحور (رد المحتار ص ۳۵۸ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۸ ربیع الاول ۸۷ھ

قراءت میں آواز کی مقدار:

سوال: بہشتی زیور میں ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ اتنی چپکے سے پڑھے کہ اپنی آواز خود اپنے کان کو نہ سنائی دے تو نماز نہیں ہوگی، تو کیا اتنی زور سے نماز پڑھنا کہ اپنے کان کو سنائی دے فرض ہے یا واجب، اگر غلطی سے بہت چپکے سے پڑھ لی پھر خیال آیا تو کیا سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حروف صحیح نکالے تو نماز ہو جائے گی اگرچہ خود نہ سن سکے، قولِ اول پر عمل کرنے سے اکثر وہم پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر لوگ اسی وہم کی وجہ سے زور زور سے پڑھنے لگتے ہیں جس سے دوسروں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لئے میرے خیال میں دوسرے قول پر عمل کرنا چاہیے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ذیقعدہ ۹۸ھ

دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا:

سوال:۔ ایک رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی، دوسری میں بھی سورۂ اخلاص پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فرائض میں عمداً ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں. قال فی العلائیۃ لابأس ان یقرأ سورۃ ویعید ھافی الثانیۃ وفی الشامیۃ افاد انہ یکرہ تنزیہا، (رد المحتار ص۵۱۰ ج۱) وفی العلائیۃ ولایکرہ فی النفل شیء من ذلک (رد المحتار ص۵۱۱ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رشعبان ۸۸ھ

ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھنا:

سوال:۔ فرض نماز کی پہلی یا دوسری رکعت میں دو سورتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر قصداً یا سہواً پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کرکے پڑھنا خلاف اَولیٰ ہے، اور دو سورتوں کے درمیان ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر پڑھنا مکروہ ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں،

خواہ قصداً ہو یا سہواً، اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ، تحت (قولہ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ) وھذا لوفی رکعتین اما فی رکعۃ فیکرہ الجمع بین سورتین بینھما سُوَرٌ اوسورۃ، (فتح) وفی التتارخانیۃ اذا جمع بین سورتین فی رکعۃ رأیت فی موضع انہ لابأس بہ وذکر شیخ الاسلام لاینبغی لہ ان یفعل علیٰ ماھو ظاھر الرّوایۃ اھ وفی شرح المنیۃ الاَولیٰ ان لایفعل فی الفرض، ولو فعل لایکرہ الا ان یترک بینھما سورۃ او اکثر (رد المحتار ص۵۱۱ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ رشعبان ۹۲ھ

ایک سورت دو رکعتوں میں تقسیم کرکے پڑھنا:

سوال:۔ اگر ایک رکعت میں آدھی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا باقی حصہ پڑھا تو اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا کراہت جائز ہے، البتہ درمیان میں ایک آیت چھوڑنا مکروہ ہے، دو یا زیادہ آیات چھوڑنے میں کراہت نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے، قال فی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ وان یقرأ فی الاولیٰ من محل وفی الثانیۃ من آخر ولو من سورۃ ان کان بینہما آیتان فاکثر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی النھر وینبغی ان یقرأ فی الرکعتین آخر سورۃ واحدۃ لا آخر سورتین اھ (قولہ ولو من سورۃ الخ) واصل بما قبلہ ای لو قرأ من محلین بان انتقل من آیۃ الیٰ اخریٰ من سورۃ واحدۃ لا یکرہ اذا کان بینہما آیتان فاکثر لکن الاولیٰ ان لا یفعل بلا ضرورۃ لانہ یوھم الاعراض والترجیح بلا مرجح، شرح المنیۃ وانما فرض المسألۃ فی الرکعتین (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ / صفر سنہ ۹۹ھ

فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین میں مذاہب ائمہ کی تفصیل:

سوال:- امام شافعی، امام احمد، اور امام مالک یعنی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ امام کے پیچھے فاتحہ کے قائل تھے یا نہیں، اور رفع یدین اور آمین بالجہر کرتے تھے یا نہیں، اور کونسے امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام اعظم، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں جہری نماز میں قراءۃ خلف الامام جائز نہیں، البتہ سری نماز میں امام مالک اور امام احمد کے ہاں مستحب ہے، ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے صرف امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ سری نماز میں قراءۃ فاتحہ خلف الامام واجب ہے، جہری نماز میں وہ بھی منع فرماتے تھے، شوافع کا خیال ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ آخر عمر میں جہر نماز میں بھی وجوب فاتحہ خلف الامام کے قائل ہوگئے تھے، مگر اولاً یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کا آخری قول کیا ہے؟ آپ نے کتاب الام میں منع فرمایا ہے، اس کتاب کو بعض نے کتب قدیمہ میں شمار کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کتاب الام آپ کی کتب جدیدہ میں سے ہے، کما صرح بہ السیوطی فی حسن المحاضرۃ ص ۱۲۲ ج ۱، والحافظ ابن کثیر فی البدایۃ والنھایۃ ص ۲۵۲ ج ۱، ثانیاً اگر قول منع کو قدیم بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے رجوع بصورت ایجاب فرمایا ہے یا بصورت استحباب یا جواز؟ تینوں

اقوال ہیں، غرضیکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے جہری نماز میں وجوب فاتحہ خلف الامام کا کوئی یقینی ثبوت نہیں ملتا، نیز آپ نے امام کے ساتھ قراءت کی اجازت نہیں دی، بلکہ سکتاتِ امام میں قراءت کے قائل ہیں، (مغنی لابن قدامۃ ص ۶۰۹ ج۱، تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۷ ج۱، فیض الباری ص ۲۷۱ ج۲، تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج۲، کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۷، مختصر المزنی ص ۱۰۶ ج۱، تنوع العبادات لابن تیمیۃ ص ۷۸، فصل الخطاب للشیخ انورشاہ) ۔

آمین، امام اعظم اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں آہستہ کہنا افضل ہے، اور امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کے ہاں جہراً مندوب ہے (فیض الباری ص ۲۹۱ ج ۲، فتح الملہم ص ۴۹ ج ۲)

اسی طرح رفع یدین بھی امام شافعی واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحب ہے اور امام اعظم و مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں ترکِ رفع مستحب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ ربیع الآخر ۹۳ھ

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قراءت جائز ہے:

سوال:۔ نماز کے اندر جہری قراءت، باآواز بلند قراءت پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور آیت کریمہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قراءت کرنا جائز ہے، البتہ جہر میں تکلف کرنا یا اتنا جہر کہ نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لئے باعثِ ایذا ہو، ناجائز ہے، فی الشامیۃ تحت (قولہ فان زاد علیہ اساء) وفی الزاھدی عن ابی جعفر لو زاد علی الحاجۃ فھو افضل الا اذا اجھد نفسہ او اٰذی غیرہ، قھستانی (رد المحتار ص ۴۹۷ ج۱)

آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باآواز بلند قراءت فرماتے تو مشرکین سُن کر بُرا بھلا کہتے تھے، اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قراءت کریں، تاکہ صرف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سُنیں اور مشرکین تک آواز نہ پہونچے، اس سے مطلقاً بلند آواز سے قراءت کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ رجب ۹۴ھ

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي میں فِی چھوٹ گیا:

سوال:۔ امام صاحب نے نماز میں فَادْخُلِي فِي عِبَادِي کی بجائے فَادْخُلِي عِبَادِي پڑھ دیا،

کیا نماز فاسد ہوجائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز ہوگئی، فانہ یجوز حذف اداۃ الظرف نمانی ادخلوا الجنۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ر شعبان ۹۴ھ

جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے؟ :

سوال :- اگر کسی کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے، سبحان اللہ یا الحمد للہ بجائے قراءۃ کے پڑھ لے، اور جلد سے جلد اس پر قرآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا فرض ہے، قراءت فرض کی مقدار یاد کرلینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے، اور نہ سیکھنے میں سخت گنہگار ہوگا، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ صحیح ہے قال فی الھندیۃ وفی المبسوط الوبری والاخرس والاُمّی الذی لایحسن شیئا یصیر شارعا بالنیۃ ولایلزمہ التحریک باللسان کذا فی التبیین (عالمگیریہ، ص ۶۹ ج ۱) نومسلم پراس طرح پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان ایسی غفلت میں رہا اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو بطریق مذکور فوراً نماز شروع کردے، مگر بقدر ضرورت قرآن یاد کرلینے کے بعد ان نمازوں کو لوٹائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ر ربیع الاول ۹۶ھ

منفرد جہری نمازوں میں قضاء کرے تو قراءت میں جہر کا اختیار ہے :

سوال :- اگر کسی شخص کی جہری نماز قضا ہوگئی اب وہ شخص دن میں اُس قضا نماز کو منفرداً ادا کرنا چاہتا ہے تو قراءت بالجہر کرے گا یا بالسر؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو جس طرح جہری نماز میں وقت کے اندر جہر و اخفاء دونوں کا اختیار ہے، اسی طرح جہری نماز کی قضا میں بھی اختیار ہے، قال فی الدر المختار ویخافت المنفرد حتما ای وجوبا ان قضی الجھریۃ فی وقت المخافتۃ کان صلی العشاء بعد طلوع الشمس کذا ذکرہ

المصنف بعد عد الواجبات قلت وھکذا ذکرہ ابن الملک فی شرح المنار من بحث القضاء علی الاصح کما فی الھدایة لکن تعقبه غیر واحد ورجحوا تخییرہ کمن سبق برکعة من الجمعة فقام یقضیها یخیر (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غرۂ رجب ۹۷ھ

جہری نماز کی قضا دن میں باجماعت کی جائے تو جہر واجب ہے:

سوال :۔ اگر کسی جماعت کی جہری نماز قضا ہوگئی، اب وہ دن میں اس نماز کو ادا کرنا چاہتے ہیں تو امام قراءت بالجہر کرے گا یا بالسر؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئولہ صورت میں امام پر جہر واجب ہے، قال فی التنویر ویجھر الامام فی الفجر و اولی العشاءین اداءً وقضاءً وجمعة وعیدین وتراویح ووتر بعدها (رد المحتار ص ۴۹۷ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ رجب ۹۷ھ

سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا:

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازوں میں مخصوص سورتیں پڑھنا جیسے فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص، اور وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ اخلاص ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

فجر کی سنتوں میں سورۃ کافرون واخلاص اور وتر میں سورۃ اعلیٰ، کافرون، اور اخلاص پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ تکاثر کی کوئی وجہ تخصیص نہیں، معہذا اگر سورۂ غیر ماثورہ بغرض سہولت یا سورۂ ماثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، مگر اس کو لازم نہ سمجھے، اور کبھی کبھی ناغہ کردینا بہتر ہے، البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لئے کہ اس سے ناواقف کو شبہۂ وجوب ہوسکتا ہے، اسی لئے فرائض کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ رجب ۹۷ھ

عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں اَن پڑھوں کی اکثریت ہے، اور اَن پڑھوں کے سامنے جس طرح قرآن پاک تحریر ہے عین اسی طرح پڑھے تو صحیح سمجھتے ہیں، اگر روایت کے ساتھ مثلاً قل ھو اللہ احد کو احدن اللہ الصمد پڑھے تو امام صاحب پر وہ مقتدی اعتراض کرتے ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو کیا کرنا چاہئے، آیا اللہ الصمد جیسا کہ معروف ہے اسی طرح پڑھے یا کہ غیر معروف ن اللہ الصمد پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عوام میں غیر معروف طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے میں انتشار اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے اس لئے جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۱ر شوال ۹۷ھ

سورۂ زلزال میں خَيْرًا کی جگہ شَرًّا پڑھنے سے نماز ہوجائے گی:

سوال:۔ سورۂ زلزال میں خیراً کی جگہ شراً پڑھ لیا، بعد میں خیراً پڑھ لیا، اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ نماز ٹوٹی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

معنی میں کوئی فساد نہیں آیا اس لئے نماز درست ہوگئی، سجدۂ سہو واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ر شوال ۹۷ھ

بروز جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا:

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا مستحب ہے، عمرو کہتا ہے کہ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا فی نفسہٖ مستحب ہے، لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے، تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آجکل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اور اس کی اصلاح لازم ہے، قال فی الدر ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل اتی لفجر کل جمعۃ بل یندب

قراءتهما احیانًا وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وفی فتح القدیر لان مقتضی الدلیل عدم المداومة لا المداومة علی العدم کما یفعله حنفیة العصر فیستحب ان یقرأ ذلک احیانًا تبرکًا بالمأثور فان لزوم الایهام ینتفی بالترک احیانًا (الیٰ قوله) وقید الطحاوی والاسبیجابی الکراهة بما اذا رأی ذٰلک حتمًا لا یجوز غیره اما لو قرأه للتیسیر علیه او تبرکًا بقراءته علیه الصلوٰة والسلام فلا کراهة لکن بشرط ان یقرأ غیرها احیانًا لئلا یظن الجاهل ان غیرها لا یجوز (ردالمحتار، ج ۱ ص ۵۰۸) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۳ ربیع الاول ۹۸ھ

آمین آہستہ کہنا افضل ہے:

سوال: نماز با جماعت میں آمین اونچی آواز میں کہنا چاہیے یا آہستہ، ابوداود، ابن ماجہ (بحوالہ ابن کثیر) میں اونچی آواز سے ثابت ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

دونوں طرح جائز ہے، آہستہ کہنا افضل ہے، افضلیت قرآن کریم اور حضرت شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے جو ترمذی میں ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، اس سے دعاء کا اخفاء ثابت ہوا، اور آمین بھی دعاء ہے، کما نقل الامام البخاری عن عطاء رحمهما الله تعالیٰ، حدیث شعبہ قرآن کریم کے مطابق ہے، اس لئے اس کو اختیار کیا جائے گا، اور دوسری احادیث میں تاویل کرکے ان کو قرآن کریم سے تطبیق دی جائے گی، فقط والله تعالیٰ اعلم،

۴ ربیع الاول ۹۸ھ

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکة عن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقطع قراءته یقول الحمد لله رب العٰلمین، ثم یقف ثم یقول الرحمٰن الرحیم ثم یقف

رواہ الترمذی (مشکوٰۃ، ص ۱۹۱، شمائل ترمذی، ص ۵۹۲) وفی کنز العمال عن ابی عثمان النہدی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقطع قراءتہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العٰلمین الیٰ اٰخرھا، السلفی فی انتخاب حدیث القراء، ورجالہ ثقات، (کنز العمال ص ۱۷۲ ج ۸)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلّٰی صلوٰۃً ثم لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج ثلاثاً غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بھا فی نفسک فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ما سأل فاذا قال العبد الحمد للہ رب العٰلمین قال اللہ تعالیٰ حمدنی عبدی واذا قال الرحمٰن الرحیم قال اللہ اثنی علیّ عبدی فاذا قال مالک یوم الدین قال مجدنی عبدی وقال مرۃ فوّض الیّ عبدی فاذا قال ایاک نعبد وایاک نستعین قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل فاذا قال اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل (صحیح مسلم ص ۱۶۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۸ھ

بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قراءت کرے:

سوال:- اگر عین جمعہ کی جماعت کے وقت بارش ہونے لگے، امام صاحب کے علم میں یہ بات ہو کہ سینکڑوں نمازی مسجد کے صحن میں کھڑے بھیگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں کیا یہ اقرب بسنت نہ ہو گا کہ امام صاحب بہت چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جی ہاں! قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فقد ظھر من کلامہ (الکمال) انہ لا ینقص عن المسنون الا لضرورۃ کقراءتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمعوذتین لبکاء الصبی (رد المحتار ص ۵۲۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

فاتحہ کا کچھ حصہ سرًّا پڑھنے کے بعد نیتِ امامت کرلی تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے:

سوال: منفرد جہری نماز سرًّا پڑھ رہا تھا، سورۂ فاتحہ کی قراءت کے درمیان کسی نے اس سے اقتداء کرلی اور اس نے بھی امامت کی نیت کرلی، تو اب سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہرًا پڑھے یا کہ وہیں سے آگے جہرًا پڑھنا شروع کردے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں اختلاف ہے، بعض وجوبِ اعادہ کے قائل ہیں اور بعض وجوبِ عدمِ اعادہ کے، قولِ ثانی راجح ہے، لہٰذا اعادہ نہ کرے، بصورتِ اعادہ چونکہ قولِ راجح کی بناء پر ترکِ واجب عمدًا کیا ہے، لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہونا چاہئے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایسی صورت میں یہ فیصلہ مناسب نظر آتا ہے کہ نماز کا اعادہ افضل ہے، واجب نہیں، قال فی العلائیۃ ولو ائتم به بعد الفاتحۃ او بعضها سرًّا اعادها جهرًا بحر لكن فی آخر شرح المنیۃ ائتم به بعد الفاتحۃ یجهر بالسورۃ ان قصد الامامۃ والا فلا یلزمه الجهر وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ (قوله لكن الخ) استدراك علی قوله ولو ائتم به وهذا قول آخر وقد حكی القولین القهستانی حیث قال ان الامام لو خافت ببعض الفاتحۃ او كلها او المنفرد ثم اقتدی به رجل اعادها جهرًا كما فی الخلاصۃ وقیل لم یعد وجهر فیما بقی من بعض الفاتحۃ او السورۃ كلها او بعضها كما فی المنیۃ اھ وعزا فی القنیۃ القول الثانی الی القاضی عبد الجبار وفتاوی اسعدی ولعل وجهه ان فیه التحرز عن تكرار الفاتحۃ فی ركعۃ وتاخیر الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهو اسهل من لزوم الجمع بین الجهر والاسرار فی ركعۃ علی ان كون ذلك الجمع شنیعًا غیر مطرد لما ذكره فی آخر شرح المنیۃ ان الامام لو سها فخافت بالفاتحۃ فی الجهریۃ ثم تذكر یجهر بالسورۃ ولا یعید ولو خافت بآیۃ او اكثرها جهرًا ولا یعید وفی القهستانی ولا خلاف انه اذا جهر باكثر الفاتحۃ یتمها مخافتۃ كذا فی الزاهدی اھ ای فی الصلوۃ السریۃ وكون القول الاول نقله فی الخلاصۃ عن الاصل كما فی البحر والاصل من كتب ظاهر الروایۃ لا یلزم منه كون الثانی لم یذكر فی كتاب آخر من كتب ظاهر الروایۃ فدعوی انه ضعیف روایۃ ودرایۃ غیر مسلمۃ، فافهم (رد المحتار ص۲۹۷ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رشعبان سنہ ۹۸ھ

امام فاتحہ کا کچھ حصہ سرًّا پڑھ گیا تو اس کا اعادہ نہ کرے:

سوال:- امام نے جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کی کچھ آیتیں آہستہ پڑھ لیں، اس کے بعد یاد آگیا یا کسی نے لقمہ دیا تو وہیں سے آگے جہرًا قراءت شروع کردے، یا کہ سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہرًا پڑھے، اگر سورۂ فاتحہ دوبارہ جہرًا پڑھ لی تو کیا سجدۂ سہو ساقط ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس میں بھی اختلاف و دلائل کی وہی تفصیل ہے جو اوپر کے مسئلہ میں بیان ہوئی، اور راجح یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ کا اعادہ مکروہ ہے، اگر اعادہ کرلیا تو نماز کا اعادہ بہتر ہے، کما مرّ فی المسئلة السابقة، اگر مقدار ما تجوز بہ الصلوٰة (تیس حروف) سرًّا پڑھ گیا تو سجدۂ سہو واجب ہے، جو اعادہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ یہ اعادہ جابرِ نقصان نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ رشعبان ۹۸ھ

نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا:

سوال:- آجکل عام طور پر ائمۂ مساجد نمازوں میں پوری سورت پڑھنے کی بجائے درمیان سے کوئی رکوع پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا کہ اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

مروّج دستور میں بڑی قباحت یہ ہے کہ نمازوں میں سنت کے مطابق مفصل سورتیں نہیں پڑھی جاتیں، حالانکہ یہ سنت ہے،

مفصّل سورتوں کا جزء پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ ایک سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں قراءت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس کے سوا دوسری صورتیں مثلاً اوّل سورت یا وسط سورت سے پڑھنا یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، قال فی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة، وان یقرأ فی الأولیٰ من محل وفی الثانیة من آخر ولو من سورة ان کان بینهما آیتان فاکثر، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ قال فی النهر وینبغی ان یقرأ فی الرکعتین آخر سورة واحدة لا آخر سورتین فانه مکروه عند الاکثر اھ، لکن فی شرح المنیة عن الخانیة الصحیح انه لا یکره، وینبغی ان یراد بالکراهة المنفیة التحریمیة، فلاینافی کلام الاکثر ولا قول الشارح لا بأس تأمل،

ویؤیده قول شرح المنیة عقب ما مرّ ولکن الو قرأ فی الاولی من وسط سورة او من سورة اولها ثم قرأ فی الثانیة من وسط سورة اخری او من اولها او سورة قصیرة الاصح انه لا یکره لکن الاولی ان لا یفعل من غیر ضرورة اھ (قوله ولو من سورة الخ) واصل بما قبله ای لو قرأ من محلین بان انتقل من اٰیة الی اخری من سورة واحدة لا یکره اذا کان بینهما اٰیتان فاکثر لکن الاولی ان لا یفعل بلا ضرورة لانه یوهم الاعراض والترجیح بلا مرجح شرح المنیة وانما فرض المسألة فی الرکعتین لانه لو انتقل فی الرکعة الواحدة من اٰیة الی اٰیة یکره وان کان بینهما اٰیات بلا ضرورة فان سها ثم تذکر یعود مراعاة لترتیب الاٰیات شرح المنیة (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رمضان ۹۰ھ

تجوید قرآن کی مقدار فرض:

سوال:- ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تجوید قرآن فرض ہے، بدون تجوید پڑھنا حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب باسم ملهم الصواب

حروف متشابہہ ظاء، ضاد، ذال، زاء، اور سین، صاد، ثاء اور تاء، طاء میں فرق سیکھنا فرض ہے، تجوید کے دوسرے قواعد مثلاً اخفاء، اظہار، تفخیم و ترقیق وغیرہ کا سیکھنا مندوب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۹ ذیقعدہ ۹۸ھ

وقفِ لازم کی شرعی حیثیت:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقفِ لازم نہ کرے، جیسے فَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ م إِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ الاٰیۃ میں "قولهم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضعِ وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قرآن کریم میں جہاں وقفِ لازم لکھا ہوتا ہے وہاں وقف کا لزوم صرف فنِ تجوید کے لحاظ سے ہے، ویسے شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہٰذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقفِ لازم پر وقف کرنا ضروری ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ رمضان المبارک ۸۷ھ

سوال مثل بالا :

سوال : قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لئے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھیرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماءِ اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاوندی نے تو وقف کرکے اُن کے لئے رموز اوقاف وضع کئے ہیں گو انکی اصطلاحات دیگر علماءِ اوقاف سے مختلف ہیں مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاوندی سے پہلے بھی ائمۂ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اور ان کے لئے احکام بیان کئے ہیں اور اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ایضاح الوقف والابتداء للانباری متوفی ۳۲۸ھ الاکتفاء فی معرفة الوقف والابتداء لابی عمرو الدانی متوفی ۴۴۴ھ الاهتداء فی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن الجزری، منار الهدی فی بیان الوقف والابتداء للاشمونی (یہ کتاب عام دستیاب ہے) المرشد للشیخ زکریا الانصاری یہ کتاب منار الهدی کے حاشیہ پر ہے، اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماءِ اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اور ان کے لئے رموز وضع کرکے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اور علامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، انکے احکام اور انکے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے اپنی کتاب البرهان فی علوم القرآن ص۳۵۴/۱۲ اور ثانی الذکر نے الاتقان فی علوم القرآن ص۸۹/۱۲ میں لکھا ہے، وذهب ابو یوسف القاضی صاحب ابی حنیفة الی ان تقدیر الموقوف علیه من القرآن بالتام والناقص والحسن والقبیح وتسمیته بذلک بدعة ومتعمد الوقف علی نحوه مبتدع قال: لان القرآن معجز وهو کاللفظة الواحدة فکله قرآن وبعضه قرآن وکله تام حسن وبعضه تام حسن، حکی ذلک ابو القاسم برهان النحوی عنه، جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اور مولانا سید نذیر حسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاوندی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اور ان پر وقف کرنا بدعت ہے اور آیات پر وقف کرنا ضروری اور واجب ہے تو حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں رد الطغیان فی اوقاف القرآن کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جو تعارض پیدا ہو رہا ہے اسکو حل فرمائیں اور مفصل و مدلل باحوالہ جواب سے مستفید فرما کر شکریہ کا

موقع بخشیں۔

الجواب : حامدًا ومصلیًا ، اوقاف قرآن روایات صحیحہ اوراجماع امت سے ثابت ہیں ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں، البتہ ان اوقاف پر ٹھیرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں لہٰذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دینا ضرور بدعت ہے، اسکی ساری تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کے رسالہ ردالطغیان فی اوقاف القرآن میں ہے جس میں حضرت نے روایات اوراجماع سے اوقاف قرآن پر ٹھیرنا ثابت کیا ہے اور جو آپنے امام ابویوسف کا قول پیش کیا ہے اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اسکی مخالفت کی مثلاً جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد "خمس" یا "خ" اور ہر دس آیات کے بعد "عشر" یا "ع" لکھا گیا تو علمار متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے، صحابہ وتابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا جس کو اُمت نے اپنے تعامل سے اختیار کرلیا ہو اور تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں وہ اب شاذ ہونیکی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے جہانتک امام ابویوسف کے مذکور قول کا تعلق ہے اسمیں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو بلکہ ان اوقاف کیمطابق وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو، اس صورتمیں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں کیونکہ اُمت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ انھوں نے ان اوقاف کو مطلقًا بدعت کہا ہو اس صورت میں چونکہ اُمت کا تعامل اسکے خلاف ہوگیا اس لئے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہوگا جو متروک ہوچکے ہیں لہٰذا تعامل اُمت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور
دارالافتار دارالعلوم کراچی ۱۴

الجواب صحیح
محمد تقی عثمانی، ۱۹ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

الجواب صحیح
رشید احمد، یوم الترویہ ۱۴۰۰ھ

سنت ونفل کی سب رکعات میں سورت ملانا واجب ہے :

سوال : سنت اور نوافل میں تیسری اور چوتھی رکعت میں سورت ملانا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۷ رمضان ۱۴۰۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لولا الاستطالۃ لکان الضاد عین الظاء

الارشاد

الیٰ

مخرج الضاد

لفظ ضاد کی تحقیق

سوال: لفظ ضاد کو ڈواد پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اور یہ ظاء سے مشابہت رکھتا ہے یا دال سے یا ڈال سے؟ بینوا بالدلیل أجرکم اللہ الجلیل۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ضاد کو ڈال پڑھنے سے نماز نہ ہوگی۔ کیونکہ ڈال عربی زبان کا حرف نہیں۔ ضاد کی مشابہت دال یا ڈال سے بالکل نہیں۔ کیونکہ ضاد حروف رخوہ میں سے ہے جن میں جریان صوت لازم ہے اور دال حروف شدیدہ سے ہے جن میں جریان صوت ممکن ہی نہیں۔ دنیا بھر میں کوئی شخص بھی ضاد کو دال سے مشابہت دیکر اس میں جریان صوت نہیں کر سکتا، علم تجوید کے اصول کے مطابق یہی ایک دلیل کافی ہے جس کا جواب قیام قیامت تک ممکن نہیں۔ اس اصولی دلیل کے بعد دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کسی میں طاقت ہے تو دال میں جریان صوت کرکے دکھلائے ودونہ خرط القتاد۔ اس کے باوجود چند ایسے دلائل پیش کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ ضاد کو ظاء سے مشابہت ہے۔

(۱) علم تجوید کی جملہ کتب میں ہے۔ لولا الاستطالۃ لکان الضاد عین الظاء

(۲) فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد اور ظاء میں اسقدر شدید مشابہت ہے کہ ان میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ قال فی الخانیۃ وان ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقۃ کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلاتہ عند الکل وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشایخ فیہ قال اکثرھم لا تفسد صلوتہ۔

(خانیۃ علی ھامش العالمگیریۃ ص۱۴۱ ج۱)

وفی شرح التنویر الا ما یشق تمییزہ کالضاد والظاء فاکثرھم لم یفسدھا (رد المحتار ص۵۹۲ ج۱)

(۳) صاحب اتقان و دیگر مفسرین لکھتے ہیں کہ "وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ" میں صنعت تجنیس ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہوں۔

(۴) ضاد اور ظاء میں فرق مشکل ہونے کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ ان میں فرق کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ جزری میں ایسے الفاظ جن میں ضاد اور ظاء ہیں جمع کرکے فرق کرنے کی تاکید کی ہے۔ مقامات میں بھی اس قسم کے الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔ امام غزالی کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ فرق

درمیان ضاد وظاء بجا آورد اگر نتواند روا باشد اور احیاء العلوم میں ہے ومجتھل فی الفرق بین الضاد والظاء۔

⑤ قرآن مجید میں اختلاف قراءت کی وجہ سے اگر ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف پڑھا جاتا ہے تو عموماً یہ دونوں حرف متشابہ الصوت ہوتے ہیں۔ مثلاً اھدنا الصراط المستقیم میں صاد کی بجائے سین کی قراءت بھی ہے۔ ایسے ہی وما ھو علی الغیب بضنین میں ظاء کی قراءت بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہیں۔

⑥ کلام عرب میں ایسے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں کہ ان میں ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے سے معنی نہیں بدلتے۔ قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالی وقد جمع بعضھم الالفاظ التی لایختلف معناھا ضاداً وظاءً فی رسالۃ صغیرۃ ولقد احسن بذلک فلیراجع فانہ مھم (روح المعانی ص۱۱ ج ۳۰)

⑦ متقدمین کے ہاں ضاد اور ظاء کا رسم الخط بھی تقریباً ایک ہی جیسا تھا کما نقل الآلوسی رحمہ اللہ تعالی عن ابی عبیدۃ ان الظاء والضاد فی الخط القدیم لایختلفان الا بزیادۃ رأس احدھما علی الاخری زیادۃ یسیرۃ قد تشتبہ (روح المعانی ص۱۱ ج ۳۰)

⑧ اُردو، سندھی، فارسی، پنجابی، انگریزی غرضیکہ دنیا کی ہر زبان میں ضاد کو ظاء سے مشابہ بلکہ عین ظاء پڑھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم

۲ر صفر سنہ ۷۴ ہجری

سوال مثل بالا:

سوال: لفظ ضاد ظاء سے مشابہ ہے یا کہ دال سے۔ مولوی .... نے ایک تحریر میں لکھا ہے کہ ضاد کی مشابہت ظاء سے نہیں، مدلل بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

ضاد کی مشابہت ظاء سے ہے۔ کتب صرف، تجوید، تفسیر، فقہ اور فتاوی سب اس پر متفق ہیں۔ بعض کتابوں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شافیہ (۲) رضی (۳) جاربردی (۴) فصول اکبری (۵) جزریہ (۶) شروح جزریہ (۷) منہاج (۸) نشر (۹) طیبۃ النشر (۱۰) تمہید (۱۱) رشحۂ فیض (۱۲) شاطبیہ (۱۳) شرح قصیدہ امنیہ (۱۴) جہد المقل (۱۵) منہیۂ جہد (۱۶) رعایہ (۱۷) تفسیر کبیر (۱۸) اتقان (۱۹) کشاف (۲۰) عزیزی (۲۱) حسینی (۲۲) بیضاوی (۲۳) حاشیۂ بیضاوی (۲۴) تفسیر المنار (۲۵) روح المعانی (۲۶) برہان (۲۷) تجنیس (۲۸) خلاصۃ الفتاوی

(۲۹) خزانۃ المفتین (۳۰) خزانۃ اکمل (۳۱) حلیہ (۳۲) فتاوی نقشبندیہ (۳۳) عتابیہ
(۳۴) تاتارخانیہ (۳۵) خزانۃ الروایات (۳۶) رسائل الارکان (۳۷) تہذیب (۳۸) جامع الروایات
(۳۹) مفتاح الصلوٰۃ (۴۰) محاسن العمل (۴۱) البیان الجزیل (۴۲) احیاء العلوم (۴۳) کیمیائے سعادت
(۴۴) زادالآخرۃ (۴۵) فتاوی برہنہ (۴۶) مختار الفتاوی (۴۷) سمرقندی (۴۸) مجموعۂ سلطانی
(۴۹) بغیۃ المرتاد (۵۰) میزان (۵۱) حروف البحار (۵۲) وجیز کردری (۵۳) رسالہ نجم الدین
(۵۴) ذخیرہ (۵۵) منیہ (۵۶) کبیری (۵۷) بزازیہ (۵۸) خانیہ (۵۹) عالمگیریہ (۶۰) خیریہ
(۶۱) فتح القدیر (۶۲) درمختار (۶۳) طحطاوی (۶۴) ردّالمحتار

چند روز ہوئے میرے پاس ایک صاحب مولوی .... کا فتوی لائے تھے اسمیں جس قدر عبارات ہیں وہ سب ہمارے مسلک کی مؤید ہیں۔

صلہ پر تفسیر السراج المنیر کی عبارت ہے کہ ضاد اور ظاء میں فرق کرنے کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ اگر ان دونوں حرفوں میں تشابہ نہیں تو فرق کرنے کے لئے محنت کی کیا ضرورت ؟

اسی عبارت کے آخر میں ہے۔ فان اکثر العجم لا یفرقون بین الحرفین اور تفسیر بیضاوی کے حاشیہ میں ہے ان اکثر الناس خصوصاً العجم کانوا فی الزمان الاول لایعلمون الفرق بینہما
(مجموعۃ الفتاوی صلہ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اسلاف ضاد کو ظاء پڑھتے تھے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلاف دال پڑھتے آئے ہیں غلط ہے۔

اس کے بعد جزریہ کی عبارت پیش کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ ضاد اور ظاء میں تمیز ضروری ہے یہ بھی تشابہ کو مستلزم ہے۔

صلہ پر شامیہ کی عبارت ہے کہ ضاد ضعیفہ قبیح ہے۔ سو ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

ازاں بعد شرح فقہ اکبر اور جامع الفصولین کی عبارات سے ثابت کیا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا جائز نہیں اور عمداً پڑھنا کفر ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے کہ بلا عذر پڑھنا جائز نہیں۔

صلہ پر ردالمحتار کی عبارت ہے ان جری علی لسانہ اولا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار اور کتاب الاذکار للنووی کی عبارت ہے ولو قال ولا الظالین بالظاء بطلت صلوتہ علی ارجح الوجہین الا ان یعجز عن الضاد بعد التعلم فیعذر۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ضاد کے حقیقی مخرج پر عدم قدرت کی وجہ سے ضاد کی جگہ

ظاء پڑھنا جائز ہے۔ ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔

غرضیکہ تحریر مذکور من اولہ الی آخرہ ہماری مؤید ہے اس میں ضاد کی بجائے دال پڑھنے کے بارہ میں ایک جزئیہ بھی نہیں۔ بوقت عذر ظاء پڑھنے کے بارے میں عبارتیں ہیں، محرر نے ان عبارتوں کو تشابہ بالظاء کی تردید اور تشابہ بالدال کی تائید میں پیش کیا ہے مگر حقیقت برعکس ہے ؎

وکم من عائب قولاً صحیحاً   وآفتہ من الفھم السقیم

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

۱۴ر شوال سنہ ۷۴ ہجری

سوال مثل بالا:

سوال ① آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی شامیہ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ متشابہ حروف میں سے ایک کو دوسرے کی بجائے پڑھنے سے باوجود تغیر معنیٰ کے نماز کا عدم فساد متأخرین کا مذہب ہے اور شامیہ نے مذہب متقدمین کو ترجیح دی ہے اور احوط کہا ہے۔

② اگر فساد و عدم فساد کی بناء تشابہ حروف و عدم تشابہ پر رکھی جائے تو غیر المغظوب پڑھنے سے عدم فساد اور ولا اللّٰالین پڑھنے سے فساد کا حکم ہونا چاہئے تھا، حالانکہ کبیری وغیرہ میں حکم برعکس لکھا ہے۔

③ ضاد کو علی الاطلاق ظاء پڑھنے کے جواز میں کوئی صریح عبارت ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں کیونکہ بعض قراء کو جب کہا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظاء سنائی دیتا ہے. یہ عجیب توجیہ ہے۔ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب باسم ملهم الصواب

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شرح منیہ سے ضابطۂ فساد صلوۃ یوں نقل فرماتے ہیں

ان الخطأ اما فی الاعراب ای الحرکات والسکون ویدخل فیہ تخفیف المشدد وقصر الممدود وعکسہما او فی الحروف بوضع حرف مکان آخر او زیادتہ او نقصہ او تقدیمہ او تاخیرہ او فی الکلمات او فی الجمل کذلک او فی الوقف ومقابلہ،

والقاعدۃ عند المتقدمین ان ما غیر المعنی تغییرا یکون اعتقادہ کفرا یفسد فی جمیع ذلک سواء کان فی القرآن اولا الا ما کان من تبدیل الجمل مفصولا بوقف تام وان لم یکن التغییر کذلک فان لم یکن مثلہ فی القرآن والمعنی بعید متغیر تغیرا فاحشا یفسد

ایضاً کھذا الغبار مکان ھذا الغراب وکذا اذا لم یکن مثلہ فی القرآن ولا معنی لہ کالسرائل باللام مکان السرائر وان کان مثلہ فی القرآن والمعنی بعید ولم یکن متغیراً فاحشاً تفسد ایضاً عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالی وھو الاحوط وقال بعض المشائخ لا تفسد لعموم البلوی وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی وان لم یکن مثلہ فی القرآن ولکن لم یتغیر بہ المعنی نحو قیامین مکان قوامین فالخلاف علی العکس فالمعتبر فی عدم الفساد عند عدم تغیر المعنی کثیراً وجود المثل فی القرآن عندہ والموافقۃ فی المعنی عندھما فھذہ قواعد الائمۃ المتقدمین واما المتأخرون کابن مقاتل وابن سلام واسمٰعیل الزاھد وابی بکر البلخی والھندوانی وابن الفضل والحلوانی فاتفقوا علی ان الخطأ فی الاعراب لا یفسد مطلقا ولو کان اعتقادہ کفراً لان اکثر الناس لا یمیزون بین وجوہ الاعراب قال قاضیخان وما قالہ المتأخرون اوسع وما قالہ المتقدمون احوط وان کان الخطأ بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینھما بلا کلفۃ کالصاد مع الطاء بان قرأ الطالحات مکان الصالحات فاتفقوا علی انہ مفسد وان لم یمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرھم علی عدم الفساد لعموم البلوی وبعضھم یعتبر عسر الفصل بین الحرفین وعدمہ وبعضھم قرب المخرج وعدمہ ولکن الفروع غیر منضبطۃ علی شیء من ذلک فالاولی الاخذ فیہ بقول المتقدمین لانضباط قواعدھم وکون قولھم احوط واکثر الفروع المذکورۃ فی الفتاوی منزلۃ علیہ اھ ونحوہ فی الفتح وسیأتی تمامہ (رد المحتار ص۵۹۰ ج ۱)

ثم قال فی شرح (قولہ الا ما یشق الخ) قال فی الخانیۃ والخلاصۃ الاصل فیما اذا ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینھما بلا مشقۃ تفسد والا یمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد المعجمتین والصاد مع السین المھملتین والطاء مع التاء قال اکثرھم لا تفسد اھ وفی خزانۃ الاکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانہ او لا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار حلیۃ وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار اھ وفی التتارخانیۃ عن الحاوی حکی عن الصفار انہ کان یقول الخطأ اذا دخل فی الحروف لا یفسد لان فیہ بلوی عامۃ الناس لانھم لا یقیمون الحروف الا بمشقۃ اھ وفیھا اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربہ الا ان فیہ بلوی العامۃ کالذال مکان الضاد او الزاء المحض مکان الذال والظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشایخ اھ قلت فینبغی علی ھذا عدم الفساد

فی ابدال الثاء سینا والقاف همزۃ کما هو لغۃ عوام زماننا فانهم لا یمیزون بینهما ویصعب علیهم جدًا کالذال مع الزاء ولا سیما علی قول القاضی ابی عاصم وقول الصفار وهذا کله قول المتأخرین وقد علمت انه اوسع وان قول المتقدمین احوط قال فی شرح المنیۃ وهو الذی صححه المحققون وفرعوا علیه فاعمل بما تختار والاحتیاط اولی سیما فی امر الصلوٰۃ التی هی اول ما یحاسب العبد علیها (رد المحتار ص۵۹۲ ج۱)

ضابطۂ متقدمین :

متقدمین کے ضابطہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر معنی میں ایسا تغیر واقع ہو جسکا اعتقاد کفر ہے تو یہ بہر کیف بالاتفاق مفسد ہے ، اور اگر تغیر حدِ کفر تک نہیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وجود المثل فی القرآن وعدمہ پر مدار ہے اور طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں وقوع التغیر البعید فی المعنی وعدمہ پر، وهو الراجح ،

متقدمین کا یہ ضابطہ مطلق ہے جو بظاہر تبدیل حروف متشابہۃ الصوت کو بھی شامل ہے مگر حروف متشابہہ کے بارے میں متقدمین سے کوئی نص نہیں ، بعض عبارات میں تبدیل الضاد بالظاء کا بوقت تغیر معنی مفسد ہونا طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔ مثلاً روح المعانی میں ہے واختلفوا فی تبدیل احدهما بالاخری هل یمتنع وتفسد به الصلوٰۃ ام لا ، فقیل تفسد قیاسًا ونقله فی المحیط البرهانی عن عامۃ المشایخ ونقله فی الخلاصۃ عن ابی حنیفۃ ومحمد رحمهما الله تعالیٰ (روح المعانی ص۱۱ ج ۳۰)

اسی طرح خانیہ وغیرہ میں مغضوب کو ظاء یا ذال سے پڑھنا بنا بر مذہب متقدمین مفسد قرار دیا ہے ان عبارات سے یہ مقصد نہیں کہ اسکا مفسد ہونا متقدمین سے منصوص ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ضابطۂ متقدمین کی بنا پر یہ صورت مفسد ہے ۔ چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ خانیہ سے فروع مذکورہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ، هذا ما ذکره قاضیخان من ابدال هذه الاحرف الثلاثۃ بعضها من بعض وکله تخریج علی قواعد المتقدمین (کبیری ص۴۸۵)

غرضیکہ حروف متشابہہ کی تبدیل کا حکم متقدمین سے منصوص نہیں ، جب متأخرین نے اس پر غور کیا کہ متقدمین کا قاعدہ حروف متشابہہ کو بھی شامل ہے یا نہیں تو متأخرین کا اسمیں اختلاف ہوا ، بعض نے ضابطۂ متقدمین کو عام قرار دیا اور اکثر نے حروف متشابہہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ، اور یہی صحیح ہے ۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قیاساً فساد صلوٰۃ کا حکم ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

وقیل لا استحسانًا ونقله فیها عن عامّة المشایخ کابی مطیع البلخی ومحمد بن سلمة وقال جمع انه اذا امکن الفرق بینهما فتعمد ذلک وکان ممّا لم یقرأ به کما هنا وغیر المعنی فسدت صلاته والافلا لعسر التمییز بینهما خصوصًا علی العجم وقد اسلم کثیر منهم فی الصدر الاول ولم ینقل حثهم علی الفرق وتعلیمه من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ولو کان لازمًا لفعلوه ونقل وهذا هو الذی ینبغی ان یعول علیه ویفتی به (روح المعانی ص۱۶۶ ج ۳۰)

مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، تفسیر کبیر میں ہے فثبت بما ذکرنا ان المشابهة بین الظاء والضاد شدیدة وان التمییز عسیر واذا ثبت هذا فنقول لو کان هذا الفرق معتبرا لوقع السؤال عنه فی زمان رسول الله صلی الله علیه وسلم او فی ازمنة الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم لاسیما عند دخول العجم فی الاسلام فلما لم ینقل وقوع السؤال عن هذه المسألة علمنا ان التمییز بین هذین الحرفین لیس فی محل التکلیف، اور بیضاوی شریف کے حاشیہ پر ہے ان اکثر الناس خصوصًا العجم کانوا فی الزمان الاول لا یعلمون الفرق بینهما اور محمد بن محمد الجزری تمہید فی علم التجوید میں فرماتے ہیں فمنهم من یجعلها ظاءً (الیٰ قوله) وهم اکثر الشامیین، وبعض اہل المشارق اور شیخ جمال حنفی مکی کے فتویٰ میں ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے، اور حاشیہ جہد المقل میں مسطور ہے فمنهم من یجعلها ظاء وهذا لیس بعجب،

(مجموعة الفتاوی ص۳۴ ج ۲)

متقدمین کے زمانہ میں ضاد اور ظاء کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا، کما نقل العلامة الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ قول ابی عبیدة بان الظاء والضاد فی الخط لا یختلفان الا بزیادة رأس احدهما علی الاخریٰ زیادة یسیرة قد تشتبه (روح المعانی ص۱۶۶ ج ۳۰)

عبارات بالا سے ثابت ہوا کہ متقدمین حروف متشابہہ کے فرق کا اہتمام نہ کرتے تھے ورنہ ایسے سوالات ضرور منقول ہوتے، متقدمین جب ضاد اور ظاء میں فرق کے اہتمام ہی کو واجب نہیں سمجھتے تو تبدیل سے فساد صلوٰۃ کا حکم متقدمین کی طرف منسوب کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ تک بھی عوام الناس ضاد اور ظاء میں فرق نہ کرتے تھے، چنانچہ مجموعۃ الفتاوی ص۳۳ ج۲ میں ایک سوال بایں الفاظ منقول ہے "اس زمانہ میں اکثر لوگ (ض کو) مشابہ ذ اور ز کے پڑھتے ہیں"

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحوالۂ خلاصہ طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں جو حکم فساد نقل کیا ہے اگر اس کا منصوص ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے عمد پر محمول کیا جائے گا، زمان اوّل میں ضاد

اور ظاء میں فرق کرنے کا اہتمام نہ تھا حتیٰ کہ دونوں کا رسم الخط بھی تقریباً متحد تھا کما قدمنا، اسلئے ایک حرف کی جگہ عمداً دوسرا پڑھنے کا قوی مظنہ تھا، اس کے پیش نظر طرفین رحمہما اللہ تعالیٰ نے عمداً تبدیل کو مفسد فرمایا، اس پر مزید قرینہ یہ بھی ہے کہ خلاصہ کی عبارت مذکورہ میں تغیر معنی کا ذکر نہیں، پس بدون تغیر معنی کے تبدیل وہی مفسد ہوسکتی ہے جو عمداً ہو،

غرضیکہ متقدمین کے ضابطہ سے حروف متشابہہ بالخصوص ضاد اور ظاء مستثنیٰ ہیں الا فی العمدا

قال فی البزازیۃ ان تغیر المعنی ولیس مثلہ فی القرآن فسد ولا عبرۃ لقرب المخرج وانما العبرۃ لاتفاق المعنی عندھما ولوجود المثل فی القرآن عندہ والاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفۃ کالصاد مع الطاء بان قرء الطالحات مکان الصالحات فسد عند الکل وان لم یمکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء فالاکثر علی انہ لا یفسد لعموم البلوی واطلق البعض الفساد ان تغیر المعنی وقال القاضی ابو الحسن وابو عاصم ان تعمد فسد وان جری علی لسانہ اوکان لا یعرف التمییز لا یفسد وھو اعدل الاقاویل وھو المختار

(بزازیۃ علی ھامش العالمگیریۃ ص۴۲ ج۴)

اس عبارت میں پہلے ضابطۂ متقدمین کا بیان ہے پھر والاصل فیہ انہ ان امکن الفصل بین الحرفین بلا کلفۃ الخ سے اس ضابطہ کی توضیح ہے -

(۲) کبیری کا جزئیہ،

قال فی الخانیۃ لو قرء غیر المغضوب بالظاء او بالذال تفسد صلوتہ ولو قرء الضالین بالظاء او بالذال لا تفسد صلوتہ ولو قرء الذالین بالدال تفسد صلوتہ (خانیۃ علی ھامش العالمگیریۃ ص۱۴۳ ج۱)

وفی غنیۃ المستملی غیر المغضوب بالظاء والذال المعجمتین تفسد اذ لیس لہما معنی و لا الضالین بالظاء المعجمۃ والدال المہملۃ لا تفسد لوجود لفظہما فی القرآن وقرب المعنی لصحۃ تقدیر ولا الظالین ای المستمرین فی الضلال والدالین ای القائلین ھل ندلکم علی رجل الآیۃ ولو قرأہ بالذال المعجمۃ تفسد لبعد معناہ لانہ اسم فاعل ذل النخلۃ اذا وضع عذقہا علی الجریدۃ لتحملہ ولیس من الذلۃ اذ لم یستعمل الوصف منہا علی فاعل بل علی فعیل (کبیری ص۴۴۸)

خانیہ کی عبارت کو سامنے رکھنے سے ثابت ہوا کہ کبیری میں خانیہ سے نقل کرنے میں تسامح ہوا ہے، خانیہ میں ذال کو غیر مفسد اور دال کو مفسد قرار دیا ہے اور کبیری میں عکس ہوگیا ہے، کبیری میں یہ فروع خانیہ سے لی گئی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں وھذا افصل وھو ابدال احد ھذہ الاحرف الثلاثۃ اعنی

الضاد والظاء والذال من غيره فلنورد ما ذكره فی فتاوی قاضیخان من هذا القبيل، پھر جزئیات مذکورہ بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں هذا ما ذكره قاضیخان من ابدال هذه الاحرف الثلاثة بعضها من بعض وكله مخرج على قواعد المتقدمين (کبیری ص۴۸۵)

کبیری کے سوا اور کسی کتاب میں بھی دالین کا غیر مفسد ہونا مذکور نہیں، کبیری میں عدم فساد کی جو تأویل بیان کی گئی ہے وہ بھی بہت بعید ہے کما لا یخفی، نیز ضابطۂ متقدمین کے مطابق دالین کا غیر مفسد ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ضابطۂ متقدمین غیر عمد کی صورت میں ہے اور آجکل لوگ عمداً دال پڑھتے ہیں اس لئے عدم تغیر معنی کے باوجود دال پڑھنا مفسد ہوا۔

المغضوب میں ظاء یا ذال پڑھنے کو متقدمین کے ضابطہ کے تحت مفسد قرار دینے کا جواب اوپر گزر چکا ہے، یعنی حروف متشابہہ کی تبدیل ضابطۂ متقدمین سے خارج ہے۔

ضابطۂ متأخرین،

متأخرین کے ہاں اعراب کی تبدیل مفسد نہیں اگرچہ اسکا اعتقاد کفر ہو حروف متشابہہ کی تبدیل بھی مفسد نہیں، حروف متشابہہ سے متعلق متأخرین کا یہ فیصلہ ضابطۂ متقدمین کے خلاف نہیں بلکہ اس کی توضیح ہے، کما قدمنا،

بعض متأخرین نے حروف متقاربة المخرج کی تبدیل کو بھی غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض نے عموم بلوی کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاضی ابو العاصم کا قول "ان تعمل ذلك تفسد وان جرى على لسانه او لا يعرف التميز لا تفسد" نقل کر کے اس کے بارے میں حلیہ سے "وهو المختار" اور بزازیہ سے "وهو اعدل الاقاويل وهو المختار" نقل کیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل قول ہے مگر بندہ کے خیال میں قاضی ابو العاصم کا قول متأخرین کے قول کی توضیح ہے کیونکہ یہ بہت بعید ہے کہ کوئی فقیہ عمداً تبدیل حروف کو بھی مفسد قرار نہ دے۔

ضاد کو دال پڑھنا،

ضاد اور دال میں نہ تشابہ صوت اور عسر تمیز ہے اور نہ قرب مخرج، اگر کوئی ضاد کے صحیح تلفظ پر قادر نہیں تو اس سے متشابہ ظاء پڑھ سکتا ہے، لہٰذا ان قواعد کے تحت ضاد کو دال پڑھنا مفسد ہوگا البتہ تیسرے قاعدہ "عموم بلوی" کے تحت یہ مسئلہ قابل غور ہے، عبارات مذکورہ میں عموم بلوی کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سب میں حروف متشابهة الصوت ہی کو

ذکر کیا گیا ہے ۔البتہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے قاف کو ہمزہ پڑھنے کی مثال بھی ذکر فرمائی ہے۔
بہرکیف بظاہر عموم بلوی کا قاعدہ سب حروف کو عام ہے اور مسئلہ زیر بحث میں عموم بلوی ظاہر ہے
اگرچہ مخرج سے عاجز ضاد کو ظاء پڑھ سکتا ہے مگر غلبۂ جہل کی وجہ سے عوام کی کثیر تعداد اس غلط فہمی
میں مبتلا ہے کہ ضاد کا تلفظ دال مفخم کی طرح ہے اور وہ دال مفخم پڑھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ انہوں نے وہی
لفظ ادا کیا ہے جو قرآن میں ہے، اس لئے ان کی نماز کو صحیح قرار دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کما مرّ
من قول ابی العاصم اولا یعرف التمییز لا تفسد، وقال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ روی
عن محمد بن سلمۃ انہا لا تفسد لان العجم لا یمیزون بین ھٰذہ الحروف (الضاد والظاء والذال)
وکان القاضی الامام الشھید المحسن یقول الاحسن فیہ ای فی الجواب فی ھٰذہ الابدال المذکورۃ
ان یقول المفتی ان جری ذٰلک علی لسانہ ولم یکن ممیزًا بین بعض ھٰذہ الحروف وبعض و
کان فی زعمہ انہ ادی الکلمۃ علی وجہہا لا تفسد صلوٰتہ وکذا ای مثل ما ذکر المحسن روی عن محمد
ابن المقاتل وعن الشیخ الامام اسمٰعیل الزاھد وھذا معنی ما ذکر فی فتاوی الحجۃ انہ یفتی فی
حق الفقہاء باعادۃ الصلوٰۃ وفی حق العوام بالجواز کقول محمد بن سلمۃ اختیارًا للاحتیاط فی
موضعہ والرخصۃ فی موضعہا (کبیری ص ۴۴۵)

یہ عبارات بھی اگرچہ حروف ثلاثہ (ضاد، ظاء، ذال) سے متعلق ہیں مگر تعلیل "لا یعرف التمییز"
وکان فی زعمہ انہ ادی الکلمۃ علی وجہہا" عام ہے البتہ ڈال مفخم پڑھنے کی صورت میں صحتِ صلوٰۃ
کے قول کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ ڈال عربی حرف نہیں،

صحیح تلفظ سے عاجز کے لئے بذل جہد کا حکم :

متقدمین کے ہاں جو شخص کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو اس پر تصحیح کی کوشش میں
لگا رہنا فرض ہے، جب تک صحیح تلفظ پر قدرت نہ ہو اس وقت تک اگر صحیح پڑھنے والے کی اقتداء پر قادر
ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھے ورنہ غلط تلفظ کے باوجود اس کی نماز ہو جائے گی، اور اگر تصحیح کی کوشش
چھوڑ دی یا صحیح پڑھنے والے کی اقتداء پر قدرت کے باوجود منفرداً نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگی،
قال فی العلائیۃ وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائماً حتماً کالامی فلا یؤم الا
مثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ
فیہ ھٰذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف الخ
وفی الشامیۃ (قولہ دائماً) ای فی آناء اللیل واطراف النہار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر

علیہ فصلاتہ جائزۃ وان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کما فی المحیط وغیرہ الخ (قولہ حتماً) ای بذلاً حتما فھو مفروض علیہ ط (قولہ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف) عطفہ علی ما قبلہ بناءً علی ان اللثغ خاص بالسین والراء کما یعلم مما مر عن المغرب وذلک کالرحمٰن الرحیم والشیتان الرجیم والاٰلمین وایاک نأبد وایاک نستئین، السرات، انأمت فکل ذلک حکمہ ما مر من بذل الجھد دائماً والا فلا تصح الصلاۃ بہ (رد المحتار ص۵۴۲ ج ۱)

وقال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ وذکر فی فتاوی الحجۃ ما یوافق قول صاحب المحیط فانہ قال ما یجری علی السنۃ النساء والارقاء الخطأ الکثیر من اول الصلوٰۃ الی اٰخرھا کالشیتان والاٰلمین وایاک نأبد وایاک نستئین، السرات، انأمت فعلی جواب الفتاوی الحسامیۃ ما داموا فی التصحیح والتعلم والاصلاح باللیل والنھار ولا یطاوعھم لسانھم جازت صلاتھم کسائر الشروط اذا عجز عنھا من الوضوء وتطھیر الثوب والقیام والقراءۃ والرکوع والسجود والقعود والتوجہ اذا حصل العجز عنھا فکذا ھنا اما اذا ترکوا التصحیح والجھد فسدت صلاتھم کما اذا ترکوا سائر الشروط (کبیری ص۴۵۲)

ان عبارات کی بنا پر ضاد کو دال پڑھنے والے کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ضاد کے مخرج کی تصحیح کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اسے ظاء پڑھے اور اس پر ہر شخص قادر ہے۔ مگر متأخرین کے ہاں عموم بلوی سے متعلق جو عبارات گزری ہیں ان میں عموم بلوی کی صورتوں میں صحت صلوٰۃ کے لئے بذل جھد کی شرط نہیں، لہذا متأخرین کے اس قاعدہ کے تحت اگر کوئی ضاد کے صحیح مخرج پر قادر نہیں اور وہ تصحیح کی کوشش بھی نہیں کرتا مگر وہ اپنے زعم میں ضاد کا صحیح تلفظ دال مفخم کی طرح ہی سمجھتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی کما قدمنا،

ضاد کو دال پڑھنے والے کی اقتدار

قال فی شرح التنویر ولا غیر الالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبیٰ وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ (الی قولہ) ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف، وفی الشامیۃ (قولہ علی الاصح) ای خلافاً لما فی الخلاصۃ عن الفضلی من انھا جائزۃ لان ما یقولہ صار لغۃ لہ ومثلہ فی التاترخانیۃ وفی الظھیریۃ وامامۃ الالثغ لغیرہ تجوز وقیل لا ونحوہ فی الخانیۃ عن الفضلی وظاھرہ اعتمادھم الصحۃ وکذا اعتمدھا صاحب الحلیۃ

قال لما اطلقہ غیر واحد من المشایخ من انہ ینبغی لہ ان لا یؤم غیرہ ولما فی خزانۃ الاکمل وتکرہ امامۃ الفأفاء اھ ولکن الاحوط عدم الصحۃ کما مشی علیہ المصنف ونظمہ فی منظومۃ تحفۃ الاقران وافتی بہ الخیر الرملی وقال فی فتاواہ الراجح المفتی بہ عدم صحۃ امامۃ الالثغ لغیرہ ممن لیس بہ لثغۃ (ردالمحتار ص۵۴۲ ج۱)

اس سے ثابت ہوا کہ اصح واحوط تو یہی ہے کہ الثغ سے غیر الثغ کی اقتدا صحیح نہیں مگر ایک قول صحت کا بھی ہے، غلبۂ جہل کی وجہ سے ضاد کو دال مفخم پڑھنے والے کو بھی الثغ پر قیاس کیا جا سکتا ہے لہٰذا اس سے دال خواں کی اقتداء تو بہرحال جائز ہے اور جو شخص اس جہالت میں مبتلا نہیں وہ دال خواں کی اقتداء نہ کرے، البتہ موقعۂ ابتلاء میں دال خواں کے پیچھے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے مگر اعادہ احوط ہے۔ یہ حکم جہل مرکب میں مبتلا دال خواں کا ہے، اگر "اضلہ اللہ علی علم" کے مطابق عناداً یا لوگوں کے خوف سے دال پڑھتا ہے تو نہ اس کی اپنی نماز ہوگی اور نہ ہی مقتدیوں کی۔

(۳) ضاد کو علی الاطلاق ظاء پڑھنے کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں، البتہ جو شخص ضاد کے مخرج پر قادر نہ ہو سکے لئے ظاء پڑھنے کی اجازت ہے۔ قادر علی المخرج کو عمداً ظاء پڑھنا جائز نہیں۔ خطأً پڑھا تو نماز ہو جائے گی۔ کیمیائے سعادت میں ہے، فرق درمیان ضاد وظاء بجا آورد اگر نتواند روا باشد۔ وفی الشامیۃ عن خزانۃ الاکمل قال القاضی ابوعاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جری علی لسانہ اولا یعرف التمییز لا تفسد وھو المختار حلیۃ وفی البزازیۃ وھو اعدل الاقاویل وھو المختار (ردالمحتار ص۵۹۲ ج۱)

باقی رہا یہ سوال کہ بعض قراء کہتے ہیں کہ ہم ضاد پڑھتے ہیں مگر تمہیں ظاء سنائی دیتا ہے سو اس میں اوّلاً یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ضاد اور ظاء کے سماع اور صوت میں فرق بہت دشوار اور نہایت متعسر ہے۔ قال فی التفسیر الکبیر ان المشابھۃ بین الظاء والضاد شدیدۃ وان التمییز عسیر وفی جھد المقل الضاد والظاء والذال المعجمات الکل متشارکۃ فی الجھر والرخاوۃ ومتشابھۃ فی السمع وایضاً فیہ ویشبہ صوتھا (الضاد) صوت الظاء المعجمۃ بالضرورۃ وفی شرح الشاطبیۃ ان ھذہ الثلاث متشابھۃ فی السمع وایضاً فی جھد المقل لثبوت التشابہ وعسر التمییز بینھما (مجموعۃ الفتاوی ص۳۴ ج۲)

وفی الھندیۃ وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقۃ کالظاء والضاد الخ و ھکذا فی شرح التنویر والشامیۃ والخانیۃ وفتح القدیر والنھر الفائق وخزانۃ المفتین وخلاصۃ

الفتاوی وغیرھا۔ غرضیکہ جب ان میں فرق متعسر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ فرق وہی سمجھ سکے گا جو اس فن میں مہارتِ تامہ رکھتا ہو۔ سین، ثار اور ذال، زار کے سماع اور صوت میں بخوبی فرق سمجھتا ہو، بلکہ ضاد اور ظار میں فرق کا سمجھنا سین اور ثار یا ذال اور زار میں فرق سمجھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے کما ھو ظاھر وثابت بالادلۃ المذکورۃ، لہٰذا یہ امر کوئی باعث تعجب نہیں کہ قاری فرق کر رہا ہو اور غیر ماہر فی الفن کو سننے میں کچھ فرق معلوم نہ ہو رہا ہو اور اگر سامع ماہر فی الفن ہونے کے باوجود فرق نہیں سمجھتا تو معلوم ہوا کہ قاری قادر علی مخرج الضاد نہیں، اگرچہ مدعی قدرت کا ہو، اور غیر قادر کو ظار پڑھنے کی اجازت ہے۔ البتہ اگر سامع ماہر فی الفن ہے اور سامع کو یہ بھی یقین ہے کہ قاری ضاد کے اصل مخرج پر قادر ہے مگر عمداً باوجود قدرت علی المخرج کے محض عناداً ظار پڑھتا ہے تو ایسے قاری کی نماز واقعۃً فاسد ہوگی مگر ایسے شخص کا وجود دنیا میں مشکل ہے جو کہ قدرت علی المخرج کے باوجود ضاد اور ظار میں فرق سمجھتے ہوئے بھی عمداً ظار پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

غرۂ جمادی الاولیٰ سنہ ۷۵ھ یوم الجمعۃ

سوال مثل بالا :

سوال : لفظ ضاد مشابہت دال سے رکھتا ہے یا کہ ظار سے مفصلاً تحریر فرمائیں۔ مشہور ہے کہ علماءِ حجاز دال پڑھتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

اس سے متعلق عنقریب ہی علماء حجاز کی طرف سے چند فتاوی موصول ہوئے ہیں، اس وقت انہی کی نقل پر اکتفاء کرتا ہوں۔ ہر فتوی کا صرف ضروری اور بقدرِ کفایت حصّہ تحریر کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدینہ منورہ تحریر فرماتے ہیں :

شرح قصیدہ امنیہ میں ہے، فلذلک اشتد شبھتہ وعسر التمییز واحتاج القاری فی ذلک الی الریاضۃ لاتصال بین مخرجھا وفصحاء العرب یتلفظون بھا بحیث یشبہ صوتھا صوت الظاء کما فی الجلد الاول من تفسیر المنار للشیخ محمد عبدہ مفتی مصر انا نجد اعراب الشام وماحولھا ینطقون بالضاد فیحسبھا السامع ظاءً لشدۃ قربھا منھا وشبھھا بھا وھذا ھو المحفوظ عن فصحاء العرب الاولین۔

اس حرف میں اختلاف کی ابتدا اس وقت ہوئی جب عرب میں ممالک مختلفہ کی لونڈیاں آئیں ان

---

۵۷ آئندہ سوال کے جواب میں شرح قصیدہ امنیہ کی عبارت آرہی ہے کہ فصحاءِ عرب کے تلفظ ضاد کو سامع ظار سمجھتا ہے ۱۲ منہ

سے اولاد ہوئی تو اس حرف کی صحت میں خلل پیدا ہونا شروع ہوا۔ انہا فی لغۃ قوم لیس فی لغتھم ضاد فاذا احتاجوا الی التکلم بھا فی العربیۃ اعتاصت علیھم فربما اخرجوھا ظاء لاخراجہم ایاھا من طرف اللسان واطراف الثنایا وربما تکلفوا اخراجھا من مخرج الضاد فلم یتأت لھم فخرجت بین الضاد والظاء (شرح الشافیۃ)

مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری فرماتے ہیں:

خواندن دال مہملہ یا زاء بجائے ضاد نہ بدعتے ست امروزے اہل ہند بلکہ بعض اہل عرب نیز از پیشتر دریں بلا مبتلا بودہ اند۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

من یخرجہ دالا مھملۃ ومن یخرجہ لاما مفخمۃ ومن یخرجہ طاء مھملۃ کالمصریین الخ

اس رسالہ پر علماء حرمین کی تقاریظ بھی ہیں۔ یہاں دو تین مصری قاری آئے تھے انھوں نے قراءت میں ضاد نہایت صحیح پڑھا۔ اکثر عرب مخرج صحیح سے نکالتے ہیں مگر صفت رخاوۃ ناقص کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے دال شدیدہ کی طرح مسموع ہوتا ہے۔

قاری عبد الرحمن صاحب الہ آبادی استاذ الکل جو اپنے بڑے بھائی قاری عبد اللہ صاحب کے ہمراہ سالہا سال تک مدرسہ صولتیہ میں عربوں کے بھی استاد رہے ہیں رسالہ فوائد مکیہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ ضاد میں جو رخاوت پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہوتی ہو یہ لحن خفی ہے انتہیٰ

تحریر السندی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حسن بن ابراہیم الشاعر کا فتوی:

اقول وانا الفقیر الی رحمۃ ربہ القدیر حسن بن ابراھیم المدرس بالحرم النبوی ان نھایۃ القول فی الضاد ھو انھا اقرب الی الظاء فقط کما فی الرعایۃ وجھد المقل وغیرھما واما کون الضاد شبیھۃ بالدال او الغین فما سمعنا بہ قط ولا وجد فی کتاب فمن صلی خلف امام یعتقد ذلک فصلاتھا باطلۃ واللہ علی ما نقول وکیل

کتبہ بیدہ راجی عفو ربہ القادر

حسن بن ابراھیم الشاعر المدرس بالحرم النبوی بالمدینۃ المنورۃ

صاحب موصوف کا دوسرا فتوی:

اعلم وفقنی اللہ تعالیٰ وایاک للصواب قال الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ والضاد باستطالۃ

ومخرج ممیز من الظاء فلابد من اخراجها من مخرجها المعلوم بین القراء ضادًا خالصة و قراءتها بالظاء لایجوز الا اذا تعسر النطق هکذا اخذنا من مشایخنا ولایجوز قراءتها بالدال کذلك ان قصد ولا بغیرہ طاءً او ظاءً ۔ واللہ ولی التوفیق

کاتبہ حسن بن ابراهیم الشاعر خادم القراء والمدرس بالحرم النبوی

تحریرًا ۴ صفر سنہ ۱۳۷۵ھ

اس فتوی پر مکہ و مدینہ کے دیگر مشاہیر علماء و قراء کے دستخط اور تقاریظ بھی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

نیل المرام

بالتزام السکوت عند

قراءۃ الامام

سوال : ہمارے قصبہ میں ایک صاحب اہلحدیث ہیں۔ان کا دعوی ہے کہ امام کے پیچھے جو لوگ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی نماز بالکل نہیں ہوتی وہ اس پر قسمیں بھی اُٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ دُنیا میں کوئی شخص ایسی کوئی حدیث نہیں دکھا سکتا جس میں امام کے ساتھ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔

اس شخص نے شب و روز یہی شور بپا کر رکھا ہے اور ہر وقت سیدھے سادے نمازیوں کو بہکانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی اس کو قطعاً کوئی فکر نہیں بس ہر وقت نمازیوں کو بہکانے اور اُن کی نمازوں کو باطل قرار دینے کا مشغلہ ہے کئی نمازی اس کے فتنے سے متأثر نظر آرہے ہیں۔جناب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر فرما کر ہم لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیکر ہر زمانہ میں اختلاف چلا آیا ہے۔اس قسم کے اور بھی سیکڑوں اجتہادی مسائل ہیں۔ایسے مسائل جو قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے کی وجہ سے اہلِ اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں مختلف فیہ ہیں ان میں خود مجتہدین کا ہمیشہ یہ عمل رہا ہے کہ قوتِ دلیل کی بنا پر جو جانب راجح دکھائی دی اس کو اختیار فرمالیا مگر دوسروں پر کسی قسم کے اعتراض اور طعن و تشنیع سے زبان درازی ہرگز روا نہیں رکھی۔اور نہ ہی اپنا اجتہاد کسی پر زبردستی مسلّط کرنے کی کوئی کوشش فرمائی، بلکہ صرف اظہار رائے پر اکتفاء فرماتے رہے کبھی بلا تحریر دلیل اور کبھی بتفصیل دلائل۔اس سے ہمیشہ بے نیاز رہے کہ کوئی ان کی رائے کو قبول بھی کرتا ہے یا نہیں۔انھوں نے اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کو نہ کبھی گمراہ قرار دیا اور نہ ہی انکی عبادات کے بطلان کا فتوی دیکر اُمت میں تخریب اور منافرت کی تخم ریزی کی۔

ان حضرات کا یہ عمل قرآن کریم کی ہدایت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وانزلنا الیک الذکر لتبیّن للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتفکرون ، اس میں اہل اجتہاد کو مسائل غامضہ میں دعوت فکر دی گئی ہے اس طرح ہر مجتہد کے فکر کی رسائی ہی اس کے لئے حق اور واجب العمل قرار پاتی ہے۔مجتہد جس طرح مسائل غیر منصوصہ میں غور و فکر کر کے منصوص پر قیاس کے ذریعہ ان کا حکم معلوم کرتا ہے

اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن کے ادلّہ متعارض ہیں ان میں تطبیق و ترجیح اور تساقط کے اصولوں کو زیر غور لاکر فیصلہ کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسی کئی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ کسی مسئلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہوا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا نہ اسوقت ان میں سے کسی نے دوسرے پر اعتراض کیا اور نہ ہی بعد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے فعل پر نکیر فرمائی۔

غرضیکہ اہل اجتہاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہر شخص اپنے اجتہاد پر عمل کرتا تھا مگر دوسرے کے اجتہاد پر کوئی اعتراض نہ کرتا تھا۔ ان مجتہدین کے متبعین کا بھی یہی معمول رہا کہ وہ آپس میں دست بگریبان ہونیکی بجائے اپنے اپنے مقتداؤں کے اجتہاد کے مطابق عمل کرتے رہے، اسمیں کوئی کلام نہیں کہ اکابر علماء نے مسائل اجتہادیہ کی تنقیح و تنقید اور ان کے مناشی و مبانی کی تنقیر و تفتیش کیلئے سیر حاصل بحثیں تحریر فرمائیں۔ اپنے دلائل کی تفصیل اور خصم کے دلائل کے جوابات کے لئے فاضلانہ مضامین لکھے مگر مخالف کی تفسیق و تضلیل اور تحقیر و تذلیل اور عبادات کو ضائع و باطل ٹھیرانے کی حماقت کسی نے نہیں کی۔ اور نہ ہی ان خالص علمی مباحث کو جو عوام کی فہم سے بہت بلند ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے لاکر عوام میں انتشار و فتنہ پیدا کرنے کا کوئی جواز نکالا۔

راقم الحروف نے صحیح بخاری کی تدریس میں اپنی عمر کا بہت طویل حصّہ صرف کیا ہے۔ اس زمانے میں قرآن و حدیث کے بلند پایہ مضامین، حقائق و دقائق اور نکات و لطائف کے مطالعہ کا شوق اور طلبۂ حدیث کی استعداد و ضرورت کے مطابق انکے سامنے بیان کرنے کا معمول رہا مگر طلبہ کے اصرار کے باوجود مسائل اجتہادیہ پر زیادہ بحث و تمحیص سے ہمیشہ پہلوتہی کرتا رہا۔ اولاً اسلئے کہ جن مسائل میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف رائے ہے ان میں زیادہ بحث و مباحثہ ویسے ہی بے ضرورت اور دینی تقاضوں کیخلاف ہے ثانیاً ان مسائل پر کافی سے زیادہ لکھا جاچکا ہے۔ ثالثاً اس دور میں دین میں نظریاتی اور عملی فتنے اسقدر کثرت اور شدت کے ساتھ اُبھر رہے ہیں کہ اُن کی موجودگی میں مجتہد فیہ مسائل میں جزئی اختلافات میں پڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ ایک طرف مرزائیت، نیچریت، اباحیت، انکارِ حدیث اور دیندار انجمن جیسے اعتقادی و ارتدادی فتنوں کی گھٹائیں چھارہی ہیں

اور دوسری جانب بداعمالی، علانیۂ فسق و فجور اور بے حیائی کا سیلاب برق رفتاری سے بڑھ رہا ہے اور عوام سے گزر کر علماء و صلحاء کے گھرانوں میں بھی داخل ہو چکا ہے جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی احساس اور دین کا درد ہو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا شمہ بھر بھی خیال ہو وہ ان حالات میں جزئی اختلافات کو ہوا دیکر الحاد اور بے دینی کو مزید پھیلنے کا موقع دینا ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ مگر اس بارے میں فرقہ اہلِ حدیث کی اکثریت کا کردار جماعت اہلِ حدیث کی پیشانی پر کلنک ہے انکے اس رسواکن اور اسلام دشمن کردار کی بدولت ان میں سے اہلِ فہم حضرات کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں مگر وہ اپنی اس بے لگام قوم پر قابو پانے سے عاجز ہیں۔

ان کی عقل پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو اتنی وسعتِ نظر کہ جوازِ اجتہاد کے لئے کوئی شرط ہی نہیں ہر شخص مادرزاد مجتہد ہے اور دوسری طرف اتنی تنگ نظری کہ اپنے اجتہاد کے سوا باقی سب کو گمراہ قرار دیا جاتا ہے۔

غیر مقلدین کی خصوصیات :

(۱) اہلِ حدیث حضرات مسائل اجتہادیہ میں اپنے اجتہاد کو قطعی صحیح اور دوسروں کے اجتہاد کو قطعی غلط سمجھتے ہیں اور اسمیں ان کو اس حد تک غلو ہے کہ گویا اپنی رائے کو معاذ اللہ وحی الٰہی گردانتے ہیں بخلاف دوسرے مجتہدین کے کہ وہ اپنی رائے کو وحی کی طرح قطعی نہیں سمجھتے بلکہ محض غلبۂ ظن کا درجہ دیتے ہیں جس میں احتمالِ خطا بھی موجود ہے، چنانچہ وضوحِ خطا کے بعد وہ اپنی رائے سے رجوع فرمالیتے ہیں، مگر دنیا میں کوئی اہلِ حدیث ایسا نظر نہیں آتا جس کو اپنے اجتہاد میں کبھی کوئی ادنیٰ سا شبہہ بھی ہوا ہو، غلطی کا اعتراف اور اپنے رائے سے رجوع تو بڑی بات ہے

(۲) مجتہد فیہ مسائل میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و تبع تابعین ائمۂ دین رحمہم اللہ تعالیٰ میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف لازم بھی ہے اس لئے کہ مسائل اجتہادیہ کے استنباط میں اور تعارضِ ادلّہ کے وقت تطبیق و ترجیح کے کلیات کے استعمال میں انسان کی عقل کو دخل ہے، ایک مجتہد کسی جزئیہ کو ایک کلیہ کے تحت لاکر اس کے جواز کا قول کرتا ہے اور دوسرا مجتہد اسی جزئیہ کو کسی دوسرے کلیہ سے زیادہ منطبق سمجھ کر اسے ناجائز قرار دیتا ہے۔ کلیات کے ساتھ جزئیات کے انطباق میں اختلاف رائے سے بچنا محال ہے

چنانچہ اسی بنا پر ہم شب و روز ڈاکٹروں ، انجنیروں ، وکیلوں اور ججوں میں اختلافات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مگر اہلِ حدیث حضرات کی رائے میں ہرگز اختلاف نہیں پایا جاتا ، اس سے ثابت ہوا کہ ان کا عمل بالحدیث کا ڈھنڈورا اور براہ راست اجتہاد کا دعوی غلط ہے۔ درحقیقت یہ ایک مستقل فرقہ ہے جسکا ہر فرد اپنے اسلاف کی اندھی تقلید میں مبتلا ہے۔ اسکے ساتھ طرفہ یہ کہ ائمۂ اربعہ کی تقلید کو حرام اور شرک بتاتا ہے۔

(۳) ائمۂ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ اختلافی مسائل میں احتیاط کے پہلو پر عمل کرنا چاہیئے چنانچہ جس شخص نے خود اپنا حج نہ کیا ہو وہ مذہب حنفی میں دوسرے کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے مگر چونکہ دوسرے بعض مذاہب میں یہ جائز نہیں اس لئے صرف اس دوسرے مذہب کی رعایت کی خاطر فقہ حنفی میں ایسے شخص کا حج بدل کے لئے جانا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر طواف کرنے والا بیت اللہ سے اتنا قریب چلے کہ اسکا بایاں ہاتھ شاذروان (بیت اللہ کی بنیاد) پر سے گزر رہا ہو تو مذہب حنفی میں طواف صحیح ہو جائے گا مگر محض دوسرے مذہب کی مراعات کے پیشِ نظر اس کو مکروہ فرماتے ہیں۔ کتب فقہ میں اسکی بے شمار مثالیں ملتی ہیں مگر اہلحدیث حضرات کا طریق کار نرالا ہے انکے ہاں ایسے مسائل میں دوسرے مذاہب کے خلاف کرنا زیادہ اجر کا باعث ہے۔ چنانچہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ میں قربانی کا جواز مختلف فیہ ہے اس لئے عبادت میں احتیاط کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس تاریخ میں قربانی نہ کی جائے جو حضرات اسکے جواز کے قائل ہیں اُن کے ہاں بھی افضل تاریخ دسویں پھر گیارھویں پھر بارھویں اور پھر تیرھویں ہے مگر اہلحدیث صرف دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے تیرھویں تاریخ میں قربانی کرنے کو افضل سمجھتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اسی طرح اونٹ کی قربانی میں دس آدمی محض دوسرے مذاہب کی مخالفت کے لئے شریک ہوتے ہیں ورنہ عبادت کی اہمیت کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اسمیں احتیاط سے کام لیا جائے اور اونٹ میں سات سے زائد افراد شریک نہوں۔

ایک اور اعجوبہ سماعت فرمائیں۔ آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رُخ کرنیکا جواز مختلف فیہ ہے ، اس لئے احتیاط بہرحال اسمیں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے مگر اہلِ حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بہت بڑا جہاد ہے چنانچہ کراچی میں انھوں نے اپنی مسجد کے استنجا خانے گرا کر از سر نو قبلہ رُخ تعمیر کرائے ہیں وجہ

نیل المرام ــــــــــ ۵

دریافت کرنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے۔
الحمد للہ الذی عافانا مما ابتلاکم بہ۔

(۴) اہلِ حدیث جزئی مسائل اختلافیہ کی اشاعت و تبلیغ میں بلکہ اپنے نظریہ کو پوری امت پر مسلّط کرنے کی کوشش میں اسقدر مخبوط الحواس ہیں کہ نہ ان کو یہ ہوش آتا ہے کہ ان مسائل میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آراء بھی مختلف ہیں اور وہ اختلاف رائے کے باوجود ان کو بحث و مباحثہ کا موضوع نہیں بناتے تھے اور نہ ہی اسکا احساس ہوتا ہے کہ اس پُرفتن دَور میں جبکہ اصولِ دین پر یورش ہو رہی ہے اور فسق و فجور کا سیل رواں رہے سہے دینی اقدار کو بھی خس و خاشاک کی طرح بہا لئے جا رہا ہے۔ جزئی مسائل کو چھیڑ کر اُمتِ مسلمہ کو مزید ابتلاء اور فتنے میں نہ ڈالیں اور آپس میں منافرت کی فضا پیدا کر کے لادینی قوتوں کے مزید بڑھنے کا باعث نہ بنیں، بلکہ ان فرعی اختلافات کو طاقِ نسیاں میں ڈال کر بے دینی کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنے کے لئے سب یک صف ہو کر جہاد کریں۔

انصاف سے بتائیں کہ اہلحدیث نے سبائیت، مرزائیت، نیچریت اور اباحیت جیسے فتنوں سے اسلام کی حفاظت کے لئے کبھی کوئی نمایاں خدمت کی؟ یا فسق و فجور کے سدّباب کے لئے کبھی کوئی کام کیا؟ ان کی تمامتر مساعی اور جہاد کا مصرف صرف فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین ہے یا پھر پوری امت مسلمہ بلکہ ائمۂ دین تک کی تفسیق و تضلیل؛ کوئی شخص ڈاڑھی منڈاتا یا کٹاتا ہو، لباس خلاف شرع پہنتا ہو، سود کھاتا ہو، رشوت لیتا ہو، تصویر رکھتا ہو، رقص و سرود کا دلدادہ ہو، شراب پیتا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی اہلحدیث کی ملاقات ہو جائے تو وہ اس کو سب سے پہلے یہی تبلیغ کریگا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، جو لوگ پڑھتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں اور حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۵) جو شخص فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کی تبلیغ تندہی سے کرتا ہو اور ائمۂ دین کے سبّ و شتم میں امتیازی شان رکھتا ہو وہ خواہ کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہو بلکہ کفریہ عقائد ہی کیوں نہ رکھتا ہو جماعت اہلحدیث میں مقبول ہو جاتا ہے۔

اس بارے میں "وشهد شاهد من اهلها" کے تحت خود اہلحدیث عالم قاضی عبدالواحد صاحب خانپوری کی شہادت ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

"اس زمانے کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ماجاء الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے۔ یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف۔ اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہلحدیث اس زمانے میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے۔ بعینہ مثل تشیع کے (الیٰ ان قال) مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کرکے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کرکے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دیدیں اور پھر جسقدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہلحدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کرے اور تقلید کا رد کرے اور سلف کو ہتک کرے، مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جسقدر کفر بداعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلادے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بجبیں بھی نہیں ہوتے اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں ہرگز نہیں سنتے سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ، اور سر اسکا یہ ہے کہ وہ مذہب عقائد اہل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہوگئے ہیں فافہم و تدبر۔"

(التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ "الملقب بہ" اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ ص۲۶۲)

نفس مسئلہ سے متعلق بحث سے قبل یہ طویل تمہید پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ قارئین کو اسکا اندازہ ہوجائے کہ مذکورہ بالاحالات میں فاتحہ خلف الامام سے متعلق کچھ کہنے سننے کی زحمت یا کسی مدلل تحریر کے لئے خامہ فرسائی اور دماغی محنت کس حد تک مفید ہوسکتی ہے۔ بحث وتمحیص سے اہل فہم واہل انصاف کی تفہیم مقصود ہوتی ہے مگر مندرجہ بالا خصوصیات کی حامل جماعت اہلحدیث سے اسکی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ کبھی تقریری یا تحریری دلائل بازی سے کسی فتنہ کو دبانا اور عامۃ المسلمین کے دین کی حفاظت مقصود ہوتی ہے اگرچہ

اہلِ فتنہ سے قبولِ حق کی کوئی اُمید نہو۔مگر اسمیں الاھم فالاھم کے اصول کو ملحوظ رکھنا لازم ہے الحاد وارتداد جیسے تباہ کن فتنوں کی موجودگی میں فروعی مسائل پر بحث مباحثہ اور اسمیں وقت اور دماغ صرف کرنے کا کوئی جواز نہیں، چنانچہ بعض مرتبہ مجھ سے ذکر کیا گیا کہ فلاں صاحب نے کسی اہلحدیث کے بہکانے سے فاتحہ خلف الامام شروع کردی ہے آپ اُن کو سمجھائیں۔ میں نے جواب دیا کہ ان کو فاتحہ خلف الامام پڑھنے دیں میرے پاس ان کو سمجھانے کے لئے وقت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس کو خود سمجھنے کی فکر نہو اسکو سمجھانا بیکار اور تضییع وقت ہے۔ کئی بار کئی مادرزاد مجتہدین نے ان مسائل پر مجھ سے بات کرنیکی خواہش ظاہر کی مگر میں نے ہر دفعہ عذر کردیا۔ وجہ وہی کہ اہم مسائل کے ہوتے ہوئے ان فروعی اختلافات کی طرف رُخ کرنا جائز نہیں۔ بالخصوص جبکہ مخاطب میں نہ صلاحیت ہو اور نہ ہی تحقیق حق مطلوب ہو، ایسی حالت میں بات کرنے سے کیا فائدہ؟ ایک دفعہ ایک مجتہدہ صاحبہ کو فاتحہ خلف الامام پر بحث کرنے کا جوش اُٹھا اور حدیث دانی کا بہت بڑا دعوی کیا، میں نے اُن سے دریافت کیا کہ صحیح بخاری کا نام کیا ہے؟ بس اجتہاد کا نشہ ہرن ہوگیا، کسی نے خوب کہا ہے ؎

الف کو کیل جانیں سب بچارے مگر دعوی ہے سب کا اجتہادی

فاتحہ خلف الامام سے متعلق اہلحدیث کے مسلسل غوغا کے باوجود میں نے اپنی عمر کے ستاون سال مکمل سکوت اور صبر کے ساتھ گزارے ہیں، ہمارے اکابر کی یہی شان رہی ہے مگر اب اہلحدیث نے اس سکوت سے فائدہ اٹھاکر یہ غلط پروپیگنڈہ شروع کردیا ہے کہ احناف کے پاس کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہو یہ پروپیگنڈہ اسقدر تیز کردیا گیا ہے اور عوام سے ایسی حدیث کا مطالبہ اتنی شدّت سے کیا جانے لگا ہے کہ عامۃ المسلمین کا ناک میں دم کردیا ہے عوام پریشان ہوکر مجھ سے دریافت کررہے ہیں میں کس کس کو جواب دوں؟ اور خالص علمی تحقیق عوام کے دماغوں میں کس طرح اُتاروں؟ بالآخر بادل نخواستہ قلم اُٹھانا ہی پڑا اور یہ طے کیا کہ بالاختصار دلائل کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت لکھدوں آگے ہر شخص اپنے ظرف اور علمی استعداد کے مطابق اس سے منتفع ہوسکتا ہے۔ کم از کم کسی کو یہ کہنے کا موقع تو نہیں ملیگا کہ احناف کے پاس کوئی حدیث نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم اور ہدایت صراط مستقیم عطا فرمائیں اور ہر قسم کے فتنوں

سے اپنی حفاظت میں رکھیں، آمین

عمل بالحدیث کی آڑ میں قرآن سے انحراف:

اہلِ حدیث عمل بالحدیث کے مدّعی ہیں مگر قرآن پر عمل نہیں کرتے۔ ایک مجتہد صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا ترک فاتحہ خلف الامام کے بارے میں کوئی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے قرآن میں ممانعت آئی ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ حدیث تو کوئی نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں نے ان صاحب کے جواب میں حدیث کی بجائے قرآن کا حوالہ اسلئے دیا کہ وہ مقدم ہے مگر اس پر سخت تعجب ہوا کہ وہ قرآنی ارشاد کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس کے مقابلہ میں حدیث ہی کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس احناف کا اصول یہ ہے کہ وہ پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اس کے بعد احادیث پر نظر فرماتے ہیں جو حدیث قرآن کریم کے مطابق ہو اس کو لے لیتے ہیں اور جو بظاہر قرآن سے متعارض نظر آئے اس کا کوئی ایسا مفہوم تلاش کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف نہ ہو۔ چنانچہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو دیکھئے قرآن کریم میں ارشاد ہے وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ اسمیں صاف حکم ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو تم اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بالاتفاق قراءت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب احادیث کو لیجئے کسی حدیث میں یہ حکم نہیں کہ امام کے ساتھ پڑھا کرو، ارشاد ہے انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فاذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد واذا سجد فاسجدوا۔ دوسری حدیث میں ہے لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قال غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فقولوا آمین الخ اس میں امام کے ساتھ سب افعال ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر واذا قرأ فاقرءوا نہیں فرمایا بلکہ واذا قرأ فانصتوا فرما کر امام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرما دیا۔ احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی اس لئے کہ یہ سند کے لحاظ سے صحیح ہونے کے علاوہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ دوسری احادیث کے ایسے معانی بیان فرمائے جن سے تضاد نہ رہے۔

اسی طرح آمین کے مسئلہ میں احناف نے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرمایا تو یہ ارشاد ملا، اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ

کا قول نقل فرمایا ہے کہ "آمین دعا ہے" اور قرآن کریم نے دُعا کے اخفاء کا حکم دیا ہے۔ پس قرآن سے ثابت ہو گیا کہ آمین آہستہ کہی جائے اسلئے احناف نے اس حدیث کو ترجیح دی جس میں آمین کا اخفاء مذکور ہے اور دوسری احادیث کو اس سے منطبق کیا۔

رفع یدین سے متعلق بھی قرآن کریم میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ نماز میں خشوع اور سکون کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۔۔۔ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ○ اب احادیث ملاحظہ فرمائیں صحیح مسلم میں روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نماز میں سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ فرمایا کرتے تھے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ، یعنی یہ کیا حرکت ہے کہ نماز میں اس طرح ہاتھ اُٹھاتے ہو جیسے مست گھوڑے دُم مارتے ہیں، نماز میں سکون سے رہو، کیسی زبردست تنبیہ ہے۔ بوقت سلام نماز ختم ہو رہی ہے جب اسوقت بھی ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے تو نماز کے اندر بوقت رکوع رفع یدین کیونکر مناسب ہوگا؟ البتہ تکبیر تحریمہ چونکہ نماز میں داخل نہیں اس لئے اسوقت رفع یدین نماز میں حکم سکون کے خلاف نہیں۔ غرضیکہ اس مسئلہ میں بھی حکم قرآنی کے پیش نظر احناف نے ترک رفع یدین کی روایات کو ترجیح دی۔ اسی پر دوسرے مسائل کو قیاس کر لیا جائے کہ احناف سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع فرماتے ہیں پھر احادیث میں سے اس کو ترجیح دیتے ہیں جو نصِ قرآنی کے مطابق ہو۔

صحتِ حدیث کا معیار :

اہلِ حدیث یہ الزام لگاتے ہیں کہ احناف بعض مسائل میں صحیح حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ قابلِ غور یہ امر ہے کہ صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے؟ اہلحدیث تقلید کو ناجائز اور حرام بتانے کے باوجود اس باب میں ائمۂ حدیث بخاری، مسلم، ابوداود وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔ جس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح کہہ دیں وہ صحیح ہے۔ اگر ائمۂ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید جائز بلکہ ضروری ہے کہ بدوں اسکے کسی حدیث کی تصحیح نہیں کی جا سکتی تو ائمۂ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کیوں جائز نہیں؟

ائمۂ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث کی صحت وسقم پر کھنے کے جو اصول تحریر فرمائے ہیں وہ اپنے اجتہاد سے مقرر فرمائے ہیں، ان پر کوئی وحی نہیں نازل ہوئی۔ اسی طرح ائمۂ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تصحیح حدیث کے کچھ اصول مقرر ہیں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں جن میں سے

مندرجہ ذیل دو اصول خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

(۱) جو حدیث کتاب اللہ یا سنتِ مشہورہ سے زیادہ قریب ہوگی وہ راجح ہوگی۔

(۲) حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو حضرات تفقہ میں معروف ہیں ان کی روایت غیر فقیہ کی روایت پر راجح ہوگی۔

اس ضروری توضیح کے بعد اب اصل مسئلہ قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام کی ممانعت سے متعلق دلائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

نصوصِ قرآنیہ:

(۱) وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (۲۰-۱۱۴)

اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نزول وحی کے وقت خود ساتھ نہ پڑھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تلاوتِ قرآن کے وقت اس کو خاموشی سے سُننا اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہونا اور اس میں تفکر و تدبّر شرعاً مأمور بہ ہے۔

(۲) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (۷۵-۱۶، ۱۷)

اس آیت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ پڑھنے سے منع فرمایا گیا حالانکہ یہاں حفظ قرآن کی غرض سے ساتھ پڑھنے کی ضرورت بھی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کا ذمہ خود لیکر خاموشی اور توجہ سے سُننے کا حکم فرمایا، اس سے قرآن کریم کے اس ادب کی کتنی سخت تاکید ثابت ہوتی ہے کہ قاری کے ساتھ خود پڑھنے کی بجائے اس کی قراءت کو خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے سُنا جائے پھر "لا تقرأ" کی بجائے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ فرماکر مکمل سکوت کی مزید تاکید فرمادی کہ زبان تک نہ ہلنے پائے، اس کے بعد تاکید در تاکید کے لئے مکرر فرماتے ہیں فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں فاستمع لہ وانصت (صحیح بخاری ص۳ ج۱، مسلم ص۱۸۴ ج۱، طیالسی ص۳۴۳)

اتباع کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے متبوع کرے اسی طرح تابع کرے، دوسرے خاموشی سے سُننا، آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ قراءت میں اتباع کے معنی ساتھ پڑھنے کے نہیں بلکہ خاموشی سے سُننا ہے، کیونکہ ساتھ پڑھنے سے تو منع کیا جا رہا ہے اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسکی تفسیر "فاستمع لہ وانصت" سے فرمائی ہے

ہم آگے ایک حدیث پیش کریں گے۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ الخ ائتمام کے معنی ہیں

اتباع، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں قال البیضاوی وغیرہ الائتمام الاقتداء والاتباع ای جعل الامام اماما لیقتدی بہ ویتبع (فتح الباری ص۱۴۹ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادتی نہ بھی ہوتی تو بھی اس سے فاتحہ خلف الامام سے ممانعت ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ رکوع اور سجدہ وغیرہ میں اتباع امام کے معنی یہ ہیں کہ مقتدی بھی امام کے ساتھ یہ ارکان ادا کرے اور قرارت میں اتباع کے معنی یہ ہیں کہ خاموشی سے سُنے کما مرّ،

(۳) وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (۷-۲۰۴)

یہ آیت نماز میں سورۂ فاتحہ سے متعلق نازل ہوئی ہے جس میں واضح ہدایت ہے کہ جب امام قرارت کر رہا ہو اُس وقت مقتدیوں پر فرض ہے کہ امام کی قرارت کو سُنیں اور خاموش رہیں،

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اجماع نقل فرمایا ہے کہ یہ آیت قرارت خلف الامام سے متعلق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے چند حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) علامہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قد اخرج البیہقی عن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال اجمع الناس علی ان ھٰذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ (زیلعی ص۲۳۲ ج ۱)

(۲) قال العلامۃ موفق الدین بن قدامۃ فی المغنی قال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ الناس علی ان ھٰذا فی الصلوٰۃ (الیٰ قولہ) وقال احمد فی روایۃ ابی داؤد اجمع الناس علی ان ھٰذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ (مغنی ص۶۰۵ ج ۱)

(۳) قال العلامۃ شمس الدین بن قدامۃ قال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی روایۃ ابی داؤد اجمع الناس علی ان ھٰذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ (شرح المقنع الکبیر ص۱۳ ج ۲)

(۴) قال الامام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ واخرج البیہقی عن الامام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ قال اجمع الناس علی ان ھٰذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ (فتح القدیر ص۲۴۱ ج ۱)

(۵) قال العلامۃ العلی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ روی البیہقی عن احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ انہ قال اجمع الناس علی ان ھٰذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ (شرح نقایۃ ص۸۳ ج ۱)

(۶) غیر مقلدین کے امام شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں وذکر احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ الاجماع علی انہا نزلت فی الصلوٰۃ وذکر الاجماع علی انہا لا تجب القراءۃ علی المأموم حال الجہر (فتاوی ابن تیمیۃ ص۱۴۳ ج ۲)

وقال ایضًا وقول لجمہور ھو الصحیح فان اللہ سبحانہ وتعالیٰ قال واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہٗ وانصتوا لعلکم ترحمون۔ قال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اجمع الناس علی انھا نزلت فی الصلوٰۃ (فتاوی ابن تیمیۃ ص۴۱۲ ج ۲۲)

(۷) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد پشاوری اپنی کتاب "اعلام الاعلام فی القراءۃ خلف الامام" میں لکھتے ہیں، والاصح کونھا فی الصلوٰۃ لما روی البیھقی عن الامام احمد قال اجمعوا علی انھا فی الصلوٰۃ (اعلام الاعلام ص۱۹۰)

مذکورہ عبارت میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیہقی کی روایت اجماع کو غیر مقلد عالم نے بھی تسلیم کرلیا ہے، لہٰذا مبارکپوری صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "مجھے امام بیہقی کی معرفۃ السنن والآثار اور کتاب القراءۃ میں یہ قول نہیں ملا" بیہقی کی روایت کو دیکھنے والی ایک جماعت ہے جن میں غیر مقلد اور غیر مقلدین کے امام بھی ہیں، ان سب کے مقابلہ میں اگر مبارکپوری صاحب کو یہ روایت نظر نہیں آئی تو ان سے یہی عرض کیا جائے گا کہ ؎

واذا لم تر الھلال فسلم لاناس رأوہ بالابصار

عدم وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں، پھر یہ منطق بھی کیا عجوبہ ہے کہ بیہقی کی صرف دو کتابیں دیکھ کر فیصلہ سنادیا کہ بیہقی نے یہ روایت نہیں کی، یہ استدلال کی کونسی قسم ہے کہ جو چیز دو کتابوں میں نہیں وہ بیہقی کی کسی کتاب میں بھی نہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل میں بیہقی متفرد نہیں بلکہ موفق الدین ابن قدامہ، شمس الدین ابن قدامہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی ناقل ہیں کما مرّ

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی قول اجماع منقول ہے، ونصہ لاخلاف انہ نزل فی ھٰذا المعنی دون غیرہ (اوجز المسالک ص۲۴۵ ج۱)

ثبوت اجماع کے بعد اس آیت کے شان نزول سے متعلق مزید کسی روایت کی ضرورت نہیں، معہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین ومن بعدہم رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات ملاحظہ ہوں

(۱) صلی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ فسمع اناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما اٰن لکم ان تفھموا اما اٰن لکم ان تعقلوا واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا کما امرکم اللہ تعالیٰ (تفسیر ابن جریر ص۱۰۳ ج۹)

(۲) قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی القراءۃ خلف الامام انصت للقراٰن کما امرت فان فی القراءۃ لشغلا وسیکفیک ذٰلک الامام (کتاب القراءۃ للبیھقی ص۷۳)

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فی قولہ تعالیٰ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا

لعلکم ترحمون یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ (کتاب القراءۃ للبیھقی ص۳۷)

(۴) قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما المؤمن فی سعۃ من الاستماع الیہ الا فی صلوٰۃ مفروضۃ او مکتوبۃ او یوم جمعۃ او یوم فطر او یوم اضحیٰ یعنی واذا قرئ القراٰن الاٰیۃ (کتاب القراءۃ ص۳۷)

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں، یہاں ہر ایک سے صرف دو دو روایتیں نقل کرنے پر اکتفار کیا جاتا ہے۔

پہلی روایت میں ایک راوی محاربی ہیں ان کے بارے میں ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ انکا نام عبد الرحمٰن بن محمد بن زیاد ہے جو انتہائی درجہ کے ضعیف ہیں۔

مگر ان صاحب کے یہ دونوں دعوے غلط ہیں اس سند میں عبد الرحمٰن بن محمد بن زیاد المحاربی نہیں بلکہ یحییٰ بن یعلی المحاربی ہیں جو بالاتفاق ثقہ ہیں ان پر کسی نے بھی جرح نہیں کی، امام ابو حاتم اور حافظ ابن حبان نے انکی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب ص۳۰۳ ج ۱۱)

عبد الرحمٰن بن محمد بن زیاد المحاربی کو انتہائی ضعیف، قرار دینا بھی غلط اور سراسر ظلم ہے، ان کے بارے میں اگرچہ مضطرب، کثیر الغلط، یھم وغیرہ الفاظ بعض نے کہے ہیں مگر یہ اس لئے صحیح نہیں کہ یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام ابن معین، نسائی، ابو حاتم، ابن حبان، ابن سعد، ابن شاہین، بزار اور دارقطنی نے ان کی توثیق کی ہے، عثمان بن ابی شیبہ اور ساجی نے صدوق کہا ہے۔ امام وکیع فرماتے ہیں کہ طویل احادیث کے بڑے حافظ تھے، عجلی نے لا بأس بہ فرمایا ہے۔ (تھذیب التھذیب ص۲۶۶ ج ۶)

تفسیر ابن جریر اور ابن کثیر کے بعض نسخوں میں کتابت کی غلطی سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کا نام بشیر بن جابر لکھا گیا ہے جو قطعًا غلط ہے، مسند احمد بن حنبل ص۳۸۴ ج۱، مسند طیالسی ص۵۱ اور صحیح مسلم ص۳۹۲ ج ۲ میں ایک دوسری روایت کی سند میں یُسَیر بن جابر ہے اور یہی صحیح ہے (نووی ص۳۹۲ ج ۲، تجرید اسماء الصحابۃ للذھبی ص۱۵۳ ج۲، استیعاب ص۱۰۰ ج۱ و ص۱۵۸۳ ج۴)

یُسیر بن جابر کی حافظ ابن حبان، ابن سعد اور امام عجلی نے توثیق کی ہے اور عوام بن حوشب ان کو صحابی قرار دیتے ہیں (تھذیب التھذیب ص۳۷۹ ج ۱۱) حافظ ابن عبد البر نے بھی انکو صحابی کہا ہے (استیعاب ص۱۰۰ ج۱ و ص۱۵۸۳ ج۴)

دوسری حدیث کے ایک راوی عبدالوہاب ثقفی کے حافظہ میں آخر عمر میں کچھ فتور آگیا تھا لیکن اس زمانہ میں انھوں نے کوئی روایت بیان نہیں کی (میزان الاعتدال ص۱۶۱ ج ۲)

تیسری حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن صالح کو ابن عدی نے مستقیم الحدیث قرار دینے کے باوجود لکھا ہے کہ یہ عمداً جھوٹ نہیں بولتے مگر سند اور متن میں غلطی کر جاتے ہیں۔

(تھذیب التھذیب ص۲۵۶ ج۵)

ابن عدی کی یہ جرح جمہور ائمۂ حدیث کی تعدیل کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتی، امام ابن معین، ابوحاتم، ابن حبان، عبدالملک بن شعیب، ابوزرعہ، یعقوب بن سفیان اور مسلمۃ ابن قاسم انکی توثیق فرما رہے ہیں۔ ابوہارون الحزبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوصالح سے زیادہ اثبت کوئی نہیں دیکھا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح بخاری کے راوی ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے الادب المفرد اور جزء القراءۃ وغیرہ میں بھی ان سے تخریج کی ہے، امام حاکم اور ذہبی اور حافظ ابن کثیر نے ان کی سند کو صحیح، قوی اور جیّد قرار دیا ہے۔

ابن القطان فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہیں ان پر کوئی ایسا الزام نہیں ثابت ہوسکا جسکی بنا پر انکی روایت کو غیر معتبر کہا جاسکے، البتہ یہ مختلف فیہ ہیں انکی حدیث حسن ہے۔

ان کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خالد بن نجیح ایک شریر شخص تھا جو آپکا پڑوسی تھا اسنے بلا وجہ آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی، (تھذیب التھذیب ص۲۵۹، ۲۶۰ ج ۵، تذکرہ ص۳۵۶ ج ۱، مستدرک ص۱۹۹ ج ۲، تفسیر ابن کثیر ص۴۲۸ ج ۳)

اس حدیث کے دوسرے راوی علی بن ابی طلحہ پر دو اعتراض کئے گئے ہیں ایک یہ کہ انکے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہ اشیاء منکرات (میزان ص۲۲۸ ج ۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سماع حاصل نہیں اسلئے یہ روایت منقطع ہے۔

اعتراض اوّل کا جواب یہ ہے کہ لہ اشیاء منکرات کا یہ مطلب نہیں کہ انکی روایت میں کوئی امر قادح ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں یہ خرابی تھی کہ یہ خلیفہ کے مقابلہ میں خروج جائز سمجھتے تھے ولکن لہ رأی سوء یری السیف میں اس کی تصریح ہے۔ وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ ونقل البخاری من تفسیرہ روایۃ معاویۃ بن صالح عنہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما شیئا کثیرا فی التراجم وغیرھا ولکنہ لا یسمیہ یقول قال ابن عباس

اویذکرعن ابن عباس وقد وقفت علی السبب الذی قال فیہ ابوداؤد یری السیف (تھذیب التھذیب ص۳۴۰ ج ۷) امام نسائی، امام ابوداود، ابن حبان اور محدث عجلی نے انکی توثیق فرمائی ہے (میزان ص۲۲۸ ج ۲، تھذیب التھذیب ص۳۳۹ ج ۷) امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کی ہے (صحیح مسلم ص۴۶۵ ج ۱)

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان مجاہد بن جبیر اور سعید بن جبیر کا واسطہ ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں اس لئے یہ سند بلاشبہ صحیح ہے (میزان الاعتدال ص۲۲۵ ج ۲، تھذیب التھذیب ص۳۳۹ ج ۷، فتح الباری ص۳۳۲ ج ۸، تفسیر اتقان ص۱۸۸ ج ۱)

امام جعفر نحاس نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں علی بن ابی طلحہ کے اسی تفسیری صحیفہ سے نقل کیا ہے (اتقان ص۱۸۸ ج ۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری میں اور امام ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر وغیرہ بھی تفاسیر میں اسی صحیفہ سے نقل فرماتے ہیں (فتح الباری ص۳۳۸ ج ۸)

غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خانصاحب تحریر فرماتے ہیں، اما روایت از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بطرق مختلفہ آمدہ اجود آنہا طریق معاویۃ بن صالح از علی بن ابی طلحہ از ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما است، بخاری در صحیح خود اعتماد برہمیں طریق کردہ بس بس (اکسیر فی اصول التفسیر ص۱۱)

چوتھی حدیث کے راوی مسکین بن بکیر الحرانی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ امام احمد اور ابواحمد نے ان کو وہمی اور کثیر الخطا کہا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ انکا وہم وخطا صرف سعید بن عبد العزیز سے روایت کے ساتھ خاص ہے۔خود ابواحمد نے تصریح فرمائی ہے، ومن این کان مسکین یضبط عن سعید (تھذیب التھذیب ص۱۲۱ ج ۱۰) غیر سعید سے ان کی روایت میں کوئی وہم نہیں چنانچہ امام احمد، ابن معین، ابن حبان، ابن عمار اور ابوحاتم نے انکی توثیق فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس مضمون کی اور بھی کئی روایات ہیں علاوہ ازیں اسی قسم کی روایات حضرت ابوہریرہ وعبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی ہیں۔

تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام :

حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں صحابی کی

تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے (مستدرک ص۱۲۳ ج۱) امام حاکم کی اپنی تحقیق بھی یہی ہے (معرفۃ علوم الحدیث ص۲) اکثر علماء تفسیر صحابی کو بحکم مرفوع قرار دیتے ہیں (البدایۃ والنہایۃ ص۲۳۳ ج۶) علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی تفسیر صحابی مرفوع ہے (تدریب الراوی ص۶۵) علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس صحابی نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہو اسکا کسی آیت کا شان نزول بتانا بحکم مرفوع ہے (توجیہ النظر ص۱۶۵) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں وکذا حکم اقوالہم فی التفسیر فانہا اصوب من اقوال من بعدہم وقد ذھب بعض اھل العلم الی ان تفسیرہم فی حکم المرفوع (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۹۶) وقال الحافظ ابن القیم تفسیر الصحابی حجۃ (زاد المعاد)۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے بالخصوص حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تفسیر میں بہت بلند مقام ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معلّمین قرآن میں سے اول درجہ عطا فرمایا ہے (صحیح بخاری ص۵۳۱ ج۱، مسلم ص۲۹۳ ج۲) اور فرمایا کہ ابن مسعود کی تحقیق اور عہد کو مضبوطی سے تھامے رکھو (استیعاب ص۳۵۹ ج۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن مسعود علم کا انبار تھے۔ (استیعاب ص۳۵۹ ج۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم کا انبار ہیں اور آپ کو تعلیم قرآن کے لئے اہل کوفہ کی طرف بھیجا (بغدادی ص۱۴۷ ج۱)

حضرت عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا ابن مسعود سے کوئی بڑا عالم نہیں دیکھا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسکی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ ابن مسعود ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے کسی وقت حجاب نہیں فرماتے تھے (صحیح مسلم ص۲۹۳ ج۲) اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علانیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جسکا شان نزول کا مجھے علم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی اور میں کتاب اللہ کا اپنے سے بڑا عالم کسی کو نہیں پاتا۔ نیز فرمایا کہ سب صحابہ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کتاب اللہ کا ان سب سے بڑا عالم ہوں (صحیح بخاری ص۷۴۸ ج۲، صحیح مسلم ص۲۹۳ ج۲) امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء راشدین سے بھی

کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں (مسلم ص۲۹۳ ج۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ معوذتین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے، مگر یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کل ما روی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ان المعوذتین وام القرآن لم یکونا فی مصحفہ فکذب موضوع لا یصح (محلی ص۱۳ ج۱) علامہ سیوطی فرماتے ہیں وما نقل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باطل لیس بصحیح (اتقان ص۷۹ ج۱) امام نووی رحمہ اللہ نے بھی شرح المہذب میں یہی فرمایا ہے۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ امر دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ یہ ابن مسعود پر افتراء ہے اور وہ اس سے بالکل بری ہیں (طبقات ص۲۰ ج۲)

فن تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد دوسرا درجہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب بصیرت بھی تفسیر قرآن میں آپ کی طرف رجوع فرماتے تھے (صحیح بخاری ص۷۴۳ ج۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! ان کو دین کا فہم اور قرآن کریم کی تفسیر میں مہارت عطا فرما۔ (مسند احمد ص۳۲۸ ج۱) قال الہیثمی رجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ص۲۷۶ ج۹) وصححہ ابن کثیر (البدایۃ والنہایہ ص۲۹۷ ج۸) وقال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ابن عباس اعلم الناس بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (البدایۃ والنہایۃ ص۳۰۰ ج۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ دین کے امام، علم کا سمندر اور بہت بڑے عالم تھے (تذکرۃ ص۳۷ ج۱)

اس کے بعد ہم آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے شان نزول سے متعلق بعض تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایات نقل کرتے ہیں۔ تفسیر قرآن میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے، جمہور ائمہ کے ہاں تابعین کی تفسیر حجت ہے (تفسیر ابن کثیر ص۱۵ ج۱) نواب صدیق حسن خانصاحب فرماتے ہیں وھکذا التفسیر التابعی حجۃ (الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۹۶)

مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ:

تفسیر میں تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے بالخصوص حضرت مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقام بہت بلند ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی امامت اور جلالت شان متفق علیہ ہے خصیف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر کے سب سے بڑے امام تھے (تھذیب الاسماء ص۸۳ ج۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ائمۂ مفسرین میں سے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص تلامذہ میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے (البدایۃ والنہایۃ ص۲۲۴ ج ۹) نیز فرماتے ہیں کہ مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ فن تفسیر کے مسلّم امام ہیں، سفیان ثوری فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس مجاہد کی تفسیر پہنچ جائے تو پھر کسی اور کی حاجت باقی نہیں رہتی، مجاہد کے بعد سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن المسیب، ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک ابن مزاحم وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ کا درجہ ہے (تفسیر ابن کثیر ص۱۴ ج۱) نواب صدیق حسن خاں فرماتے ہیں ابن تیمیہ گفتہ اعلم الناس بالتفسیر اهل مکۃ کمجاهد، آگے ابن تیمیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے آپ کی تفسیر پر کُلّی اعتماد کیا ہے (الاکسیر فی اصول التفسیر ص۱۱)

اب مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایات ملاحظہ ہوں

(۵) ابن ابی نجیح حضرت مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فسمع قراءۃ فتی من الانصار فنزل واذا قرئ القراٰن الآیۃ (کتاب القراءۃ للبیهقی ص۴۲)

(۶) ابو ہاشم اسمٰعیل بن کثیر المکی مجاہد بن جبر رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۴۳)

(۷) حمید اعرج حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۴۴)

ہم مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ سے انہی چند روایات پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ آپ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ اور بھی متعدد روایات اس مضمون کی ہیں۔

امام بیہقی کتاب القراءۃ ص۴۲ میں فرماتے ہیں کہ مجاہد کی یہ روایت منقطع ہے اھ مگر ابو زرعہ ابو حاتم اور دار قطنی جیسے مشہور ائمۂ حدیث منقطع اور مرسل میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ قال العلامۃ الجزائری رحمه الله تعالی وقد اطلق المرسل علی المنقطع من ائمۃ الحدیث ابو زرعۃ وابو حاتم والدار قطنی (توجیه النظر ص۲۴۳)

سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ: امام شافعی کو دوسرے تابعین کی مراسیل کی حجیت

میں کلام ہے مگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مراسیل کی طرح سعید بن المسیب کے مرسل کو وہ بھی حجت تسلیم کرتے ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۰) امام ابن معین فرماتے ہیں کہ آپکے مراسیل صحیح ترین ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۳) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپکے تمام مراسیل صحیح ہیں (تذکرہ ص۵۱ ج۱)

قال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات (تدریب الراوی ص۱۲۳) حاکم فرماتے ہیں کہ تمام مراسیل میں صحیح ترین مراسیل آپکے ہیں (معرفۃ علوم الحدیث ص۲۵) امام بیہقی آپکے مراسیل کو اصح المراسیل قرار دیتے ہیں (السنن الکبریٰ ص۴۲۱ ج۱) علامہ جزائری فرماتے ہیں کہ مراسیل میں سے صحیح ترین مرسل سعید بن المسیب کا ہے (توجیہ النظر ص۱۶۶) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپکی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق ہے، علمی فضیلت اور وہ تمام اعمال خیر میں اپنے سب معاصرین سے ممتاز تھے اور آپکے تفوق اور برتری پر تمام علماء کا اتفاق ہے، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ میں اہلِ مدینہ کے سردار تھے (تهذیب الاسماء ص۲۲۰ ج۱) حافظ ذہبی آپکو اجلۂ تابعین میں شمار کرتے ہیں (تذکرہ ص۴۸ ج۱) ابن حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ میں حدیث، فقہ، زہد، ورع، عبادات اور جملہ علمی و عملی کمالات جمع تھے (شذرات الذهب ص۱۰۳ ج۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ علی الاطلاق سید التابعین تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکو احد المتقنین فرماتے تھے (البدایۃ والنہایۃ ص۹۹ ج۹) امام یحییٰ بن سعید فرمایا کرتے تھے کہ آپ سے جب کسی آیت کی تفسیر دریافت کی جاتی تھی تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تفسیر قرآن میں رائے کو دخل نہیں دیتے بلکہ صرف وہی کہہ سکتے ہیں جسکا ہمیں علم ہے (تفسیر ابن کثیر ص۶ ج۱)

آپ کی روایت درج ذیل ہے۔

(۸) حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۵۷)

اس روایت کی سند میں حماد بن سلمہ ہیں، ان کو علامہ ذہبی الامام، الحافظ، المحدث اور شیخ الاسلام جیسے القاب دے رہے ہیں (تذکرہ ص۱۸۹ ج۱) امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حماد بن سلمہ کے حق میں کچھ کہتا ہو فاتہمہ علی الاسلام، یعنی اسکو منافق سمجھو (تذکرہ ص۱۹۰ ج۱) امام ابن معین سے بھی یہی الفاظ منقول ہیں (تهذیب التهذیب ص۱۲ ج۳) نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں گویم حماد بن سلمہ امام ست تفرد ش مادام کہ در مرویش مانع از اصول نبود مضر نیست (بدور الاهلہ ص۳۳۷) آخر میں ان کے حافظہ میں معمولی تغیر

آگیا تھا (تقریب ص۱۰۱) مگر اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ثقہ رواۃ کی روایات کو معمولی نسیان کی وجہ سے ردّ کرنا صحیح نہیں، تفصیل کے لئے فتح المغیث ص۱۲ ملاحظہ ہو۔ لسان المیزان ص۱۰ ج ۱، میزان الاعتدال ص۲۳۱ ج ۲، ص۲۵۵ ج ۲، اور بغدادی ص۲۴۰ ج ۱۴ میں بھی وہم قلیل اور تغیر یسیر کی وجہ سے ثقات پر اعتراض کرنے والوں پر سخت تردید اور شدید نکیر کی گئی ہے۔

اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں اسلئے انکا عنعنہ قبول نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تدلیس کو ائمۂ حدیث نے غیر مضر قرار دیا ہے۔ علامہ جزائری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ سے ایسے مدلسین کی فہرست نقل فرماتے ہیں جنکی تدلیس صحت روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی منہم کان جلۃ اصحاب الحدیث وائمۃ المسلمین کالحسن البصری وابی اسحٰق السبیعی وقتادۃ بن دعامۃ وعمرو بن دینار وسلیمان الاعمش وابی الزبیر وسفیان الثوری وسفیان بن عیینۃ (توجیہ النظر ص۲۵۱) امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن مدلسین کی تدلیس مضر نہیں ان میں سے ابوسفیان طلحۃ بن نافع اور قتادۃ بن دعامہ بالخصوص قابل ذکر ہیں (معرفۃ علوم الحدیث ص۱۰۳) صحیحین میں قتادہ کی روایات عنعنہ کے ساتھ بہت کثرت سے ہیں ان کو صحیحین کی خصوصیت نہیں کہا جا سکتا اسلئے امام حاکم اور ابن حزم کا مذکورہ فیصلہ عام ہے معرفۃ علوم الحدیث ص۱۰۰ میں سلیمان شاذکونی کا قول منقول ہے کہ اعمش اور قتادہ کی صرف وہی روایات معتبر ہیں جن میں سماع کی تصریح ہو، مگر ذرا لسان المیزان ص۸۴ ج ۳ میں خود سلیمان شاذکونی کا تانا بانا بھی دیکھ لیں ائمۂ حدیث نے اس کو یہ القاب دئے ہوئے کذاب، واضع احادیث، شرابی، بیہودہ، نامراد، عدو اللہ، خبیث، لونڈے بازی سے متہم۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب طبقات المدلسین میں قتادہ کو مدلسین کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے جن کا عنعنہ قبول نہیں۔ مگر خود حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں قتادہ کی منعن روایات کو صحیح قرار دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ص۲۰۲ ج ۲ ملاحظہ ہو اور خود حافظ کا فیصلہ ہے کہ انکی نظر میں فتح الباری کی تحقیق زیادہ راجح اور قابل اعتماد ہے، طبقات المدلسین آپکے ابتدائی دَور کی تصنیف ہے اور اس زمانہ کی تصانیف پر آپ خود مطمئن نہیں، چنانچہ قاضی شوکانی فرماتے ہیں ونقل عنہ انہ قال لست راضیا عن شیء من تصانیفی التی عملتھا فی ابتداء الامر ثم لم یتھیألی من یحررھا معی سوی شرح البخاری و

مقدمتہ والمشتبہ والتھذیب ولسان المیزان وروی عنہ فی موضع اٰخر انہ اثنی علی شرح البخاری والتعلیق والنخبۃ (البدر الطالع ص۸۹ طبع ۱۳۴۸ھ) اس سے ثابت ہوا کہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبقات المدلسین میں قتادہ کے عنعنہ کے بارے میں جو لکھا ہے بعد میں اس سے رجوع فرمالیا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۹) منصور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا فی الصلوٰۃ (کتاب القراءۃ ص۵۷)

امام المحدثین علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل جنکو ثقہ راوی نقل کریں بالکل صحیح ہوتے ہیں (تدریب الراوی ص۱۲۳)

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جامع کمالات، عالم، بلند مرتبہ، رفیع المنزلۃ، فقیہ، مأمون، عابد، زاہد، وسیع العلم، فصیح، بلیغ اور حسین وجمیل تھے (طبقات ابن سعد ص۱۱۵ ج۷) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا سمندر، فقیہ النفس، کبیر الشان، عدیم النظیر اور بلیغ التذکیر تھے (تذکرہ ص۶۳ ج۱) امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے (تھذیب الاسماء ص۱۶۱ ج۱) ابوبکر الھندلی فرماتے ہیں کہ حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ جب تک ایک سورت کی تفسیر اور اسکے شان نزول وغیرہ کا پورا علم حاصل نہ کرلیتے تھے اسوقت تک وہ آگے نہ بڑھتے تھے۔(شذرات ص۱۳۷ ج۱) آپ فقہ کے بہت بڑے امام اور بصرہ کے مفتئ اعظم تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ آپ حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے، (طبقات سعد ص۱۱۵ ج۱۲ قسم اوّل) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کو الامام الفقیہ المشھور احد التابعین الکبار الاجلاء لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ علم وعمل اور اخلاص میں یکتا تھے (البدایۃ والنھایۃ ص۲۶۹ ج۹) نواب صدیق حسن خانصاحب فرماتے ہیں حسن بصری ومحمد بن القرظی وابو العالیۃ الریاحی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ ابن ہمہا قدماء مفسرین اند وغالب اقوال ایشان متلقی از صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بودہ است (اکسیر ص۱۱)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۱۰) یونس امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں قال لا یقرأ من وراء الامام فیما یجھر بہ الامام یکفیھم قراءۃ الامام وان لم یسمعھم صوتہ ولکن یقرؤن فیما لا یجھر بہ

سرا فی انفسہم ولا یصلح لاحد خلفہ ان یقرأ معہ فیما جہر بہ سرًا ولا علانیۃ قال اللہ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (کتاب القراءۃ ص۴۵) سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کا حکم آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ، یہاں صرف یہ مقصود ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ بھی واذا قرئ القرآن الآیۃ کا شان نزول نماز میں قرارت بیان فرماتے ہیں،

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زہری حدیث، تفسیر اور رجال کی توثیق میں امام ہیں (الرسالۃ للامام الشافعی ص۶۴) حافظ ابن کثیر آپکے بارے میں فرماتے ہیں احد الاعلام من ائمۃ الاسلام، تابعی جلیل واعلم الناس (البدایۃ والنہایۃ ص۳۴۰ج۹) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آپکے زمانہ میں آپ سے بڑا حافظ حدیث، عالم اور احادیث کا جامع و مرتب اور کوئی نہ تھا (کتاب القراءۃ ص۴۵) امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا، (تذکرہ ص۹۹ ج۱) عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اب زہری سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا (تذکرہ ص۹۹ ج۱) عمرو بن دینار فرماتے تھے کہ میں نے حدیث میں کسی کو آپ سے زیادہ انصّ نہیں دیکھا (تھذیب التھذیب ص۴۴۸ ج۹) ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم آپکے سینہ میں محفوظ تھا (وفیات الاعیان ص۴۵۱ ج۱) حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں آپ اپنے وقت میں سنت اور حدیث کے بہت بڑے امام تھے، (فتاوی ابن تیمیہ ص۱۴۵ ج۲)

ابو العالیۃ الریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ:

(۱۱) مہاجر ابو العالیہ ریاحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی قرأ فقرأ اصحابہ فنزلت فاستمعوا لہ الآیۃ فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کتاب القراءۃ ص۴۲)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابو العالیہ ریاحی کبار تابعین میں سے تھے، ابو القاسم طبری فرماتے ہیں کہ آپ کی توثیق پر سب متفق ہیں (تھذیب الاسماء ص۲۵۱ ج۱) ابوبکر بن داؤد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ابو العالیہ سے بڑھ کر کوئی عالم قرآن نہ تھا (تذکرہ ص۵۸ ج۱) ابن سعد آپ کو کثیر الحدیث فرماتے ہیں (طبقات ابن سعد ص۸۵ ج۷) خود امام بیہقی قہقہہ فی الصلوٰۃ والی حدیث کے سوا آپ کی باقی تمام احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں (السنن الکبری ص۱۴۷ ج۱) امام عجلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں

سے ہیں، امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ حدیث ضحک فی الصلوٰۃ کے سوا آپکی تمام احادیث درست ہیں، (تھذیب التھذیب صـ۲۸۵ ج ۳) مولی طاش کبری زادہ فرماتے ہیں کہ آپ کبار تابعین میں سے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو سال بعد اسلام لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور آپ نے حضرت ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے قرآن کریم پڑھا ہے اور صحیح روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین بار قرآن کریم سنایا تھا (مفتاح السعادۃ صـ۳۶۲ ج۱، تھذیب التھذیب صـ۲۸۴ ج۳)

قال الذھبی اما اذا اسند ابو العالیۃ فحجۃ (میزان صـ۳۴ ج ۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو العالیہ کا مرسل حجت نہیں مگر جمہور محدثین نے ذہبی کے اس قول کو قبول نہیں کیا اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اس کو نقل نہیں فرمایا۔

عبید بن عمیر و عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ :

(۱۲) طلحۃ بن عبید اللہ بن کریز : عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں انما ذلك فی الصلوٰۃ یعنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا الآیۃ (تفسیر ابن جریر صـ۱۱ ج ۹، تفسیر ابن کثیر صـ۲۲۳ ج ۳)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ عبد بن عمیر عالم، واعظ اور کبیر القدر تھے (تذکرہ صـ۴۸ ج ۱) ابن معین، ابوزرعہ اور ابن حبان آپ کو ثقہ لکھتے ہیں، عجلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ اور کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپکی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے اور آپ کی تعریف فرمایا کرتے تھے (تھذیب التھذیب صـ۷۱ ج ۶)

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ کو ذہبی مفتی اہل مکہ، محدث، القدوہ اور العلم لکھتے ہیں (تذکرہ صـ۹۲ ج ۱) ابن حبان فرماتے ہیں کہ آپ فقہ، ورع اور فضل میں تابعین کے سردار ہیں حافظ ابن حجر آپکو ثبت، حجہ، امام اور کبیر الشان لکھتے ہیں (تھذیب التھذیب صـ۲۰۲ ج ۷) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ کبار، ثقات اور بلند پایہ تابعین میں سے تھے، دو سو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے، ابن سعد فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ، فقیہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے (البدایۃ والنھایۃ صـ۳۰۶ ج ۹)

محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ :

(۱۳) ابو معشر محمد بن کعب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قراءت فرماتے تو آپ کے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی آپ کے ساتھ قراءت کرتے تھے اس پر سورہ اعراف کی آیت واذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا الآیۃ نازل ہوئی (کتاب القراءۃ ص۴۷)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ تعالیٰ علم وفقہ میں مدینہ منورہ کے فاضل ترین علماء میں سے تھے (تھذیب التھذیب ص۴۲۱ ج ۹) امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ائمۂ تابعین میں سے تھے (تھذیب الاسماء ص۹۰ ج ۱ قسم اول) حافظ عجلی آپ کو ثقہ، صالح اور عالم قرآن فرماتے ہیں، ابن سعد آپ کو ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث فرماتے ہیں عون بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر قرآن میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا (البدایۃ والنہایۃ ص۲۴۰ ج ۶، تھذیب التھذیب ص۴۲۱ ج ۹) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ مفسر قرآن تھے (دول الاسلام ص۵۶ ج ۱) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ آپ تفسیر قرآن کے عالم، صالح اور عابد تھے (البدایۃ والنہایۃ ص۲۵۷ ج ۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ بنو قریظہ میں ایک شخص پیدا ہوگا، فن تفسیر میں اسکی نظیر نہ ہوگی، ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ پیشگوئی محمد بن کعب القرظی کے بارے میں ہے (البدایۃ والنہایۃ ص۲۴ ج ۶) مولانا مبارکپوری فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں محمد بن کعب کے بعد زید بن اسلم جیسا مفسر قرآن اور کوئی نہ تھا (تحفۃ الاحوذی ص۲۱۷ ج ۱)

مبارکپوری صاحب نے روایت مذکورہ کے ایک راوی ابو معشر کی بعض محدثین سے تضعیف نقل کی ہے مگر امام احمد، ابن معین اور ابو زرعہ جیسے جلیل القدر ائمہ نے آپ کی توثیق فرمائی ہے، ابن عدی فرماتے ہیں کہ آپ سے بڑے بڑے ثقات نے روایت کی ہے، (میزان الاعتدال ص۲۲۹ ج ۳، تھذیب التھذیب ص۴۲۲ ج ۱۰) امام نعیم آپ کو کیّس اور حافظ فرماتے ہیں (تھذیب التھذیب ص۴۲۲ ج ۱۰) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ آپ علم کا ظرف تھے اور امام نسائی نے آپ سے احتجاج کیا ہے (تذکرہ ص۲۱۶ ج ۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نسائی، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے راوی ہیں (تھذیب التھذیب ص۴۱۹ ج ۱۰)

علاوہ ازیں جن محدثین نے آپکو ضعیف کہا ہے وہ بھی صرف روایت حدیث میں تضعیف کرتے ہیں۔ فن تفسیر میں آپ بالاتفاق مسلّم امام تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل،

محمد بن عثمان بن ابی شیبہ، علی بن المدینی اور عمرو بن علی الفلاس وغیرہم ائمہ حدیث رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابومعشر کی تفسیر سے متعلق روایات بالخصوص وہ روایات جو محمد بن قیس اور محمد بن کعب سے نقل فرماتے ہیں بلا چون وچرا صحیح اور معتبر ہیں (تھذیب التھذیب ص۲ج۱۰) آپکی روایت مذکورہ تفسیر کے بارے میں ہے اور محمد بن کعب سے ہے، اسلئے بالاتفاق صحیح اور معتبر ہے۔ اسی طرح آپ سے تاریخ کی روایت بھی بالاتفاق حجت ہے، امام خلیلی فرماتے ہیں وتاریخہ احتج بہ الائمۃ وضعفوہ فی الحدیث (تھذیب التھذیب ص۲۲ ج۱۰) جیسے محمد ابن اسحق کہ صرف احکام سے متعلق احادیث میں ضعیف ہیں مگر مغازی کے امام ہیں،

حجیۃ المرسل:

آیت کریمہ کے شانِ نزول سے متعلق حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ سے جو روایات اوپر نقل کی گئی ہیں یہ انکا اپنا خیال نہیں بلکہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یعنی انکی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شانِ نزول بیان فرمایا ہے، تفسیر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے متعلق اوپر متعدد حوالوں سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ بحکم مرفوع ہے، اسی طرح جمہور امت کے نزدیک تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تفسیر بھی بحکم مرفوع ہے اسلئے کہ جمہور محدثین وائمۂ دین مرسل کو حجت تسلیم کرتے ہیں، تمام تابعین اور انکے بعد دوسری صدی کے آخر تک تمام ائمۂ حدیث بالاجماع حجیت مرسل کے قائل تھے۔ وقال ابن جریر اجمع التابعون باسرھم علی قبول المرسل ولم یأت عنہم انکارہ ولا عن احد من الائمۃ بعدھم الی رأس المأتین قال ابن عبد البر کانہ یعنی الشافعی اول من ردّہ (توجیہ النظر للجزائری ص۲۴۵، تدریب الراوی للسیوطی ص۱۲۰، منیۃ الالمعی للعلامۃ قاسم بن قطلوبغا ص۲۷) وقال العلامۃ الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ والاحتجاج بالمرسل کان سنۃ متوارثۃ جرت علیہ الامۃ فی القرون الفاضلۃ حتی قال ابن جریر ردّ المرسل مطلقاً بدعۃ حدثت فی رأس المأتین اھ کما ذکرہ الباجی فی اصولہ وابن عبد البر فی التمھید وابن رجب فی شرح علل الترمذی (تانیب الخطیب ص۱۵۲) واما المراسیل فقد کان یحتج بہا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالک والاوزاعی حتی جاء الشافعی فتکلم فیہ (توجیہ النظر ص۲۴۵) وکذا ذکر النواب صدیق حسن خان فی "الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ ص۱۰۶"

نیز نواب صاحب فرماتے ہیں اعلال بارسال موجب ترک او نیست زیراکہ قبول مراسیل مذہب جمع از فحول علماء اصول ست (دلیل الطالب ص۳۲۵)

حجیت مرسل کا سب سے پہلے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے، آپ سے قبل قبول مرسل پر اجماع تھا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مرسل کو حجت قرار دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حجیّت مرسل کا قطعًا انکار نہیں فرماتے بلکہ بعض شرائط کے ساتھ وہ بھی مرسل کو قبول فرماتے ہیں۔ قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یقبل اذا اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر یباین الطریق الاولیٰ مسندًا کان او مرسلا (شرح نخبۃ الفکر ص۵۲) بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائے گا (حاشیہ شرح نخبہ)

وقال الامام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ ومذھب مالک وابی حنیفۃ واحمد واکثر الفقھاء رحمھم اللہ تعالیٰ ان یحتج بہ ومذھب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ انہ اذا انضم الی المرسل مایعضدہ احتج بہ وذٰلک بان یروی مسندًا اومرسلاً من جھۃ اخری اویعمل بہ بعض الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم او اکثر العلماء (مقدمۃ النووی لشرحہ لصحیح مسلم ص۱۶)

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں اذا کان المرسل من وجھین کل من الراویین اخذ العلم عن شیوخ اٰخر فھذا یدل علی صدقہ فان مثل ذٰلک لا یتصور فی العادۃ تماثل الخطأ فیہ وتعمد الکذب (منھاج السنۃ ص۱۱۷ ج ۴) ایسے مرسل کی حجیت پر امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص۱۴۳ میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد ص۱۰۵ ج ۱ میں اور مبارکپوری نے ابکار المنن ص۱۳۸ میں اتفاق نقل کیا ہے، نیز مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں، مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہہ نہیں (تحقیق الکلام ص۹۱ ج ۱) ہم اوپر بحوالہ تدریب الراوی ص۱۲۰ تحریر کرچکے ہیں کہ سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مراسیل کو امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بہر حال حجت تسلیم کرتے ہیں، اگرچہ کوئی دوسرا مرسل یا مسند اسکا مؤید نہو۔

غرضیکہ آیۂ کریمہ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا کے شانِ نزول سے متعلق مذکورہ بالا مراسیل امام شافعی اور امام ابن تیمیہ کے شرائط کے مطابق ہیں اور بالاجماع حجت ہیں۔

ائمۂ غیر مقلدین :

ائمۂ غیر مقلدین بھی اس واضح حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی

جن کی کتاب القراءۃ پر غیر مقلدین کے مسلک کا مدار ہے فرماتے ہیں انا لا ننکر نزول هٰذه الاٰية فی الصلوٰۃ او فی الصلوٰۃ والخطبۃ کما ذهب الیه من ذکرنا قوله من سلف هٰذه الامۃ (جزء القراءۃ ص۷۷)

وقال الشوکانی لان عمومات القرآن والسنۃ قد دلت علی وجوب الانصات والاستماع والتوجه حال قراءۃ الامام للقرآن (نیل الاوطار ص۲۲۶ ج ۲)

وقال ابن تیمیۃ الذین ینهون عن القراءۃ خلف الامام جمهور السلف والخلف ومعهم الکتاب والسنۃ الصحیحہ والذین اوجبوها فحدیثهم ضعفه الائمۃ (تنوع العبادات ص۸۹)

وقال ایضًا وقول الجمهور هو الصحیح فان اللّٰه سبحانه وتعالیٰ قال واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون قال احمد اجمع الناس علی انها نزلت فی الصلوٰۃ۔ (فتاوی ابن تیمیہ ص۱۴۳ ج۲)

نواب صاحب فرماتے ہیں این آیت دلالت نمی کند مگر بر منع قرارت درحال جہر امام بقرارت لقوله فاستمعوا واستماع نمی باشد مگر از برائے قرارت مجہور بہا نہ برائے قرارت مخافتت (دلیل الطالب ص۲۸)

اب ہم نصِ قرآنی میں فریق مخالف کی تاویلات رکیکہ بیان کرتے ہیں۔

(۱) مبارکپوری کا تعنّت:

مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام اور تحفۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا خطاب مؤمنین کو نہیں بلکہ کافروں کو ہے جو تبلیغ کے وقت شور وغل مچایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ قرآن نہ سنو جیساکہ امام رازی نے اپنی تفسیر الکبیر جلد ۴ ص۵۰۰ میں لکھا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اگر واقعی خطاب مؤمنون کو ہوتا تو لعلکم کے لفظ کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ یہ لفظ ترجی کے لئے آتا ہے اور مؤمن بہرحال رحمت خداوندی کا مورد اور مستحق ہے

مبارکپوری صاحب کی یہ تحقیق محض تعنّت ہے اسلئے کہ ہم اوپر اجماعِ اُمت سے ثابت کرچکے ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ نماز میں قرارت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

امام رازی:

اجماعِ اُمت کے خلاف امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا خیال معتبر نہیں بالخصوص جبکہ آپ نے اس خیال کی تائید میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی، اگر آپ کوئی روایت نقل

فرماتے تو بھی وہ قابلِ اعتماد نہوتی اسلئے کہ ائمہ حدیث نے آپ کو عقلیات کا امام تسلیم کرنیکے باوجود تفسیر و حدیث میں آپ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام رازی عقلیات کے مسلّم امام ہیں لیکن احادیث و آثار میں ان کا پایہ کمزور ہے اسی وجہ سے انکی تفسیر میں رطب ویابس سبھی کچھ ہے (لسان المیزان ص۴۲۶ ج ۴)

قال الامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابوحیان فی البحر جمع الامام الرازی فی تفسیرہ اشیاء کثیرۃ طویلۃ لاحاجۃ لہا فی علم التفسیر ولذٰلک قال بعض العلماء فیہ کل شیء الا التفسیر (الاتقان ص۱۹۰ ج ۲) وقال المولی طاش کبری زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابن السبکی فی طبقات الکبری اعلم ان شیخنا الذھبی ذکر الامام فی کتاب المیزان فی الضعفاء وھذا امر لامعنی لہ من وجوہ اعلاھا انہ ثقۃ حبر من احبار الامۃ وادناھا انہ لا روایۃ لہ وذکرہ فی الرواۃ مجرد فضول وتعصب وتحامل تقشعر منہ الجلود (الیٰ قولہ) عمد الی امام من ائمۃ المسلمین وادخلہ فی جماعۃ لیس ھو منہم اعنی رواۃ الحدیث فان الامام لا روایۃ لہ (مفتاح السعادۃ ص۴۴۸ ج ۱)

نواب صاحب فرماتے ہیں، مؤلف وے از علم حدیث بے خبر ست و در علوم کلام وفنون رسمیہ امام اہلِ زمان، بعضے از اہل معرفت بعلوم کتاب وسنت گفتہ اند فیہ کل شیء الا التفسیر (اکسیر ص۱۰۱)

نیز فرماتے ہیں رازی از علم حدیث خبر ندارد (اکسیر ص۱۱۳)

پھر لفظ "لعل" سے استدلال بھی عجیب ہے، جبکہ شاہی محاورہ میں یقینی وعدہ کے لئے اسکا استعمال معروف ہے۔ قال العلامۃ عبداللہ بن احمد النسفی ولعل للترجی والاطماع ولکنہ من کریم فیجری مجری وعدہ المحتوم وفائہ وبہ قال سیبویہ (مدارک التنزیل ص۴۴ ج۱)

اگر لفظ "لعل" مؤمنین کے لئے استعمال کرنا صحیح نہیں تو مندرجۂ ذیل آیات کا کیا جواب ہوگا؟

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (۲-۱۸۳)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۲۴-۲۷)

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲۴-۳۱)

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۶۲-۱۰)

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر ہم ان مفسرین کے اقوال تحریر کریں جو اس آیت کا شانِ نزول نماز قرار دیتے ہیں تو دفتروں کے دفتر سیاہ ہو جائیں مگر ہم نے شانِ نزول سے متعلق صرف روایات پیش کرنے پر اکتفاء کیا ہے بدوں روایت اقوال مفسرین ذکر کرنیکی نہ حاجت اور نہ ہی اتنی طویل فہرست کے نقل کرنے کی فرصت،

(۳) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں اس آیت کا شانِ نزول خطبہ ہے جیساکہ امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص۵۷ میں لکھا ہے لہٰذا اس آیت سے قراءت خلف الامام کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے (ابکار المنن ص۱۴۵)

یہ بھی امام بیہقی کا اپنا خیال ہے کسی ایک بھی صحیح روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، اجماعِ امت اور صحیح روایات کے مقابلہ میں امام بیہقی کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔ خود مبارکپوری صاحب ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ امام بیہقی اگرچہ ایک مشہور محدث ہیں مگر انکا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (تحقیق ص۳۲ ج ۲)

امام بیہقی کا خیال خلاف اجماع اور بلا دلیل ہونے کے علاوہ اس لئے بھی صحیح نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی ہے، امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق جمعہ سلمہ میں فرض ہوا ہے، بالفرض قول البعض کے مطابق مکہ مکرمہ ہی میں جمعہ کی فرضیت تسلیم بھی کرلی جائے تو اقامتِ جمعہ بالاتفاق مدینہ منورہ میں ہوئی ہے مکہ میں کوئی جمعہ نہیں پڑھا گیا۔ وقال الامام البغوی رحمہ اللہ تعالیٰ الآیۃ مکیۃ والجمعۃ وجبت بالمدینۃ (معالم التنزیل علی ھامش تفسیر ابن کثیر ص۲۲۳ ج ۳) غیر مقلد عالم مولانا عبد الصمد صاحب لکھتے ہیں، جو لوگ اس آیت کا شانِ نزول خطبہ بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور خطبہ کا حکم مدینہ میں ہوا ہے (اعلام الاعلام ص۱۸۹)

اس سے عید کا خطبہ بھی مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ نماز عید کا حکم بھی مدینہ منورہ میں ہوا ہے (طبری ص۱۲۸۱)

اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ خطبۂ جمعہ یا عید اس آیت کا شانِ نزول ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز اس کا شانِ نزول نہیں کیونکہ اسباب نزول میں تعدد جائز ہے کما قال الشیخ عبد الرحمٰن بن الحسن (فتح المجید شرح کتاب التوحید ص۱۵۷) مثلاً آیۂ کریمہ

ولا تجهر بصلاتك ولا تخافت بها وابتغ بین ذٰلك سبیلا کا شان نزول صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲،
صحیح مسلم ص ۱۸۰ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۱۶ ج ۱، مسند احمد ص ۲۱۵ ج ۱ اور مسند ابی عوانة ص ۱۲۳ ج ۲
میں نماز بتایا گیا ہے اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مسند ابی عوانہ کے انہی مقامات میں اسکا شان نزول
دعاء بیان کیا گیا ہے ۔

فائدہ جلیلہ :

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ بسا اوقات ایسے واقعات کو جو کسی حکم قرآنی کے تحت داخل ہوتے ہیں، اس آیت کا شان نزول بتادیا جاتا ہے، حالانکہ اصل شان نزول کچھ اور ہوتا ہے مگر اس واقعہ کو محض شمول فی الحکم کی وجہ سے شان نزول کہدیا جاتا ہے ۔ مثلاً آج کوئی چوری کرے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ آیت والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما اس کے بارے میں نازل ہوئی ہے، قال الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابن تیمیة قولھم نزلت ھٰذہ الاٰیة فی کذا یراد بہ تارة سبب النزول و یراد بہ تارة ان ذٰلك داخل فی الاٰیة وان لم یکن السبب کما تقول عنی بھٰذہ الاٰیة کذا (الی قولہ) وقال الزرکشی فی البرھان وقد عرف من عادة الصحابة والتابعین ان احدھم اذا قال نزلت ھٰذہ الاٰیة فی کذا فانہ یرید بذٰلك انھا تتضمن ھٰذا الحکم لا ان ھٰذا کان السبب فی نزولھا فھو من جنس الاستدلال علی الحکم بالاٰیة لا من جنس النقل لما وقع (الاتقان ص ۳۱ ج ۱) وقال الشاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فی الباب الرابع من الفوز الکبیر وقسمے آن ست کہ معنی آیت بعموم خود تام ست بغیر احتیاج دانستن حادثہ کہ سبب نزول شدہ است وحکم عموم لفظ راست نہ خصوص سبب را۔ قدماء مفسرین بقصد احاطۂ آثار مناسبہ بآں آیت یا بقصد بیان ما صدق آں عموم آں قصہ را ذکر کردہ اند، ایں قسم را ذکر کردن ضرور نیست پیش ایں فقیر محقق شدہ است کہ صحابہ وتابعین بسیار بود کہ نزلت الاٰیة فی کذا می گفتند وغرض ایشاں تصویر ما صدق آں آیت بود وذکر بعض حوادث کہ آیت آں را بعموم خود شامل شدہ است خواہ ایں قصہ متقدم باشد یا متاخر، اسرائیلی باشد یا جاہلی یا اسلامی، تمام قیود آیت را درگرفتہ شد یا بعض آں را، واللہ اعلم، ازیں تحقیق دانستہ شد کہ اجتہاد را دریں قسم دخلی ہست وقصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست، پس ایں نکتہ مستحضر دار وحل مختلفات سبب نزول بادنی عنایت می تواں نمود (الفوز الکبیر ص ۳۵) یہی تحقیق نواب یار حسن خانصاحب نے بھی نقل فرمائی ہے (اکسیر ص ۱۹)

پس جن حضرات نے آیۂ کریمہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کا شان نزول خطبہ جمعہ یا خطبہ عید بتایا ہے انکا یہی مقصد ہے کہ استماع وانصات کا حکم خطبہ کو بھی شامل ہے ، ان کے قول کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اس آیت کا اصل شان نزول ہی خطبہ ہے لما قدمنا ان الآیۃ مکیۃ والجمعۃ فرضت فی المدینۃ ،

غرضیکہ یہ آیت بالاجماع نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اسکا مدلول اوّل نماز ہی ہے مگر بحکم علت خطبۂ جمعہ وعید کو بھی شامل ہے ۔

(۳) امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز میں بحالت اقتدار بلند آواز سے کلام کیا کرتے تھے اس سے ممانعت کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ امام بیہقی نے اپنے اس دعوٰی کے اثبات کے لئے چار روایات نقل کی ہیں (کتاب القراءۃ ص۷۷)

امام بیہقی کا یہ دعوٰی اس لئے صحیح نہیں کہ ہم اسانید صحیحہ سے ثابت کرچکے ہیں کہ یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ عام کلام کے بارے میں ،

امام بیہقی نے جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ سب ضعیف اور معلول ہیں تفصیل ملاحظہ ہو

پہلی روایت : اس میں دو راوی محمد بن دینار اور ابراہیم ہجری ضعیف ہیں ، محمد بن دینار کی امام ابن معین ، دارقطنی نسائی اور عقیلی نے تضعیف کی ہے ، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا (تھذیب التھذیب ص۱۵۵ ج ۹) اور ابراہیم ہجری کو امام بخاری ، نسائی ، ترمذی ، احمد ، ابن معین ، ابوزرعہ ، سعدی ، حربی ، ابوحاتم ، ابن عدی اور علی بن الحسین بن الجنید سب نے ضعیف قرار دیا ہے (تھذیب التھذیب ص۱۶۵ ج۱ ، میزان الاعتدال ص۳۱ ج ۱)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم ہجری کو منکر الحدیث فرمایا ہے اور ائمۂ حدیث کا فیصلہ ہے کہ امام بخاری جس کو منکر الحدیث قرار دیں اس کی روایت قبول کرنا جائز نہیں ، (میزان ص۵ ج ۱ ، طبقات سبکی ص۹ ج ۲ ، تدریب الراوی ص۲۳۵)

دوسری روایت : اس میں مؤمل بن اسمٰعیل ہیں ان کو بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے ، علاوہ ازیں ابوحاتم ، ابن حبان ، یعقوب بن سفیان ، ساجی ، دارقطنی ، ابن سعد ، ابن قانع ، محمد بن نصر مروزی اور امام ابوزرعہ انکو کثیر الخطأ ، سیئ الحفظ ، منکر الحدیث ، کثیر الغلط قرار دیتے ہیں اور انکی روایات قبول کرنے سے منع فرماتے ہیں

(تهذیب التهذیب ص۳۸۰ ج ۱۰، میزان ص۲۲۱ ج ۳)

تیسری روایت : اس کے راوی عبداللہ بن عامر کی امام بخاری، امام احمد، نسائی، ابوداود، ابوزرعہ، ابوعاصم، دارقطنی، سعدی، امام ابن معین، ابواحمد الحاکم اور ابوحاتم نے تضعیف کی ہے اور امام ابن المدینی نے تو "ضعیف ضعیف" دوبار فرماکر دوہری تضعیف کی ہے (تهذیب التهذیب ص۲۷۵ ج ۵، میزان ص۵۱ ج ۲، لسان ص۳۰۳ ج ۳)

چوتھی روایت : اسمیں عاصم بن عمر ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکو منکر الحدیث قرار دیا ہے، امام ترمذی، امام احمد، ابن معین اور جوزجانی نے انکی تضعیف کی ہے (تهذیب التهذیب ص۵۱ ج ۵، میزان ص۴۲ ج ۲)

جن راویوں پر ایک درجن ائمۂ حدیث نے جرح کی ہو ان کی روایت سے استدلال اور کہلائیں پھر بھی اہلحدیث ؟ ایں چہ بوالعجبی است

اس آیت کا شان نزول کلام فی الصّلوٰۃ نہیں اس پر مندرجہ ذیل دلائل ہیں۔

(۱) اجماع اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں قراءت قرآن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) امام بیہقی نے جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں وہ سب انتہائی درجہ کی ضعیف ہیں۔

(۳) صحیح حدیث سے ثابت ہے نماز میں کلام کی ممانعت آیۂ کریمہ وقوموا للّٰه قانتین سے ہوئی ہے، کمارواہ الشیخان رحمهما اللّٰه تعالیٰ عن زید بن ارقم رضی اللّٰه تعالیٰ عنه (بخاری ص۱۶۰ ج ۱، مسلم ص۲۰۴ ج ۱)

(۴) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۳۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں، واذا قرئ القرآن الآیة دوسری آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن سے منسوخ ہے، کیونکہ یہ بعد میں نازل ہوئی ہے جس پر یہ دلائل ہیں۔

(۱) امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پوری سورۂ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے الاتقان ص۱۷ ج ۱)

(۲) اسی آیت میں حکم زکوٰۃ بھی مذکور ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زکوٰۃ فرض ہونے سے قبل ہمیں صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

تھا، زکوۃ فرض ہوئی تو صدقۂ فطر ادا کرنے کا نہ تاکیدی حکم دیا گیا اور نہ اس سے منع کیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ زکوۃ صدقۂ فطر کے بعد فرض ہوئی ہے اور صدقۃ الفطر تتمۂ صوم ہے اور صوم بالاتفاق مدینہ طیبہ میں فرض ہوا ہے (فتح الباری ص۱۱ ج ۶)

(۳) امام ابو نصر مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آیت فاقرؤا ما تیسّر من القرآن مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اسمیں قتال کا ذکر ہے اور وہ مدینہ میں فرض ہوا ہے (قیام اللیل ص۲)

مبارکپوری صاحب کا یہ دعویٰ غلط ہے، انھوں نے فاقرؤا ما تیسّر من القرآن کے متأخر فی النزول ہونے پر جو دلائل بیان کئے ہیں انکے جواب بالترتیب ملاحظہ ہوں،

دلیل اوّل کا جواب: امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ یہ قول نقل کیا ہے مگر اس پر سخت تردید بھی فرمائی ہے، ونصہ (المزمل) استثنیٰ منہا واصبر علیٰ ما یقولون الآیتین حکاہ الاصبہانی وقولہ ان ربك یعلم الیٰ آخر السورۃ حکاہ ابن الغرس و یردہ ما اخرجہ الحاکم عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ نزل بعد نزول صدر السورۃ بسنۃ وذٰلك حین فرض قیام اللیل فی اوّل الاسلام قبل فرض الصلوات الخمس (الاتقان ص۱۰ ج ۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مسلم ص۲۵۶ ج۱، نسائی ص۱۹۲ ج۱، مستدرک ص۵۰۴ ج۲ میں بسند صحیح مروی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اسی مضمون کی روایت مستدرک ص۵۰۵ ج۲ اور سنن کبریٰ ص۵۰۰ ج۲ میں ہے، یہ صحیح السند روایات ابن غرس کی اس روایت سے بدرجہا زیادہ قوی ہیں جس میں یونس بن حبیب جیسا بالکل مجہول راوی ہے۔ ان روایات سے ثابت ہوا کہ سورۂ مزمل کا آخر اسکے حصۂ اول سے ایک سال کے بعد نازل ہوا ہے اور سورۂ مزمل کا ابتدائی حصہ بالاتفاق نبوت کے بالکل ابتدائی دَور کا ہے۔ خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں سب سے پہلے سورۂ قلم نازل ہوئی اور اسکے بعد سورۂ مزمل (تحقیق الکلام ص۳۸ ج ۲)

دلیل دوم کا جواب: یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکم زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکا تھا، سورۂ مؤمنون، سورۂ حٰم سجدہ اور سورۂ لقمان میں زکوۃ کا حکم مذکور ہے حالانکہ یہ سورتیں مکی ہیں، یؤتون الزکوٰۃ کی تاویل بتزکیۂ نفس توجیہ رکیک اور بعید از قیاس ہے، علاوہ ازیں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں جو تقریر کی تھی اسمیں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے، (مسند احمد ص۲۹۱ ج ۵، مستدرک ص۳۱۰ ج ۲، وقال الحاکم والذہبی علیٰ شرطہما) حالانکہ ان حضرات کی حبشہ کی طرف ہجرت ابتداء نبوت سے پانچویں سال میں ہوئی تھی، (طبری ص۱۱۱۸، زاد المعاد ص۶۱ ج۲)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ ہے کہ زکوٰۃ ہجرت سے قبل فرض ہو چکی تھی (فتح الباری ص۲۱۱ ج ۳) امام رازی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں (تفسیر کبیر ص۲۳۵ ج ۲) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی ہے (روح المعانی ص۱۴۱ ج ۱۹) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، سورۂ مزمل کی آخری آیت ان حضرات کی تائید کرتی ہے جو اسکے قائل ہیں کہ نفس زکوٰۃ تو مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی مگر اسکے نصاب و مقدار کی تعیین مدینہ منورہ میں ہوئی (تفسیر ابن کثیر ص۴۳۹ ج ۴) اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ قیس ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں فرضیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ کے نصاب و مقدار کی تعیین ہے ونظیرہ ما قالہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (انما کان ھذا قبل ان تنزل الزکاۃ) ھذا مشعر بان الوعید علی الاکتناز وھو حبس ما فضل عن الحاجۃ عن المواساۃ بہ کان فی اول الاسلام ثم نسخ ذلک بفرض الزکاۃ لما فتح اللہ الفتوح وقدرت نصب الزکاۃ فعلی ھذا المراد بنزول الزکاۃ بیان نصبھا ومقادیرھا لا انزال اصلھا واللہ اعلم (فتح الباری ص۲۱۶ ج ۳)

دلیل سوم کا جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، امام ابو نصر کا اس آیت کو مدنی قرار دینا غلط ہے، ان کو اس میں ذکر قتال سے مغالطہ ہوا ہے حالانکہ اسمیں حرف "س" بتا رہا ہے کہ آئندہ حکم قتال وارد ہوگا، اسلئے آئندہ آنے والی مشقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کی تاکید ساقط فرمادی ونصہ وذکر الشافعی عن بعض اھل العلم ان صلاۃ اللیل کانت مفروضۃ ثم نسخت بقولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر منہ فصار الفرض قیام بعض اللیل ثم نسخ ذلک بالصلوات الخمس واستنکر محمد بن نصر المروزی ذلک وقال الآیۃ تدل علی ان قولہ تعالیٰ فاقرؤا ما تیسر منہ انما نزل بالمدینۃ لقولہ تعالیٰ فیھا وآخرون یقاتلون فی سبیل اللہ والقتال انما وقع بالمدینۃ لا بمکۃ والاسراء کان بمکۃ قبل ذلک اھ وما استدل بہ غیر واضح لان قولہ تعالیٰ علم ان سیکون ظاھر فی الاستقبال فکانہ سبحانہ وتعالیٰ امتن علیھم بتعجیل التخفیف قبل وجود المشقۃ التی علم انھا ستقع لھم واللہ اعلم (فتح الباری ص۳۹۳ ج ۱)

پھر مبارکپوری صاحب کی یہ منطق بھی عجیب ہے کہ واذا قرئ القرآن الآیۃ سے فاقرؤا ما تیسر الآیۃ کا تأخر نسخ کو مستلزم ہے، نسخ تو تب ہوتا کہ ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں

باہم مخالفت ہوتی، حالانکہ یہاں کوئی مخالفت نہیں اسلئے کہ پہلی آیت قرارت خلف الامام سے متعلق ہے اور دوسری نماز تہجد کے بارے میں ہے، چنانچہ خود غیر مقلد عالم مولانا میر صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ سورۂ مزمل کا یہ رکوع نماز تہجد میں تخفیف کے لئے اُترا ہے (تفسیر واضح البیان ص۸۳۳) مبارکپوری صاحب نے بھی روح المعانی سے اسکو نقل کیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۷ ج ۱) امام بیہقی فرماتے ہیں وھذا معروف مشهور فيما بين اهل العلم (كتاب القراءة ص۱۵۳) وقال الشوکانی نزلت فی قیام اللیل فلیست مما نحن فیہ (نیل الاوطار ص۲۱۸ ج۲) اسی طرح ابوداود ص۱۹۲ ج ۱، عون المعبود ص۵۰۳ ج ۱، اعلام الموقعین لابن القیم ص۳۷۸ ج ۲، السراج المنیر للعلامۃ الشربینی ص۲۴۵ ج ۴، تفسیر العلامۃ ابی السعود علی ہامش التفسیر الکبیر ص۴۸۵ ج ۸ میں بھی اسکی تصریح ہے۔ غرضیکہ مبارکپوری صاحب کا دعوائے نسخ غلط ہے، نواب صدیق حسن خاں صاحب سورۂ اعراف سے متعلق تحریر فرماتے ہیں دروے یک آیت یا دو آیت منسوخ ست باقی ہمہ محکم اول خذ العفو وأمر بالعرف، دوم واعرض عن الجاھلین (افادۃ الشیوخ ص۶۵) اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ آیت فاقرؤا ما تیسر سے قرارت کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۱ ج ۱)

(۵) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۲۸ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن مکی ہے اور امام کے پیچھے قرارت کرنے کے بارے میں احادیث حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہیں، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنہ ۷ھ میں اسلام لائے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرارت خلف الامام کا حکم مدینہ منورہ میں ہوا ہے لہٰذا یہ احادیث آیت کے لئے ناسخ ہیں، مولانا میر صاحب نے بھی تفسیر واضح البیان ص۵۳۴ میں یہی لکھا ہے،

ان حضرات کا ستم ملاحظہ ہو کہ خبر واحد سے نصِّ قرآنی کو منسوخ قرار دے رہے ہیں پھر قرارت خلف الامام سے متعلق کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جو صحیح بھی ہو اور صریح بھی، اس کی تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ، ایسی ضعیف، معلول اور مجمل روایات سے نصِّ قرآنی کے نسخ کا دعوی برگ گل سے قطع الماس ہے، نواب صاحب تحریر فرماتے ہیں، ناسخ

مثل منسوخ باشد در قوت بلکہ اقوی ازاں چہ در صورت ضعف مزیل قوی نہ تواند شد وایں حکم عقل ست و اجماع برآں دلالت کردہ، چہ صحابہ نصِّ قرآن را بخبر واحد منسوخ نہ کردہ اند
(افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ ص۵)

علاوہ ازیں حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدنی ہونے کی وجہ سے انکی حدیث کو بھی مدنی قرار دینا غلط ہے، اسلئے کہ آپ بیعت عقبۂ اولیٰ وعقبۂ ثانیہ دونوں میں موجود تھے ممکن ہے کہ آپ کی روایت اس وقت کی ہو۔ پھر مدنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منعِ قرأت کی روایات بھی تو ہیں، کما سیأتی

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص۲۸ ج ۲ میں ایک اور نکتہ بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۂ اعراف عقبۂ اولیٰ سے بھی قبل نازل ہو چکی تھی کیونکہ ۱۰ سنہ نبوی میں پہلے سورۂ جن نازل ہوئی پھر سورۂ اعراف (مجمع البحار ص۵۳ ج ۲) اور بیعت عقبۂ اولیٰ ۱۲ سنہ نبوی میں اور بیعت عقبۂ ثانیہ ۱۳ سنہ نبوی میں ہوئی ہے نیز عقبۂ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہ تھی اسلئے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث بہرکیف آیت سے متأخر ہے،

مبارکپوری صاحب کی اس نکتہ رسی پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے، اولاً اسلئے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بیعت عقبۂ اولیٰ رجب ۱۱ سنہ نبوی میں ہوئی ہے اور عقبۂ ثانیہ ۱۲ سنہ نبوی میں (البدایۃ والنہایۃ ص۱۵۹ ج ۳) ثانیاً امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نماز باجماعت ابتداءِ اسلام ہی سے مشروع ہے (نووی علی مسلم ص۱۸۳ ج ۱، فتح الباری ص۱۰۶ ج ۳) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبول اسلام کے بعد جب اپنی قوم کی طرف واپس تشریف لے گئے تو نصف قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت ایماء بن رحضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی امامت کیا کرتے تھے، (صحیح مسلم ص۲۹۶ ج ۲، مستدرک ص۵۹۲ ج ۳)
حالانکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قدیم الاسلام ہیں، آپ سے قبل مردوں میں سے صرف حضرت ابوبکر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خواتین میں سے صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائی ہیں (مستدرک ص۳۴۲ ج ۳، تذکرہ ص۱۷ ج ۱، اکمال ص۵۹۶)

علاوہ ازیں اگر بیعت عقبۂ اولیٰ سے قبل نماز باجماعت مشروع نہیں تھی تو لا زماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اسلئے کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کا شان نزول بالاتفاق قرأت خلف الامام ہے

پس حدیث عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس آیت سے تأخر ثابت نہوا، یہ بحث محض اشباع کلام کے طور پر لکھدی ہے ورنہ حقیقت وہی ہے کہ یہ روایات ضعیفہ، غیر صریحہ نص قرآن کیلئے ناسخ نہیں بن سکتیں۔

(۶) مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ فاقرؤا ما تیسر من القراٰن الاٰیۃ سے واذا قرئ القراٰن الاٰیۃ منسوخ نہیں لیکن اسمیں نسخ کا احتمال تو موجود ہے جب اسمیں یہ احتمال موجود ہے تو اس سے استدلال کیسے ؟ (تحقیق الکلام ص۳۶ ج ۲)

مبارکپوری صاحب کا یہ خیال بھی درست نہیں اسلئے کہ استدلال سے وہ احتمال مانع ہے جو ناشی عن دلیل ہو، اگر یہاں احتمال نسخ کسی دلیل پر مبنی ہوتا تو امام احمد، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن عبدالبر رحمہم اللہ تعالیٰ و دیگر جمہور امت اس آیت سے استدلال نہ فرماتے، حالانکہ اس سے متعلق ہم اوپر امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے قول اجماع نقل کرچکے ہیں۔

(۷) مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص۱۱۰، تحفۃ الاحوذی ص۲۵۸ ج ۱ اور تحقیق الکلام ص۳۸ ج ۲ میں اور مولانا میر صاحب تفسیر واضح البیان ص۴۳۹ میں ملاجیون اور علامہ تفتازانی کا قول نقل کرکے لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے اسلئے واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا سے استدلال صحیح نہیں،

ملاجیون رحمہ اللہ تعالیٰ کا حنفی ہونا مسلّم ہے مگر کسی شخصیت پر تحقیق کا مدار نہیں، اور علامہ سعدالدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حنفی قرار دینا غلط ہے آپ شافعی تھے، صاحب کشف الظنون علامہ کاتب چلپی، علامہ حسن چلپی، علامہ سیوطی اور علامہ محمود الکفوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بہرکیف کسی شخصیت کے قول سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ ہم اوپر ثابت کرچکے ہیں کہ فاقرؤا ما تیسر من القراٰن متقدم ہے اور واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا متأخر ہے، نیز پہلی آیت نماز تہجد کے بارے میں ہے اور دوسری قرارت خلف الامام کے بارے میں، جب دلائل میں تقدم و تأخر معلوم ہو اور پھر دونوں کا محل بھی جداگانہ ہو تو قول تعارض کیسے صحیح ہوسکتا ہے ؟

اگر بالفرض ان دونوں آیتوں میں تعارض تسلیم بھی کرلیا جائے تو رفع تعارض کے لئے سب سے پہلے صورتِ تطبیق تلاش کی جاتی ہے وہ نہوسکے تو ترجیح پھر تیسرے درجہ میں تساقط کا حکم ہے، ان آیتوں میں صورت تطبیق بھی پائی جاتی ہے اور وجہ ترجیح بھی۔

صورت تطبیق : ایک صورت تو اوپر بیان ہوچکی ہے کہ ایک آیت میں فرض

نماز میں قرارت کا بیان ہے اور دوسری آیت میں نماز تہجد میں قرارت کا حکم ہے، علاوہ ازیں اگر دونوں آیتوں کو نماز فرض ہی سے متعلق فرض کرلیا جائے تو صورت تطبیق یہ ہے سورۂ مزمّل کی آیت میں امام اور منفرد کو قرارت کا حکم فرمایا گیا ہے اور سورۂ اعراف میں مقتدی کو قرارت سے منع فرمایا گیا ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ فاقرؤا ما تیسّر سے سورۂ فاتحہ سے زائد قرارت مراد ہے (کتاب القراءۃ ص۶، ص۱۵۳، ص۱۵۴) امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی مضمون کی روایت بسند حسن نقل کی ہے (دارقطنی ص ۱۲۹/۱۳۰) مولانا میر صاحب لکھتے ہیں، الغرض آیت فاقرؤا ما تیسر میں اگر قرارت سے قراءۃ القران فی الصلوٰۃ مراد لی جائے تو اس سے مراد فاتحہ کے بعد کی قرارت ہے (تفسیر واضح البیان ص۴۴۵)

چونکہ اہلحدیث بھی مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ سے زائد قرارت کی ممانعت کے قائل ہیں اسلئے لازماً اس سے امام یا منفرد مراد ہوگا،

صورت ترجیح :

اگر بالفرض تطبیق کی کوئی صورت نہ ہوتی تو بلاشبہہ سورۂ اعراف کی آیت راجح قرار پاتی اسلئے کہ اوپر روایات صحیحہ اور جمہور اُمت کی تصریحات سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو قرارت خلف الامام سے منع فرمایا گیا ہے،

(۸) امام بیہقی کتاب القراءۃ ص۵۷ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۱۵ ج۲ میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں سکوت بمعنی اخفار بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسکاتک ما بین التکبیر والقراءۃ ما تقول؟ آپ نے فرمایا کہ میں اللّٰھمّ باعد بینی و بین خطایای الخ پڑھتا ہوں، (صحیح بخاری ص۱۰۳ ج۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر آہستہ پڑھنے کو سکوت سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح مستدرک وغیرہ میں روایت ہے ویسکت بعد القراءۃ ھنیۃ یسأل اللہ من فضلہ، اسمیں سکوت اور سوال کا اجتماع ہے، لہٰذا امام کے پیچھے آہستہ پڑھنا آیت میں حکم انصات کے خلاف نہیں،

ان حضرات کی یہ تاویل اسلئے باطل ہے کہ سکوت کے حقیقی معنی مکمل خاموشی ہی کے ہیں، قال الامام الراغب الاصفہانی السکوت مختص بترک الکلام (مفردات ص۲۳۵) وقال الامام

ابن خالویہ نزف الرجل اذا انقطعت حجتہ عند المناظرۃ وسکت واسکت مثلہ (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص۲۶) وقال مجد الدین الفیروزآبادی اسکت انقطع کلامہ فلم یتکلم (قاموس ص۹۲ ج۱) وکذا فی المنجد ص۳۵۲ وقال الامام الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ان السکوت علامی معناہ انہ لم یقل شیئا ولم ینقل امرًا ولم یتصرف فی قول ولا فعل ولا شک ان ھٰذا المعنی علامی محض (مناظرات امام رازی ص۳۵) ائمہ لغت کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ سکوت کے معنی ترک کلام اور مکمل خاموشی کے ہیں۔ مگر کبھی مجازًا جہر کے مقابلہ میں بمعنی اخفار بھی استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ حالت جہر میں دوسرے لوگ بھی اسکے کلام کو سُن رہے تھے، اسکے بعد اخفار کی حالت میں سامعین کے نزدیک کلام معدوم ہے کیونکہ وہ نہیں سُن رہے، اس مناسبت سے بوقت قرائن صارفہ عن الحقیقت سکوت بمعنی اخفار مجازًا آتا ہے، قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ انما سمیناہ ساکتا مجازا لان من لا یسمعہ یظنہ ساکتا (احکام القرآن ص۴۴ ج۳) پس جہاں مجازی معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہیں ہوگا وہاں سکوت سے اسکے حقیقی معنی یعنی مکمل خاموشی ہی مراد ہوگی، حقیقی معنی مراد لینے کے لئے کسی قرینہ اور دلیل کی حاجت نہیں ہوتی معہٰذا قراءۃ القرآن کے وقت حکم انصات حقیقی معنی ہی میں مستعمل ہے اس پر یہ دلیل بھی ہے کہ ابتداء نزول وحی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ خود بھی پڑھا کرتے تھے صحیح بخاری کی روایت میں ہے وکان مما یحرک شفتیہ اس پر حکم ہوتا ہے لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ الآیۃ، وکان مما یحرک شفتیہ سے ثابت ہوا کہ آپ آہستہ پڑھتے تھے پھر نص قرآن لا تحرک بہ لسانک میں تصریح ہے کہ زبان تک ہلانے کی بھی اجازت نہیں، ثالثاً آیت مذکورہ میں فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں مروی ہے فاستمع لہ وانصت (صحیح بخاری ص۳ ج۱) اس سے معلوم ہوا کہ انصات بوقت قرارت کے معنی مکمل خاموشی کے ہیں کہ زبان کو بھی حرکت نہو۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فصل الخطاب ص۸۷ میں حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ اسمیں سکوت سے مطلقاً سکوت مراد نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ سے سکوت مراد ہے جیساکہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امرنا بالسکوت کی شرح میں حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حکم سابق

یعنی نماز میں کلام وسلام سے سکوت مراد ہے مطلقاً سکوت مراد نہیں کہ ثناء، آمین، تسمیع، تحمید، تشہد اور درود شریف بھی نہ پڑھو، (فتح الباری صنٓ ج ۳) اسی طرح حدیث مستدل لہ ویسکت بعد القراءۃ ھنیۃ یسأل اللہ من فضلہ میں قرارت سے سکوت اور مجمع الزوائد کی روایت من صام رمضان فی الانصات الخ میں جھوٹ غیبت وغیرہ لغویات سے سکوت مراد ہے، اذان کا جواب دینا سکوت کے منافی نہیں اسلئے کہ اذان کے ہر کلمہ کے بعد جواب کے لئے وقفہ ہے، بخلاف نماز میں سکتات کے کہ ان کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں کما سیأتی

ہم امام بیہقی اور مبارکپوری سے دریافت کرتے ہیں کہ حالت خطبہ میں آپ تسبیح وغیرہ آہستہ پڑھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے اور یہاں حکم سکوت سے سرًّا پڑھنا کیوں نہیں مراد لیتے ؟ قرآن کریم ہی کے الفاظ میں یہ چال کیوں سوجھی ؟ بالخصوص جبکہ آپ اس آیت کا شأن نزول خطبہ بتاتے ہیں، کیا یہ کھُلا عناد اور صریح بے انصافی نہیں کہ جس آیت سے حالت خطبہ میں ترک کلام ثابت کر رہے ہیں اسی سے حالت نماز میں قرارت سرًّا کا حکم دے رہے ہیں۔

حالت خطبہ میں تحیۃ المسجد پڑھنا :

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ صـ۳۵ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراءۃ صـ۸۴ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ حالت خطبہ میں سکوت کا حکم اسقدر مؤکد ہے کہ اسوقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی اجازت نہیں لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قلت لصاحبک یوم الجمعۃ انصت فقد لغوت (بخاری صـ۱۲۸ ج ۱، مسلم صـ۲۸۱ ج ۱) لیکن اسکے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں پہنچے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو وہ مختصر طور پر دو رکعتیں پڑھ لے اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما (بخاری صـ۱۲۱ ج ۱، مسلم صـ۲۸۷ ج ۱) ان دو رکعتوں میں لازماً قرارت قرآن ہوگی، جس طرح یہ حکم انصات کے منافی نہیں اسی طرح مقتدی کی قرارت بھی آیت استماع وانصات کے منافی نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک حالت خطبہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں اسلئے کہ بوقت خطبہ حکم انصات عام ہے، جس طرح خطبہ کی حالت میں کلام کرنا اور ۱۰ ذکر و تسبیح وغیرہ انصات کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اسی طرح نماز پڑھنا بھی

انصات کے منافی ہے، اسلئے یہ بھی جائز نہیں، بوقت خطبہ انصات کے حکم عام کے علاوہ بالخصوص نماز سے ممانعت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ ارشاد ہے یصلی ما کتب له ثم ینصت اذا تکلم الامام (بخاری ص۱۲۱ ج۱، مسلم ص۲۸۳ ج۱، طیالسی ص۶۵)
وعن نبیشة الهذلی رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً فان لم یجد الامام خرج صلی ما بدا له وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت رواه احمد ورجاله رجال الصحیح خلا شیخ احمد وهو ثقة (مجمع الزوائد ص۱۷۱ ج۲)

حدیث بالا میں امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ کا نام علی بن اسحق ہے (فتح الملہم ص۴۱۵ ج۲) امام نسائی، امام ابن معین، حافظ ابن حبان، ابن سعد اور محمد بن حمدویہ رحمہم اللہ تعالیٰ سب ان کی توثیق فرماتے ہیں (تہذیب التہذیب ص۲۸۲ ج۷) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی انکو ثقہ قرار دیا ہے (تقریب ص۲۶۹) حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ میں اس کتاب میں صرف صحیح اور حسن روایات ذکر کرونگا، بشرط الصحة والحسن فیما اورده من ذٰلك (مقدمة الفتح ص۴) اور حدیث مذکور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری ص۲۹۷ ج۲ میں ذکر فرمائی ہے اور اس کی سند پر کوئی کلام نہیں فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت صحیح یا حسن ہے،

خیر الکلام ص۵۶۳ میں اسکی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اسمیں عطاء خراسانی ہے جنکے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ارسال، تدلیس اور کثرت وہم کا شکار تھے؛ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے انکی کوئی حدیث نہیں لی (تقریب ص۱۷۹) نیز فرماتے ہیں کہ یہ بخاری کی شرط پر نہیں (مقدمہ فتح الباری ص۴۳۶) اسلئے علامہ ہیثمی کا قول "رجاله رجال الصحیح" وہم ہے۔

درحقیقت یہ علامہ ہیثمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم نہیں بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا وہم ہے، اسلئے کہ صحیح بخاری جلد ثانی ص۷۳۲ اور ص۷۹۶ میں عطاء سے روایت موجود ہے، اور محدث ابومسعود دمشقی اور علامہ قسطلانی وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ عطاء خراسانی ہیں بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق یہ نسائی، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ کے علاوہ صحیح مسلم کے بھی راوی ہیں (تہذیب التہذیب ص۲۱۲ ج۷)

ان نصوص کی بناء پر جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین اور ائمۂ دین رحمہم اللہ

تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ بوقت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے (نووی علی صحیح مسلم ص۲۸۷ ج۱) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقہاء و محدثین کا یہی مسلک تھا (ترمذی ص۲۶ ج۱) علامہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، عروۃ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مجاہد، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین، امام زہری، قتادہ، ابراہیم نخعی اور قاضی شریح رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک تھا (فتح الملہم ص۴۱۵ ج۲) فریق ثانی بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ جمہور کے نزدیک بحالت خطبہ تحیۃ المسجد جائز نہیں، چنانچہ مؤلف خیر الکلام اس مسئلہ میں قول جمہور کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جمہوریت حدیث کے معاملہ میں حجت نہیں (خیر الکلام ص۵۶۳)

جناب والا قارئین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ مسلک جمہور حدیث کے خلاف ہے یعنی حدیث صرف وہ ہے جس کو جناب حدیث کہیں ورنہ صریح و صحیح احادیث جن پر جمہور اُمت کا عمل ہو وہ بھی حدیث نہیں بلکہ حدیث کی مخالفت ہے،

اگر معاذ اللہ جمہور صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء اور ائمۂ دین نے حدیث کو نہیں سمجھا یا عمداً حدیث کی مخالفت کرتے رہے تو قرآن، حدیث اور پورے دین اسلام سے اعتماد اُٹھ جائے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے جب خطبہ کی حالت میں یہ بھی ممنوع ہے تو نوافل کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ تعجب ہے کہ غیر مقلدین قیام جماعت کے بعد فجر کی سنتوں کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ یہ آکد السنن ہیں مگر بحالت خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں، پھر یہ کہ خارج جماعت کے لئے بوقت قیام جماعت انصات کا حکم نہیں اور بوقت خطبہ حاضرین کو انصات کا حکم ہے، معہٰذا سنت فجر کو ممنوع اور بوقت خطبہ تحیۃ المسجد کو جائز قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

حدیث جواز کا جواب:

① امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن کبریٰ میں اس حدیث کا ترجمۃ الباب باب الصلوٰۃ

قبل الخطبة قائم فرمایا ہے (زیلعی ص۲۰۲ ج ۲) اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہے اور حدیث میں یخطب بمعنی یرید الخطبۃ ہے کما فی قولہ تعالیٰ یاَیّھا الّذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الاٰیۃ، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا امّن الامام فامّنوا کی شرح میں فرماتے ہیں قالوا معناہ اذا اراد التأمین (نووی علی مسلم ص۱۷۶ ج ۱)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے والامام یخطب اوقد خرج (بخاری ص۱۵۶ ج۱) وقال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ متفق علیہ (فتح الباری ص۳۴۱ ج ۲) اس حدیث سے بھی امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کی تائید ہوتی ہے، اسلئے کہ اسمیں راوی بصورت تردّد بیان کررہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یخطب فرمایا یا قد خرج فرمایا، سامع کو بالعموم تردد الفاظ مترادفہ میں ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ راوی یخطب بمعنی اراد ان یخطب لے رہا ہے، اس "او" کو تنویع کے لئے نہیں کہہ سکتے، اسلئے کہ اس صورت میں صرف یخطب فرمانا کافی تھا، جب حالت خطبہ میں جواز ثابت ہوگیا تو قبل الخطبہ بطریق اولیٰ خود بخود ثابت ہوجائے گا لہٰذا یخطب کے بعد او قد خرج عبث ہوجاتا ہے، ہاں اگر عبارت برعکس یوں ہوتی والامام قد خرج او یخطب تو او بمعنی بل للترقی لینے کی گنجائش تھی، نیز اگر "او" تنویع کے لئے ہوتا تو جمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حالت خطبہ وغیر خطبہ میں فرق نہ فرماتے بلکہ دونوں صورتوں میں یکساں جواز تحیۃ المسجد کے قائل ہوتے،

علاوہ ازیں حدیث کے الفاظ ولیتجوز فیھما میں حکم ہے کہ تحیۃ المسجد مختصر پڑھے، یہ مستقل دلیل ہے کہ یہ حکم اسوقت ہے جبکہ امام خطبہ کے لئے طیار ہو، اگر حالت خطبہ میں بھی نماز جائز ہے اور یہ حکم انصات کے منافی نہیں تو بحالت خطبہ تحیۃ المسجد میں اختصار کا حکم کیوں؟ جب حکم انصات اور تحیۃ المسجد دونوں پر بیک وقت عمل ہورہا ہے تو تحیۃ المسجد خوب اطمینان سے ادا کرنا چاہئے، اختصار کا مقتضی کیا امر ہے؟

(۲) یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے بعض رواۃ نے اس کو عام سمجھ کر نقل بالمعنی کے تحت قاعدہ کلیہ بنادیا، قصہ یہ ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خستہ حالت میں مسجد میں داخل ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم فرمایا کہ کھڑے ہوکر دو رکعتیں پڑھیں تاکہ

لوگ ان کی حالت زار دیکھ کر انکی امداد کی طرف متوجہ ہوں، اور آپ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، سنن نسائی میں ہے جاء رجل یوم الجمعة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب بهیئة بذة فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت قال لا قال صل رکعتین وحث الناس علی الصدقة (نسائی ص۱۵۸ ج ۱) مسند احمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں یہ الفاظ ہیں ان هذا الرجل دخل المسجد فی هیئة بذة فامرته ان یصلی رکعتین وانا ارجوان یفطن له رجل فیتصدق علیه (فتح الباری ص۳۳۷ ج ۲) اس روایت کی سند سے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واما قصة سلیك رضی اللہ تعالیٰ عنه فقد ذکر الترمذی انها اصح شیء روی فی هذا الباب واقوی (فتح الباری ص۳۳۹ ج ۲) بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں ارکع رکعتین ولا تعودن لمثل هذا (دارقطنی ص۱۶۹ ج ۱) اس روایت سے استدلال مقصود نہیں بلکہ صرف تائیداً پیش کی گئی ہے، خود سلیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس امر کو عام اور قاعدہ کلیہ نہیں سمجھا، اگر وہ اسکو عام قاعدہ سمجھتے تو آئندہ کے لئے وہ اسکی تعمیل میں غفلت نہ کرتے حالانکہ تین جمعہ تک مسلسل یہی واقعہ پیش آتا رہا کہ انھوں نے تحیة المسجد از خود ادا نہیں کیا ولاحمد وابن حبان انه کرر امره بالصلاة ثلاث مرات فی ثلاث جمع (فتح الباری ص۳۳۸ ج ۲)

اس جواب پر حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ یوں ردّ فرماتے ہیں والتعلیل بکونه صلی اللہ علیه وسلم قصد التصدق علیه لا یمنع القول بجواز التحیة فان المانعین منها لا یجیزون التطوع لعلة التصدق قال ابن المنیر فی الحاشیة لو ساغ ذلك لساغ مثله فی التطوع عند طلوع الشمس وسائر الاوقات المکروهة (فتح الباری ص۳۳۸ ج ۲)

ابن منیر اور حافظ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ اعتراض جب صحیح ہوتا کہ مانعین تحیة المسجد تصدق کو حکم کی علت اور مدار قرار دیتے، حالانکہ تصدق علت نہیں بلکہ تخصیص کی حکمت ہے۔

نیز تخصیص بھی بحالت خطبہ نماز پڑھنے میں نہیں بلکہ تخصیص اس امر میں ہے کہ ان کی خاطر خطبہ میں تاخیر کی گئی، کما فی روایة اللیث عند مسلم رحمه اللہ تعالیٰ والنبی صلی اللہ علیه وسلم قاعد علی المنبر (فتح الباری ص۳۳۹ ج ۲) دارقطنی کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے وامسك عن الخطبة حتی فرغ من صلاته (دارقطنی ص۱۶۹ ج ۱) یہ روایت بطور استدلال نہیں بلکہ تائید کے لئے پیش کی گئی ہے، مرسل معتمر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے،

دارقطنی کی روایت میں امسك عن الخطبۃ کے معنی یہ ہیں کہ خطبہ شروع فرمانے سے رُک گئے، یہ مطلب نہیں کہ خطبہ پڑھتے ہوئے درمیان میں ٹھیر گئے، صحابی کی شان سے بعید ہے کہ خطبہ شروع ہونے کے بعد مسجد میں آئے اور پھر مسلسل تین جمعہ تک یہی حال رہے، گزشتہ روایات میں قاعد علی المنبر اور قبل خروج کے الفاظ نصّ صریح ہیں کہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم خطبہ شروع ہونے سے قبل تھا۔

(۹) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۱۵ ج ۲ میں مجمع البحار سے حدیث قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما امر وسکت فیما امر میں قرأ بمعنی جھر اور سکت بمعنی اسرّ نقل کرکے فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ واذا قرئ القرآن الخ میں بھی جہری قرارت مراد ہے اسلئے اس آیت میں صرف جہری نمازوں کا حکم ہے۔

مبارکپوری صاحب کا یہ استدلال اسلئے صحیح نہیں کہ مجمع البحار کا قول حجّت نہیں، حدیث کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ قرأ حال کونہ اماما وسکت حال کونہ مؤتما او قرأ بعد الفاتحۃ فی الاولیین وسکت بعد ھا فی الاخریین، چنانچہ صحیح بخاری ص۱۰۷ ج ۱ میں اس کی تصریح ہے کہ اخریین میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اسی طرح آپ کا مؤتم ہونا بھی ثابت ہے چنانچہ باب البیت کے پاس آپنے دو روز تک دس نمازیں حضرت جبریل علیہ السلام کی اقتدار میں پڑھیں اور غزوۂ تبوک سے واپسی پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار فرمائی (مسلم ص۱۳۴ ج ۱، ابوداؤد ص۲۰ ج ۱) اہل قبا میں مصالحت سے واپسی پر نماز عصر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار فرمائی، لوگ ابوبکرؓ کو متوجہ کرنے کے لئے تالیاں بجانے لگے کافی دیر کے بعد آپ کو تنبّہ ہوا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (بخاری ص۱۰۶۶ ج ۲)

اور اگر مجمع البحار کے بیان کردہ معنی ہی لے لئے جائیں تو اسکا وہی جواب ہوگا جواوپر ۸ میں گزرا یعنی قراءۃ بمعنی جہر مجاز ہے جس کے لئے کسی قرینہ کا وجود ضروری ہے، قراءۃ کے حقیقی معنی مطلقاً پڑھنے کے ہیں خواہ جہراً ہو یا سرًّا، نص قرآن میں کوئی قرینہ صادفہ عن الحقیقۃ نہیں اسلئے اسمیں قرارت اپنے حقیقی معنی کیمطابق سرًّا و جہرًا دونوں کو شامل ہے،

(۱۰) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آیت میں استماع وانصات دونوں کا حکم ہے، استماع چونکہ صرف جہری نمازوں ہی میں ہوسکتا ہے اسلئے یہ حکم سرّی نمازوں کو شامل نہیں،

نیل المرام ــــــــ ۴۶

لہٰذا اس سے مانعین قرارت خلف الامام کا علی الاطلاق استدلال صحیح نہوا (جزء القراءۃ ص۹)
یہی مضمون امام بیہقی کتاب القراءۃ ص۴۶ میں اور نواب صاحب دلیل الطالب ص۲۸۰ میں
اور مبارکپوری صاحب ابکار المنن ص۱۴۸ اور تحقیق الکلام ص۱۵ ج ۲ میں نقل فرماتے ہیں،

اسکا جواب یہ ہے کہ آیت میں دو حکم ہیں، ایک استماع اور دوسرا انصات قرارت
جہریہ میں استماع وانصات دونوں کا موقع ہے اور قرارت سریہ میں صرف انصات ہوسکتا ہے،
اسلئے جہریہ میں استماع مع الانصات کا حکم ہے اور سریہ میں صرف انصات کا،

انصات کے معنی مطلق سکوت اور ترک کلام کے ہیں اس کے لئے استماع لازم نہیں
لقوله صلى الله عليه وسلم فان رأى حيث لا يسمع فانصت ولم يلغ كان له كفل من
الاجر رواه ابوداؤد (جمع الفوائد ص۲۵۷ ج ۱) وفى كنز العمال مما رواه عبدالرزاق عن
زيد بن اسلم رضى الله تعالى عنه مرسلا وعن عثمان بن عفان رضى الله تعالى عنه موقوفا
اقيموا الصفوف وحاذوا بالمناكب وانصتوا فان اجر المنصت الذى لا يسمع كاجر المنصت
الذى يسمع (فتح الملهم ص۲ ج ۲) وقال الحافظ رحمه الله تعالى فى الفتح وقد وقع
التفريق بين الانصات والاستماع فى قوله تعالى فاستمعوا له وانصتوا ومعناهما مختلف
فالانصات هو السكوت وهو يحصل ممن يستمع وممن لا يستمع كأن يكون مفكرًا فى
امر آخر وكذلك الاستماع قد يكون مع السكوت وقد يكون مع النطق بكلام آخر
لا يشتغل الناطق به عن فهم ما يقول الذى يستمع منه، وقال فى ابواب التفسير لا
شك ان الاستماع اخص من الانصات لان الاستماع الاصغاء والانصات السكوت ولا
يلزم من السكوت الاصغاء (فتح الملهم ص۲ ج ۲) وقال الامام النووى رحمه الله تعالى
فالاستماع الاصغاء والانصات السكوت ولذا قال الله تعالى واذا قرئ القرآن فاستمعوا
له وانصتوا (نووى مع مسلم ص۲۸۳ ج ۱) وقال البيهقى رحمه الله تعالى لا فرق بين
السكوت والانصات عند العرب (كتاب القراءة ص۸۴)

البتہ مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس فرماتے ہیں نصت ينصت وانصت
وانتصت سكت والاسم النصتة بالضم وانصته وله سكت له واستمع لحديثه ص۱۵۶
اور تاج العروس میں ہے وانصته وانصت له اذا سكت له مثل نصحه ونصح له و
انصته وانصت له مثل نصحته ونصحت له والانصات هو السكوت والاستماع

للحدیث یقال انصتہ وانصت لہ ۔ اور مختار الصحاح میں ہے الانصات السکوت والاستماع انصتہ وانصت لہ ۔

ان عبارات سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ استماع و انصات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں مگر یہ صحیح نہیں اسلئے کہ اس صورت میں قرآن کریم میں ایک لفظ کی زیادتی بلا مقصد لازم آئے گی ، علماء لغت کی عبارات بالا میں انصات کے معنی سکوت مع الاستماع نہیں بیان کئے گئے بلکہ سکوت والاستماع کہا گیا ہے ، یعنی اسکے دونوں معنی آتے ہیں ، پھر آگے انصت و انصت لہ سے وضاحت کر رہے ہیں کہ یہ استماع کے معنی میں جب ہوتا ہے کہ اس کا مفعول یا صلہ " لام " مذکور ہو ، قرآن کریم میں انصتوا کا مفعول یا صلہ مذکور نہیں لہٰذا اسمیں استماع کے معنی نہیں بلکہ مطلق سکوت کے معنی میں ہے ، اگر انصات کا بدون ذکر مفعول وصلہ بھی بمعنی استماع ہونا تسلیم کرلیا جائے تو اسکے دو معنی مستقل ہیں ایک سکوت دوسرے استماع ، ان دونوں معانی میں سے حسب قرائن کوئی ایک معنی متعین کئے جا سکتے ہیں ، قرآن کریم میں اس سے قبل لفظ استمعوا کا ذکر اور قرارت سرّیہ کا قابل استماع نہ ہونا اس پر قرائن ہیں کہ یہاں انصات بمعنی استماع نہیں ،

بلکہ ذکر مفعول وصلہ کے باوجود اسکے دو مستقل معنی بیان کئے گئے ہیں ایک سکت لہ دوسرے استمع لحدیثہ ، سکت اور سکت لہ میں یہ فرق ہے کہ اول بدون داعیۂ تکلم سکوت مفرد ہے ، مثلاً کوئی شخص اکیلا بیٹھا ہے یہ اسلئے خاموش ہے کہ اسکے لئے تکلم کا کوئی داعیہ ہی نہیں ، اور دوسرے میں داعیۂ تکلم ہونے کے باوجود دوسرے شخص کی رعایت سے سکوت ہوتا ہے گویا یہ سکوت مرکب ہے پھر دوسرے شخص کی رعایت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اسکے کلام کو سننا مقصود ہو اور دوسری یہ کہ جو بات یہ کہنا چاہتا ہے وہی بات اسکی طرف سے کوئی دوسرا کہہ رہا ہے ، مثلاً حاکم کے دربار میں درخواست پیش کرنے کے لئے ایک وفد جاتا ہے ان کا سربراہ درخواست پیش کرتا ہے اور وفد کے دوسرے ارکان خواہ اسکا کلام نہ بھی سن رہے ہوں تو بھی اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ ان کا قائد انکی طرف سے وکالۃً درخواست پیش کر رہا ہے ، ومن ہذا القبیل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خطیبہم اذا انصتوا ای یوم القیامۃ ،

مبارکپوری صاحب نے تحقیق الکلام ص۴۹ ج ۲ میں ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ پر

اعتراض کیا ہے کہ انکا استماع کو جہری نمازوں اور انصات کو سرّی نمازوں سے متعلق قرار دینا تفسیر بالرأی ہے جو حرام ہے،

مبارکپوری صاحب کا یہ اعتراض محض تعنّت ہے اسلئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احادیث صحیحہ، لغت اور جمہور مفسرین کی تحقیق پر مبنی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سرّی نمازوں میں قرارت خلف الامام کے اثبات کی تقریر یوں فرماتے ہیں کہ بدون ذکر و قرارت و دعا محض سکوت نہ عبادت ہے نہ مأمور بہ بلکہ سبب وساوس ہے لہذا ذکر میں مشغول ہونا سکوت سے افضل ہے اور قرارت قرآن افضل ترین ذکر ہے اس لئے سرّی نمازوں میں قرارۃ الفاتحہ خلف الامام مستحب ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ص۱۵ ج۲)

تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جب واذا قرئ القرآن الآیۃ کا شان نزول نماز قرار دے رہے ہیں اور اس پر اجماع نقل کر رہے ہیں تو نص قرآنی کے مقابلہ میں اس قیاس آرائی کا کیا جواز؟

علاوہ ازیں ظہر اور عصر کی نماز میں صحیح حدیث کی رو سے تقریباً تیس آیات کی قرارت مسنون ہے اور ابن تیمیہ بھی مقتدی کو سورۂ فاتحہ سے زائد پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، جب اسقدر طویل سکوت مورث وساوس نہیں تو صرف سورۂ فاتحہ کی سات آیات تک مختصر سکوت کو سبب وساوس قرار دینا کیسے صحیح ہے؟

(۱۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۹ و ص۲۵ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سنن ترمذی ص۴۲ ج۱ میں اور امام بیہقی کتاب القراءۃ ص۱۰ و ص۲۹ میں فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیئے، یہی بات مبارکپوری صاحب نے ابکار المنن ص۱۴۵ اور تحقیق الکلام ص۵۱ ج۲ میں تحریر کی ہے اور انکے دوسرے اتباع نے بھی لکھا ہے، سکتات امام کے اثبات کے لئے مندرجۂ ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص فرض نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ امام کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھے،
(کتاب القراءۃ ص۵۴، مستدرک ص۲۳۸ ج۱)

(۲) عمرو بن شعیب اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم انصات فرماتے تھے اسمیں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرارت کر لیا کرتے تھے (کتاب القراءۃ ص۶۹، ص۸۶)

(۳) بسند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ جس نے سکتات امام میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز کامل نہ ہوگی (کتاب القراءۃ ص۵۴)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکتہ کی حالت میں قرارت کرے اسلئے کہ جس نے قرارت نہ کی اس کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔

(کنز العمال ص۹۶ ج۴)

(۵) حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سلف کا تعامل نقل فرماتے ہیں کہ امام ضرور سکتہ کرتا تھا تاکہ مقتدی قرارت فاتحہ کرلیں (جزء القراءۃ ص۵۷)

(۶) سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور (کتاب القراءۃ ص۶۹ و ص۸۰)

(۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت ابو سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ امام کے لئے دو سکتے ہوتے ہیں ان کو قرارت فاتحہ کے لئے غنیمت سمجھو (جزء القراءۃ ص۵۹، کتاب القراءۃ ص۷۰)

(۸) ہشام بن عروہ کے والد نے ان سے فرمایا کہ جب امام سکتہ کرے اسوقت قرارت کرلیا کرو اور امام کی قرارت کے وقت خاموش ہوجاؤ اسلئے نماز خواہ فرض ہو یا نفل بدوں قرارۃ فاتحہ کے ادا نہیں ہوتی (جزء القراءۃ ص۵۹، کتاب القراءۃ ص۸۰)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ امام کے سکتہ میں بدون قرارت فاتحہ نماز مکمل نہیں ہوتی (کتاب القراءۃ ص۶۶)

دلائل مذکورہ کے جوابات بالترتیب ملاحظہ ہوں،

(۱) حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں محمد بن عبد اللہ بن عبید ابن عمیر ضعیف ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعفاء ص۲۸ میں، امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم ص۲ ج۱ میں امام یحیی القطان سے، امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ضعفاء صغیر ص۲۵ میں، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع ترمذی ص۱ ج۲ میں، امام دار قطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دار قطنی ص۱۲۱ ج۱ میں، اور خود امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب القراءۃ ص۵۴ میں انکی تضعیف کی ہے، امام یحیی بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں (میزان الاعتدال ص۷۷ ج۳، لسان المیزان ص۲۱۶ ج۵)

علاوہ ازیں اس حدیث میں صلوٰۃ مکتوبہ کی تخصیص ہے حالانکہ اہل حدیث کے ہاں

نفل نمازوں میں بھی قراءت فاتحہ ضروری ہے۔

(۲) حدیث عمرو بن شعیب، محدثین میں سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ کی تضعیف اور اسکا ناقابل قبول ہونا مشہور و معروف ہے، عمرو بن شعیب اگرچہ فی نفسہٖ ثقہ ہیں مگر جب وہ عن ابیہ عن جدہٖ روایت کرتے ہیں تو یہ بالاتفاق قابل قبول نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے والد سے سماع حاصل نہیں بلکہ وہ کتاب سے نقل کرتے ہیں، اس سند پر کلام اور اس کی تضعیف مندرجۂ ذیل کتب میں ہے۔ سنن ترمذی ص۴۳ ج۱، ص۸۲ ج۱، طبقات المدلسین لابن حجر ص۱۱، میزان الاعتدال ص۲۸۹ ج۲، تہذیب التہذیب ص۵۳ و ص۵۴ ج۸، مستدرک حاکم ص۱۹۷ ج۱، شرح معانی الآثار ص۴۵ ج۱، محلی ابن حزم ص۲۳۲ ج۱، اسعاف المبطأ برجال المؤطأ ص۲۳،

تحفۃ الاحوذی ص۲۶۷ ج۱ میں لکھا ہے کہ امام احمد اور علی بن المدینی رحمہما اللہ تعالیٰ عمرو ابن شعیب کی روایت کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں حالانکہ امام علی بن المدینی تصریح فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کریں تو وہ ضعیف ہے (تھذیب التھذیب ص۵۳ ج۸) اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لہ اشیاء مناکیر وانما یکتب حدیثہ یعتبر بہ فاما ان یکون حجۃ فلا، نیز فرماتے ہیں وربما وجس فی القلب منہ شیئ (تھذیب التھذیب ص۴۹ ج۸)

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ علامہ ذہبی کا عمرو بن شعیب کی روایت کو حسن کہنا دوسرے طرق کے لحاظ سے ہے، اس سے عن ابیہ عن جدہ کی سند مراد نہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ومن ضعفہ مطلقا فمحمول عن روایتہ عن ابیہ عن جدہ (تھذیب التھذیب ص۵۱ ج۸)

(۳) عمرو بن شعیب کی دوسری روایت میں ضعف مذکور کے علاوہ محمد بن عبداللہ بن عبید بن عمیر بھی واقع ہے جس کی تضعیف حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحت گزر چکی ہے۔

مذکورہ بالا تین احادیث کے علاوہ جو روایات پیش کی گئی ہیں وہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ پر موقوف ہیں حالانکہ اہلحدیث کے ہاں موقوف صحابہ بھی حجت نہیں تو تابعین کی موقوفات کس شمار میں؟ علاوہ ازیں احادیث مذکورہ کی طرح ان آثار میں

سے بھی کوئی ایک اثر بھی صحیح نہیں، انکی تنقیح ملاحظہ ہو۔

(۴) اثر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، درحقیقت یہ اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ہے، رواۃ میں سے کسی نے غلطی سے ابن عمر کر دیا ہے (کتاب القراءۃ ص۲۵) اسکی سند میں مثنی بن صباح ضعیف ہیں، امام بخاری، امام نسائی، امام احمد، امام ترمذی، دارقطنی، امام یحیی القطان، ابن المہدی، حافظ ابن حجر، ابن معین، ابن عدی، ابن سعد، علی بن الجنید، حافظ ابن حبان، ساجی، ابواحمد الحاکم، سحنون اور امام عقیلی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف قرار دیا ہے (ضعفاء صغیر للبخاری ص۳۰، ضعفاء صغیر للنسائی ص۵۳، میزان الاعتدال ص۷ ج۳، تھذیب التھذیب ص۳۶ ج۱۰، تقریب ص۳۴۶)

علاوہ ازیں یہ اثر مجمل ہے اسلئے کہ اسمیں سورۂ فاتحہ کی صراحت نہیں،

(۵) اثر سعید بن جبیر، اس کی سند میں دو راوی ضعیف ہیں، ایک عبداللہ بن رجا مکی۔ امام احمد، ازدی اور ساجی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (میزان الاعتدال ص۳۷ ج۲، تھذیب التھذیب ص۲۱۱ ج۵) دوسرے عبداللہ بن عثمان ابن خیثم۔ امام نسائی، امام ابن معین، امام ابوحاتم، حافظ ابن حبان، امام ابن المدینی، امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ انکو ضعیف قرار دے رہے ہیں (میزان ص۱۵ ج۲، تھذیب التھذیب ص۳۱۵ ج۵، نصب الرایہ ص۳۵۳ ج۱)

(۶) سعید بن جبیر کا دوسرا اثر، اس کی سند میں بھی عبداللہ بن عثمان بن خیثم ہیں جن کی تضعیف اوپر کئی ائمۂ حدیث سے نقل کی گئی ہے۔

(۷) اثر ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسمیں اوّلاً تو یہ کلام ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یا کہ ابوسلمہ تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے، رواۃ کو اسمیں تردد ہے، علاوہ ازیں اس کی سند میں موسیٰ بن مسعود ضعیف ہے امام احمد، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، بزار، ابوحاتم، عمرو بن علی الفلاس، ابواحمد الحاکم، امام حاکم، ابن قانع، ساجی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکو ضعیف بتایا ہے (میزان الاعتدال ص۲۸۱ ج۳، تھذیب التھذیب ص۳۷۱ ج۱۰)

(۸) اثر ہشام بن عروہ، اسکی سند میں بھی موسیٰ بن مسعود واقع ہیں جنکی تضعیف

تقریباً ایک درجن ائمۂ حدیث سے اوپر نقل کی جا چکی ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت میں فصاعدًا کی زیادتی بھی ہے جس پر غیر مقلدین کا بھی عمل نہیں،

(۹) اثر ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسکی سند میں اسحق بن عبداللہ بن ابی فروہ ضعیف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام نسائیؒ، ابو حاتم، ابن حبان، ابوزرعہ، ابن عمار، علی بن المدینی، دارقطنی، برقانی، ابن خزیمہ، خلیلی، بزار، ابن جارود، عقیلی، دولابی، ابو العرب، ساجی اور ابن شاہین رحمہم اللہ تعالیٰ نے انکی تضعیف کی ہے (تھذیب التھذیب ص۲۴۱ ج۱)

بحث مذکور سے واضح ہوگیا کہ مقتدیوں کی قراءت فاتحہ کے لئے امام کے سکتات کا کوئی ثبوت نہیں، البتہ دو مقام پر سکتہ ثابت ہے، ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا سورۂ فاتحہ کے بعد، اوّل میں تو ظاہر ہے کہ قراءت فاتحہ کا موقع ہی نہیں، اور سورۂ فاتحہ کے بعد سکتہ صرف اسقدر ہے کہ امام ذرا سانس درست کرسکے، ائمۂ حدیث اسکی تصریح فرماتے ہیں حتی یتراد الیہ نفسہ (نسائی ص۱۰۳ ج۱، ابوداؤد ص۱۱۳ ج۱، ترمذی ص۳۴ ج۱، دارمی ص۱۴۶) خود مبارکپوری صاحب فرماتے ہیں بل السکتۃ الثانیۃ کانت لان یتراد الیہ نفسہ کما صرح بہ قتادۃ (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۹ ج۱) ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اس سکتہ سے مقتدیوں کو قراءت فاتحہ کی مہلت دینا مقصود نہیں اور نہ ہی اتنے مختصر سکتہ میں اسکی گنجائش ہے، تعجب ہے کہ ہوا پرستی نے سکتہ کو سکتات کیسے بنا دیا؟ کہلائیں پھر بھی اہل حدیث!

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے محض مقتدیوں کی قراءت فاتحہ کے لئے کبھی سکتہ کیا ہو (غیث الغمام ص۱۷۵)

اسلئے جمہور اہل اسلام ایسے سکتہ یا سکتات کے قائل نہیں، حتیٰ کہ خود غیر مقلدین میں سے اہل انصاف اسکی تردید فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولم نعلم نزاعا بین العلماء انہ لایجب علی الامام ان یسکت لیقرأ المأموم بالفاتحۃ ولا غیرھا (الی قولہ) ولا یستحب للامام السکوت لیقرأ المأموم عند جماھیر العلماء وھذا مذھب مالک وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل وغیرھم رحمہم اللہ تعالیٰ (فتاویٰ ابن تیمیۃ ص۱۴۶ ج۲۳،

تنوع العبادات ص۸۵) محمد بن اسمٰعیل بن الصلاح امیر یمانی فرماتے ہیں ثم اختلف القائلون بوجوب القراءۃ فقیل فی محل سکتات الامام وقیل فی سکوتہ بعد تمام القراءۃ ولا دلیل لھذین القولین فی الحدیث (سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۱۶۱ ج۱) شیخ محمد بن اسمٰعیل مذکور سے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں، امام صنعاء و علامۂ یمن و شاعر مجید و مجتہد مفید و محدث کامل و عارف واصل ست، عامل بود بکتاب و سنت بحسب اجتہاد نفس خود تقلید بتقلید احدے از اہل علم نداشت (تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص۸۰)

درایۃً بھی مقتدیوں کے لئے امام کا سکتہ کرنا اصول شرع کے خلاف بلکہ قانون شریعت کا مقابلہ ہے، شریعت نے مقتدیوں کو اتباع امام کا حکم دیا ہے اور مدعیان اتباع حدیث امام کو مقتدیوں کے اتباع کا حکم دے رہے ہیں کہ ان کی خاطر خاموشی اختیار کرے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ ہے کہ جب امام قرارت کرے تم خاموش رہو، مگر بزعم خویش اہلحدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ مقتدیوں کی قرارت کے لئے امام خاموش رہے، امام ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا قرأ فانصتوا اخبر منہ من ان من الائتمام بالامام الانصات لقراءتہ وھذا یدل علی انہ غیر جائز ان ینصت الامام لقراءۃ المأموم لانہ لوکان مأمورًا بالانصات لہ لکان مأمورًا بالائتمام بہ فیصیر الامام مأموما والمأموم اماما فی حالۃ واحدۃ و ھذا فاسد (احکام القرآن ص۵۵ ج۳)

(۱۲) صاحب خیر الکلام فرماتے ہیں کہ سورۂ اعراف کی آیت میں انصات سے بالکلیہ خاموشی مراد نہیں، اسلئے کہ دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت قرارت قرآن چند جائز کلمات کہنا آیت اعراف کے منافی نہیں، آیات یہ ہیں، انّ الذین اوتوا العلم من قبلہ اذا یتلی علیہم یخرون للاذقان سجدا ویقولون سبحان ربّنا ان کان وعد ربّنا لمفعولا (بنی اسرائیل) واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ترٰی اعینہم تفیض من الدمع ممّا عرفوا من الحق یقولون ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشّٰھدین وما لنا لا نؤمن باللہ وما جاءنا من الحق ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصّالحین (مائدہ) الذین اٰتینٰھم الکتاب من قبلہ ھم بہ یؤمنون واذا یتلیٰ علیھم قالوا اٰمنا بہ انہ الحق من ربّنا انّا کنّا من

قبلہ مسلمین (قصص) ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض جائز کلمات کہنا قرآن کے استماع وانصات کے منافی نہیں، (خیر الکلام ص۳۶۶)

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ آیت اعراف کا شان نزول بالاجماع قراءت خلف الامام ہے آیات بالا میں جو کلمات مذکور ہیں وہ نہ تو حالت نماز میں ہیں اور نہ ہی بحکم قراءت قرآن ہیں، نیز کیا پوری سورۂ فاتحہ صرف چند کلمات ہیں ؟ درایۃً بھی آیات بالا میں مذکورہ کلمات اور قراءت فاتحہ میں یہ فرق ہے کہ قراءت فاتحہ میں منازعۂ قرآن ہے اور ایسے کلمات کہنا جن میں قرآن کریم پر ایمان اور انقیاد کا اظہار ہو منازعہ نہیں بلکہ متابعت قرآن ہے، مثلاً دربار شاہی میں درخواست پیش کرتے وقت سب حاضرین درخواست کا مضمون پڑھنے لگیں تو خلاف ادب ہے اور اگر ایک شخص درخواست پیش کرتا ہے اور دوسرے اس کی تائید میں کچھ کلمات کہدیں تو یہ عین ادب ہے،

یہانتک ان تاویلات رکیکہ کے جوابات تھے جو نصّ قرآنی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا میں کی جاتی ہیں، آگے فریق مخالف کے بعض الزامات کا حال سنئے، الزامات کی فہرست ذکر کرنے سے قبل ہم یہ حقیقت دوبارہ ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ آیت اعراف بالاجماع نماز میں قراءت خلف الامام سے ممانعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسکا مفصل بیان اس آیت پر بحث کی ابتداء میں گزر چکا ہے، لہٰذا نماز سے خارج قراءت اور نماز کے اندر غیر مقتدی کی قراءت اور نماز میں قراءت کے سوا دوسرے اذکار مثلاً ثناء وغیرہ کو یہ آیت شامل نہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد فریق مخالف کی طرف سے واردکردہ الزامات از خود بے حقیقت اور باطل ہو جاتے ہیں اب ان الزامات کی فہرست ملاحظہ ہو،

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۳۵ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۱۴۴ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ایسے وقت میں اقتداء کرنا چاہے کہ امام قراءت شروع کر چکا ہو تو لازماً یہ تکبیرۂ تحریم کہے گا اور یہ آیت استماع وانصات کے منافی ہے لہٰذا آیت مذکورہ پر مانعین فاتحہ خلف الامام کا بھی عمل نہیں،

اس الزام کا بطلان ظاہر ہے کہ تکبیرۂ تحریم نہ قرآن ہے اور نہ ہی نماز کے اندر ہے اس لئے کہ عندالاحناف تکبیرۂ تحریم شرط ہے اور شرط مشروط سے خارج اور اس سے مقدم ہوتی ہے۔

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۷ و ص۱۰ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب

القراءة ص۱۵۷ میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۴۶ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قرات خلف الامام بھی حالت اقتداء میں ثناء وغیرہ پڑھنے کے قائل ہیں اس لئے یہ آیت استماع و انصات پر عامل نہ رہے۔

احناف کے ہاں مدرک اس لئے ثناء پڑھ سکتا ہے کہ تاحال امام نے قراءت شروع نہیں کی اور مسبوق کو امام کی جہری قراءت کے وقت ثناء پڑھنا جائز نہیں، منیہ میں ہے وروی عن الفقیہ ابی جعفر الهندوانی انہ قال اذا ادرك الامام فی الفاتحۃ یثنی بالاتفاق، یہ قول بصیغۂ تمریض منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ عبارت مذکورہ کے ذیل میں فرماتے ہیں وان ادرکہ فی السورۃ یثنی عند ابی یوسف لاعند محمد ذکرہ فی الذخیرۃ وھو بعید اذلا فصل فی قولہ تعالیٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ الآیۃ بین الفاتحۃ وغیرھا بل الاصح ھو القول الاول انہ لا یأتی بہ مطلقا لاطلاق النص (کبیری ص۲۹۵) البتہ سرّی قراءت کے ساتھ ثناء پڑھنے کی اجازت ہے، اسکا جواب وہی ہے کہ منصوص ممانعت صرف قراءت قرآن سے ہے لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تقرؤا بشیء من القرآن' قاضی شوکانی فرماتے ہیں وظاھر التقیید بقولہ من القرآن یدل علی انہ لاباس بالاستفتاح حال قراءۃ الامام بمالیس بقرآن والتعوذ والدعاء (نیل الاوطار ص۲۴۴ ج ۲) اور نواب صدیق حسن خاں صاحب فرماتے ہیں، وایں روایات (فلا تقرؤا بشیء من القرآن وغیرھا) ونحوآن دلالت دارند برآنکہ منھی عنہ نزد قراءت امام ہماں قرآن کریم ست فقط واما قراءۃ توجہ واستعاذہ ونحوآں پس لا بأس بہ است ونہی متناول آں نیست ونہ بوجہے از وجوہ برآن دلالت دارد (دلیل الطالب ص۲۹۴) مولانا عبدالصمد صاحب بھی اعلام الاعلام ص۱۹۲ میں یونہی تحریر فرماتے ہیں، روایات کے علاوہ درایۃً بھی یہ امر معقول ہے کہ قراءت امام کے وقت مقتدی کے لئے صرف قراءت ممنوع ہے ثناء وغیرہ سے ممانعت نہیں، اس لئے کہ سورۂ فاتحہ میں امام سب مقتدیوں کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہے لہٰذا مقتدیوں کا ساتھ پڑھنا خلاف ادب ہے، بخلاف ثناء وغیرہ کے کہ وہ دربار میں دخول کے وقت ابتدائی سلام وآداب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان امور میں وکالت ونمائندگی نہیں ہوتی بلکہ انکی ادائیگی سب حاضرین پر لازم ہوتی ہے۔

(۳) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۷ میں، امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب القراءۃ ص۱۵۷

میں اور مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۴۲ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ مانعین قراءت خلف الامام کے نزدیک امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے مگر ثناء وغیرہ میں امام کفایت نہیں کرتا اس سے ثابت ہوا کہ انکے نزدیک فرض سے غیر فرض کی اہمیت زیادہ ہے،

اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے کہ روایت حدیث کے علاوہ درایت کا مقتضیٰ بھی یہ ہے کہ وکالت اور نمائندگی صرف درخواست پیش کرنے میں ہوتی ہے، آداب بجالانے میں نہیں،

ان اکابر سے گزارش ہے کہ کیا آپکے ہاں سورۂ فاتحہ کے سوا باقی پورے قرآن کی اہمیت ثناء وغیرہ سے کم ہے کہ سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت سے منع فرماتے ہیں اور ثناء وغیرہ کا حکم دیتے ہیں،

قرآن، حدیث اور عقل سلیم کے اس فیصلہ کو خود آپکے گھرانے میں سے قاضی شوکانی، نواب صاحب اور مولانا عبد الصمد بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں،

(۴) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جزء القراءۃ ص۷ میں فرماتے ہیں کہ فجر کی جماعت ہورہی ہو تو احناف کے ہاں اس سے قریب ہی سنتیں پڑھنا جائز ہے، یہ آیت استماع و انصات کے منافی ہے،

یہ الزام اس لئے صحیح نہیں کہ یہ شخص تاحال امام کی اقتداء میں داخل نہیں ہوا۔

(۵) مبارکپوری صاحب تحقیق الکلام ص۴۳ ج ۲ میں بحوالہ کفایہ ص۶۸ ج۱ وشرح وقایہ ص۱۷۵ ج۱ فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک جب خطیب یٰایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما پڑھے تو سامعین کو آہستہ درود شریف پڑھنا جائز ہے حالانکہ آیت اعراف خطبہ کو بھی شامل ہے،

یہ الزام بھی غلط ہے، اسلئے کہ یہ تحقیق تفصیل سے گزر چکی ہے کہ آیت اعراف بالاجماع قراءت خلف الامام سے متعلق نازل ہوئی ہے، نزول آیت کے وقت خطبہ کا تو وجود ہی نہ تھا حالت خطبہ میں سکوت کا حکم حدیث پر مبنی ہے، البتہ چونکہ خطبہ بھی دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے اسلئے بعض حضرات نے اسکو بھی آیت اعراف کے عموم الفاظ میں داخل قرار دیا ہے،

علاوہ ازیں مذہب حنفی میں محقق اور مفتی بہ قول کے مطابق حالت خطبہ میں سامعین کے لئے درود شریف آہستہ پڑھنا بھی جائز نہیں قال فی الخانیۃ ومشایخنا قالوا بانہ لا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بل یستمع وینصت لان الاستماع فرض والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمکن بعد ھٰذہ الحالۃ (خانیۃ ص۸۲ ج۱) وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ

تعالیٰ تحت (قولہ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قلبا ائتمارا لامری الانصات والصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکرمانی قھستانی قبیل باب الامامۃ واقتصر فی الجوھرۃ علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانہا تدرک فی غیر ھذا الحال والسماع یفوت (رد المحتار ص۴۹۸ ج۱)

خاتمۃ الکلام

مسئلہ قرأت خلف الامام پر لکھنے سے قبل بندہ نے اسپر غور کیا کہ اگر اس مسئلہ سے متعلق کسی دوسرے عالم کا کوئی ایسا رسالہ ملجائے جو جامعیت کے ساتھ مختصر بھی ہو تو بجائے اسکے کہ میں کوئی جدید رسالہ لکھنے پر محنت کروں سائلین کو اسی رسالہ سے استفادہ کا مشورہ دیدیا جائے، مگر اس صفت کا کوئی رسالہ اسوقت میری نظر میں نہیں تھا، مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر کی کتاب احسن الکلام اس موضوع پر تحقیق اور جامعیت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے مگر بہت طویل ہے، اسلئے میں نے اپنے درس صحیح بخاری کی تقریر کو سامنے رکھ کر اس پر بقدر ضرورت مزید تحقیق کا کام شروع کر دیا، اضافات میں احسن الکلام طبع دوم سے بھی مدد لی گئی ہے، اسمیں جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں انکی مراجعت سے ثابت ہوا کہ حوالجات کی تحریر میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں، جہاں بدوں کاوش غلطی کا علم ہوگیا اسکی اصلاح کر دی ہے ورنہ ویسے ہی نقل کر دیئے ہیں لہٰذا اہل علم کہیں حوالہ میں جلد یا صفحہ کی غلطی پائیں تو اسکو احسن الکلام میں کتابت کی غلطی پر محمول فرمائیں مصنف پر اعتماد ہے کہ انھوں نے جس مضمون کی جس کتاب کیطرف نسبت کی ہے وہ صحیح ہوگی۔

نصوص قرآنیہ کی بحث قریب التکمیل تھی کہ اچانک حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرّہٗ کا رسالہ فاتحۃ الکلام نظر سے گزرا جو بظاہر میرے مقصد کیمطابق ہے لہٰذا میں اپنے رسالہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اور مسئلہ زیر بحث سے متعلق احادیث کی بحث، احناف کے دلائل اور فریق مخالف کے دلائل کے جوابات کی تفصیل فاتحۃ الکلام پر محوّل کرتا ہوں، اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُمّتِ مسلمہ کو فروعی مسائل میں اُلجھنے اور مجتہد فیہ اُمور میں دماغ وقلم کی صلاحیتیں اور طاقتیں صرف کرنے اور آپس میں دست وگریباں ہونے کی بجائے دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں اور الحاد واباحیت کے فتنوں سے دین اسلام کی حفاظت کے لئے متحدہ مساعی کی توفیق عطا فرمائیں اور اشدّاء علی الکفار رحماء بینہم کا مصداق بنائیں، آمین فقط واللّٰہ المستعان

رشید احمد

۱۲ رمضان المبارک سنہ ۹۸ھ یوم الجمعہ

فاتحۃ الکلام

فی القراءۃ

خلف الامام

بجواب

تکمیل البرہان

فی قراءۃ

ام القرآن

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقتدی اور سورۂ فاتحہ کی قراءت

حنفی مذہب کا موقف کتاب اور سنت کی روشنی میں

تمہید:

بعد الحمد والصلوٰۃ میرے پاس ایک دوست نے رسالہ تکمیل البرہان فی قراءۃ ام القرآن ڈاک سے بھیجا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مصنّف رسالہ نے امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض لازم قرار دیا ہے اور اپنے نزدیک اس کو اجماعی مسئلہ فرض کیا ہے۔ چونکہ اس سے مذہب حنفی کی تخفیف مترشح ہوتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کے دلائل بیان کردیئے جائیں تاکہ دنیا کو معلوم ہوجائے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں بے دلیل کوئی بات نہیں کہتے بلکہ کتاب وسنت کی دلیل سے کہتے ہیں۔ دلائل حنفیہ بیان کرنے کے بعد ان الزامات کا جواب بھی انشاء اللہ دیا جائے گا جو اس رسالہ میں حنفیہ پر وارد کئے گئے ہیں واللہ المستعان وعلیہ التکلان حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ○
اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو (اچھی طرح) سنو اور خاموش رہو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

ابوداود صاحب سنن نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ سب لوگ اسی پر ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔ سعید بن المسیب، حسن بصری، ابراہیم نخعی، محمد بن کعب اور زہری سب یہی فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زید ابن اسلم اور ابوالعالیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ پھر اس پر اجماع ہے کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قراءت لازم نہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سُنا کہ جب امام جہر سے قراءت کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز بغیر قراءت کے صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ وتابعین اور اہلِ حجاز میں امام مالک۔ اہلِ عراق میں سفیان ثوری۔ اہلِ شام میں اوزاعی۔ اہلِ مصر میں لیث بن سعد

ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اور مقتدی قراءت نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے۔ (ملاحظہ ہو مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص۶۰۶)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ جن احادیث سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قراءت کو فرض بتایا جارہا ہے وہ امام احمد کے نزدیک صحیح نہیں اور جو صحیح ہیں وہ منفرد اور امام کے حق میں ہیں مقتدی کے بارے میں نہیں ہیں جیسا آئندہ واضح ہو جائے گا۔

مفسر ابن جریر طبری نے مسیب بن رافع سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ہم نماز کے اندر ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے۔ سلام علیٰ فلان، سلام علیٰ فلان، پھر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اسکی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

(۲) (۳) ابن جریر نے ابو عیاض سے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ نے فرمایا کہ لوگ نماز میں کلام کیا کرتے تھے تو جب یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن اور دوسری آیت قوموا لله قانتین تو خاموش رہنے کا حکم کیا گیا۔ دونوں روایتوں کے راوی ثقہ ہیں۔

یسیر بن جابر سے روایت ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قراءت کرتے ہوئے سُنا تو نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تمہارے لئے اسکا وقت نہیں آیا کہ سمجھ لو، کیا اسکا وقت نہیں آیا کہ جان لو کہ جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگاؤ اور خاموش رہو۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اس کو بھی امام طبری نے روایت کیا ہے اور اسکے سب راوی ثقہ ہیں اور سند صحیح ہے۔

(۴) امام بیہقی نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءت کر رہے تھے تو آپ نے ایک انصاری نوجوان کی قراءت سنی تو یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ بیہقی نے اسکی سند پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ مُرسل ہے اور یہ مرسل ہمارے یہاں حجت ہے اور جب اسکی تائید دوسرے مراسیل وغیرہ سے ہو جائے تو سب کے نزدیک حجت ہے۔

مفسر طبری نے اسی کے موافق زہری سے بھی مرسلاً روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ پڑھتے تو ایک انصاری نوجوان بھی ساتھ ساتھ پڑھتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔

(۵) حافظ ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں معاویۃ بن قرہ سے روایت کیا ہے کہ میں

نے بعض صحابہ سے دریافت کیا عبد الرحمٰن مسروقی (راوی) کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ عبد اللہ بن مغفل ہیں۔ اُن سے میں نے کہا، کیا ہر شخص پر جو قرآن سُنے اسکا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے فرمایا کہ یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا قرارت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرارت کرے تو سنو اور خاموش رہو۔

اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صرف ابو المقدام ضعیف ہے مگر اس سے وکیع اور زید بن الحباب و نضر بن شمیل ویزید بن ہارون جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں (تو وہ ایسا ضعیف نہیں جسکی روایت رد کر دی جائے خصوصاً جبکہ اسکی تائید میں بہت سے آثار موجود ہیں) امام بیہقی نے ابو العالیہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرارت کرتے صحابہ بھی قرارت کرتے تھے تو آیت نازل ہوئی فاستمعوا له وانصتوا (حضور کی قرارت کو سنو اور خاموش رہو) پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرارت کرتے (جزء القراءۃ ص۲) بیہقی نے اسکے راویوں پر کوئی جرح نہیں کی صرف اتنا کہا کہ یہ منقطع (یعنی مرسل) ہے اور مرسل ہمارے یہاں حجت ہے۔

(۶) امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مؤمن قرآن کیطرف کان لگانیسے وسعت میں ہے (چاہے سُنے یا نہ سُنے) مگر نماز فرض میں اور جمعہ وعید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن یعنی (ان نمازوں میں) جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن کو سنو اور خاموش رہو ص۳

(ف) ابن عباس کا مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے علاوہ قرارت کا سننا واجب نہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ایک قول حنفیہ کا بھی اسکے موافق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خارج صلوٰۃ بھی قرارت قرآن کے لئے خاموش رہنا اور سُننا واجب ہے اسمیں احتیاط ہے کیونکہ آیت قرآن کا شانِ نزول اگرچہ قرارت خلف الامام ہے مگر الفاظ مطلق ہیں۔

(۷) محمد بن کعب قرظی (امام تفسیر وحدیث) سے روایت ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ پڑھا کرتے تھے یہانتک کہ سورۃ اعراف کی آیت نازل ہوئی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جزء القراءۃ ص۴۲) بیہقی نے اس کی سند میں کوئی علت بیان نہیں کی بلکہ سکوت کیا ہے۔

(ف) مفسر ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے متعلق متعدد آثار بیان کرکے فرمایا ہے کہ سب اقوال میں صحت وصواب کے زیادہ قریب ان لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں

عہ ان تمام آثار واحادیث کی جو اس مضمون میں مذکور ہیں سندوں کی مفصل تحقیق اعلاء السنن میں مذکور ہے جسکو شوق ہو وہیں دیکھے

مقتدیوں کو نماز میں قرآن سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب امام قرات کرے اور لوگ اسکے پیچھے اقتدار کر رہے ہوں اور خطبہ سننے کا امر کیا گیا ہے۔ ہم نے اس قول کو زیادہ صحیح اسلئے کہا ہے کہ حدیث صحیح سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اذا قرأ الامام فانصتوا۔ جب امام قرات کرے تو خاموش رہو اور سب (علماء) کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ امام سے سنے اس پر سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔ اجماع کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں بھی بتواتر اسکا امر وارد ہے اور ان دو حالتوں کے سوا اور کسی حالت میں قرآن کا سننا اور قرات کے لئے خاموش رہنا واجب نہیں اگرچہ ایک صورتمیں اختلاف ہے، جبکہ مقتدی امام کے پیچھے ہو (بعض علماء اس پر خاموش رہنے کو واجب نہیں کرتے بلکہ قرات فاتحہ کو واجب کہتے ہیں) مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث صحیح میں ثابت ہوچکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب امام قرات کرے خاموش رہو۔ پس امام کے پیچھے اس کی قرات کے لئے خاموش رہنا ان لوگوں پر واجب ہے جو اس کے مقتدی ہوں اور قرات سُن رہے ہوں۔ بوجہ ظاہر قرآن کے عموم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مذکور کے صـ۲۹ ج ۹

اس تقریر سے یہ امر واضح ہے کہ امام ابن جریر طبری جن کو شافعی المذہب کہا جاتا ہے۔ نماز جہری میں مقتدی کے ذمّہ قرآن سننے اور خاموش رہنے کو واجب سمجھتے ہیں اور نماز سری میں قرات مقتدی کو جائز سمجھتے ہیں اور زیادہ اختلاف نماز جہری میں ہے۔ نماز سری میں زیادہ اختلاف نہیں، جیسا آئندہ واضح ہوجائیگا اگرچہ حنفیہ کے پاس اسکے بھی دلائل موجود ہیں کہ سری نماز میں بھی مقتدی کو امام کے پیچھے قرات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن میں دو حکم ہیں ایک استمعوا (کہ امام کی قرات کو سنو) یہ تو جہری نماز کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرا حکم ہے انصتوا (کہ قرات امام کے وقت خاموش رہو) یہ جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس اگر مقتدی سری نماز میں حکم استماع پر عمل نہیں کر سکتا تو حکم انصات پر تو عمل کر سکتا ہے اس کو کس لئے ترک کرتا ہے۔ اس کے علاوہ احادیث و آثار بھی آئندہ بیان کئے جائیں گے جن سے مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے مطلقاً خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہے خواہ جہری ہو یا سری۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ جن صحابہ یا تابعین نے آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا۔ کے شان نزول میں خطبہ جمعہ کا ذکر کیا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں خطبۂ جمعہ کو بھی اس آیت کے تحت داخل کرلیا گیا ہے کیونکہ جملہ مفسرین و قرار و محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے

کہ سورۂ اعراف مکی ہے۔ بیضاوی نے صرف آٹھ آیتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو اذ نتقنا الجبل سے شروع ہوتی ہیں جن میں یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ داخل نہیں۔ یہ بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں جمعہ قائم نہیں ہوا تھا نہ وہاں جمعہ کا خطبہ ہوا تو اس کو شانِ نزول میں کیسے بیان کیا جاسکتا ہے؟ پس صحیح یہی ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور خطبہ کا حکم بھی نماز کی طرح ہے۔ اس کے بعد امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس آیت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے دنیوی باتیں کرنے یا جہر کے ساتھ قراءت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا درست نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آیت کے الفاظ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہیں۔ آیت میں انصات کا حکم ہے جس کے معنی بالکل خاموش رہنے کے ہیں، جو فاتحہ سے بھی خاموش رہنے کو مقتضی ہے پھر ہم پوچھتے ہیں کیا امام بیہقی خطبہ کی حالت میں آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور تسبیح وغیرہ پڑھنے کی اجازت دیدیں گے؟ اگر نہیں تو وہاں اس آیت سے مطلقاً خاموشی واجب ہونے پر استدلال کیونکر صحیح ہوگیا اگر اجازت دیں گے تو انکے مذہب کے بھی خلاف ہوگا اور اجماع کے بھی خلاف ہے۔ خطبۂ جمعہ میں کسی کے بھی نزدیک خطبہ سننے والے کو ذکر اللہ اور تسبیح پڑھنا جائز نہیں نہ آہستہ نہ زور سے، پس حیرت ہے کہ خطبہ میں تو مطلقاً ذکر وتلاوت وغیرہ کو منع کیا جائے سراً بھی اور جہراً بھی اور نماز میں قراءت سریہ کو جائز کہا جائے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ آیت اعراف واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کا نزول قراءت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ خطبہ کے لئے احادیث میں انصات کی تاکید ہے تو ہم کہیں گے کہ نماز کے اندر مقتدی کو انصات کی تاکید قرآن میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی جیسا آئندہ معلوم ہوجائے گا۔

(۸) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا قرأ (ای الامام) فانصتوا۔ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے فرمایا حدیث صحیح ہے امام احمد نے بھی اس کو صحیح کہا ہے جیسا حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں بیان کیا اور امام ابوجعفر طبری کا قول گزرچکا ہے وقد صح الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قولہ اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آپ نے فرمایا جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے بھی اپنی مسند میں امام مسلم کی سند سے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ

جب تم نماز کو کھڑے ہو تو ایک آدمی امام بنے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہو۔ صحیح ابوعوانہ میں اس حدیث کو عبداللہ بن رشید سے ابوعبیدہ (مجاعۃ بن زبیر عتکی) سے قتادہ سے یونس ابن جبیر سے حطان بن عبداللہ رقاشی سے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ نے فرمایا جب امام قرارت کرے تو خاموش رہو اور جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔ اس میں سلیمان تیمی کی متابعت ابوعبیدہ نے کی ہے وہ بھی قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح اذا قرأ الامام فانصتوا روایت کر رہا ہے اور ابوعبیدہ ثقہ ہے انساب سمعانی میں عبداللہ ابن رشید اور ابوعبیدہ دونوں کو مستقیم الحدیث کہا ہے۔ دارقطنی نے بھی اپنی سنن میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے سلیمان تیمی کی طرح واذا قرأ فانصتوا روایت کیا ہے۔ عمر بن عامر امام مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد سالم بن نوح بھی رجال مسلم میں ہے۔ امام مسلم اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اپنی صحیح میں اس سے روایت کرتے ہیں۔ پس بعض محدثین کا یہ کہنا کہ قتادہ کے شاگردوں میں سے صرف سلیمان تیمی نے اس حدیث میں اذا قرأ الامام فانصتوا زیادہ کیا ہے غلط ہے۔ قتادہ کے تین شاگردوں نے جو ثقہ ہیں سلیمان تیمی کی موافقت کی ہے۔ پھر امام مسلم سے جب اُن کے شاگرد نے سوال کیا کہ اس حدیث میں اذا قرأ فانصتوا صحیح ہے؟ امام مسلم نے جواب دیا تریدا حفظ من سلیمان۔ کیا تم سلیمان سے بڑھ کر حدیث کا حافظ چاہتے ہو؟ یعنی وہ کامل الحفظ تام الحفظ تام الضبط ہے اس کا تفرد مضر نہیں (اگرچہ وہ منفرد بھی ہوتا حالانکہ وہ اس زیادت میں منفرد نہیں اس کی متابعت و موافقت کرنے والے دوسرے حفاظ ثقات بھی ہیں)

(۹) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے۔ سو جب وہ اللہ اکبر کہے تم بھی اللہ اکبر کہو۔ اور جب وہ قرارت کرے تو خاموش رہو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو ربنا لک الحمد کہو۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسکو صحیح کہا ہے۔ اور امام احمد ابن حنبل اور ابن حزم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ (جوہر نقی)

(ف) پس امام ابوداود کا یہ فرمانا کہ "اس حدیث میں واذا قرأ فانصتوا کی زیادت محفوظ نہیں۔ ہمارے نزدیک ابوخالد نے وہم کیا ہے" صحیح نہیں کیونکہ ابوخالد احمر مسلم و بخاری کے رجال میں سے ہیں دونوں اس سے احتجاج کرتے ہیں۔ پھر ابوخالد احمر کی متابعت بھی موجود ہے

محمد بن سعد انصاری نے بھی ابن عجلان سے اس حدیث کو ابو خالد احمر کی طرح اذا قرأ فانصتوا کیساتھ روایت کیا ہے۔ سنن نسائی میں یہ متابعت موجود ہے اور امام نسائی نے محمد بن سعد کی توثیق کی ہے۔ امام ابن جریر طبری نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پس انصاف یہ ہے کہ اس حدیث میں بجز اُن لوگوں کے جو قرات فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں کسی نے جرح نہیں کی اور اصول حدیث کے لحاظ سے انکی جرح صحیح نہیں کیونکہ اول تو اصولی طور پر زیادت ثقہ مقبول ہے دوسرے جس راوی کو زیادت میں منفرد کہا جا رہا ہے اسکی متابعت دوسرے ثقات نے بھی کی ہے۔ اب سمجھنا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ اس کو سنا جائے۔ یہی سورۂ اعراف کی آیت اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا کا مدلول ہے۔ یہی دوسری آیت[1] واذ صرفنا الیك نفراً من الجن یستمعون القرآن فلما حضروہ قالوا انصتوا (سورۃ الجن) یہی تیسری آیت[2] لا تحرّك بہٖ لسانك لتعجل بہ ان علینا جمعہٗ وقرآنہ فاذا قرأناہ فاتّبع قرآنہ (قال ابن عباس فی تفسیرہ فاستمع لہ وانصت کما فی البخاری) کا مدلول ہے۔ اسی مفہوم کو ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں واضح کیا گیا ہے کہ جب امام قرارت کرے تو خاموش رہو اور جو احادیث نص قرآن کے موافق نہ ہوں ایسی احادیث میں تاویل لازم ہے اگر سند صحیح ہو ورنہ رد کر دیا جائے گا اگر سند ضعیف ہو۔

چنانچہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جتنا حصّہ صحیح ہے یعنی لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "اُس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے" اس میں مقتدی یا امام کا کوئی ذکر نہیں اور اس کو سفیان بن عیینہ اور زہری راوی حدیث اور امام احمد بن حنبل وغیرہ نے امام اور منفرد پر محمول کیا ہے کیونکہ امام مالک نے موطا میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت جابر بن عبداللہ صحابی سے موقوفاً اور امام طحاوی نے مرفوعاً روایت کیا ہے من صلی رکعۃ لم یقرأ

---

[1] (ترجمہ) اور جب ہمنے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت کو متوجہ کیا کہ قرآن سُنیں جب وہ قرآن سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپسمیں کہنے لگے خاموش رہو [2] (نزول وحی کے وقت) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد کرلیں ہمارے ذمہ ہے اسکا (آپکے دل میں) جما دینا اور اسکا پڑھا دینا توجب ہم (بزبان جبریل) قرآن پڑھیں تو اسکے پڑھنے کا اتباع کیجئے۔ عبداللہ بن عباس نے اتباع کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ سُنیئے اور خاموش رہیئے (بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پڑھنے والے کا اتباع یہی ہے کہ اسکی طرف کان لگائے اور خاموش رہے۔

فیھا بام القرآن فلم یصل الاوراء الامام" جس نے کوئی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے ہو تو نماز ہوجائے گی۔" پہلی روایت کی سند صحیح اور دوسری کی حسن ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ دیکھو جابر بن عبداللہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب "جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں" کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ حکم اس کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھتا ہو (ترمذی) مقتدی کے واسطے یہ حکم نہیں ہے اور حدیث عبادہ کے جس حصّہ سے امام کے پیچھے قرأت ثابت کی جاتی ہے اسکی صحت میں محدثین کو کلام ہے جیسا کہ آئندہ واضح ہو گا تو اس کو رَد کیا جائے گا کیونکہ وہ نصّ قرآن اور حدیث کے خلاف ہے یا اسمیں تاویل کی جائیگی۔

(۱۰) حضرات عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی تو ایک شخص آپ کے پیچھے سبّح اسم ربّک الاعلیٰ پڑھنے لگا جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا تم میں سے کس نے (قرأت کی) فرمایا میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قرأت میں منازعت کر رہا ہے۔ امام مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔

(ف) اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوقت تک یہی معلوم تھا کہ صحابہ آپ کے پیچھے قرأت نہیں کرتے۔ کیونکہ سورۂ اعراف میں قرأت خلف الامام سے منع کر دیا تھا جب کسی نے قرأت کی تو آپ نے دریافت کیا کہ یہ قرأت کرنے والا کون تھا؟ اگر قرأت خلف الامام جائز ہوتی تو اس سوال کی کوئی وجہ نہ تھی، رہا یہ کہ اس شخص نے سبّح اسم ربّک الاعلیٰ پڑھی تھی سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تھی اس لئے تنبیہ کی گئی تو جواب یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہ سمجھتے تھے ورنہ یہ صحابی سورۂ فاتحہ کی جگہ دوسری سورت کیوں پڑھتا؟ ان کے نزدیک فاتحہ اور غیر فاتحہ سب برابر تھیں۔ اگر فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر واجب ہوتا تو آپ صرف اتنی بات پر کفایت نہ فرماتے کہ میں خیال کر رہا تھا کہ کوئی مجھ سے قرأت میں منازعت کر رہا ہے بلکہ صاف فرما دیتے کہ سبّح اسم ربّک الاعلیٰ نہ پڑھنا چاہیئے بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہیئے۔ اور امام بیہقی نے حضرت عمران کی جس روایت سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا وجوب ثابت کیا ہے وہ موقوف ہے اور اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے جس کو اکثر محدثین نے ضعیف اور متروک قرار دیا ہے اس کی روایت سے حجت لانا انصاف سے بعید ہے۔

(۱۱) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرارت کرتے تھے تو آپ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن کو مخلوط کر دیا (یعنی میری قرارت میں خلط ملط کر دیا، اسکی سند بزار کے یہاں عمدہ ہے اور مسند احمد میں اسکے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(ف) اس میں بھی مقتدیوں کی قرارت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار فرمانا صریح ہے، اور امام بیہقی کی یہ تاویل کہ "لوگ زور سے قرارت کرتے ہونگے کیونکہ امام کی قرارت میں خلط اسی وقت ہوسکتا ہے" صحیح نہیں کیونکہ اول تو صحابہ کا حضور کے پیچھے زور سے قرارت کرنا بہت بعید ہے۔ دوسرے یہ بھی مسلّم نہیں کہ آہستہ قرارت سے امام کو خلجان نہیں ہوتا۔ یقیناً اصحاب قلوب کو آہستہ قرارت سے بھی خلجان ہوتا ہے پھر آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا سے مقتدی کے ذمہ سکوت کا واجب ہونا واضح ہے کہ اسکو نہ زور سے پڑھنے کی اجازت ہے نہ آہستہ۔ کیونکہ اسی آیت اور احادیث انصات للخطبہ سے تمام فقہاء نے خطبہ کے اندر مقتدیوں کو قرارت اور ذکر سے مطلقاً منع کیا ہے کہ نہ آہستہ قرارت کریں نہ زور سے پھر اس کی کوئی وجہ نہیں کہ خطبہ میں تو مطلقاً سکوت کو واجب کہا جائے اور نماز میں زور سے قرارت کو منع کیا جائے اور آہستہ قرارت کی اجازت دیجائے حالانکہ بالاتفاق یہ آیت قراءۃ خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا اوپر گزر چکا۔

(۱۲) حسن بن صالح ابو الزبیر حضرت جابر بن عبداللہ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل من کان له امام فقراء ته له قراءۃ "جس کسی کا کوئی امام ہو تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے" اس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے (مصنف میں) روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد بن الهاد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ سند صحیح ہے اور امام ابن الہمام نے اور محمد بن منیع نے کہا ہے کہ یہ سند شرط شیخین پر صحیح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد نے اسکو مفصلاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے قرارت کی اسکے پاس والے نمازی نے اس کو دبا دیا۔ نماز کے بعد اس نے پوچھا تو نے مجھے کیوں دبایا؟ کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تیرے آگے تھے تو میں نے اس کو مکروہ سمجھا کہ تو حضور کے پیچھے قرارت کرے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی تو فرمایا، من کان لهٗ امام فان قراءته له قراءۃ "جس کے لئے کوئی امام ہو

تو اس کی قرات یقیناً اس کے لئے قرات ہے" اور اس کی سند بھی صحیح ہے۔ اس حدیث کو حافظ احمد ابن منیع نے بھی اپنی مسند میں امام سفیان ثوری اور شریک (عبداللہ بن نخعی) سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کیلئے امام ہو تو امام کی قرات اسکے لئے بھی قرات ہے۔ اور بزار کی طرح عبد بن حمید نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کو حسن بن صالح کے واسطہ سے ابوالزبیر سے حضرت جابر سے مرفوعاً روایت کیا ہے (فتح القدیر) اور حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ حضرت جابر سے یہ حدیث مشہور ہے (التلخیص الحبیر ص۸۷) پس دارقطنی کا یہ کہنا کہ "اس حدیث کو دیگر ثقات نے مرسلاً روایت کیا ہے۔ صرف (امام) ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ نے موصولاً روایت کیا ہے اور مرسل ہی صواب ہے" غلط ہے۔ کیونکہ ہمنے ثابت کر دیا ہے کہ اس حدیث کو امام سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ نخعی نے بھی امام ابوحنیفہ کی طرح موصولاً روایت کیا ہے۔ امام سفیان ثوری بالاتفاق ثقہ اور حجت ہیں اور شریک بن عبداللہ مسلم کے رجال میں سے ہیں اور حسن بن عمارہ محمد بن اسحٰق سے کسی طرح کم نہیں۔ پس تین راویوں کی متابعت کے بعد یہ کہنا کہ یہ روایت موصولاً صحیح نہیں اصول کیخلاف ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ تنہا بھی کسی حدیث کو مرفوعاً روایت کریں تو حجت ہے۔ کیونکہ ان کا جو درجہ علماء اُمت میں ہے کسی پر مخفی نہیں۔ رہا بعض اہلحدیث کا یہ کہنا کہ اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی قرات کافی ہے یہ تو معلوم نہ ہوا کہ مقتدی کو قرات کرنا منع ہے تو جواب یہ ہے کہ اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ مقتدی پر امام کے پیچھے قرات کرنا واجب نہیں اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ ممانعت کیلئے سورۂ اعراف کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا اوپر گزر چکی جس میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے۔

اور علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث سے مقتدی کے لئے امام کی قرات کی وجہ سے ایک قرات شرعاً ثابت ہوگئی اگر وہ خود بھی قرات کریگا تو اس کی دو قراتیں ایک نماز میں ہو جائیں گی اور یہ مشروع نہیں۔

(۱۳) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ہر نماز میں قرات ہے فرمایا ہاں۔ تو جماعت میں سے ایک شخص نے کہا یہ واجب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ میرے نزدیک جب امام قرات کرے تو وہ (سب کے لئے) کافی ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اسکی سند

حسن ہے (مجمع الزوائد) مطلب یہ کہ ہر شخص پر قرارت واجب نہیں بلکہ جس کا کوئی امام نہوا سپر واجب ہے کیونکہ امام کی قرارت مقتدی کو کافی ہوجاتی ہے۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی سند صحیح کے ساتھ سنن مجتبیٰ میں روایت کیا ہے اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً درست نہیں بلکہ یہ ابوالدرداء کا قول ہے (یعنی حدیث موقوف ہے مرفوع نہیں) دارقطنی نے کہا اس حدیث کو زید بن حباب اور ابوصالح کاتب اللیث نے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ خطا ہے۔ صواب یہ ہے کہ ابوالدرداء کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ زید بن الحباب سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور احمد بن حنبل اور ابن المدینی وعجلی وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابو صالح کاتب اللیث سے امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً روایت کی ہے۔ ابوحاتم نے اس کو ثقہ مأمون اور ابن القطان نے صدوق حسن الحدیث کہا ہے (بہت سچا ہے اس کی حدیث حسن ہے) تو جس حدیث کو ایسے راوی مرفوع کریں محققین کے نزدیک اسکو مرفوع ہی کہا جائے گا۔ پھر ہمارے نزدیک حدیث موقوف بھی حجت ہے۔ کم از کم اس سے ان صحابہ کا عدد تو زیادہ ہوگیا جو قرارت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۴) عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ انھوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے ساتھ قرارت (کرنے) کو دریافت کیا تو فرمایا امام کے ساتھ کسی حالت میں قرارت نہیں اسکو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سجود تلاوت کے باب میں روایت کیا اور طحاوی نے بھی صحیح سند سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرارت نہ کرو۔

(ف) حضرت زید بن ثابت صحابی کا فتویٰ صراحۃً امام ابوحنیفہ کا مؤید ہے کہ کسی نماز میں امام کے پیچھے قرارت نہ کرنا چاہیئے جو سورۂ فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو عام ہے۔

(۱۵) امام مالک نے موطا میں وہب بن کیسان سے روایت کی ہے کہ انھوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی سے سُنا، وہ فرماتے تھے کہ جو شخص کوئی رکعت بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے نماز ہوجاتی ہے) اس کی سند صحیح ہے ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور طحاوی نے مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کو انہی الفاظ سے روایت کیا ہے اور اسکی سند حسن ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا مقتدی کے ذمہ واجب نہیں اور اسمیں بیہقی کی یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ قرارت سے مراد جہر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کوئی رکعت پڑھے اور اسمیں سورۂ فاتحہ جہر سے نہ پڑھے اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام

کے پیچھے زور سے نہ پڑھے تو لازم آئے گا کہ تنہائی میں نماز پڑھنے والے پر سورۂ فاتحہ زور سے پڑھنا واجب ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر نے کتاب التمہید میں فرمایا ہے

ثبت عن علی وسعد وزید بن ثابت انہ لا قراءۃ مع الامام لا فیما اسر ولا فیما جھر۔

(الجوھر النقی ص۱۵۶ و ص۱۵۷ ج۲)

حضرت علی اور سعد (بن ابی وقاص) اور زید بن ثابت سے ثابت ہو چکا ہے کہ (ان کے نزدیک) امام کے ساتھ قرارت نہیں نہ سری نماز میں نہ جہری نماز میں۔

(۱۶) امام مالک نے نافع سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے جب پوچھا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرارت کی جائے تو فرماتے جب کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرارت اسے کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرارت کرنا چاہیئے۔ نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے (موطا) اور اس کی سند اصح الاسانید ہے۔ (یعنی بہت صحیح ہے)

(۱۷) ابو وائل سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود کے پاس حاضر ہوا اور کہا، میں امام کے پیچھے قرارت کر لیا کروں؟ فرمایا، قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں (دوسرا) شغل ہے (یعنی قرآن کے اوامر و نواہی اور وعدو وعید پر غور کرنا) اور تم کو (قرارت کے بارے میں) امام کافی ہے اس کو طبرانی نے کبیر و اوسط میں روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور طحاوی نے بھی سند صحیح سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزء القراءۃ میں علقمہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا امام کے پیچھے قرارت نہ کرو کیونکہ اسکی قرارت تمہارے لئے بھی قرارت ہے اور امام محمد نے کتاب الآثار میں ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ امام کے پیچھے کسی نماز میں خواہ وہ جہری ہو یا سری نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے اور نہ اور کوئی سورت اور نہ عبداللہ بن مسعود کے دوسرے اصحاب۔ عبداللہ بن مسعود کا یہ مذہب مشہور ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے اور اس سے منع کرتے تھے یہی مذہب ان کے اصحاب علقمہ واسود وغیرہ کا ہے۔ اسی پر ابراہیم نخعی کا عمل تھا (حوالۂ روایات کے لئے اعلاء السنن ملاحظہ ہو)

(۱۸) عبیداللہ بن مقسم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر اور زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ (رضی اللہ عنہم) سے (امام کے پیچھے قرارت کرنے کو) دریافت کیا سب نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں بھی قرارت نہیں کیجاتی۔ اسکو امام طحاوی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

(۱۹) ابوجمرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کہ جب امام میرے آگے (قرارت کرتا) ہو تو کیا میں بھی قرارت کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند حسن سے روایت کیا ہے۔

(۲۰) علقمہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کاش اس شخص کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے۔ اس کو بھی امام طحاوی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

(۲۱) عون (ابن عبداللہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تم کو امام کی قرارت کافی ہے خواہ اخفا کرے یا جہر کرے اسکو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور کہا (اسکی سند میں) عاصم قوی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے علیؒ بن المدینی شیخ البخاری جیسے ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں اور معن بن عیسیٰ نے اسکو ثقہ کہا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے اور ایسے راوی کا روایت کو مرفوع کرنا اصول حدیث کے موافق مقبول ہے۔

(۲۲) امام شعبی نے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کے پیچھے قرارت نہیں ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا پھر شعبی سے حارث سے حضرت علی سے (موصولاً) روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں امام کے پیچھے قرارت کروں یا خاموش رہوں؟ حضور نے فرمایا بلکہ خاموش رہو۔ کیونکہ امام تم کو کافی ہو جائیگا۔ پھر موصول کو ضعیف بتاکر کہا کہ مرسل جو اس سے پہلے مذکور ہوا ہے زیادہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں مرسل حنفیہ کے یہاں حجت ہے خصوصاً شعبی کا مرسل کہ وہ تو محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہے اور جب مرسل کی تائید موصول سے ہو جائے تو پھر بالاتفاق حجت ہے اگرچہ موصول ضعیف بھی ہو جیسا کہ مقدمۂ اعلاء السنن میں بحوالہ شرح النخبۃ و تدریب الراوی وغیرہ بیان کر دیا گیا ہے۔

(۲۳) عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں موسیٰ بن عقبہ (امام المغازی سے) مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر (صدیق) اور حضرت عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) امام کے پیچھے قرارت کرنے سے منع کرتے تھے (عمدۃ القاری) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے۔

(۲۴) عبداللہ بن وہب نے یحییٰ بن عبداللہ بن سالم عمری اور یزید بن عیاض سے مرسلاً

روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے لئے کوئی امام ہو اور یہ اسکی اقتداء کر رہا ہو تو اس کے ساتھ قرارت نہ کرے کیونکہ امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے۔ اس کو امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں روایت کیا اور فرمایا یحیٰی بن عبداللہ میں نظر ہے اور یزید بن عیاض پر جملہ محدثین نے جرح کی ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث کا مدار یزید بن عیاض پر نہیں اس کے ساتھ یحیٰی بن عبداللہ بھی ہے اور وہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہے۔ نسائی اور دار قطنی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس یحیٰی کا مرسل صحیح ہے۔ یزید بن عیاض کے مجروح ہونے سے اس کو کوئی ضرر نہیں اور مرسل ہمارے یہاں حجّت ہے۔

(۲۵) امام مالک نے ابن شہاب (زہری) سے ابن اکیمہ لیثی سے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں آپ نے قرارت جہر سے کی تھی فرمایا کہ تم میں سے کسی نے اسوقت میرے ساتھ قرارت کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں! یا رسول اللہ میں نے قرارت کی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تو کہوں کہ یہ کون مجھ سے قرارت کو چھین رہا ہے (یعنی قرارت میں منازعت کر رہا ہے) جب لوگوں نے یہ بات سُنی تو اس نماز میں قرارت کرنے سے رُک گئے جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم جہر سے قرارت کرتے تھے اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعی نے مسند میں اور ائمہ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس کو حسن کہا اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ امام مالک کا اس کو سند موصول سے روایت کرنا صحت کے لئے کافی ہے۔ اس پر بعض محدثین کا یہ جرح کرنا کہ فانتھی النّاس عن القراءۃ فیما جھر فیہ الخ کہ "لوگ جہری نماز میں قرارت کرنے سے رُک گئے الخ زہری کا قول ہے صحابی کا قول نہیں" قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ سنن ابی داود میں اس حدیث کو معمر نے زہری سے روایت کیا ہے اور صاف کہا ہے قال ابوھریرۃ فانتھی الناس عن القراءۃ الخ ابوہریرہ نے فرمایا کہ سب لوگ حضور کے پیچھے قرارت کرنے سے رُک گئے الخ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ اس سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقات اثبات میں سے ہے۔ پس اصول حدیث کے موافق معمر کو ترجیح دی جائے گی۔ پھر اگر زہری کا قول مان لیا جائے تو وہ سیر و مغازی کا امام اور اخبار زمانۂ رسالت کا خوب جاننے والا ہے۔ اس باب میں اس کا قول حجت ہے اس سے قطعاً معلوم ہوگیا کہ اس واقعہ کے بعد تمام صحابہ نے حضور کے پیچھے جہری نماز میں قرارت کرنا ترک کر دیا تھا۔

(ف) اس حدیث سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔ ۱۲

(۱) جو لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے نہ کرتے تھے اور نہ آپ کو اس کا علم تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سوال کی ضرورت نہ ہوتی کہ کیا کسی نے اس وقت میرے پیچھے قراءت کی ہے۔

(۲) سب صحابہ امام کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قراءت نہ کرتے تھے کیونکہ حضور کے دریافت کرنے پر صرف ایک شخص نے جواب دیا کہ میں نے قراءت کی ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی قراءت پر انکار فرمایا جس سے سب لوگ جہری نمازوں میں قراءت سے باز آگئے۔

(۴) سرّی نمازوں میں اس کے بعد بھی کچھ لوگ قراءت کرتے ہونگے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا جیسا عبداللہ بن شداد کی روایت میں گزر چکا ہے کہ ایک شخص نے عصر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی۔ ایک صحابی نے اسکو اشارہ سے روکا۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسکے لئے امام ہو اس کے واسطے امام کی قراءت کافی ہے۔

(۲۶) انس بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ دریافت کیا کہ میں امام کے پیچھے قراءت کیا کروں؟ فرمایا تو تو بڑے پیٹ کا معلوم ہوتا ہے (یعنی بیوقوف) تجھے امام کی قراءت کافی ہے۔ اس کو عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۲۷) زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرماتے تھے اس کو بھی عبدالرزاق نے روایت کیا ہے (جوہر نقی) میں کہتا ہوں اس کی سند بھی صحیح ہے۔

(۲۸) موسیٰ بن سعد بن زید بن ثابت اپنے دادا (زید بن ثابت صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کی نماز درست نہیں۔ اس کو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح نسخہ میں جس طرح ہے۔ امام بیہقی نے اسی طرح امام بخاری سے روایت کرکے نقل کی ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور موسیٰ بن سعد کا اپنے دادا زید بن ثابت سے روایت کرنا ابن حبان اور امام بخاری نے ذکر کیا ہے (تہذیب)

(ف) ان تمام آثار سے ثابت ہوگیا کہ اجلۂ صحابہ کا اس باب میں وہی قول ہے جو امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ غرض امام ابو حنیفہ کا مذہب اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت نہ

کرنا چاہیئے قرآن سے بھی ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی اور صحابہ کرام کے اقوال و عمل سے بھی تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بعض لوگ اب بھی اس مسئلہ میں حنفیہ پر زبان درازی کرتے ہیں اب ہم بتلائیں گے کہ تابعین میں بھی بہت حضرات اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔

(۲۹) فضل (ابن دکین) زہیر (ابن معاویہ) سے وہ ولید بن قیس سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے سوید بن غفلہ سے (جو تابعی کبیر ہیں اور بعض نے انکو صحابی بھی کہا ہے) دریافت کیا کہ میں ظہر و عصر میں امام کے پیچھے قراءت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں، اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند بالکل صحیح ہے۔

(۳۰) ہشیم ابوبشر (جعفر بن ایاس) سے وہ سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے قراءت خلف الامام کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے۔ اسکو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں صحیحین کے راویوں میں سے ہیں اور سعید بن جبیر تابعی جلیل ہیں

(۳۱) محمد بن سیرین سے (جو تابعی جلیل ہیں) روایت ہے انھوں نے فرمایا میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کو سنت نہیں جانتا۔ اس کو بھی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۳۲) ابراہیم نخعی اسود (تابعی کبیر) سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے میں چاہتا ہوں کہ اسکا منہ مٹی سے بھر جائے۔ اسکو عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے جس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

(۳۳) اعمش ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے جو اوّل بدعت ایجاد کی ہے وہ امام کے پیچھے قراءت کرنا ہے۔ اس کو بھی عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔ (جوہر نقی)

(۳۴) منصور ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سب سے پہلے قراءت کی ہے وہ (دین میں) متہم تھا۔ اسکو امام محمد نے موطا میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔

(ف) ابراہیم نخعی فقہاء کوفہ میں سے ہیں۔ بظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں سب سے پہلے جس شخص نے قراءت خلف الامام شروع کی وہ متہم تھا۔ ممکن ہے کوئی خارجی یا قدری ہو اس سے پہلے اہل کوفہ کا عمل عبداللہ بن مسعود کے موافق تھا کہ وہ امام کے پیچھے قراءت

نہ کرتے تھے ۔ ابراہیم نخعی کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ اور حجاز میں بھی قرارت خلف الامام کرنیوالا مبتدع یا متہم تھا۔

(۳۵) امام ابوحنیفہ نے حماد سے انھوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے کہ علقمہ بن قیس نے امام کے پیچھے کسی نماز میں قرارت نہیں کی نہ جہری میں نہ سری میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے نہ اور کوئی سورت، اس کو امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے اور اسکی سند صحیح ہے۔ جامع مسانید الامام میں بھی اسی سند سے اس کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور ولا۱۹ صحابہ عبداللہ زیادہ کہا ہے۔ یعنی عبداللہ بن مسعود کے اور تمام اصحاب بھی امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے۔ اس کو مسند حافظ ابن خسرو اور آثار محمد کی طرف منسوب کیا ہے۔

(ف) یہ حضرات اجلۂ تابعین ہیں۔ جن کی امامت پر علماءِ اُمت کا اتفاق ہے۔ ان آثار سے معلوم ہوگیا کہ یہ حضرات امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اس سے منع فرماتے تھے، اور بعضے اس کو بدعت اور بعضے اس کو خلاف سنت تک کہتے تھے کیا اب بھی کسی کا یہ منہ ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ پر زبان درازی کرے۔ جب قرآن سے صحیح حدیثوں سے اقوال صحابہ واقوال تابعین سے ان کے قول کی پوری تائید اور تقویت ہورہی ہے۔ اور جن احادیث سے حضرات شافعیہ یا ظاہریہ نے استدلال کیا ہے ان سب کا جواب اعلاء السنن میں مفصل دیدیا گیا ہے اور بتلادیا گیا ہے کہ جن احادیث میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تاکید ہے وہ امام اور منفرد پر محمول ہیں۔ مقتدی پر محمول نہیں۔ چنانچہ خود راوی حدیث امام احمد اور سفیان بن عیینہ نے بھی اسی پر حدیث کو محمول کیا ہے اور امام ومنفرد کے حق میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہمارے نزدیک بھی واجب ہے اور جن احادیث میں امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کا ذکر ہے وہ مرفوعاً صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔ البتہ بعض صحابہ سے امام کے پیچھے قرارت کرنا ثابت ہے مگر ان کے خلاف اجلۂ صحابہ واجلۂ تابعین سے اس کی ممانعت اور نفی بھی ثابت ہے جیسا ہم نے مفصل بیان کردیا ہے۔ پس اختلافِ صحابہ کی صورت میں ان صحابہ کا قول مقدم اور راجح ہوگا جو آیت قرآن اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہو۔ اور جن صحابہ کا قول نص قرآن اور حدیث صحیح کے خلاف ہو اسمیں تاویل کیجائیگی کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے سکتات میں قرارت کرتے ہونگے اور سکتات امام میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کرنا ہمارے نزدیک بھی جائز ہے گو واجب نہیں کیونکہ خود امام کے ذمہ سکتات

واجب نہیں۔ اور گو ہمارے نزدیک سری نمازوں میں قراءت نہ کرنا بہتر ہے لیکن اگر قراءت کرے تو جائز ہے کچھ مضائقہ نہیں۔ جن صحابہ سے امام کے پیچھے قراءت ثابت ہے وہ سرّی نمازوں میں قراءت کرتے ہونگے۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنا امام شافعی کا بھی مذہب نہیں، وہ صرف اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے سکتات میں فاتحہ پڑھنا ضروری ہے انکے نزدیک امام کو سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا طویل سکتہ کرنا چاہیئے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لیں۔ ہمارے نزدیک ضروری تو نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے اس سکتہ کا وجوب ثابت نہیں۔ لیکن اگر امام سکتہ طویلہ کرے تو مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳۶) دلیل اجماعی

امام طحاوی اور موفق بن قدامہ حنبلی نے دلائل کتاب وسنت واقوال وآثار صحابہ وتابعین بیان کرکے اجماع سے بھی اسکا ثبوت دیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر قراءت فاتحہ واجب نہیں کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ جو شخص رکوع کی حالت میں امام کو پائے اور تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر رکوع میں شریک ہوجائے تو وہ رکعت اس نے پالی ہے حالانکہ اس نے قراءت نہیں کی ہے۔ موفق بن قدامہ فرماتے ہیں ولانہا لاتجب علی المسبوق فلم تجب علی غیرہ کالسورۃ الخ (اور اجماعی دلیل یہ ہے کہ) مقتدی مسبوق پر قراءۃ فاتحہ واجب نہیں (وہ رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے) تو اس کے سوا اور کسی مقتدی پر بھی یہ قراءت واجب نہ ہوگی جیسے سورت کا پڑھنا واجب نہیں (حالانکہ دلائل حدیث سے ضم سورت کا وجوب بھی ثابت ہے) اگر مقتدی کے ذمہ قراءت واجب ہوتی تو بقیہ ارکان کی طرح مسبوق سے بھی ساقط نہ ہوتی ج ۱ ص۶۰۹۔ حافظ ابن عبدالبر نے شرح الاستذکار میں فرمایا ہے کہ تمام فقہاء کا قول یہ ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے اور تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہوجائے اور ہاتھ گھٹنوں پر جمادے اس سے پہلے کہ امام سر اٹھائے تو اس نے رکعت پالی ہے یہی مذہب ہے امام مالک کا اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب کا اور سفیان ثوری واوزاعی وابوثور واحمد واسحاق کا۔ یہی حضرت علی سے اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ہم نے کتاب التمہید میں سند کے ساتھ ان سب کے اقوال بیان کردیئے ہیں۔ غرض اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن عبدالبر امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

ابن الامیر یمانی نے بھی سبل السلام میں عامۂ فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے مگر ظاہریہ نے صرف اسلئے کہ اس صورت میں مقتدی پر سورۂ فاتحہ کا وجوب باقی نہیں رہتا۔ اجماع کیخلاف یہ دعوےٰ کر دیا کہ رکوع پانے سے مسبوق رکعت کو نہیں پاسکتا کیونکہ اس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی

تضعیف حدیث ابی ہریرۃ متعلق مسبوق

اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے سہارا لے لیا جو امام بخاری نے جزء القراءۃ میں ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی امام کو رکوع میں پائے تو اس رکعت کو شمار نہ کیا جائیگا۔ حالانکہ موطا مالک میں حضرت ابو ہریرہ سے اسکے خلاف روایت موجود ہے جو جمہور اُمت کے موافق ہے حافظ ابن عبد البر نے شرح موطا میں فرمایا ہے کہ فقہاء انصار میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے۔ اور اس کی سند میں نظر ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ قول خلاف اجماع ہے اور ابو ہریرہ کی حدیث صحیح نہیں۔ ہر زمانہ کے فقہاء نے بالاتفاق اس کو رد کر دیا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اسکے خلاف ابو داود نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو سجدہ کر لو اور اس کو کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع پالیا اس نے نماز (کی رکعت) پالی۔ ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہے۔ اور منذری نے بھی اور حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے۔ ذہبی نے بھی تلخیص مستدرک میں حاکم کی تائید کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے من ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادركها قبل ان يقيم الامام صلبه "جس نے نماز میں رکوع پالیا اس سے پہلے کہ امام اپنی کمر سیدھی کرے اس نے رکعت کو پالیا"۔ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو حجت قرار دیا ہے (التلخیص الجبیر) اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اس کو صحیح کہا ہے (المرقاۃ) پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی روایت کردہ حدیث مرفوع کے خلاف کوئی قول بیان کریں، پس ان کا وہی قول صحیح ہے جو موطا مالک میں حدیث مرفوع کے موافق ہے۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے قرارت واجب ہوتی تو رکوع پانے سے وہ رکعت نہ پاسکتا کیونکہ خود اس نے تو قرارت نہیں کی۔ پس ثابت ہوا کہ امام کی قرارت مقتدی کے لئے کافی ہوجاتی ہے اسی لئے وہ رکوع پالینے سے وہ رکعت پالیتا ہے۔

اہلحدیث کے دلائل کا جواب

پہلی دلیل :

اب میں مؤلف تکمیل البرہان کے دلائل کی حقیقت واضح کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے اُنہوں نے وہی حدیث عبادۃ بن الصامت بیان کی ہے ۔لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (بخاری ومسلم) ''اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے''۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد اور سفیان بن عیینہ اور زہری جیسے ائمہ راویان حدیث نے امام اور منفرد کے حق میں قرار دیا ہے۔ مقتدی کو اس حکم میں شامل نہیں کیا، کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اور موقوفاً ثابت ہے من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام (موطا مالک، طحاوی، ترمذی) ''جس نے کوئی رکعت پڑھی جس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے (ہو تو نماز ہو جائے گی)'' امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھے تو سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہ ہوگی دیکھو جابر بن عبداللہ صحابی اس حدیث کا یہی مطلب بیان فرماتے ہیں دوسرے جب حدیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے من کان لہ امام فان قراءتہ لہ قراءۃ ۔جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے اُس کی قرارت اِس کے لئے بھی قرارت ہے۔ تو اب یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقتدی نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ جب امام نے پڑھ لی ہے تو اس نے بھی حکماً پڑھ لی ہے ۔ گو زبان سے نہیں پڑھی کیونکہ مقتدی کو حدیث صحیح میں، قرارت امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔

دوسری دلیل :

لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا (ترمذی، ابوداود، نسائی) نہ معلوم مؤلف تکمیل البرہان نے اس حدیث کو پورا کیوں نہیں لکھا۔ پوری حدیث یہ ہے کہ محمود بن الربیع کہتے ہیں میں نے عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو امام کے پیچھے قرارت کرتے ہوئے سُنا تو مَیں نے کہا کہ میں آپ کو امام کے پیچھے قرارت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں نہ معلوم آپ نے قصداً ایسا کیا ہے یا سہو ہو گیا ہے۔ فرمایا میں نے سہو نہیں کیا بلکہ قصداً قرارت کی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے سب کو ایک نماز پڑھائی جس میں جہر کیا جاتا ہے تو آپ کو قرارت میں اُلجھن ہوئی نماز کے بعد فرمایا کیا تم لوگ میرے ساتھ قرارت کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا لا تفعلوا الا بأم القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔ ایسا مت کرو مگر ام القرآن (پڑھ سکتے ہو) جو اس کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اس حدیث کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر قرارت کرتے تھے جبھی تو آپکو دریافت کرنا پڑا کہ تم میرے ساتھ قرارت کرتے ہو۔ اگر حضور نے امام کے پیچھے قرارت کا حکم دیا ہوتا تو اس سوال کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ اسکے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ امام کے پیچھے قرارت کرتے ہیں تو فرمایا ایسا نہ کرو مگر فاتحہ (پڑھ سکتے ہو) اس سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا صرف اباحت مفہوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اصول فقہ میں ثابت کر دیا گیا ہے ان الاستثناء بعد الحظر اباحۃ واطلاق کہ نہی کے بعد جو استثنار ثابت ہوتا ہے وہ اباحت کے لئے ہوتا ہے وجوب کے لئے نہیں ہوتا اور یہ ہم کو مضر نہیں کیونکہ سکتات امام کے وقت نماز جہری میں ہم مقتدی کی قرارت کو جائز کہتے ہیں اور خصم کو مضر ہے کیونکہ وہ اباحت کا قائل نہیں بلکہ وجوب کا مدعی ہے اور ہماری تاویل کی تائید طبرانی کی روایت سے ہوتی ہے جو مجمع الزوائد میں حضرت عبادۃ بن الصامت ہی سے مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب اور اسکے راویوں کو ثقہ کہا گیا ہے ص۱۸۶ ج ۱۔ جو کوئی امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہے وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے۔ اور مجمع الزوائد ہی میں امام احمد کے حوالہ سے ایک صحابی سے یہ روایت بھی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالھا ثلثا قالوا انا لنفعل ذلک قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح ص۱۸۶ ج ۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرارت کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا۔ صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں اس سے واضح ہوا کہ سورۂ فاتحہ بھی زبان سے پڑھنے کی اجازت نہیں صرف دل دل میں پڑھنے کی اجازت ہے اور اس کو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔ اور یہ دعویٰ غلط ہے کہ دل کی قرارت کو قرارت نہیں کہا جاتا کیونکہ عرفاً اس کو بھی قرارت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی قسم کھالے کہ میں زید کا

خط نہیں پڑھوں گا اور پھر اسکے خط کو دیکھ لے اور مضمون سمجھ لے مگر زبان سے نہ پڑھے حانث ہوجائے گا اور قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ البتہ جہاں شریعت نے قرارت فرض کی ہے وہاں بغیر زبان سے پڑھے فرض ادا نہ ہوگا اور حدیث عبادہ سے مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا صرف اباحت ثابت ہوتی ہے اور وہ دل میں پڑھنے سے بھی ادا ہوجائے گی دوسرے اس پوری حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود بن ربیع نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو امام کے پیچھے قرارت کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا صرف حضرت عبادہ کو دیکھا تھا تو شبہہ ہوا یہ قصداً ایسا کر رہے ہیں یا سہواً اور محمود بن ربیع صحابی صغیر ہیں اجلۂ صحابہ کے دیکھنے والے ہیں ان کا قرارت خلف الامام پر انکار اور تعجب کرنا خود اسکی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ لازم نہیں اور حضرت عبادہ کی حدیث سے بھی وہ قرارت فاتحہ کا وجوب نہیں سمجھے ورنہ اپنی گزشتہ نمازوں کا اعادہ کرتے مگر نہ اُنہوں نے اعادہ کیا نہ حضرت عبادہ نے اعادہ کرنے کا امر کیا پس یہ حدیث مقتدی کو امام کے پیچھے قرارت کی اجازت دے رہی ہے وجوب کو بیان نہیں کر رہی اور ہم بھی سکتات امام میں مقتدی کیلئے قرارت فاتحہ کی اجازت کے قائل ہیں اور سکتات امام کی شرط اپنی طرف سے ہم نہیں لگا رہے بلکہ بعض احادیث میں یہ قید صراحۃً موجود ہے جو گو ہمارے نزدیک سند کے لحاظ سے صحیح نہیں مگر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں بطور حجت کے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم امام کے ساتھ ہو تو اسکی (قرارت) سے پہلے یا جب وہ سکتہ کرے ام القرآن پڑھ لیا کرو۔ بیہقی نے فرمایا ہے کہ یہ مرفوعاً صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے۔ یعنی یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو صحابی کا قول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ کرتے تھے امام کے ساتھ قرارت نہ کرتے تھے بلکہ اسکی قرارت سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں کرتے تھے۔ پھر یہ ساری گفتگو اس صورت میں ہے کہ حدیث عبادہ میں الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا کی زیادت کو صحیح مان لیا جائے مگر محدثین کو اسی میں کلام ہے چنانچہ موفق بن[1] قدامہ کتاب المغنی میں فرماتے ہیں۔

فاما حدیث عبادۃ الصحیح فھو محمول علی غیر المأموم وقد روی ایضاً موقوفاً

---

[1] یہ حنابلہ میں بہت بڑے امام محدث اور فقیہ ہیں۔ انکی کتاب المغنی کو کتب اسلام میں بے نظیر مانا گیا ہے۔

عن جابر وحدیث عبادۃ الآخر فلم یروہ غیر ابن اسحٰق کذلک قالہ الامام احمد وقد رواہ ابو داود عن مکحول عن نافع بن محمود بن ربیع الانصاری وھو ادنی حالاً من ابن اسحٰق فانہ غیر معروف بین اھل الحدیث ص۲۶۰ ج۱ یعنی حضرت عبادہ کی جو حدیث صحیح ہے وہ تو مقتدی کے سوا دوسروں پر محمول ہے۔ چنانچہ حضرت جابر نے یہی فرمایا ہے اور ابو داود نے اس حدیث کو مکحول سے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحٰق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک معروف نہیں (بلکہ مجہول ہے)

تائید حنفیہ از علامہ ابن تیمیہ

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے رسالہ تنوع العبادات میں فرمایا ہے کہ نماز میں (سکتہ کے متعلق) لوگوں کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نماز میں کوئی سکتہ نہیں ہے جیسے امام مالک کا مذہب ہے۔ ان کے نزدیک ثناء اور تعوذ نہیں ہے اور قرارت امام میں بھی سکتہ نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نماز میں صرف ایک سکتہ ثناء و تعوذ کے لئے ہے جیسے امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ حدیث (جس کو شیخین نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ یا رسول اللہ آپ جو تکبیر اور قرارت کے درمیان سکتہ کرتے ہیں اس میں آپ کیا کہا کرتے ہیں؟) اس سکتہ پر دلالت کرتی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں دو سکتے ہیں جیسا سنن کی روایات میں ہے۔ مگر یہ سکتہ قرارت سے فارغ ہونیکے بعد (رکوع سے پہلے) ہے اور یہی صحیح ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو کر سکتہ کرتے تھے۔ امام شافعی اور امام احمد کے اصحاب میں بعض لوگوں کا قول (اس روایت کی بناء پر) یہ ہے کہ نماز میں تین سکتے مستحب ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے (بعد والے) سکتہ کو امام شافعی کے اصحاب اور بعض اصحاب احمد نے مقتدی کی قرارت فاتحہ کے لئے قرار دیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں۔ حدیث (صحیح) میں اسکے سوا کچھ نہیں اور ایک روایت دو میں سے غلط ہے ورنہ تین سکتے ہو جائیں گے۔ اور امام احمد سے یہی منصوص ہے کہ صرف دو سکتے مستحب ہیں اور دوسرا قرارت سے فارغ ہونے کے بعد راحت کے لئے اور قرارت اور رکوع میں فصل کرنے کے لئے ہے اور سورۂ فاتحہ کے بعد سکتہ کرنے کو امام احمد اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ مستحب نہیں سمجھتے اور جمہور بھی ان کو مستحب نہیں سمجھتے کہ امام اس غرض سے سکتہ (طویلہ) کرے کہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ جب امام جہر سے قرارت کرے اسوقت مقتدی کے ذمہ جمہور کے نزدیک قرارت واجب یا مستحب

نہیں بلکہ قرارت کرنا مقتدی کو منع ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ اس حالت میں مقتدی قرارت کرے تو اسکی نماز فاسد ہے یا نہیں؟ امام احمد کے مذہب میں اسکے متعلق دو قول ہیں اور عامۂ سلف صالحین جو امام کے پیچھے قرارت کو مکروہ کہتے ہیں یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ امام جہر سے قرارت کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۂ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہیں کرتے اور جہری نماز میں امام کے پیچھے قرارت کرنے والے بہت کم لوگ تھے۔ اس سے تو کتاب اللہ (قرآن) میں بھی منع کیا گیا ہے اور حدیث میں بھی اور جمہور سلف وخلف اسی پر ہیں کہ امام کے پیچھے جہری نماز میں قرارت مکروہ ہے۔ بعض علما ر اس طرف گئے ہیں کہ جس وقت امام جہر سے قرارت کر رہا ہو مقتدی فاتحہ پڑھے اگر نہ پڑھے گا تو اس کی نماز باطل ہونے میں اختلاف ہے۔ غرض تزاع طرفین سے ہے لیکن جو لوگ امام کے ساتھ قرارت کرنے سے مقتدی کو منع کرتے ہیں انکے ساتھ جمہور سلف وخلف بھی ہیں اور کتاب اللہ اور سنّتِ صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرارت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور ابو موسیٰ اشعری کی حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اذا قرأ فانصتوا کہ جب امام قرارت کرے خاموش رہو امام احمد بن حنبل اور اسحٰق (بن راہویہ) اور مسلم بن الحجاج وغیرہم کے نزدیک صحیح ہے ان سب نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ بخلاف اس حدیث کے (جس سے مقتدی پر امام کے ساتھ قرارت کو واجب کیا جاتا ہے) کیونکہ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور بہت وجوہ سے اسکا ضعیف ہونا ثابت ہے اور حقیقت میں وہ عبادہ بن الصامت کا قول ہے (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں) ص۸۵، ۸۶

حدیث عبادہ کی سند میں اضطراب ہے

علامہ ابن تیمیہ کا درجہ علم اسناد و حدیث میں جتنا بلند ہے ظاہر ہے اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کیا مؤلف تکمیل البرہان[1] نے علامہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ نہیں کیا کہ حدیث عبادہ

---

[1] مؤلف تکمیل نے اس مقام پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے الدلیل القوی میں لکھا ہے کہ عبادۃ بن الصامت کی روایت نسائی وابوداود کی سند میں نافع بن محمود واقع ہے اور اسکو تقریب میں مستور الحال لکھا ہے الخ حالانکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مستور الحال کی روایت مقبول ہے" اسکا جواب یہ ہے کہ مستور کی روایت اسوقت مقبول ہے جب ثقات معروفین کے خلاف نہو اور یہاں نافع نے جو زیادتی کی ہے وہ ثقات کیخلاف ہے دوسرے اسکی سند میں اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بالاتفاق ضعیف ہے۔ ظ

فاتحۃ الکلام ـــــ ۲۵

کو بروایت محمد بن اسحٰق صحیح کہنے لگے حالانکہ اس کی سند میں اسقدر اضطراب ہے کہ اگر حنفیہ میں سے کوئی عالم بھی ایسی مضطرب حدیث کو اپنی حجت میں پیش کرتا تو ظاہریہ آسمان سر پر اٹھا لیتے کہ حنفیہ کو علم اسناد و علل سے مس نہیں۔ اسی لئے ایسی حدیثیں حجت میں لاتے ہیں۔ جوہر نقی میں ہے کہ حافظ عبدالحق (اشبیلی) نے اپنی کتاب الاحکام میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو اوزاعی نے مکحول سے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور (حافظ ابن عبدالبر کی کتاب) التمہید میں ہے کہ اس حدیث (کی سند) میں محمد بن اسحاق کی مخالفت کی گئی ہے اس کو اوزاعی نے مکحول سے رجاء بن حیوہ سے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے پھر حدیث بیان کی (اور امام اوزاعی کا درجہ محمد بن اسحاق سے بہت زیادہ بلند ہے وہ حدیث و فقہ میں اہل شام کے امام ہیں) اور امام طحاوی نے اس حدیث کو رجاء بن حیوہ کے واسطہ سے محمود بن ربیع سے روایت کیا ہے اور حضرت عبادہ پر موقوف کردیا (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا) اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اسکو مکحول سے عبادۃ بن الصامت سے مرسلاً روایت کیا ہے (یعنی سند منقطع ہے مکحول اور حضرت عبادہ کے درمیان واسطہ حذف ہے)۔ جزء القراءۃ بیہقی صـ۴۲ میں بھی اسی طرح ہے پھر امام بیہقی نے دوبارہ اسکو مکحول سے نافع بن محمود سے عبادہ سے روایت کیا ہے۔ ابوداود میں بھی اسی طرح (نافع بن محمود کے واسطہ سے) اسکو روایت کیا ہے (اور نافع بن محمود مجہول ہے) اور ایک طریق میں جس کو حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو مکحول نے محمود سے ابونعیم سے حضرت عبادہ سے روایت کیا ہے اور یہ ابونعیم معلوم نہیں کون ہے حاکم نے کہا وہ وہب بن کیسان ہے اور ابن صاعد نے کہا کہ وہ مؤذن (جامع دمشق ہے) دارقطنی نے اپنی سنن میں ایسا ہی کہا ہے اور حافظ نے اصابہ میں اس حدیث کو دوسرے طریق سے نقل کیا ہے اسمیں مکحول نے نافع سے محمود بن الربیع سے عبادۃ بن الصامت سے روایت کیا ہے۔ جس حدیث کی سند میں اختلافات ہوں اسکے اضطراب میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عبادہ کی صحیح حدیث وہی ہے جس کو صاحب تکمیل نے سب سے پہلے بیان کیا ہے اس میں مقتدی اور امام کا کوئی ذکر نہیں اور جس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے فاتحہ کے سوا قراءت نہ کرے وہ صحیح نہیں اس کو محمد بن اسحٰق کے سوا کوئی روایت نہیں کرتا اور ابن اسحٰق کے بارے میں علامہ ذہبی نے میزان میں فرمایا ہے ما انفرد بہ ففیہ

نکارۃ فان فی حفظه شیئاً ص۲۲ ج ۳ جس حدیث کو وہ تنہا روایت کرے اس میں نکارت ہے.
(یعنی ضعف ہے) کیونکہ اس کے حفظ میں کچھ (کسر) ہے اور حافظ ابن حجر نے درایہ کتاب الحج
میں فرمایا ہے وابن اسحق لا یحتج بما انفرد بہ من الاحکام فضلا عما اذا خالفہ من ھو
اثبت منہ اھ ابن اسحق احادیث احکام میں جس حدیث کو تنہا بیان کرے حجت نہیں چہ جائیکہ
اپنے سے مضبوط راوی کی مخالفت کرے (تو اس صورت میں اصلاً حجت نہیں) اور ظاہر ہے کہ
اس حدیث کا صحیح حصّہ وہی ہے جو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ محمد بن اسحق نے جو زیادت
اس میں کی ہے وہ ثقات کی روایت کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت عبادۃ بن
الصامت کا قول ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے جیسا علامہ ابن تیمیہ نے
اس کی تصریح کی ہے۔ پھر امام بیہقی نے جزء القراءۃ میں اور امام طحاوی نے معانی الآثار
میں اس حدیث کو یوسف بن عدی سے عبیداللہ بن عمرو (رقی) سے ایوب سے ابوقلابہ سے حضرت
انس سے بایں الفاظ روایت کیا ہے۔

قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجھه فقال اتقرؤن والامام
یقرأ فسکتوا فسألھم ثلثا فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر پوچھا کیا تم امام کی قراءت کے ساتھ قراءت کرتے ہو؟
سب خاموش رہے آپ نے تین بار سوال کیا، صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا مت
کرو۔ اسمیں یہ نہیں ہے کہ مگر سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اس پر بیہقی کا یہ فرمانا کہ یوسف بن عدی نے وہم
کیا ہے کہ (سورۂ فاتحہ کے) استثناء کو چھوڑ دیا قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ یوسف بن عدی امام بخاری کے
استاذ اور صحیح کے راویوں میں سے ہیں کسی نے بھی اسکو صاحبِ وہم نہیں کہا وہ محمد بن اسحاق سے
زیادہ صاحب حفظ و اتقان ہے۔ علامہ ذہبی کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ محمد بن اسحاق کے حافظہ میں
کمی ہے۔ پس محمد بن اسحاق کیطرف وہم کی نسبت کرنا زیادہ مناسب ہے نہ کہ یوسف بن عدی کی طرف،
امام الفن یحیٰی بن معین نے فرمایا ہے کہ (حدیثِ عبادہ) میں جملہ استثنائیہ (الا بام القرآن) کی سند
ایسی (قابلِ اعتبار) نہیں (الدلیل القوی) اور اسکو امام احمد اور ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے (زیلعی)

حدیث عبادہ میں فصاعدا کی زیادت اہلحدیث پر حجّت ہے :

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اہل ظاہر حدیث عبادہ میں الا بام القرآن کی زیادت پر تو
اتنا زور دیتے ہیں حالانکہ محمد بن اسحٰق کے سوا اسکا کوئی راوی نہیں۔ اور اس حدیث میں فصاعدا

کی زیادت کو نہیں مانتے حالانکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے، اور ابوداود نے بھی اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں۔

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا صلوٰة لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعدا۔

عبادۃ بن الصامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اب اگر اس سے مقتدی کے ذمہ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہا جائیگا تو کچھ زیادہ پڑھنے کو بھی واجب کہنا پڑے گا کیونکہ حدیث میں زیادہ پڑھنے کا بھی حکم موجود ہے حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں۔ اس پر بعض محدثین کا یہ کہنا کہ لفظ فصاعدا کو صرف معمر نے تنہا زیادہ کیا ہے درست نہیں۔ کیونکہ ابوداود کی سند میں سفیان بن عیینہ نے بھی معمر کی موافقت کی ہے وہ بھی زہری سے معمر کی طرح روایت کرتے اور فصاعدا بڑھاتے ہیں۔ پھر صالح بن کیسان اور امام اوزاعی اور عبد الرحمٰن بن اسحٰق وغیرہ جیسے ثقات نے بھی زہری سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا معمر نے بیان کیا ہے اور اس کی تائید ابوسعید خدری کی حدیث بھی کر رہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نقرأ بفاتحة الکتاب وما تیسر واسنادہ صحیح عند ابی داود۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سورۂ فاتحہ پڑھنے اور (اس کے ساتھ) جو آسان ہے پڑھنے کا حکم دیا ہے اس کو ابوداود نے صحیح سند سے روایت کیا ہے اور ترمذی وابن ماجہ نے اسی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے۔ لا صلوٰة لمن لم یقرأ بالحمد وسورة اس شخص کی نماز نہیں جو الحمد اور سورت نہ پڑھے۔ اس کی سند حسن ہے پس یہ دعویٰ قابلِ تسلیم نہیں کہ معمر نے تنہا زیادتی کی ہے پھر معمر کا درجہ حفظ واتقان میں محمد بن اسحٰق سے بہت بلند ہے۔ یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ ابن اسحٰق کی زیادت کو قبول کیا جائے اور معمر کی زیادت کو رد کیا جائے تو اب اہل ظاہر کو اس کا قائل ہونا چاہیئے کہ امام کے ساتھ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ یا ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا بھی واجب ہے حالانکہ وہ اسکے قائل نہیں۔ پس ہمارا مدعا ثابت ہوگیا کہ حضرت عبادہ کی حدیث مقتدی کے بارے میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے کہ ان پر سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے۔ مقتدی کے ذمہ امام کے ساتھ قرارت واجب نہیں۔ اور اگر کسی لفظ سے وجوب کا شبہ بھی ہوتا تھا تو حدیث عبادہ میں ابوداود

کے اس لفظ سے ہر شبہہ دور ہو گیا ان کنتم لا بد فاعلین فلا تفعلوا الا بام القرآن (فیض ص۲۷۳ ج۲)
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم ضرور ہی امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہتے ہو تو سورۃ
فاتحہ کے سوا نہ پڑھو۔ اس سے ہر شخص خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ عنوان وجوب کا ہے یا محض
جواز کا۔ پھر جواز کو بھی سکتۃ امام کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ جہری نماز میں ساتھ ساتھ
قرارت کرنا نص قرآن اور حدیث انصات کیخلاف ہو گا۔

تیسری دلیل :

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بام
القرآن فھی خداج ثلاثا غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ
بھا فی نفسك (مسلم شریف) یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایسی نماز پڑھے
جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص ہے (تین بار فرمایا) کامل نہیں۔ ابو ہریرہ کے شاگرد
نے کہا ہم (کبھی) امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (ایسی حالتیں)
سورۃ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد مؤلف نے لفظ خداج اور تمام کے معنی
میں بحث کی ہے مگر ہر سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا جتنا حصہ مرفوع ہے اس میں
مقتدی کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا سوال بتلاتا ہے کہ
مقتدی کے ذمہ قرارت کا واجب ہونا اس کے نزدیک بھی حدیث سے مفہوم نہیں ہوا اور نہ قرارت
خلف الامام اس کے نزدیک معروف تھی اسی لئے تو سوال کی ضرورت ہوئی۔ پھر حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب کو مؤلف نے اس پر محمول کیا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سورۃ
فاتحہ پڑھ لی جائے مگر اقرأ بھا فی نفسك اس مفہوم میں صریح نہیں۔ ہمارے نزدیک
مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ عرفاً قرارت قلبی کو بھی قرارت
کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے سورۃ فاتحہ کی رکنیت ثابت کرنا اور مقتدی کے ذمہ امام کے
پیچھے اس کو واجب کرنا زبردستی ہے۔

شاہ ولی اللہ کے قول کا جواب :

غنیہ وغیرہ کی عبارتیں پیش کرنا اور شاہ ولی اللہ کے قول سے استدلال کرنا ظاہریہ کو

ف۱ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کرنے والا خوب جانتا ہے کہ شاہ صاحب فرض اور واجب دونوں کو رکن کہہ
دیتے ہیں ملاحظہ ہو ص۹۵ ج۱۔ جس میں ضم سورت کو بھی رکن قرار دیا ہے حالانکہ ضم سورت (باقی آئندہ صفحہ پر)

زیب نہیں دیتا اگر ان حضرات کے اقوال حجت ہیں تو دوسرے علماء کے اقوال بھی حجت ہونے چاہئیں جو فرماتے ہیں کہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے فاتحہ کی رکنیت پر کوئی دلالت نہیں۔ بغیر فاتحہ کے نماز کو باطل کہنا حدیث کے خلاف ہے۔ اس سے صرف فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ قراءت فاتحہ کو امام اور منفرد پر واجب کہتے ہیں اور مقتدی کے لئے امام کی قراءت کافی ہے وہ امام کی قراءت کے ذریعہ سے حکماً قاری ہے جیسا مفصل گزر چکا ہے۔ حدیث مسلم وابو داود میں صراحۃً مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اذا قرأ فانصتوا۔ یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ پس جواب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے ساتھ قراءت کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دل دل میں پڑھتے رہو یا امام سے پہلے اور اس کے سکتات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں صرف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ صک ج ۲ میں فرمایا ہے وان کان مأموما وجب علیه الانصات والاستماع فان جهر الامام لم یقرأ الاعند اسکاته وان خافت فله الخیرة فان قرأ فلیقرأ الفاتحة قراءة لا یشوش علی الامام وهذا اولی الاقوال عندی وبه یجمع بین الباب والسر فیه ما نص علیه من ان القراءة مع الامام تشوش علیه وتفوت التدبر وتخالف تعظیم القرآن ولم یعزم علیهم ان یقرؤا سراً لان العامة متی ارادوا ان یصححوا الحروف باجمعهم کانت لهم لجة مشوشة اھ ترجمہ: اگر نمازی مقتدی ہو تو اس پر خاموش رہنا اور سننا واجب ہے اگر امام (قراءت) جہر (سے) کر رہا ہے تو مقتدی قراءت نہ کرے مگر سکتہ کے وقت اور اگر قراءت سری کر رہا ہے تو مقتدی کو اختیار ہے اگر قراءت کرنا چاہے تو سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھے کہ اس کی قراءت سے امام کو تشویش نہ ہو۔ میرے نزدیک سب اقوال میں یہ بہتر ہے کہ جہری نماز میں مقتدی سکتۂ امام میں قراءت کرے اور سری میں تشویش سے بچ کر قراءت کرے۔ اسی طرح اس باب کی تمام حدیثوں کو جمع کیا جا سکتا ہے اور اس میں راز یہ ہے جس کی تصریح بھی حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ قراءت کرنا اس کو مشوش کرتا ہے اور اس سے تدبر فی القرآن فوت ہوتا ہے اور یہ صورت تعظیم قرآن کے بھی خلاف ہے اور سری نماز میں بھی مقتدیوں پر قراءت لازم نہیں کی گئی کیونکہ عوام جب سب ملکر صحیح طور سے حروف کو ادا کرتے ہیں تو اس سے بھی ایک تشویشناک گونج پیدا ہوتی ہے اھ

یہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک قراءت خلف الامام کے بارے میں اگر ان کا قول حجت ہے تو صاحب تکمیل کو آگے کچھ بولنے کا حق نہیں۔ ۱۲ ظ

فاتحۃ الکلام ـــــــــ ۳۰

میں تنہا پڑھ لو ساتھ ساتھ نہ پڑھو۔ اور فی نفسك کے معنی تنہا کے بھی آتے ہیں جیسا حدیث[۱] صحیح قدسی میں وارد ہے فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہٗ فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاٍ ذکرتہٗ فی ملاٍ خیر منہ جو مجھے تنہا یاد کرے میں اسے تنہا یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جماعت میں یاد کرے میں اس کو اسکی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس حدیث میں فی نفسہ کے معنی تنہا ہیں جیسا جماعت کے مقابلہ سے واضح ہے۔ پس ابو ہریرہ کے جواب کا بھی یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ امام[۲] کے پیچھے تم تنہا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو اس کے ساتھ ساتھ نہ پڑھو اور اسکو کوئی منع نہیں کرتا اور اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام بیہقی نے جزء القراۃ صہ۵ میں اور حاکم نے مستدرک صہ۲۳۸ ج ۲ میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی صلوۃ مکتوبۃ مع الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب فی سکتاتہ اھ اور جب کوئی نماز امام کے ساتھ پڑھے وہ اس کے سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔

بیہقی نے تسلیم کیا ہے کہ مرفوعاً یہ حدیث صحیح نہیں موقوفاً صحیح ہے یعنی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے جس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہ امام کیساتھ قرات مقتدی کو جائز نہیں سمجھتے سکتات میں جائز کہتے ہیں یہی ہمارا قول ہے۔

مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری پر اعتراض اور اسکا جواب

مؤلف تکمیل البرہان نے حدیث ابو ہریرہ کی بحث میں بلا وجہ حدیث عبادہ کے متعلق

---

[۱] اسی طرح قولہ تعالیٰ وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا میں فی انفسھم کی تفسیر وحدانا سے بھی کی گئی ہے ۱۲ رشید احمد [۲] زیادہ ظاہر مطلب یہ ہے کہ منفرداً نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھ لیا کرو جب قرات سے منع کیا گیا تو دل شکنی کا مظنہ تھا اسکے تدارک کی غرض سے فرمایا کہ یہ آرزو حالت انفراد میں پوری کر لیا کرو اس کی نظیر یہ ہو کہ امام کو نماز میں تخفیف کا حکم فرمایا اس سے یوں دل شکنی کا احتمال تھا کہ شاید کسی کو طویل نماز کی آرزو ہو اس کے تدارک کے لئے فرمایا کہ حالت انفراد میں جتنی تطویل چاہو کر لو۔ اسی طرح قرآن کریم میں جب واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا فرمایا تو ممکن تھا کہ تلاوت سے ممانعت کیوجہ سے دل ٹوٹ جائیں اسلئے یوں تسلی دی گئی واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاٰصال ولا تکن من الغفلین۝ یعنی اوقات میں کوئی کمی نہیں ہر وقت پڑھ سکتے ہیں صرف حالت اقتداء میں امام کی رعایت کی وجہ سے نہ پڑھیں، یہاں بھی "فی نفسک" کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "وحدک" منقول ہے اور یہ تفسیر ذکر سراً کی تفسیر سے اسلئے بہتر ہے کہ دون الجھر من القول سراً کو شامل ہے ۱۲ رشید احمد

۱۳

ایک بحث چھیڑ دی ہے کہ مولانا احمد علی صاحب حنفی (محدث) سہارنپوری نے حدیث عبادہ کی سند میں نافع بن محمود کی وجہ سے کلام کیا ہے کہ وہ مستور الحال ہے۔ حالانکہ مستور کی روایت امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقبول ہے پھر عبادہ کی روایت کو امام ابو داؤد چار طرق سے لائے ہیں ان چاروں میں سے صرف ایک سند میں نافع بن محمود ہے پھر نافع بن محمود کو امام ذہبی نے کاشف میں ثقہ کہا ہے اور دارقطنی نے اسکی سند کو حسن اور راویوں کو ثقہ کہا ہے (جس سے نافع کا ثقہ ہونا بھی لازم آگیا) اور ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

اس طویل کلام کا جواب یہ ہے کہ مولانا احمد علی صاحب نے وہی کہا ہے جو موفق ابن قدامہ حنبلی نے کتاب المغنی میں فرمایا ہے کہ حدیث عبادہ میں یہ زیادت کہ "مگر امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کرو الخ" صرف ابن اسحٰق روایت کرتا ہے اور ابوداود نے اس کو نافع بن محمود سے بھی روایت کیا ہے اور وہ ابن اسحٰق سے بھی ادنیٰ ہے کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک غیر معروف ہے۔ جیسا ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ پھر امام احمد اور یحییٰ بن معین نے بھی اس زیادت کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن حبان نے اگرچہ نافع کو کتاب الثقات میں داخل کیا ہے مگر اسکی حدیث کو معلل کہا ہے اور اس ایک حدیث کے سوا نافع سے اور کوئی روایت نہیں ان حضرات کے سامنے دارقطنی کی توثیق وتحسین کا جو درجہ ہے اہل علم خود سمجھ سکتے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے بھی اسکو ضعیف کہہ کر فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔ پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ اسکی سند میں بہت اضطراب ہے اور حدیث مضطرب بغیر رفع اضطراب کسی کے نزدیک بھی حجت نہیں بن سکتی اور علت اضطراب کے رفع کرنیکی وہی صورت ہے جو امام بخاری ومسلم نے اختیار کی ہے کہ اس حدیث کا وہی حصہ صحیح میں داخل کیا جس کو ثقات نے روایت کیا ہے جس میں امام اور مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اور جس حصہ کے راوی محمد بن اسحٰق اور نافع بن محمود جیسے ہیں اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا۔ اور اصول حدیث میں طے ہوچکا ہے کہ جب حدیث مضطرب کے چند طرق ہیں سے ایک طریق راجح ہوجائے وہی مقبول ہوگا بقیہ طرق مردود ہونگے۔ پس مولانا احمد علی صاحب حنفی محدث سہارنپوری نے کوئی مغالطہ نہیں دیا خود صاحب تکمیل البرہان ہی جاہلوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل صاحب تکمیل کی وہ ہے جسے ہم مجمع الزوائد کے حوالہ سے اوپر بیان کر چکے ہیں کہ

ایک صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا شاید تم امام کے ساتھ قرارت کرتے ہو تین بار دریافت فرمایا صحابہ نے کہا بیشک ہم ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا ایسا نہ کرو مگر یہ کہ کوئی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے الخ

جاہلوں کو دھوکہ دینے کے لئے صاحب تکمیل نے اس حدیث کو اپنی دلیلوں میں شامل کرلیا حالانکہ یہ حنفیہ کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے یہ دریافت کرنا کیا تم امام کے ساتھ قرارت کرتے ہو؟ خود بتلا رہا ہے کہ امام کے ساتھ مقتدی کا پڑھنا حضور کو گوارا نہ تھا اور صحابہ کا بحالت اقتدار قرارت کرنا حضور کی اجازت سے نہ تھا جبھی تو سوال کی نوبت آئی اس پر بعض اہل حدیث کا یہ کہنا کہ "سوال قرارت فاتحہ سے نہ تھا بلکہ سورۂ فاتحہ سے زیادہ قرارت کے متعلق تھا" غلط ہے کیونکہ دارقطنی کے الفاظ ہیں: ھل منکم من احد یقرأ شیئا من القرآن وحسنہ (فیض الباری ص۲۷۴ ج ۲) "کیا تم میں سے کسی نے قرآن میں سے کچھ پڑھا ہے؟ دارقطنی نے اسکی سند کو حسن کہا ہے"۔ اور اس لفظ کا فاتحہ وغیر فاتحہ کو عام ہونا ظاہر ہے۔ اس کے بعد آپ کا ارشاد الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ بھی ہماری دلیل ہے کیونکہ اس میں فی نفسہ کی قید موجود ہے کہ سورۂ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو یا اس کے معنی منفرد کے ہیں یعنی امام کے ساتھ نہ پڑھو۔ اس[1] سے پہلے یا اسکے سکتہ میں پڑھ لیا کرو۔ اور ہم حدیث قدسی سے فی نفسہ کا بمعنی منفرد آنا بتلا چکے ہیں۔ مؤلف تکمیل کا یہ دعویٰ کہ فی نفسہ کے معنی آہستہ پڑھنے کے ہیں قابل قبول نہیں۔ علماء مالکیہ میں سے بعض اجلۂ علماء نے حدیث ابوہریرہ اقرأ بھا فی نفسک کی تفسیر میں یہی کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ دل دل میں پڑھ لیا کرو (شرح مسلم للنووی وفتح الملہم) پھر ہم تبلا چکے ہیں کہ نہی کے بعد استثناء وجوب کے لئے نہیں ہوتا صرف اباحت کے لئے ہوتا ہے تو اس حدیث سے مقتدی کے لئے قرارت فاتحہ کا صرف جواز ثابت ہوگا نہ کہ وجوب اور یہ صاحب تکمیل کیلئے مضر ہے کیونکہ وہ تو فرضیت اور رکنیت کے مدعی ہیں اور اس حدیث سے مقتدی کے حق میں رکنیت تو کجا وجوب بھی ثابت نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل:

حضرت انس کی حدیث جس کا مضمون وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث میں صحابی مجہول کی حدیث کا ہے اس میں بھی وہی فی نفسہ کا لفظ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تین بار دریافت

[1] گزشتہ حاشیہ میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسکے ظاہر معنے یہ ہیں کہ انفراداً نماز پڑھنے کی حالت میں پڑھو ۱۲ رشید احمد

فرمانا بھی۔ کیا تم نماز میں امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے ہو ؟

ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث اصل میں حنفیہ کی دلیل ہے جس کو بطور مغالطہ کے اہل ظاہر اپنی دلیل بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن سالم کے واسطہ سے حضرت انس سے روایت کیا ہے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لئے کوئی امام ہو (اور یہ اس کا مقتدی ہو) تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے" ابن حبان نے ابن سالم میں کلام کیا ہے مگر تقریب میں اس کو ثقہ کہا ہے اور تہذیب التہذیب میں ہے قال ابوحاتم لابأس بہ (ص۱۷۷ ج۹) ابوحاتم نے کہا اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ اور یہ لفظ توثیق کے لئے مستعمل ہے۔ اگر نافع بن محمود کو ذہبی کے قول سے ثقہ کہا جا سکتا ہے تو ابن سالم کو ابوحاتم کے قول سے بدرجۂ اولیٰ ثقہ کہا جائیگا پس دونوں حدیثوں کو ملانے سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کے لئے صرف جواز قرارت ثابت ہوتا ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ اور جواز بھی اس طرح کہ دل دل میں پڑھے یا امام سے پہلے یا سکتۂ امام میں پڑھے ساتھ ساتھ نہ پڑھے۔

چھٹی دلیل :

چھٹی حدیث صاحب تکمیل نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پیچھے قرارت کرتے ہو ؟ صحابہ نے کہا ہاں ہم جلدی جلدی پڑھتے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو مگر سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو) پھر عون المعبود سے نقل کر دیا کہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند امام بخاری وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ مغالطہ اور دھوکہ دینا اسی کا نام ہے۔ ان کو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا حجت ہونا بعد میں ثابت کرنا تھا پہلے یہ بتلانا ضروری تھا کہ امام بخاری یا بیہقی سے عمرو بن شعیب تک راویوں کا کیا حال ہے ؟ اگر جزء القراءۃ بخاری اور بیہقی کو اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ عمرو بن شعیب سے روایت کرنے والا ضعیف ہے۔ قال البیہقی ومحمد بن عبید اللّٰہ بن عمیر وان کان غیر محتج بہ وکذٰلک بعض من تقدم ممن رواہ عن عمرو بن شعیب فلقراءۃ المأموم فاتحۃ الکتاب فی سکتۃ الامام شواھد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ خبرًا عن فعلہم وعن ابی ھریرۃ وغیرہ من فتواھم (ص۴۲) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ محمد بن عبید اللہ بن عمیر سے حجت نہیں

قائم ہوسکتی (کیونکہ وہ ضعیف متروک ہے) بعض محدثین نے اسکو کاذب بھی کہا ہے (لسان ص ۲۱۶ ج ۵)
اسی طرح بعض اور لوگ بھی جو اس کو عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں (ان سے بھی
حجت قائم نہیں ہوسکتی) مگر امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرارت فاتحہ کے لئے عبداللہ بن عمرو
اور حضرت ابوہریرہ وغیرہ سے صحیح روایات میں انکے فعل اور فتوی کا بیان موجود ہے۔ اھ

اس میں امام بیہقی نے فیصلہ فرمادیا کہ عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہ وغیرہ
سے اس باب میں حدیث مرفوع ثابت نہیں صرف ان کا فعل اور فتویٰ ثابت ہے اور
وہ بھی مطلقاً نہیں بلکہ امام کے سکتہ میں مقتدی کی قرارت کو جائز فرماتے ہیں اور اس سے
حنفیہ بھی منع نہیں کرتے وجوب پر کوئی دلیل نہیں جیسا مفصل بیان گزرچکا ہے۔ پس
یہ بھی ہماری دلیل ہے۔

ساتویں دلیل :

اس دلیل میں عبادۃ بن الصامت کی حدیث ہی کو پھر بیان کردیا ہے حالانکہ حدیث
پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ جب صحابی ایک ہے تو حدیث ایک ہوگی اسکو چند
احادیث قرار دینا صحیح نہیں۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ مضطرب ہے اس کے طرق میں سے اگر کسی طریق کو
ترجیح نہ ہوتی تو وہ قابلِ قبول ہی نہ ہوتی مگر جب ایک طریق کو ترجیح دیدی گئی تو یہی طریق
حجت ہے بقیہ طرق حجت نہیں ہوسکتے اور ان طرق میں سے وہی طریق راجح ہے جس کو
امام مسلم و بخاری نے صحیح میں اختیار کیا ہے اور اس میں مقتدی یا امام کا کچھ ذکر نہیں
صرف اتنا مضمون ہے کہ جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار
نہیں امام اور منفرد پر ہمارے نزدیک بھی قرارت فاتحہ واجب ہے اور اس معنی پر اس
حدیث کو امام احمد بن حنبل اور سفیان بن عیینہ اور امام زہری جیسے ائمۂ حدیث نے
محمول کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ صحابی اور دوسرے صحابہ نے بھی اس کا یہی مطلب
سمجھا ہے۔ اس طریق صحیح کے علاوہ حدیث عبادہ کے جتنے بھی طرق ہیں سب مرجوح اور ناقابل
قبول ہیں۔ پھر جس کتاب سے حدیث کے یہ الفاظ تکمیل البرہان میں نقل کیے گئے ہیں وہاں
سے تصحیح اور تضعیف کچھ نقل نہیں کی گئی اور جس کتاب سے حدیث کی توثیق کی گئی ہے اس
سے حدیث کے الفاظ نہیں لئے گئے۔ کیونکہ اس کے الفاظ مؤلف تکمیل کے خلاف اور حنفیہ

کے لئے مفید تھے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ یہ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب (ص۱۸۶ ج۱) یعنی جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے وہ سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے قرارت فاتحہ لازم نہیں جو پڑھنا چاہے وہ پڑھ سکتا ہے اور ہم حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایتوں سے ثابت کرچکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرے یا امام کے سکتہ میں پڑھ لے اور اسکو کوئی بھی منع نہیں کرتا۔

آٹھویں دلیل:

آٹھویں حدیث حضرت عائشہ کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے (مؤلف تکمیل نے اس کے ترجمہ میں بیکار کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کردیا ہے) اس کے متعلق عرض ہے کہ اس حدیث کا حاصل وہی ہے جو حضرت ابوہریرہ کی حدیث ۳ کا حاصل ہے اس سے مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کو لازم کرنا زبردستی ہے۔ کیونکہ مقتدی کو امام کی قرارت کافی ہے جس کا ثبوت ہم احادیث صحیحہ سے دے چکے ہیں۔ مقتدی کے علاوہ امام اور منفرد کی نماز کو ہم بھی بغیر فاتحہ کے ناقص سمجھتے ہیں کیونکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ان پر واجب ہے۔ مقتدی کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں انصات (خاموش رہنے کا) حکم ہے وہ امام کی قرارت کی وجہ سے حکماً قرارت کررہا ہے۔ حدیث صحیح میں صاف حکم ہے انما جعل الامام لیؤتم بہٖ "امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے" اور ساتھ ساتھ قرارت کرنا اتباع نہیں ہے بلکہ اتباع امام یہ ہے کہ مقتدی خاموش رہے اور اس کی قرارت کو سُنے امام کے ساتھ مقتدی کا قرارت کرنا بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تعظیم قرآن کے خلاف ہے۔

نویں اور دسویں دلیل:

اس کے بعد نویں اور دسویں حدیث بھی حضرت عبادہ ہی کی حدیث ہے اور دونوں جزء القراءۃ بیہقی سے نقل کی گئی ہیں۔

میں بتلا چکا ہوں کہ حدیث عبادہ حدیث مضطرب ہے اور حدیث مضطرب کے جس طریق کو ترجیح ہوجائے وہی مقبول، باقی سب ناقابلِ قبول ہیں اور یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ اس حدیث کا وہی طریق راجح ہے جس کو امام مسلم وبخاری نے اختیار کیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل

نے اس حدیث کو جزء القراءۃ بیہقی سے نقل تو کردیا مگر یہ نہ دیکھا کہ جس وقت محمد بن سلیمان بن فارس نے اس حدیث کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام اسی وقت ابو الطیب محمد بن احمد ذہلی نے ان کو ٹوکا، قال قلت لمحمد بن سلیمان خلف الامام ؟ قال خلف الامام ص۲۷ کیا اس حدیث میں خلف الامام بھی ہے ؟ کہا ہاں"۔ اور محمد بن احمد ذہلی ثقہ ہے اس کا اس لفظ پر انکار کرنا خود بتلاتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ زیادت منکر ہے جس کا قرینہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام زہری بھی ہیں اور زہری کا مذہب، موطا امام مالک وغیرہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک جہری نماز میں مقتدی کو امام کے ساتھ قرارت جائز نہیں۔ تفسیر طبری میں بھی بروایت ثقات زہری کا یہ قول مروی ہے کہ جس نماز میں امام جہر کرتا ہے مقتدی قرارت نہ کرے اگرچہ امام کی قرارت نہ سنے ہاں جس نماز میں امام جہر نہ کرے مقتدی اپنے دل میں آہستہ قرارت کرے جس نماز میں امام جہر کرے اسمیں کسی کو قرارت جائز نہیں نہ زور سے نہ آہستہ (ص۱۱۱ ج۱) اگر اس حدیث میں انھوں نے لفظ خلف الامام روایت کیا ہوتا تو جہری نماز میں امام کے پیچھے قرارت کرنے سے کیوں منع کرتے ؟ پس یا تو یہ زیادت شاذ ہے جیسا ابو الطیب ذہلی کے سوال سے مفہوم ہو رہا ہے یا یہ حدیث مسبوق کے متعلق ہے جو امام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مسبوق امام کے بعد بقیہ رکعتیں ادا کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ نہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی اور مسبوق پر ہم بھی سورۂ فاتحہ کی قرارت کو واجب کہتے ہیں اور لفظ خلف کا معنی بعد میں مستعمل ہونا قرآن سے ثابت ہے ملاحظہ ہو تفسیر آیت فجعلنٰھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا "ہم نے اس واقعہ کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس کے سامنے تھے اور ان لوگوں کے لئے جو اس کے بعد آنے والے تھے۔"

(تفسیر طبری ص۲۶۵ ج۱)

رہا امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس کی سند صحیح ہے تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ حدیث شاذ وہی ہے جس کے راوی سب ثقہ ہوں مگر کسی ثقہ نے جماعت ثقات کے خلاف کیا ہو۔ پھر امام بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس حدیث میں خلف الامام کی زیادتی ویسی ہی ہے جیسی مکحول کی روایت میں (لا تقرؤا الا بام القرآن) کی زیادتی ہے تو مکحول کی اس زیادت کا حال ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد اور یحییٰ بن معین وغیرہ ائمۂ حدیث

نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ پھر یہ فرمایا کہ یہ حضرت عبادہ سے بوجوہ چند صحیح مشہور ہے۔
تو یہ وہی بات ہے جو علامہ ابن تیمیہ نے فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبادہ کا قول ہے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں سو اسکا ہم نے کب انکار کیا ہے کہ بعض صحابہ قراءت
خلف الامام کے قائل تھے مگر چونکہ ان کا قول خلاف نص قرآن اور خلاف حدیث صحیح ہے۔ اس
میں تاویل کی جائے گی کہ وہ دل دل میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہونگے یا سکتۂ امام میں، اور ترجیح
ان صحابہ کے قول کو دی جائے گی جو نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے اور دسویں حدیث
عبادہ میں بھی امام اور غیر امام کی زیادت صحیح نہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ "اس شخص کی نماز
صحیح نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے خواہ امام ہو یا غیر امام ہو"۔ کیونکہ اس کی سند میں
احمد بن عمیر دمشقی معروف بابن جوصا ہے جس کی بابت حافظ ابن مندہ نے حمزہ کنانی سے
نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا اور فرمایا میرے پاس ابن جوصا
کی روایت کے دو سو جزء ہیں کاش وہ سفید ہی ہوتے۔ اور حاکم نے زبیر بن عبدالواحد
اسدی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابوعلی کی کوئی لغزش نہیں دیکھی بجز اسکے کہ وہ عبداللہ[له]
ابن وہب دینوری اور ابن جوصا سے روایت کرتے ہیں۔ اھ۔ اس کی سند میں محمد بن
ابی السری بھی ہے جو غالباً عسقلانی ہے وہ باوجود حفظ کے بہت غلطی کرتا ہے اور منکرات
روایت کرتا ہے۔ ذہبی نے میزان میں اسکی ایک حدیث منکر بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی
اور بھی منکر احادیث ہیں پس اس روایت میں امام اور غیر امام کا لفظ یا ابن ابی السری
کے مناکیر میں سے ہے یا ابن جوصا کے غرائب میں سے ہے اس سے حجت قائم نہیں ہوسکتی
پھر اس میں مقتدی کا ذکر نہیں صرف امام اور غیر امام کا ذکر ہے تو غیر امام سے مراد منفرد ہے
مقتدی مراد نہیں کیونکہ مقتدی کے بارے میں صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا،
"جب امام قراءت کرے خاموش رہو" میں خاموش رہنے کا صریح حکم وارد ہو چکا ہے
اور یہی قرآن میں حکم ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ اور ہم بتلا چکے ہیں
کہ بالاتفاق یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب صاحب
تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ حکم خداوندی اور صحیح حدیث رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو کون رد کر رہا ہے وہ یا ہم؟ پھر اس پہ یہ لن ترانیاں کر اپنے کو محقق

[له] یہ شخص متہم بالوضع ہے یعنی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ ظ

میسر اور شریعت محمدیہ کا محکوم و فرمانبردار قرار دیکر حنفیہ کے عوام و خاص کو مذہب پرست فرقہ بند اور استخوان فروش کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔ مسائل اختلافیہ میں جبکہ ہر فریق کے پاس دلائل موجود ہیں۔ یہ دریدہ دہنی اور خلاف تہذیب باتیں لکھنا آپ ہی کو مبارک ہو ہم کسی کو بُرا نہیں کہتے صرف اپنے مسلک کی تائید وتقویت پر اکتفاء کرتے ہیں۔

یہ دسوں حدیثیں بیان کر کے صاحب تکمیل نے تلک عشرۃ کاملۃ کا تاج سر پر رکھ کر بڑے فخر سے فرمایا ہے کہ "الحمد للہ قرارت فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان دسوں حدیثوں سے باحسن وجوہ حل ہوگیا" گویا حنفیہ کے پاس نہ قرآن سے کوئی دلیل ہے نہ حدیث سے۔ صاحب علم کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرمانا چاہئیے کیا انکو معلوم نہیں کہ حنفیہ بھی اس مسئلہ میں قرآن وحدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے صحابہ کے آثار بیان کئے ہیں میں بتلا چکا ہوں کہ جن احادیث سے انھوں نے استدلال کیا ہے وہ یا تو صحیح نہیں اور اگر صحیح ہیں تو قرارت خلف الامام میں صریح نہیں اب آثار دیکھئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر:

پہلا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ان سے یزید بن شریک نے قرارت خلف الامام کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ میں نے کہا کہ اگرچہ آپ (امام) ہوں۔ فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں۔ میں نے کہا اگرچہ آپ جہر کررہے ہوں تو فرمایا اگرچہ میں جہر کررہا ہوں۔ اس کو دار قطنی نے روایت کیا اور کہا کہ اسکے راوی ثقہ ہیں، اور دوسری سند سے روایت کرکے کہا کہ یہ سند صحیح ہے اور طحاوی[۱] نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت عمر سے روایتیں مختلف ہیں عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں موسیٰ بن عقبہ امام المغازی والسیر سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم اور صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما قرارت خلف الامام سے منع فرماتے تھے اور یہ حدیث

لہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تکمیل کے سامنے طحاوی بھی ہے اور ممکن ہے موطا محمد اور نصب الرایہ زیلعی بھی ہو اور عمدۃ القاری شرح بخاری للعینی بھی ہو تو کیا ان کو حنفیہ کے دلائل حدیثوں میں نظر نہیں آئے، اگر نظر نہیں آئے؟ تو معلوم ہوتا ہے وہ عربی نہیں سمجھتے اور اگر نظر آئے تو پھر کس منہ سے حنفیہ کے مسلک کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بتلاتے ہیں۔ ۱۲ط

مرسلاً صحیح ہے اور امام محمد نے اپنی موطا میں داود بن قیس فراء سے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کاش اس شخص کے منہ میں پتھر پڑ جائیں جو امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں مگر روایت مرسل ہے کیونکہ غالباً محمد بن عجلان کا سماع حضرت عمر سے نہیں ہے مگر مرسل اور منقطع ہمارے یہاں حجت ہے اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے کہ دو مرسل صحیح اگر ایک حدیث صحیح کے معارض ہوں تو دو مرسل پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ ص۴۹۸، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں ایک مستقل باب تدوین مذہب عمر بن الخطاب کے لئے منعقد کیا ہے اس میں فرماتے ہیں قلت روی اهل الکوفۃ من اصحاب عمر الکوفیین ان المأموم لا یقرأ شیئاً اھ" حضرت عمر کے جو اصحاب کوفی ہیں انکی روایت یہ ہے کہ (حضرت عمر کے نزدیک) مقتدی کچھ قرارت نہیں کریگا"۔ اس صورتمیں اصول ترجیح کے موافق روایت تحریم کو ترجیح ہوگی۔ فقد ثبت فی الاصول ترجیح المحرم علی المبیح اذا تعارضا" کیونکہ اصول میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح دی جائے گی" خصوصاً جبکہ روایت تحریم نص قرآن اور حدیث صحیح کے موافق ہے۔ یا دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ ممانعت کی روایت اس صورت پر محمول ہے جب امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرے اور قرارت کا امر یا اجازت اس صورت میں ہے جب امام سے پہلے یا اس کے سکتہ میں یا سری نماز میں قرارت کرے جیسا حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبادہ سے بروایت بیہقی ہم اس کا ثبوت دے چکے ہیں کہ امام کے ذمہ سکتہ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں پس امر کو وجوب پر محمول نہیں کرسکتے جواز ہی پر محمول کیا جائے گا۔

اثر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

دوسرا اثر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ہے وہ فرماتے تھے پڑھو امام کے پیچھے ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت۔ دار قطنی نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں تو کیا صاحب تکمیل مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنا بھی واجب کریں گے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو یہ خلاف اجماع ہے۔ جو لوگ قرارت خلف الامام کے قائل ہیں ان میں کوئی بھی مقتدی کے ذمہ فاتحہ کے علاوہ کوئی سورت پڑھنے کو واجب نہیں کہتا۔ خود اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر جواب نفی میں ہے

توحضرت علیؓ کے اثر کا جواب دیں کیونکہ اس میں فاتحہ اور سورت دونوں کے پڑھنے کا مقتدی کو حکم ہے۔ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ حضرت علی سے بھی مختلف روایات ہیں۔ عبدالرزاق اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت علی سے یوں روایت کیا ہے قال من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ۔ "جو امام کے پیچھے قرارت کرے وہ فطرت (یعنی سنّت) کے خلاف عمل کرتا ہے"۔ دارقطنی نے بھی اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے جس کو مرسل شعبی کے ساتھ ہم بیان کرچکے ہیں اور اس کی سند میں کلام کیا ہے کہ قیس اور محمد بن سالم ضعیف ہیں مگر ان دونوں کو دوسروں نے ثقہ کہا ہے اس لئے روایت کو رَد نہیں کیا جاسکتا اور ابن ابی شیبہ کی سند میں یہ ضعیف راوی نہیں ہیں اس کی سند شرط صحیح کے موافق ہے بجز محمد بن الاصبہانی کے مگر اس کو علامہ ذہبی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت علی کے فتاویٰ اور قضایا کو اہل کوفہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں کیونکہ انکا زمانۂ خلافت زیادہ تر کوفہ میں گزرا ہے اس لئے ان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ خصوصاً جبکہ یہ روایت کتاب اللہ اور حدیث صحیح کے موافق بھی ہے۔ اور امام عبداللہ بن یعقوب سندموتی نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں عبداللہ بن زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ اپنے والد (زید بن اسلم مولی عمر بن الخطاب) سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے دس حضرات قرارت خلف الامام سے بہت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (عمدۃ القاری) عینی سند مذکور ہے اس کے سب راوی ثقہ ہیں عبداللہ بن زید کو امام بخاری اور امام احمد نے ثقہ کہا ہے اور محدثین سند کا جو حصّہ حذف کرتے ہیں اس میں کلام نہیں ہوا کرتا۔

پس اثر عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اثر علی رضی اللہ عنہ میں بھی محرم کو مبیح پر ترجیح دی جائے گی یا ممانعت کو جہری نماز پر اور اجازت کو سری نماز پر محمول کیا جائے گا جس کی تائید جزء القراءۃ بیہقی کے اس اثر سے ہوتی ہے۔

عن علی قال من السنۃ ان یقرأ الامام فی الرکعتین الاولیین من صلوٰۃ الظهر بام الکتاب وسورۃ سرا فی نفسہ و ینصتون من خلفہ ویقرؤن فی انفسهم

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز کی سنت یہ ہے کہ امام ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ آہستہ پڑھے اور اس کے پیچھے والے خاموش رہیں دِل دل میں پڑھیں"۔ امام بیہقی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور اس میں صاف تصریح ہے کہ مقتدی خاموش رہیں، پھر اس سے سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانے کا وجوب بھی ثابت ہے جس کے اہلِ حدیث قائل نہیں حنفیہ قائل ہیں۔

اثر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

تیسرا اثر، ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا کہ میں نماز میں پڑھوں؟ فرمایا کہ اس گھر کے (بیت اللہ کے) رب سے مجھے شرم آتی ہے کہ میں نماز پڑھوں اور اس میں قرارت نہ کروں اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءۃ میں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرارت کا ذکر ہے کہ نماز میں قرارت ضرور ہونا چاہیئے اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو۔ اس کو غیر مقتدی پر محمول کیا جائے گا کیونکہ ابوالعالیہ نے ہی مرسلاً روایت کیا ہے کہ لوگ امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے تو آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا نازل ہوئی فسکت القوم وقرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم "پھر لوگ خاموش رہتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرارت کرتے تھے"۔ اور مؤطا مالک سے اصح الاسانید کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب مذکور ہو چکا ہے کہ جب ان سے سوال کیا جاتا کیا امام کے پیچھے قرارت کی جائے؟ تو فرماتے کہ امام کے پیچھے جو شخص نماز پڑھے اس کو امام کی قرارت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قرارت کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد نافع نے کہا کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے اور بیہقی نے بھی جزء القراءۃ میں سند صحیح کے ساتھ قاسم بن محمد سے یہی روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر امام کے پیچھے قرارت نہ کرتے تھے خواہ وہ جہر کرتا یا نہ کرتا۔

پس ابوالعالیہ کی یہ روایت ان کے معارض نہیں ہو سکتی اس کو امام اور منفرد پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر اس کا یہ لفظ کہ اگرچہ سورۂ فاتحہ ہی ہو بتلا رہا ہے کہ عبداللہ بن عمر کے نزدیک قرارت کے لئے سورۂ فاتحہ متعین نہیں اور یہ صاحب تکمیل البرہان کو مضر ہے۔ کیونکہ وہ تعیینِ فاتحہ اور اس کی رکنیت کے قائل ہیں۔ اسکے بعد کنز العمال سے جو اثر عبداللہ

ابن عمر کا نقل کیا ہے اس میں کاتب نے غلطی کی ہے وہ دراصل عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اثر ہے ملاحظہ ہو جزء القراءۃ للامام البیہقی ص۴۵ اور اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح ضعیف ہے (تقریب ص۱۰۲) پھر اسمیں امام کے پیچھے قرارت کا مطلقاً ذکر نہیں بلکہ امام سے پہلے یا سکتہ کی حالت میں پڑھنے کا ذکر ہے اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ نیز اس میں یہ لفظ بھی ہے ' من صلی مکتوبة او سبحة فلیقرأ بام القرآن وقرآنا معها۔ "جو شخص فرض نماز پڑھے، یا نفل وہ سورۂ فاتحہ بھی پڑھے اور اسکے ساتھ کچھ اور بھی قرآن سے پڑھے" جس سے فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کا وجوب صاف معلوم ہو رہا ہے مگر اہلِ حدیث اسکے قائل نہیں۔ اگر اس اثر سے مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب کیا جائے گا تو ایک سورت یا چند آیات کا پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اسکا کوئی بھی قائل نہیں پس یہ اثر اتفاقاً متروک العمل ہے۔

اثر ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

چوتھا اثر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرارت کرتے تھے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ وہ امام سے پہلے یا اسکے سکتات میں قرارت کرتے تھے اور اسکو ہم بھی منع نہیں کرتے جیسا آئندہ اثر میں اس کی صاف تصریح ہے۔

اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

پانچواں اثر عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ہے وہ قرارت خلف الامام کرتے تھے۔

مگر صاحبِ تکمیل نے خود ہی کنز العمال کے حوالہ سے اس کی تشریح بھی نقل کردی ہے کہ وہ فرماتے تھے جب تو امام کے ساتھ ہو تو سورۂ فاتحہ اس سے پہلے یا اس کے سکتات میں پڑھ لیا کر، اور اس کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام کے ذمہ کسی دلیل سے بھی سکوت واجب نہیں۔

اثر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

چھٹا اثر حضرت ابوہریرہ کا ہے کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج ہے، (ناقص ہے) تو ابو السائب نے کہا کہ جب میں امام کے ساتھ ہوں اور وہ جہر کے ساتھ قرارت کر رہا ہو تو کیا کروں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا ویلك یا فارسی اقرأ بها فی نفسك الخ

اس کا ترجمہ صاحبِ تکمیل نے یوں کیا ہے کہ "سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرو"۔ اور ہمارے

نزدیک اس کا ترجمہ یہ ہے کہ" دل دل میں پڑھ لیا کرو" کیونکہ ابو داود و نسائی وغیرہ میں بسند صحیح ابوہریرہ ہی سے روایت ہے اذا قرأ الامام فانصتوا۔ کہ جب امام قرأت کرے توخاموش رہو اور قرأت قلبی کا قرأت ہونا لغۃً و عرفاً ثابت ہے جیسا ہم پہلے بتلا چکے ہیں، پس دونوں روایتوں پر عمل کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابوہریرہ مقتدی کے لئے وجوب انصات کے بھی قائل ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنا واجب ہے اور دل دل میں قرأت کو جائز سمجھتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔

اثر عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

ساتواں اثر عبداللہ بن مغفل کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن مندہ نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن مغفل سے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ میں نے صحابہ میں سے ایک بزرگ سے سوال کیا (راوی کہتا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن مغفل کا نام لیا تھا) کیا ہر شخص پر جو قرآن سنے اس کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہے؟ فرمایا یہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو اور خاموش رہو) قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جب امام قرأت کرے تو اس کو سنو اور خاموش رہو (زیلعی ص۲۳۲ ج ۳) پس اگر جزء القراءۃ بخاری کی روایت میں لفظ خلف الامام کی زیادتی شاذ و منکر نہیں ہے تو کہا جائے گا کہ عبداللہ بن مغفل امام کے ساتھ ساتھ قرأت نہ کرتے تھے اس سے پہلے یا درمیانی سکتہ میں قرأت کرتے ہونگے۔ پھر اس روایت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے کا بھی ذکر ہے کیا صاحب تکمیل اس کو امام یا مقتدی کے ذمہ واجب کہیں گے؟ اگر نہیں تو ایسا اثر بیان کرنے سے کیا فائدہ جس پر خود عمل نہیں کرتے۔

اثر ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

آٹھواں اثر ابو نضرہ کا ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا انھوں نے فرمایا سورۂ فاتحہ (پڑھ لیا کرو)

میں کہتا ہوں اس حدیث کو ابو داود نے ابو نضرہ ہی سے روایت کیا ہے جیسا خود صاحب

تکمیل نے نقل کیا ہے اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں قال امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسر۔ "ہم کو امر کیا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو" اور اہلِ حدیث سورۂ فاتحہ کے بعد اور کچھ پڑھنے کو واجب نہیں کہتے۔ ترمذی و ابن ماجہ میں بھی حضرت ابو سعید خدری کی یہ روایت موجود ہے اس میں بھی لفظ خلف الامام موجود نہیں۔ ابن عدی نے کامل میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اسحٰق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے مسند اہلِ شام میں اسی حدیث کو روایت کیا ہے ان حضرات کی روایتوں میں بھی خلف الامام کا نشان نہیں۔ طبرانی نے اس کو ابو نضرہ سے ابو سعید سے بایں الفاظ روایت کیا ہے لا صلوٰۃ الا بام القرآن ومعہا غیرہا۔ "نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہو" اور کامل کے الفاظ یہ ہیں لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وسورۃ معہا "نماز نہیں ہوتی مگر سورۂ فاتحہ سے اور اس کے ساتھ ایک اور سورۃ ہو" ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ بالحمد وسورۃ فی فریضۃ وغیرہا۔ "نماز نہیں ہے اس شخص کی جو ہر رکعت میں الحمد اور ایک سورت نہ پڑھے فرض ہو یا نفل" (اعلاء ص۱۸۲ ج۳)

اب اگر اس کو قرارت خلف الامام پر محمول کیا گیا تو صاحب تکمیل کو قائل ہونا چاہیئے کہ امام اور مقتدی کے ذمہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک اور سورت بھی پڑھنا واجب ہے حالانکہ وہ اسکے قائل نہیں پھر ایسے آثار کے نقل کرنے سے کیا فائدہ جن پر وہ خود عمل نہیں کرتے؛

اس کے بعد صاحب تکمیل نے حنفیہ کی طرف ایک مغالطہ منسوب کیا ہے کہ بوقت تعلیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ[1] کو فاقرأ ما تیسر معك من القرآن فرمایا تھا کہ قرآن سے جو تجھے آسان ہو وہ پڑھ لیا کر (خاص سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا) اس سے معلوم ہوا کہ فرض قرارت ادا کرنے کے لئے فاتحہ کی خصوصیت نہیں ایک دو آیت کسی سورت کی پڑھنے سے بھی فرض ادا ہوجائے گا، اس کے جواب میں صاحب تکمیل کہتے ہیں کہ "حافظ صاحب (یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے ای بعد الفاتحۃ یعنی فاتحہ کے بعد جو سورت تجھے یاد ہو اور آسان ہو وہ پڑھ لیا کر جیسا کہ ابو داود میں رفاعۃ بن رافع کی حدیث میں ثم اقرأ بام القرآن صاف موجود ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیئ الصلوٰۃ کو فرمایا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو سورت آسان ہو پڑھ لیا کرو یہ

---

[1] یعنی نماز کو بری طرح پڑھنے والا یہ حدیث اسی عنوان سے بیان کی جاتی ہے۔ ظ

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو قرأت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسکا تعلق منفرد کی نماز سے ہے اور منفرد کے ذمہ ہمارے نزدیک بھی سورۂ فاتحہ اور ایک سورت یا دو تین آیتیں پڑھنا واجب ہے مگر صاحب تکمیل کے نزدیک فاتحہ کے علاوہ اور کچھ پڑھنا واجب نہیں اگر اس حدیث کو قرات خلف الامام سے متعلق کہا جائے گا تو ان کو قائل ہونا چاہیئے کہ امام اور مقتدی دونوں پر سورۂ فاتحہ کے بعد اور بھی کچھ پڑھنا واجب ہے۔ رہا حنفیہ کا یہ کہنا کہ حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو۔ یہ مغالطہ ہرگز نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی دو صحابی ہیں ایک ابوہریرہ دوسرے رفاعہ بن رافع۔ حضرت ابوہریرہ کی تمام روایتوں میں یہی ہے ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن "پھر قرآن میں سے جو تم کو آسان ہو پڑھو" کسی روایت میں بھی ام القرآن یا سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں اور رفاعہ بن رافع کی حدیث میں بھی اکثر راویوں نے یہی کہا ہے۔ صرف ایک راوی محمد بن عمرو نے ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ کہا ہے "پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو اللہ چاہے پڑھو" یہ ابو داود کے الفاظ ہیں اور ایسے ہی محمد بن عمرو کی روایت میں امام احمد اور ابن حبان کے یہ الفاظ ہیں ثم اقرأ بام القرآن وبما شئت "پھر سورۂ فاتحہ پڑھو اور جو تمہارا جی چاہے پڑھو"۔ خود حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص۲۳۱ ج ۲) میں اس کی تصریح کی ہے قولہ ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن لم تختلف الرواۃ فی ھذا عن ابی ھریرۃ و اما رفاعۃ ففی روایۃ اسحٰق المذکورۃ یقرأ ما تیسر من القرآن مما علمہ اللہ وفی روایۃ یحییٰ بن علی فان کان معک قرآن فاقرأ والا فاحمد اللہ وکبرہ وھللہ وفی روایۃ محمد بن عمرو عند ابی داود ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء ولاحمد وابن حبان من ھذا الوجہ ثم اقرأ بام القرآن ثم اقرأ بما شئت اھ پس محمد بن عمرو کی یہ زیادت شاذ ہے اور حدیث شاذ اصول حدیث پر صحیح نہیں ہوسکتی خصوصاً جبکہ محمد بن عمرو ثقہ متفق علیہ بھی نہیں یحییٰ بن معین اور جوزجانی اور یعقوب بن شیبہ اور ابن سعد نے انکی تضعیف کی ہے اور جن لوگوں نے توثیق کی ہے وہ بھی اس کو خطا اور قلت ضبط سے مجروح کرتے ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب (ص۳۷۶، ۳۷۷ ج ۹) ایسے راوی کا تفرد محدثین کے اصول پر قابل قبول نہیں اور پھر یہ زیادت نص قرآن کیخلاف ہے۔ قرآن میں فاقرؤا ما تیسر من القرآن وارد ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو۔

سورۂ فاتحہ کی قید نہیں پس جو روایت نصِّ قرآن کے موافق ہوگی وہی راجح ہے اور جو نصِ قرآن پر زیادت کو ثابت کرے گی اس کو نص قرآنی کے برابر نہیں کیا جاسکتا اس لئے ہم کہتے ہیں کہ فرض تو اتنی ہی قراءت ہے جو آسان ہو (یعنی کم از کم ایک آیت) اور خبر واحد میں جو زیادت مذکور ہے وہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے اس صورت میں نص قرآن پر بھی عمل ہوگیا اور حدیث پر بھی اور قراءت فاتحہ کو فرض قرار دینے کی صورت میں نص کا ابطال لازم آئے گا اور یہ گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ خبر واحد کو نص قرآن کے برابر کیا جائے۔ اب صاحب تکمیل البرہان اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ مغالطہ دینے والا اور خبر واحد کی بناء پر نصِّ قرآن کو باطل کرنیوالا کون ہے وہ یا ہم؟ رہا یہ دعوی کہ قرآن اور حدیث میں ما تیسر (جو آسان ہو) سے مراد فاتحہ ہے زبردستی ہے۔ سورۂ والعصر اور انّا اعطینٰک الکوثر اور قل ھو اللہ احد سے زیادہ آسان سورۂ فاتحہ کیونکر ہوسکتی ہے جس میں دو جگہ لفظ ضآد ہے۔ جس کا صحیح پڑھنا عوام و خواص کو بھی دشوار ہے اور اس کی وجہ سے اب تک ہنگامہ رہا ہے کہ ضاد مشابہ ظاء ہے یا مشابہ دال۔

فرض وواجب کا فرق

علامہ شعرانی شافعی میزان میں فرماتے ہیں فرحم اللہ ابا حنیفۃ حیث غایر بین لفظ الفرض والواجب وبین معناھما فجعل ما فرضہ اللہ تعالٰی اعلٰی مما فرضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان کان لا ینطق عن الھوی ادبًا مع اللہ تعالٰی و نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجمل ابا حنیفۃ لانہ یحب رفع رتبۃ تشریع ربہ علی تشریعہ ھو ولو کان ذٰلک باذنہ تعالٰی ولم ینظر الی ذٰلک من جعل الفرض الواجب مترادفین وقال الخلف لفظی والحق انھما عند الامام ابی حنیفۃ متفاضلان الخلف معنوی کما ھو لفظی اھ (فتح الملہم ص۱۹ ج ۲)

ترجمہ: اللہ تعالٰی امام ابوحنیفہ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے فرض اور واجب میں فرق کیا اور دونوں کے معنی الگ الگ بیان کردیئے کہ جس عمل کو اللہ تعالٰی نے فرض کیا ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کئے ہوئے عمل سے اعلیٰ قرار دیا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے۔ امام ابوحنیفہ نے اللہ تعالٰی کا ادب ملحوظ رکھا اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھی امام

ابو حنیفہ کی تعریف کرتا ہے کیونکہ آپ کو بھی یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تشریع کو آپ کی تشریع سے بلند رُتبہ میں رکھا جائے اگرچہ آپ کی تشریع بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے اس نکتہ کی طرف ان لوگوں کی نظر نہیں پہنچی جو فرض و واجب کو برابر سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض و واجب کا درجہ ایک دوسرے سے کم ہے۔ دونوں میں لفظی فرق کے ساتھ معنوی فرق بھی ہے اھ

صاحب تکمیل البرہان نے علامہ شعرانی کا ایک قول نقل کیا ہے اس کے ساتھ اس قول کو بھی ملا کر دیکھیں تو حقیقت واضح ہو جائیگی کہ قرآن و حدیث کے احکام کو برابر کرنا صحیح نہیں جو حکم قرآن سے ثابت ہو اسکو فرض اور جو حدیث سے ثابت ہوا سے واجب کہنا چاہیئے۔

اثر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا :

نواں اثر حضرت عائشہ کا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرارت کا امر کرتی تھیں۔

اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں۔ نہ یہ تصریح ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ نماز جہری میں قرارت کا امر کرتی تھیں یا نماز سری میں اور جہری نماز میں امام کے سکتات میں۔ پس اس میں اہل حدیث کے لئے کوئی حجت نہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ دس صحابہ جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں قرارت خلف الامام سے بہت سختی سے منع فرماتے تھے۔ ان صحابہ کا قول نصِ قرآن و اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا اور حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا، کے موافق ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو اور جب امام قرارت کرے تم خاموش رہو۔ پس ترجیح اسی کو ہوگی۔ حضرت عائشہ کے قول مجمل سے قرآن و حدیث صحیح کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس میں تاویل کی جائے گی کہ سری نماز میں یا جہری کے سکتات میں قرارت کا امر کرتی ہونگی۔

اثر جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

دسواں اثر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ہم امام کے پیچھے ظہر و عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔

تو کیا صاحب تکمیل اس کے قائل ہیں کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی ایک سورت پڑھنا واجب ہے۔ اگر وہ اس کے قائل نہیں تو ایسا اثر خود اُن پر حجت ہے جس

پر وہ عمل نہیں کرتے۔ پھر یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ ابن ماجہ نے اس کو یزید فقیر کے واسطہ سے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور بیہقی نے جزء القراءۃ میں یزید فقیر ہی کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے مگر اس میں خلف الامام کا ذکر نہیں صرف اتنا ہے کہ وہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے۔ پھر بیہقی نے عبید اللہ بن مقسم سے حضرت جابر سے روایت کیا اس میں بھی خلف الامام کا ذکر نہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ نماز میں قرات کی سنت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت پڑھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔ پھر اعمش کے واسطہ سے یزید فقیر سے حضرت جابر سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا اقرأ فی الاولیین بالحمد وسورۃ وفی الاخریین بالحمد کہ پہلی دونوں رکعتوں میں الحمد اور ایک سورت پڑھو اور پچھلی دو میں الحمد پڑھو۔ پس ایسی مضطرب روایت سے اس حدیث کا معارضہ نہیں ہو سکتا جس کو امام مالک نے موطا میں بسند صحیح اور امام ترمذی نے جامع میں بسند حسن صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جس نے کسی نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (تو اس کی نماز بغیر قرات کے درست ہے) اور حافظ ابن حجر نے اس کو مشہور بتلایا ہے پھر ابن ماجہ کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کرتے تھے اور اسکو ہم بھی جائز کہتے ہیں یہ کہاں معلوم ہوا کہ وہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرتے تھے اور محل نزاع یہی صورت ہے۔

اثر عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

گیارہواں اثر حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جس کو ابوداؤد نے نافع بن محمود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ نے صبح کی نماز میں دیر کی تو ابونعیم نے نماز پڑھائی اتنے میں عبادہ آگئے اور میں انکے ساتھ تھا ہم ابونعیم کے پیچھے صف میں کھڑے ہوگئے ابونعیم اسوقت جہر سے قرارت کررہے تھے۔ عبادہ نے سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کردی۔ نماز سے فارغ ہوکر میں نے کہا کہ میں نے آپکو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا حالانکہ ابونعیم جہر سے قرارت کررہے تھے حضرت عبادہ نے کہا ہاں ہمکو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی الخ پھر اسکو تمہید ابن عبدالبر اور مستدرک حاکم سے نقل کیا گیا ہے اس میں محمود بن ربیع کی طرف اس سوال وجواب کو منسوب کیا گیا ہے۔

میں کہہ چکا ہوں کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اس کے اضطراب کی تفصیل بھی بیان کر چکا ہوں اور یہ کہ اس کے تمام طرق میں راجح وہی طریق ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے اختیار کیا ہے۔ اس میں صرف اتنا مضمون ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہے امام یا مقتدی کا اس میں اصلاً ذکر نہیں ہے اور سفیان بن عیینہ اور زہری اور امام احمد نے اس کو منفرد پر محمول کیا ہے اور جس طریق میں نافع یا محمود کا سوال وجواب مذکور ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت ائمۂ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر صاحب تکمیل البرہان کو یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ محمود بن ربیع صحابی صغیر ہے اور نافع تابعی متوسط ہے (کما فی التقریب مستور من الثالثۃ) ان دونوں کا حضرت عبادہ کی قرارت خلف الامام پر انکار کرنا کیا بتلاتا ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے حضرت عبادہ کے سوا کسی صحابی کو قرارت خلف الامام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور نہ ان دونوں کے نزدیک مقتدی کو قرارت خلف الامام جائز تھی اور نہ وہ اب تک قرارت خلف الامام کے عادی تھے جبھی تو حضرت عبادہ کی قرارت پر انکار کیا تو اگر ایک صحابی سے قرارت خلف الامام کا ثبوت ہو بھی گیا تو اس سے اہل حدیث کا مدعی کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جبکہ اسی اثر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس صحابی کے سوا دوسرے صحابہ قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

بارہواں اثر عبداللہ بن عباس کا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ پھر اسی کو عیزار بن حریث کے واسطہ سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کی سند میں ابو بکر بربہاری ہے جس پر دارقطنی اور محمد بن ابی الفوارس نے جرح کی ہے۔ اور ابو البرقانی اور ابن السرخسی نے کذاب کہا ہے۔ ابو الحسن بن الفرات نے اس کو مخلط کہا ہے یعنی روایت میں گڑ بڑ کرتا ہے۔ اس پر غفلت غالب تھی ہم ابو جمرہ کے واسطہ سے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر چکے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا جب امام میرے آگے ہو تو میں بھی قرارت کر لیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس کی سند حسن ہے۔ نیز ابن عباس ہی نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو امام کی قرارت کافی ہے خواہ وہ آہستہ پڑھے یا جہر کرے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ پس یا تو ایک روایت کو رد کیا جائے اور دوسری کو قبول کیا جائے جو نص قرآن اذا قریٔ القرآن فاستمعوا وانصتوا اور

حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہے یا دونوں کو اس طرح جمع کیا جائے کہ عبداللہ ابن عباس مقتدی کے حق میں قرارت کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نماز جہری میں امام سے پہلے یا سکتہ کے وقت قرارت کو مستحب جانتے تھے۔ اسی طرح نماز سری میں بھی۔ اور اس سے حنفیہ بھی منع نہیں کرتے جیسا مفصل بار بار گزر چکا ہے۔

اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ :

تیرھواں اثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ ابومریم کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مسعود کو امام کے پیچھے پڑھتے ہوئے سُنا۔

صاحب تکمیل کو یہ اثر نقل کرتے ہوئے شرمانا چاہئے۔ کیونکہ اس میں نہ سورۂ فاتحہ کا ذکر ہے نہ کسی اور سورت کا۔ ممکن ہے وہ ثنا یعنی سبحانک اللّٰھمّ وبحمدک الخ اور انّی وجّھت وجھی للذی فطر السّمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین پڑھ رہے ہوں جو مقتدی امام کی قرارت سے پہلے پڑھا کرتا ہے۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ وہ امام کی قرارت کیساتھ کچھ پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور انکے اصحاب کا مذہب مشہور ہے کہ وہ قرارت خلف الامام سے بہت سختی سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ہم پہلے اچھی طرح واضح کر چکے ہیں۔ ہاں اگر امام لحّان (غلط خواں جاہل) ہے تو اسکے پیچھے مقتدی کو قرارت کی اجازت دیتے تھے اور اسکے بعض فقہاء حنفیہ بھی قائل ہیں۔ روی الطبرانی فی الکبیر بسند رجالہ ثقات عن ابن مسعود انہ قال یا فلان لا تقرأ خلف الامام الّا ان یکون اماماً لا یقرأ (مجمع الزوائد) ای الا ان یکون الامام لحانا فحینئذٍ یجوز للمقتدی ان یقرأ خلفہ وھذا وجہ ذھب الیہ بعض اصحابنا (عمدۃ القاری)

"طبرانی نے بروایت ثقات عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے، انھوں نے فرمایا اے فلاں امام کے پیچھے قرارت نہ کرنا مگر یہ کہ امام قاری نہو (اُمّی ہو تو قرارت کر لیا کرو) (مجمع الزوائد) یعنی اگر امام غلط خواں جاہل ہو تو مقتدی کے لئے جائز ہے کہ اسکے پیچھے قرارت کرے۔ ہمارے بعض اصحاب اسکے قائل ہیں۔"

اسکے بعد صاحب تکمیل نے ترمذی کی ایک عبارت نقل کر دی ہے کہ حدیث عبادہ حدیث حسن صحیح ہے اور اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم وغیرہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے ان ہی میں سے حضرت عمر فاروق و جابر بن عبداللہ و عمران بن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں ان سب کا قول اور فتویٰ یہی ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز کام ہی کی نہیں بالکل بیکار ہے[1] اھ مگر حدیث عبادہ کے الفاظ نقل نہیں

---

[1] لا تجزئ صلوٰۃ کا یہ ترجمہ ایجاد بندہ ہے اسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز کافی نہیں - ۱۲ ظ

گئے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ "اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے"۔ تو اس سے کس کو انکار ہے حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے گفتگو قرارت خلف الامام میں ہے کہ مقتدی پر بھی قراءت فاتحہ واجب ہے یا نہیں۔ حدیث عبادہ میں اسکا ذکر نہیں اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ مقتدی کے لئے امام کی قرارت کافی ہے۔ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اور جس جگہ امام ترمذی نے قرارت خلف الامام کا ذکر کیا ہے وہاں محمد بن اسحٰق کے واسطہ سے محمود بن ربیع کی حدیث حضرت عبادہ سے نقل کر کے جس میں لا تفعلوا الا بام القراٰن آیا ہے" امام کے پیچھے نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ" یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اس حدیث کو زہری نے محمود بن ربیع سے حضرت عبادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں روایت کیا ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب وھذا اصح۔" اس شخص کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اور یہی زیادہ صحیح ہے" جس میں اشارہ کر دیا کہ محمد بن اسحٰق کا الا بام القراٰن زیادہ کرنا صحیح نہیں پس گفتگو قرارت فاتحہ میں نہیں ہے کہ اسکا وجوب امام و منفرد پر متفق علیہ ہے بلکہ قرارت خلف الامام میں گفتگو ہے۔ اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ سے مقتدی پر قراءت خلف الامام کا وجوب ثابت نہیں ہوتا امام ترمذی نے باب ترک القراءۃ خلف الامام منعقد کر کے امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل فرمایا ہے واما الامام احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ و احتج بحدیث جابر بن عبد اللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القراٰن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہٗ اھ (ص ۴۲)

"لیکن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے اور حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز کی کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صحابی نے یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو شخص تنہا نماز پڑھے اس کی

نماز بغیر قراءت فاتحہ کے نہیں ہوتی۔"

مقتدی کے لئے اس کو عام نہیں سمجھا تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بیہقی وغیرہ کا قول تو حجّت ہو اور امام احمد کا قول حجّت نہ ہو۔

اثر عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

اس کے بعد صاحب تکمیل البرہان نے جزء القراءۃ بیہقی سے حضرت عمران بن حصین کا قول نقل کیا ہے کہ کسی مسلمان کی نماز بغیر وضو اور بغیر رکوع اور بغیر سجود اور بغیر فاتحہ کے پاک نہیں ہوتی۔ امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

اس اثر کے جملہ اجزاء متفق علیہ ہیں بجز وراء الامام وغیر الامام کہ جس سے امام کے پیچھے قراءت فاتحہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ صاحب تکمیل کو لازم تھا کہ اس جزء کی صحت کو ثابت کرتے کیونکہ اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد الجصاص ہے جس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی اور ابوزرعہ اور ابوحاتم اور نسائی اور فضل غلابی اور دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف متروک، مذموم، منکر الحدیث کہا ہے اور اس کے معارض وہ حدیث ہے جو امام بیہقی ہی نے سلمۃ بن فضل سے حجاج بن ارطاۃ سے قتادہ سے زرارۃ بن اوفی سے حضرت عمران بن حصین سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور ایک شخص آپ کے پیچھے قراءت کر رہا تھا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا مجھ سے میری سورت میں کون منازعت کر رہا تھا؟ پھر آپ نے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کر دیا۔

امام بیہقی نے اس میں یہ کلام کیا ہے کہ نہی عن القراءۃ خلف الامام" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد قراءت خلف الامام سے منع فرما دیا" تنہا حجاج بن ارطاۃ نے اس حدیث میں زیادہ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حجاج بن ارطاۃ محمد بن اسحٰق سے زیادہ قوی ہے جس کی روایت کو بیہقی اور اہل حدیث بار بار حجّت میں پیش کرتے ہیں حجاج بن ارطاۃ سے امام مسلم نے مفرداً روایت کی ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً اس سے استشہاد کیا ہے۔ شعبہ اسکی بہت تعریف کرتے تھے۔ اسی طرح حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری نے اس کے تیقظ اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور جملہ ائمہ حدیث اس سے روایت کرتے ہیں ترمذی نے اسکی بعض احادیث کی تصحیح کی ہے اور اکثر کی تحسین کی ہے اور اس سے روایت کرنے والا سلمۃ بن الفضل بھی ثقہ ہے

یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی اسی طرح ابوداود اور ابن سعد اور امام احمد نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ پس جصاص کی روایت سے احتجاج کرنا اور حجاج بن ارطاۃ کی روایت سے اعراض کرنا انصاف سے بعید ہے اور اپنے مذہب کی حمایت کے سوا کچھ نہیں۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے تابعین کے فتاوی بھی نقل کئے ہیں۔ گو اہل ظاہر کو تابعین کے اقوال سے احتجاج کرنا زیب نہیں دیتا جن کے نزدیک حدیث مرفوع کے سوا قول صحابی بھی حجت نہیں ہے۔

اثر سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ:

سب سے پہلے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتوی نقل کیا گیا ہے مگر ترجمہ نہیں کیا کیونکہ وہ مؤلف کے خلاف تھا۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ان سے عبد اللہ بن عثمان بن خیثم نے سوال کیا کہ کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ فرمایا۔ ہاں اگرچہ اس کی قراءت کو سنتے بھی ہو لوگوں نے آجکل نیا طریقہ نکالا ہے جو سلف نہیں کرتے تھے۔ سلف کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی امام بنتا تھا تو وہ تکبیر (تحریمہ) کہہ کر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ اسکے خیال میں مقتدی اس کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ چکے ہوں پھر وہ قراءت کرتا اور لوگ خاموش رہتے۔

میں کہتا ہوں اس اثر میں سلف کا جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ وہ امام کے ساتھ قراءت نہ کرتے تھے بلکہ سکتۂ امام میں قراءت کرتے تھے اور امام کی قراءت کے وقت خاموش رہتے تھے اور اس صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔ سکتۂ امام میں قراءت کو ہم بھی جائز کہتے ہیں اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ امام پر سکتۂ طویلہ کا واجب ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور خود سعید بن جبیر کا جو قول بیان کیا گیا اس کے خلاف مصنف ابن ابی شیبہ میں بواسطہ ہشیم کے سعید بن جبیر کا یہ فتوی مذکور ہے کہ سے قراءت خلف الامام کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا امام کے پیچھے قراءت نہیں ہے اور اس سب راوی ثقہ ہیں جن سے اصحاب صحاح نے احتجاج کیا ہے۔ پس ان کا جو فتوی نص قرآن حدیث صحیح اذا قرأ الامام فانصتوا کے موافق ہوگا وہی راجح اور صحیح ہوگا۔

فتوی حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ:

اس کے بعد امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا فتوی نقل کیا گیا ہے کہ ان سے نماز ظہر اور عصر میں (صاحب تکمیل نے یہ جملہ حذف کر دیا ہے مغالطہ دینا اسکو کہتے ہیں

قرارت خلف الامام کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا سعید بن جبیر پڑھتے تھے۔ میں نے کہا آپکا فتوی کیا ہے؟ فرمایا میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں کہ قرارت کرو۔

اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن جبیر صرف ظہر و عصر میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے۔ اسی کو حماد نے پسند کیا۔ اور ایک روایت میں جس کو صاحب ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے، گفتگو صرف اس صورت میں ہے کہ امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اس کے متعلق صاحب تکمیل کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ اس حالت میں بھی مقتدی پر قرارت واجب ہے۔

فتوی مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ

اس کے بعد مکحول شامی کا فتوی نقل کیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ مکحول نے صرف دو تین صحابہ کو دیکھا ہے ان کے فتوی کی محمد بن سیرین کے فتوی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں جو فرماتے ہیں کہ میں امام کے پیچھے قرارت کرنے کو سنت نہیں سمجھتا جیسا بسند صحیح ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں۔

رہا امام بخاری کا جزء القراءۃ میں یہ فرمانا کہ "تابعین میں سے فلاں فلاں (گیارہ حضرات) قرارت خلف الامام کے قائل و عامل تھے"۔ اس کے متعلق سند اور الفاظ کا سامنے ہونا ضروری ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حضرات نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت کے قائل ہوں اور اس کو ہم بھی منع نہیں کرتے۔ امام بخاری نے بہت سے صحابہ اور تابعین کا نام قرارت خلف الامام کے قائلین میں شمار کر دیا ہے حالانکہ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً اس کے قائل نہ تھے بلکہ نماز سری میں یا جہری کے سکتات میں قرارت خلف الامام کے قائل تھے اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ اس صورت میں نزاع نہیں۔ چنانچہ صاحب تکمیل نے حضرت سعید بن جبیر اور ابو سلمہ اور حسن بصری کا فتوی اپنی تائید میں نقل کر دیا حالانکہ اول و دوم سکتۂ امام میں قرارت کے قائل ہیں اور امام حسن بصری فی نفسک کی قید بڑھاتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لیا کرو اور اس کو کوئی منع نہیں کرتا۔ صاحب تکمیل کا یہ ترجمہ کہ "آہستہ پڑھ لیا کرو" ہم پر حجت نہیں۔ پھر جزء القراءۃ امام بخاری کے حوالہ سے یہ بھی لکھ دیا کہ حسن بصری و سعید بن جبیر اور میمون بن مہران وغیرہ بے شمار تابعین نے امام کے پیچھے قرارت کرنے کو کہا ہے۔ حالانکہ حسن بصری اور سعید بن جبیر کے الفاظ سے سکتۂ امام کے وقت یا دل میں پڑھنے کی قید صاف مذکور ہے۔

اثر عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ: عطاء بن ابی رباح کا فتوی حنفیہ کے موافق ہے اہل حدیث کے

موافق نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب امام جہر سے قرارت کرے تو مقتدی جلدی کرے اور امام کے سکوت میں سورۂ فاتحہ پڑھے اور جب امام قرارت کرے تو خاموش رہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا قرارت خلف الامام کے متعلق نازل ہوئی ہے اور مقتدی پر امام کی قرارت کے وقت خاموش رہنا واجب ہے۔

اثر مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ :

رہا مجاہد کا فتویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت نہ کرے اس کو نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح عبداللہ بن زبیر نے فرمایا ہے۔ اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر نہیں نہ اس کا ذکر ہے کہ امام کے ساتھ قرارت کرے یا اس کے سکوت کے وقت۔ اس لئے اس سے حجّت قائم نہیں ہوسکتی۔ ہم نے گذشتہ اوراق میں امام احمد کا قول کتاب المغنی سے نقل کر دیا ہے کہ مقتدی کے ذمّہ امام کے پیچھے قرارت کا واجب نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے ہوئے نہیں سُنا کہ جب امام قرارت جہراً کرے اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث (بن سعد) انمیں سے کوئی نہیں کہتا کہ جس نے امام کے پیچھے قرارت نہ کی ہو اور امام نے قرارت کی ہو تو نماز باطل ہے۔ اھ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک یا تو مجاہد اور عبداللہ بن زبیر کا فتویٰ مذکورہ بسند صحیح ثابت نہیں یا اس کا وہ مطلب صحیح نہیں جو اہل حدیث نے سمجھا ہے۔

فتویٰ امام اوزاعی ولیث بن سعد :

اسی طرح صاحب تکمیل نے تمہید ابن عبدالبر سے امام اوزاعی اور لیث بن سعد کا جو فتویٰ نقل کیا ہے کہ وہ مقتدی کے ذمہ قرارت خلف الامام کو ضروری سمجھتے تھے قابل قبول نہیں۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اقوال علماء کو ان سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام لیث بن سعد مصری کے متعلق تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ وہ حنفی تھے۔ معانی الآثار طحاوی میں باب قرارت خلف الامام میں لیث بن سعد کی روایت امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر بن عبداللہ سے موجود ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہٗ

قراءۃ ۔ جو شخص امام کے ساتھ (نماز پڑھتا) ہو تو امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے ۔

لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتا تھا اور ان سے ملنے کا مشتاق تھا پھر میں نے مکہ میں ان کو اس حالت میں پایا کہ لوگ ان پر ہجوم کئے ہوئے تھے اور (مسائل شرعیہ میں) فتوی طلب کر رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے اپنی کسی خاص حاجت میں فتوی پوچھا تو مجھے ان کے فی البدیہہ جواب سے بڑا تعجب ہوا۔ (فیض الباری ص۲۸۷ ج ۱) اس سے بھی ان کا حنفی ہونا ثابت ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ حدیث سننے سے پہلے وہ قراءت خلف الامام کے قائل ہوں جب یہ حدیث سنی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قراءت کافی ہے ۔ اس کے بعد قراءت خلف الامام کے قائل نہیں رہے۔

فتوی عبداللہ بن المبارک :

ترمذی سے عبداللہ بن مبارک کا جو قول نقل کیا گیا ہے کہ "میں امام کے پیچھے قراءت کرتا ہوں اور لوگ بھی قراءت کرتے ہیں مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم"۔ تو یہ بھی عبداللہ بن مبارک کا ارشاد دلائل اہل عراق سننے سے پہلے ہوگا کیونکہ بعد میں ان کا حنفی مذہب اختیار کرنا دنیا کو معلوم ہے۔ مؤرخین اور اصحاب طبقات نے ان کو حنفیہ میں شمار کیا ہے ۔ بعض لوگوں نے صرف اس لئے کہ وہ امام مالک سے روایت کرتے ہیں مالکیہ میں شمار کر دیا ہے مگر انکی فقہی کتابیں اقوال ابوحنیفہ سے مزین و مملو ہیں۔ امام مالک کا قول شاذ و نادر ہی بیان کرتے ہیں۔ ان کے اس قول سے الا قوم من الکوفیین (مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم) یہ سمجھنا کہ کوفہ والوں میں سے صرف ایک جماعت قراءت خلف الامام نہیں کرتی تھی باقی سب کرتے تھے۔ صاحب تکمیل کی خوش فہمی ہے ۔ اہل کوفہ عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب اور اصحاب علی کے مسلک پر تھے اور ان حضرات کا مذہب ترک قراءت خلف الامام مشہور و معروف ہے ۔

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق :

صاحب تکمیل کو علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد کر لینا چاہیئے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ "جو لوگ امام کے ساتھ قراءت سے (مقتدی کو) منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف و خلف ہیں اور ان کی تائید میں کتاب اللہ اور سنت صحیحہ بھی ہے اور جو لوگ مقتدی پر امام کے ساتھ قراءت کو واجب کہتے ہیں ان کی حدیث کو ائمہ (حدیث) نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واذا قرأ فانصتوا (جب امام) قرارت کرے تو خاموش رہو۔ امام احمد و اسحٰق (بن راہویہ) اور امام مسلم وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے۔ بخلاف اسکے کہ (جس سے فاتحہ خلف الامام کا وجوب ثابت کیا جاتا ہے) اس کو صحیح میں شامل نہیں کیا گیا اور چند وجوہ سے اس کا ضعیف ہونا ثابت ہو چکا ہے اور وہ صرف عبادۃ بن الصامت کا قول ہے اھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں۔

اس کے بعد صاحبِ تکمیل نے قرارت فاتحہ خلف الامام کا ثبوت ائمۂ کرام کے اقوال سے دینا چاہا ہے جن میں امام مالک اور امام احمد کو بھی شامل کر لیا ہے حالانکہ کتاب المغنی کے حوالہ سے ہم بتلا چکے ہیں کہ امام احمد کا قول وجوب قرارت فاتحہ خلف الامام ہرگز نہیں وہ تو اس بات پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں اور جہری نماز میں تو امام مالک اور احمد بن حنبل امام کے پیچھے قرارت کو ناجائز کہتے اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں البتہ سری نماز میں قرارت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں۔ بقیہ ائمۂ کرام کا مذہب بھی آپ نے ایسا ہی نقل کیا ہوگا جیسا امام احمد اور مالک کا مذہب نقل کیا ہے۔ اس لئے جب تک ان کے الفاظ سامنے نہ ہوں اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ صاحبِ تکمیل نے امام زہری کا نام بھی اسی فہرست میں شائع کر دیا ہے۔ حالانکہ ہم موطا مالک اور جزء القراءۃ بیہقی کے حوالہ سے دکھلا چکے ہیں کہ زہری نماز جہری میں قرارت خلف الامام کو سختی سے منع کرتے تھے۔ امام مسلم کا اپنی جامع صحیح میں اذا اقرأ الامام فانصتوا کی روایت کو داخل کرنا اور حدیث ابی موسیٰ وابی ہریرہ میں اس زیادت کو صحیح قرار دینا بتلا رہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک قرارت خلف الامام نہیں ہے بلکہ مقتدی کو خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس کے خلاف جب تک ان کے صحیح صاف الفاظ نہ ہوں اسوقت تک ان کو قرارت خلف الامام کرنے والوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ:

امام نووی کی جو عبارت صاحبِ تکمیل نے نقل کی ہے کہ جمہور علماء سلف و خلف کے نزدیک ہر رکعت میں فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اس میں قرارت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قرارت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی امام اور منفرد کے حق میں واجب کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: شاہ ولی اللہ صاحب کا مسلک حجۃ اللہ البالغہ سے

ہم نقل کرچکے ہیں کہ نماز جہری میں انکے نزدیک مقتدی کو خاموش رہنا واجب ہے وہ صرف سری نمازوں میں یا جہری کے سکتات میں قراءت خلف الامام کی اجازت دیتے ہیں اور اسمیں کسی کو اختلاف نہیں۔

اسی طرح تفسیر خازن سے جو عبارت نقل کی گئی ہے اسمیں بھی قراءت خلف الامام کا ذکر نہیں صرف قراءت فاتحہ کا وجوب مذکور ہے اور اسمیں گفتگو نہیں محل نزاع قراءت فاتحہ خلف الامام ہے۔ غرض امام نووی ہوں یا بغوی ان سب نے فقط سورۂ فاتحہ کا واجب ہونا بیان کیا ہے اس کو حنفیہ بھی مانتے ہیں گفتگو اسمیں ہے کہ امام کی قراءت سے یہ واجب مقتدی کے ذمہ سے ادا ہوتا ہے یا نہیں؟ سو امام احمد کے قول سے معلوم ہوچکا ہے کہ اہل اسلام میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ امام کے ساتھ اگر مقتدی قراءت نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے۔ پس صاحب تکمیل کا وجوب فاتحہ کے اقوال سے قراءت فاتحہ پر استدلال کرنا محض مغالطہ ہے

امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ :

امام رازی کا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی بین عبدی سے رکنیت فاتحہ پر استدلال کرنا جو وزن رکھتا ہے اہل علم اس کو اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ خبر واحد سے رکنیت ثابت کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو رکن اور واجب کے فرق سے ناواقف ہیں۔ پھر اس حدیث سے یہ بھی تو ثابت ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کا جزء نہیں جو امام رازی اور جملہ اہل حدیث کیخلاف ہے جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔

عمل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وتعامل خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم :

رہا یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور خلفاء راشدین نے نماز میں قراءت فاتحہ پر مواظبت اور مداومت کی ہے سو اس سے صرف امام اور منفرد پر قراءت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور حنفیہ اس کے قائل ہیں۔ قراءت فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس سے کیونکر معلوم ہوا؟ جبکہ حدیث صحیح میں مقتدی کو امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم ہے اذا قرأ الامام فانصتوا۔ اور نص قرآن سے بھی مقتدی پر استماع وانصات کا وجوب ثابت ہے۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ اور ہم بار بار بتلا چکے ہیں کہ بالاجماع یہ آیت قراءت خلف الامام سے منع کرنے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز ہم نے کتاب کشف الاسرار کے حوالہ سے گزشتہ اوراق میں بتلا دیا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے دس حضرات نے سختی کے ساتھ قراءت خلف الامام سے منع کیا ہے جن میں خلفاء اربعہ بھی شامل ہیں۔

مشایخ صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت مشایخ کرام و صوفیۂ عظام کے اقوال سے دینا چاہا ہے مگر یہاں بھی وہی مغالطہ دیا ہے کہ بعض حضرات نے قرارت سورۂ فاتحہ کو ضروری فرمایا تھا۔ آپ نے اس سے قرارت فاتحہ خلف الامام پر دلیل قائم کر دی حالانکہ قرارت فاتحہ کے واجب ہونے میں کسی کو کلام نہیں گفتگو قرارت خلف الامام میں ہے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے اسی طرح خواجہ بہاؤ الدین نقشبند اور خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کے اقوال سے صرف قرارت فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے نہ کہ قرارت خلف الامام کا۔ سلطان نظام الدین اولیار کے تذکرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ لکنہ یجوز القراءۃ بالفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ وکان یقرأھا فی نفسہ۔" وہ حنفی تھے لیکن قرارت فاتحہ خلف الامام کو جائز کہتے تھے اور فی نفسہٖ قرارت کرتے تھے۔" صاحب تکمیل کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے۔ ہمارے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ دل میں پڑھتے یا امام کی قرارت سے پہلے یا اسکے سکتہ میں تنہا قرارت فرماتے تھے ساتھ ساتھ قرارت نہ کرتے تھے۔ اگر وہ نماز جہری میں امام کے ساتھ قرارت کرتے تھے تو اسکا واضح ثبوت پیش کرنا چاہیئے اور یہ بھی بتلانا چاہیئے کہ حضرات صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین اور جمہور سلف وخلف کے مقابلہ میں ان حضرات کی رائے کیا وزن[1] رکھتی ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ :

اس کے بعد صاحب تکمیل نے قرارت خلف الامام کا ثبوت امام ابو حنیفہ اور علمار احناف کے اقوال سے دینا چاہا ہے۔ سب سے پہلے علامہ شعرانی کی میزان کبری کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ قرارت فاتحہ خلف الامام کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا نہ واجب ہے نہ سنت، یہ اُن کا پرانا قول ہے اور یہی مشہور ہوگیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بر سبیل احتیاط سری نماز میں قرارت فاتحہ مستحسن ہے مکروہ نہیں. اس پر صاحب تکمیل کا یہ حاشیہ کہ "یار لوگوں نے اس رجوع کو (یعنی دوسرے قول کو) مشہور نہ ہونے دیا جس کے باعث مسلمانوں میں فرقہ بازی

---

[1] اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ صاحب تذکرہ کا ثقاہت میں کیا مقام ہے؟ اور ان سے لیکر نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ تک سند کا کیا حال ہے؟ رشید احمد

دھڑابندی قائم ہوگئی" سراسر لغو ہے کیونکہ اول تو دونوں قولوں میں کچھ تعارض نہیں۔ پچھلے قول میں وجوب اور سنّیت کی نفی تھی دوسرے میں استحباب کا ذکر ہے کوئی بتلائے کہ انمیں تعارض کیا ہوا؟ پھر ہدایہ میں جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب اور داخلِ درس ہے یہ دوسرا قول مذکور ہے کہ امام محمد نے احتیاطاً سری نمازوں میں قرارت فاتحہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ ہدایہ سے زیادہ کونسی کتاب فقہ حنفی میں مشہور ہے؟ تو یہ کہنا غلط ہے کہ یار لوگوں نے دوسرے قول کو مشہور نہ ہونے دیا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور حضرت فقیہ الامت رشید الملّت قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبیل الرشاد میں اس کی تصریح کی ہے کہ جہری کے سکتات میں قرارت فاتحہ خلف الامام جائز ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ جہری نماز میں قرارت کرنا مقتدی کو منع ہے۔

صاحبِ تکمیل کا یہ کہنا کہ "جب امام صاحب اپنے ایک قول کو غلط سمجھ کر اس سے رجوع کر چکے پھر انکے ذمہ اس کو لگانا اور اس پر مباحثے اور مناظرے کر کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا کہاں تک دیانت وانصاف ہے الخ" سراسر لغو ہے۔ امام صاحب نے اپنے پہلے قول سے رجوع نہیں فرمایا نہ رجوع کی ضرورت تھی۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل کے قول سے ظاہر ہو چکا ہے کہ "اہلِ اسلام میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جب امام قرارت کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ قرارت واجب ہے۔ اور اگر وہ قرارت نہ کرے تو اس کی نماز فاسد ہے"۔

جماعت اہلحدیث فرقہ وارانہ فساد کی بانی ہے:

امام صاحب نے دوسرے قول سے صرف سری نمازوں میں احتیاطاً قرارت فاتحہ کو مستحسن اور مستحب فرمایا ہے جیسا صاحبِ ہدایہ نے امام محمد سے نقل کیا ہے اور یہ پہلے قول کے معارض نہیں اور جملہ کتب شروح میں یہ قول مذکور ہے۔ رہا اس مسئلہ میں مناظرے اور مباحثے کرنا، تو اس کی ابتداء جماعت اہلِ حدیث کی طرف سے ہوئی ہے انھوں نے صاحب تکمیل البرہان کی طرح حنفیوں کی نمازوں کو فاسد، باطل، بیکار کہہ کر آسمان سر پر اٹھالیا محض اس لئے کہ وہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے تو علماء احناف کو اس کا جواب دینے کی ضرورت پیش آئی جیسا اس وقت اس ناچیز کو تکمیل البرہان کے جواب میں قلم اُٹھانا پڑا۔ اگر جماعت اہلِ حدیث مسائل خلافیہ میں اسقدر شدت کے ساتھ نزاع نہ کرتی تو حنفیہ کو مناظرہ و مباحثہ کی اصلاً ضرورت نہ تھی۔ آخر مکہ و مدینہ میں بھی تو شافعیہ موجود ہیں جو قرارت فاتحہ

خلف الامام کو فرض جانتے ہیں مگر حنفیہ کی نمازوں کو باطل اور فاسد نہیں کہتے۔ وہ جانتے ہیں کہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے پاس بھی قرآن وحدیث اور عمل سلف وخلف سے دلائل موجود ہیں۔ اسلئے کسی کو حق نہیں کہ ایک دوسرے کے مسلک کو باطل اور نمازوں کو فاسد قرار دے۔ اسلئے وہاں ان مسائل میں مناظرہ ومباحثہ کی کبھی نوبت نہ آئی۔ پاکستان یا ہندوستان میں اسکی نوبت جماعت اہلحدیث کی دریدہ دہنی کی وجہ سے پیش آئی۔ والبادی اظلم۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ:

غیث الغمام کے حوالہ سے علامہ عینی کا جو قول شرح بخاری سے نقل کیا گیا ہے اس میں یہ لفظ تو ہے علی ان بعض اصحابنا استحسنوا ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات ومنہم استحسنہا فی غیر الجہریۃ ومنہم من رای ذلک اذا کان الامام لحانا (ص۱۲ ج۲)

"پھر ہمارے بعض اصحاب (حنفیہ) نے اس (قرارت خلف الامام) کو بر سبیل احتیاط تمام نمازوں میں اور بعض نے سری نمازوں میں اور بعض نے امام لحان (غلط خواں) کے پیچھے مستحسن سمجھا ہے" اھ مگر واجب نہیں سمجھا اور جہری نمازوں میں امام کی قرارت کے ساتھ مقتدی کو قرارت کی اجازت نہیں دی بلکہ اسکی قرارت سے پہلے یا پیچھے اجازت دی ہے تاکہ فرض انصات فوت نہ ہو کیونکہ مقتدی کے ذمہ قرارتِ امام کے وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے جس کی علامہ عینی نے اسی مقام پر تصریح کردی ہے۔ مگر علامہ عینی کی عبارت میں اس جگہ لفظ علیہ فقہاء الحجاز والشام نہیں ہے (کہ فقہاء حجاز وشام بھی اسی پر ہیں) اگر غیث الغمام میں اس جگہ یہ لفظ موجود ہے تو علامہ عینی کیطرف نسبت صحیح نہیں۔ اور اگر اس میں بھی یہ لفظ نہیں ہے تو یہ صاحبِ تکمیل کی ایجاد ہے علامہ عینی کی عبارت میں جس جگہ فقہاء حجاز وشام کا ذکر ہے وہ صاحبِ تکمیل کے لئے مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وقال الثوری والاوزاعی فی روایۃ وابو حنیفۃ وابو یوسف ومحمد واحمد فی روایۃ وعبد اللہ بن وہب والاشہب لا یقرأ المؤتم شیئاً من القرآن ولا بفاتحۃ الکتاب فی شیء من الصلوٰۃ وھو قول ابن المسیب وجماعۃ من التابعین وفقہاء الحجاز والشام علی انہ لا یقرأ معہ فیما یجہر بہ وان لم یسمعہ ویقرأ فیما یسر فیہ الامام اھ (ص۱۱ ج۲)

"امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا اور امام اوزاعی کا ایک روایت میں اور امام ابو حنیفہ وابو یوسف

اور محمد کا اور امام احمد کا ایک روایت میں اور عبداللہ بن وہب اور اشہب کا قول یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کچھ قرارت نہ کرے سورۂ فاتحہ بھی کسی نماز میں نہ پڑھے اور یہی قول سعید بن المسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا ہے اور فقہاء حجاز و شام کا مسلک یہ ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرارت نہ کرے اگرچہ اسکی قرارت کو سُنتا بھی نہ ہو اور سری نمازوں میں قرارت کرے"۔

مولانا عبدالحی، شیخ التسلیم اور ملا جیون :

اسکے بعد مولانا عبدالحی لکھنوی اور شیخ التسلیم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا گیا ہے سب کے اقوال میں صرف سری نمازوں میں قرارت خلف الامام کا استحسان ہے چنانچہ مولانا عبدالحی اور ملاّ جیون اُستاد عالمگیر کی عبارتوں میں امام محمد کے قول کا حوالہ صراحۃً موجود ہے اور امام محمد کے قول میں سری نمازوں کی قید صراحۃً مذکور ہے اور اسمیں کسی کو نزاع نہیں بلکہ ہم تو جہری نمازوں میں بھی امام کی قرارت سے پہلے یا پیچھے مقتدی کو قرارت فاتحہ کی اجازت دیتے ہیں۔ البتہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو منع کرتے ہیں کہ اس صورت میں فرض انصات فوت ہوتا ہے جس کی قرآن و حدیث میں تاکید ہے۔

امام رازی کا یہ قول کہ " امام ابوحنیفہ نے اس امر میں ہماری موافقت کی ہے کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی" اھ صاحبِ تکمیل کے لئے مفید نہیں کیونکہ الحمد پڑھنے کی صورت میں نماز کے باطل نہ ہونے سے قرارت خلف الامام کا استحباب یا وجوب کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

اس کے بعد دفع دخل مقدر کے طور پر صاحب تکمیل نے ملا علی قاری اور امام ابن الہمام کے اقوال کو مولانا عبدالحی لکھنوی کی عبارت سے رَد کیا ہے۔ اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ امام ابن الہمام اور ملا علی قاری کے سامنے مولانا عبدالحی کا کیا درجہ ہے؟ اس پر صاحبِ تکمیل کا خوش ہونا اور علماء حنفیہ کو الزام دینا بجز الغریق تشبث بالحشیش کے اور کیا ہے؟

صاحبِ تکمیل کی دریدہ دہنی :

اس کے بعد ان کا یہ کہنا کہ " زیادہ افسوس تو ان علماء حنفیہ پر آتا ہے، جو احادیث صحاح ستّہ پر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ حمیّتِ مذہبی کی وجہ سے روایات موضوعہ و مکذوبہ و آثار مختلفہ و باطلہ کو اپنی تصنیفات و تحریرات و حواشی میں درج کرکے اپنے عوام و جہلاء کو فتنے میں ڈالتے ہیں" اھ

یہ ہے وہ طرز کلام جو جماعت اہلِ حدیث کے اکثر افراد کا شیوہ ہے یہی لوگ فروعی ۱۵

مسائل میں شدت کے ساتھ نزاع کرنے والے ہیں۔ کیا صاحبِ تکمیل کو نظر نہیں آیا کہ علماء حنفیہ قرارت خلف الامام سے منع کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا پیش کرتے ہیں۔ اور ہم تبلا چکے ہیں کہ بالاجماع اور بالاتفاق یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حدیث صحیح انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام اسلئے مقرر کیا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے تو جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ اور جب قرارت کرے خاموش رہو" جس کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا اور ابو داود نے سند صحیح سے روایت کیا ہے اور دلیل میں لاتے ہیں، تو کیا مسلم اور ابو داود صحاح ستّہ سے خارج ہیں؟ پھر وہ حدیث صحیح من کان لہ امام فقراءتہٗ لہ قراءۃ سے استدلال کرتے ہیں۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے سنن میں، احمد بن منیع نے اپنی مسند میں امام محمد نے اپنی موطا اور کتاب الآثار میں روایت کیا ہے۔ پھر موطا امام مالک اور ترمذی اور مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبد الرزاق وغیرہ سے صحابہ و تابعین کے آثار بیان کرکے سلف و خلف کے تعامل سے اپنے مذہب کی تائید بیان کرتے ہیں تو کیا صاحبِ تکمیل کے نزدیک موطا امام مالک اور ترمذی وغیرہ کی یہ حدیثیں موضوع و مکذوب اور باطل ہیں؟ کچھ تو خدا کا خوف اور شرم و حیا کا پاس کرکے بات کرنا چاہیئے اور یہ ساری دلیری اور بیباکی اس برتہ پر ہے کہ خود صاحبِ تکمیل نے اپنے دلائل میں جزء القراءۃ بیہقی سے بہت سی احادیث و آثار ایسے نقل کئے ہیں جن کی سند ضعیف اور واہی ہے جیسا گزشتہ اوراق میں مفصّل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد مولانا عبد الحی لکھنوی کا یہ قول نقل کرکے کہ "بعض فقہاء نے جو یہ کہا[لہ] ہے کہ قرارت خلف الامام سے مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے یہ قول شاذ و مردود ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ انھوں نے مقتدی کے لئے سرّی نمازوں میں قرارت فاتحہ کو مستحسن سمجھا ہے"اھ عوام کو یہ دھوکہ دیا گیا ہے کہ مولانا عبد الحی اور امام محمد مقتدی کے ذمہ قرارت فاتحہ کو واجب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ مولانا عبد الحی کی عبارت میں سری نمازوں کی تصریح موجود ہے اور جہری نمازوں میں سکتات امام کی بھی قید مذکور ہے تاکہ استماع و انصات میں خلل واقع نہ ہو۔

[لہ] تفوہ کا ترجمہ صاحب تکمیل نے سخت بکواس کیا ہے یہ بے ادبی و گستاخی انہی کو مبارک ہو۔ لفظ تفوہ کے معنی تکلم اور نطق سے زیادہ نہیں۔ ۱۲ ظ

اس کے بعد جن علماء احناف سے قراءت خلف الامام کا جواز نقل کیا گیا ہے وہ سب سرّی نمازوں میں اور جہری نمازوں میں سکتات امام کے ساتھ مقید ہے۔ علماء حنفیہ میں امام کے ساتھ ساتھ فرض انصات کو ترک کر کے جواز قراءت کا کوئی بھی قائل نہیں۔

صاحبِ تکمیل کی دلائل حنفیہ پر تنقید :

اس کے بعد صاحبِ تکمیل نے مانعین قراءت فاتحہ خلف الامام کے دلائل سے بھی تعرض کیا ہے اور سب سے پہلے آیت قرآن واذا قریٔ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔"اور جب قرآن پڑھا جائے اس کو سنو اور خاموش رہو" کو پیش کر کے اپنی طرف سے ایک جواب دیا ہے مگر یہ کیا ضرور ہے کہ صاحبِ تکمیل کے جواب سے استدلال کرنے والے کی تشفی بھی ہو جائے۔ جواب تو ہر شخص ہر دلیل کا دے سکتا ہے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر جواب صحیح ہو۔ پھر ان لوگوں کو جو قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں دریدہ دہنی کے ساتھ مذہب پرست استخوان فروش وغیرہ وغیرہ کلمات واہیہ سے یاد کرنا اور انکے دلائل کو روایات موضوعہ و مکذوبہ پر مبنی کہنا کہاں کی تہذیب اور دیانت و انصاف ہے ؟ ہم بتلا چکے ہیں کہ بالاتفاق یہ آیت قراءت خلف الامام سے منع کرنے کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اسکی تصریح کی ہے اور تفسیر طبری وغیرہ سے بھی بہت آثار ہم نے گزشتہ اوراق میں بسند صحیح و حسن نقل کر دیئے ہیں۔

جن سے یہ بات واضح ہے کہ لوگ پہلے قراءت کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صاحبِ تکمیل کا یہ کہنا کہ" برادران احناف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی احادیث کو آیت ہذا کا معارض سمجھ کر ان احادیث کو نہیں مانتے" الخ بالکل غلط ہے بلکہ ہم ان احادیث کو امام یا منفرد پر محمول کرتے ہیں اور مقتدی کو امام کی قراءت کی وجہ سے قاری شمار کرتے ہیں تارک قراءت نہیں مانتے کیونکہ مسلم اور ابو داؤد کی صحیح حدیث اذا قرأ الامام فانصتوا صاف موجود ہے کہ "جب امام قراءت کرے تم خاموش رہو" اور ابن ماجہ و موطا محمد و مسند احمد بن منیع میں صحیح حدیث موجود ہے۔ من کان له امام فقراءۃ له قراءۃ "جو شخص امام کے ساتھ ہو امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے" حنفیہ حضرت عبادہ کی حدیث صحیح کو ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ اس کو بھی مانتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا اور من کان له امام فقراءۃ له قراءۃ سب کو

جمع کر کے یہ فرماتے ہیں کہ جہری نمازوں میں امام کی قراءت کے ساتھ قراءت کرنا منع ہے اس سے پہلے یا پیچھے سکتہ امام میں اور سری نمازوں میں قراءت خلف الامام جائز یا مستحسن ہے۔ مگر صاحب تکمیل اور اس کی جماعت ہی تارکِ قرآن وحدیث ہے جو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ ساتھ قراءت کو واجب کہتے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا اور حکم خداوندی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کی صریح مخالفت کرتے ہیں۔

حنفیہ کی دلیل قرآنی پر تنقید :

حنفیہ کی اس دلیل کا ایک جواب تو آپ نے یہ دیا ہے کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کی احادیث اس آیت کے معارض نہیں بلکہ مخصص ہیں اور تخصیص الکتاب بالسنۃ جائز ہے جبکہ حدیث متواتر ہو اور حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یقیناً متواتر ہے جیسا امام بخاری نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے تواتر الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر متواتر ہے کہ نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ کی قراءت کے ساتھ"۔

سوال از آسمان جواب از ریسمان اسی کا نام ہے۔ گفتگو قراءت فاتحہ خلف الامام میں ہے اور تواتر قراءت فاتحہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ قراءت سورۂ فاتحہ کے وجوب میں کسی کو نزاع نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ اور امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ قراءت فاتحہ نماز میں واجب ہے مگر امام کی قراءت مقتدی کے لئے کافی ہے وہ اس حالت میں تارک قراءت نہیں بلکہ بمنزلہ قاری کے ہے اور ان دونوں مقدمات کا ثبوت صحیح حدیث سے بار بار گزر چکا ہے۔ پس اگر صاحب تکمیل کو ہمت ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قراءت فاتحہ خلف الامام کا تواتر ثابت کریں۔ محض قراءت فاتحہ کا تواتر بیان کر کے عوام کو قراءت فاتحہ خلف الامام کا مغالطہ دینا محض دھوکہ ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک مشہور و متواتر وہ حدیث ہے جس کو تابعین نے بالاتفاق قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کا اختلاف ہے تو اس حدیث کو متواتر یا مشہور نہیں کہا جا سکتا۔ علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

فان قلت ھٰذا الحدیث مشھور فتجوز الزیادۃ بمثلہ قلت لا نسلم انہ مشھور لان المشھور ما تلقاہ التابعون بالقبول وقد اختلف التابعون فی ھذہ المسألۃ و لئن

سلمنا انہ مشھور فالزیادۃ بالخبر المشھور انما تجوز اذا کان محکما اما اذا کان محتملا فلا وھذا الحدیث محتمل کان مثلہ یستعمل لنفی الجواز ویستعمل لنفی الفضیلۃ کقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد - ولا صلوٰۃ بحضرۃ طعام - رواہ مسلم (الخ ص ۱۱ ج ۲)

(ترجمہ) اگر تم کہو کہ یہ حدیث مشہور ہے اور اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز ہے تو میں کہوں گا ہم اسکا مشہور ہونا تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مشہور وہ ہے جس کو تابعین نے قبول کیا ہو اور اس مسئلہ میں تابعین کے درمیان اختلاف ہے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ یہ مشہور ہے تو حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادت اسوقت جائز ہے کہ وہ (اپنے مدلول ومفہوم میں) محکم ہو۔ اور اگر محتمل ہو تو (اس سے زیادت کتاب اللہ پر جائز) نہیں۔ اور یہ حدیث (لا صلوٰۃ الا بقراءۃ ام القرآن) محتمل ہے کیونکہ اس قسم کا لفظ کبھی نفی جواز (وعدم صحت) کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی نفی فضیلت کے لئے جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسجد کے ہمسایہ کی نماز بغیر مسجد کے نہیں (اسکا مطلب بالاتفاق یہ ہے کہ بغیر مسجد میں ادا کئے اس کی نماز کامل نہ ہوگی یہ معنی نہیں کہ بالکل صحیح نہ ہوگی) اور (نیز آپ کا ارشاد ہے) کہ کھانے کے سامنے نماز نہیں اس کو مسلم نے روایت کیا ہے اھ اس کا بھی بالاجماع یہی مطلب ہے کہ جب بھوکے کے سامنے کھانا آجائے اسوقت کھانا چھوڑ کر نماز پڑھے گا تو نماز کامل نہ ہوگی یہ مراد ہرگز نہیں کہ نماز صحیح نہ ہوگی۔

پھر اس حدیث کو قرارت خلف الامام سے کوئی تعلق نہیں اس میں صرف قرارت فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کو ہم بھی واجب کہتے ہیں مگر مقتدی پر واجب نہیں کہتے۔ کیونکہ آیت قرآن اور صحیح حدیثوں میں مقتدی کو خاموش رہنے کا صریح حکم ہے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ اس تقریر سے صاحب تحمیل کی اس بات کا بھی جواب ہوگیا کہ "یہ آیت مکّی ہے اور قرارت فاتحہ کا حکم مقتدی کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں دیا ہے۔ پس کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الافتراض کے لئے ناسخ ہوسکتی ہے"؟ ان سے کوئی پوچھے کہ مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کونسی حدیث میں مقتدی کو قرارت فاتحہ کا حکم دیا ہے؟ اگر حضرت عبادہ کی حدیث لا تفعلوا الا بام القرآن مراد ہے تو ہم بتلا چکے ہیں کہ اس سے وجوب وہی ثابت کرسکتا ہے جس کو اصول اور قواعد عربیہ سے واقفیت نہ ہو ورنہ ہر سمجھدار فقیہ جانتا ہے کہ نہی کے بعد استثنار سے اباحت مستفاد ہوتی ہے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ پھر اسی حدیث کے الفاظ ابو داود میں اس طرح پر ہیں۔ ان کنتم لابد فاعلین فلا تفعلوا الا بام الکتاب۔" اگر تم امام کے پیچھے ضرورہی قرارت

کرنا چاہتے ہو تو سورۂ فاتحہ کے سوا نہ کیا کرو"۔ اس سے ہر عامی بھی اباحت ہی سمجھتا ہے وجوب نہیں سمجھ سکتا۔

پھر تفسیر فتح البیان سے جو نقل کیا گیا ہے کہ "صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم موجود ہے"۔الخ

بڑی جرأت ہے۔ بخاری و مسلم کی کسی حدیث میں قرارت خلف الامام کا حکم نہیں ہے۔ صاحب تکمیل البرہان کو خدا کا خوف کرکے بات کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایک حدیث میں بھی ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرارت کرنا چاہیئے۔ بلکہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں یہ حکم دیا ہے۔ اذا قرأ الامام فانصتوا "جب امام قرارت کرے تو تم خاموش رہو"۔ اور اس حدیث کو امام احمد اور مسلم اور مفسر طبری اور علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہم نے صحیح فرمایا ہے اور حدیث عبادہ میں لا تفعلوا الا بام القرآن کی زیادت کو امام احمد اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے جیسا کتاب المغنی اور علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ تنوع العبادات کے حوالہ سے اوپر گزر چکا ہے اور حدیث عبادہ کا جو حصہ صحیح ہے اس کو قرارت خلف الامام سے کچھ واسطہ نہیں وہ منفرد اور امام کے متعلق ہے جیسا خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے فرما دیا ہے قال هذا اذا کان وحدہٗ۔ "یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو"۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور آیت فاقرؤا ما تیسر من القرآن میں تعارض ثابت کرکے دونوں کو ساقط کرنا چاہا ہے اور نور الانوار و توضیح و تلویح کا حوالہ بھی دیدیا ہے حالانکہ تعارض کے لئے اتحاد محل شرط ہے جو یہاں مفقود ہے کیونکہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا۔ بالاتفاق قرارت خلف الامام کے متعلق ہے اور فاقرؤا ما تیسر من القرآن صلوٰۃ منفرد کے متعلق ہے۔ کیونکہ یہ آیت قیام اللیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور قیام اللیل جماعت سے نہیں ہوتا منفرداً ہوتا ہے۔ طلباء کو تعارض کا مطلب سمجھانے کے لئے مثال کے طور پر نور الانوار وغیرہ میں ان آیتوں کو پیش کر دیا گیا کہ شان نزول کو نہ دیکھا جائے تو ظاہر میں تعارض معلوم ہوگا ورنہ حقیقۃً تعارض ثابت کرنا مقصود نہیں جیسا فقہاء کے طرز عمل سے واضح ہے کہ وہ برابر دونوں آیتوں سے استدلال کرتے چلے آرہے ہیں ملاحظہ ہو عینی شرح البخاری صلا ج ۱۔

پھر حنفیہ پر صاحب تکمیل نے یہ الزام قائم کیا ہے کہ "اس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا

له وانصتوا سے حنفیہ نے خطبۂ جمعہ کے وقت خاموش رہنے کو واجب کہا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ جب خطیب آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھے تو سننے والا آہستہ درود پڑھ لے تو فاتحہ خلف الامام کے آہستہ پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں"؟

جواب یہ ہے کہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ آیت کا نزول بالاتفاق قرارت خلف الامام کے بارے میں ہے۔ خطبۂ جمعہ کو نماز کے ساتھ بعد میں ملحق کرلیا گیا ہے ورنہ مکہ میں جمعہ کی نماز اور خطبہ کہاں تھا؟ پس جس قدر استماع وانصات کی تاکید نماز میں ہے خطبہ میں نہیں ہے اسلئے بعض فقہاء نے یہ سمجھ کر درود پڑھنے کی اجازت دیدی کہ خطبہ میں امام سے کسی ضرورت کے وقت بات کرنا یا دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور امام کو بھی مقتدیوں سے بات کرنا اور کوئی ضروری بات پوچھنا یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جائز ہے اور اسوقت مقتدی امام کی بات کا جواب بھی دے سکتا ہے جیسا واقعہ سلیک غطفانی سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اُن سے بات کی اور ایک دفعہ خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دُعا کو کہا گیا تھا اور حضرت عمر کے واقعہ سے کہ خطبہ میں حضرت عثمان کو دیر سے آنے پر تنبیہ کی تھی اور انھوں نے جواب میں اپنا عذر بیان کیا تھا (بخاری) ظاہر ہے کہ اس کو خطبہ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اسی طرح جب خطیب خطبہ کے اندر حکم کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو اس حکم کی تعمیل بھی خطبہ کے منافی نہیں آہستہ درود پڑھ سکتے ہیں بلند آواز سے نہیں۔ اور بعض فقہاء حنفیہ نے اس صورت میں بھی زبان سے درود پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے صرف دل سے پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ فلا اشکال

ایک الزام یہ دیا ہے کہ" نماز فجر شروع ہونے کی حالت میں امام کی قرارت کے وقت صف کے پیچھے سُنتیں پڑھنا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے اور آیت اذا قرئ القرآن سے اسکو ممنوع قرار نہیں دیتے تو اس آیت سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع ہے؟

جواب یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل کی روایت اوپر گزر چکی ہے جس میں تصریح ہے کہ یہ آیت صرف مقتدی کے حق میں ہے کہ وہ قرارت خلف الامام نہ کرے بلکہ خاموش رہے۔ اس کے سوا دوسرے موقع پر قرآن پڑھا جائے تو سننا اور خاموش رہنا فرض نہیں۔ بعض فقہاء حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے ان کے نزدیک نماز فجر کے وقت مسجد میں ایک طرف سنّت فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ شخص مقتدی نہیں ہے اور بعض فقہاء نے عموم لفظ کی بناء پر ایسی جگہ سنت فجر پڑھنے کو منع کیا ہے جہاں امام کی قرارت سننے میں آتی ہو۔ وہ

فرماتے ہیں کہ مسجد کے دروازہ پر یا مسجد سے باہر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیئے۔

رہا مقتدی کا سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنا سواس میں حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ جہری نماز میں امام کی قرأت کے وقت مقتدی کو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنا جائز نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ کہہ کر خاموش رہے اور موقع ملے تو سکتات امام میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھ لے اور سکتاتِ امام میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھ سکتا ہے جیسا بار بار گزر چکا ہے۔

رہا یہ کہ جب امام جہر کر رہا ہو اس وقت اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع بھی نہ کرنا چاہیئے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ شرط صلوٰۃ ہے رکن صلوٰۃ نہیں تو تکبیر تحریمہ کے وقت یہ شخص مقتدی نہیں تکبیر کے بعد مقتدی بنے گا اور اسی وقت قرآن کا سننا اور خاموش رہنا واجب ہوگا اس سے پہلے نہیں۔ دوسرے اس پر سب کا اجماع بھی ہے کہ امام کی قرأت سنتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز میں شریک ہونا درست ہے۔ پس صاحبِ تکمیل کو اپنی ہی فہم و دانش کا ماتم کرنا چاہیئے۔

اور امام بخاری کی جزء القراءۃ سے جو الزام نقل کیا گیا ہے کہ مدارس و مکاتب میں استاد ایک بچّہ کو سبق دیتا ہے اور باقی بچے بھی قرأت کرتے ہیں وہاں آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا کی بنا پر بچوں کو خاموش نہیں کیا جاتا الخ

اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے کہ یہ آیت مقتدی کے حق میں ہے غیر مقتدی کے حق میں نہیں ہے دوسرے بچوں کو بڑوں پر قیاس کرنا ہی غلط ہے بچّے تو بے وضو بھی قرآن پڑھتے ہیں ان کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ انصات کے معنی مطلقاً چپ رہنے کے نہیں بلکہ سکوت مع الاستماع کے ہیں تو اس سے بھی حنفیہ کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے نماز جہری میں صرف امام کی قرأت کے وقت ممانعت ہوگی۔ سکتات امام میں قرأت کرنے کی ممانعت آیت ہذا سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی حالانکہ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ جہری نماز میں سکتات امام کے وقت بھی قرأت ناجائز و حرام ہے الخ

یہ حنفیہ پر افتراء ہے۔ جو لوگ سکتاتِ امام کی رعایت کر کے سورۂ فاتحہ خلف الامام پڑھ سکیں۔ اس کو کسی نے ناجائز و حرام نہیں کہا۔ اسی طرح سری نمازوں میں بھی قرأت فاتحہ خلف الامام آہستہ آہستہ جائز ہے جبکہ امام سے منازعت اور تشویش نہ ہو۔ جیسا بار بار ذکر ہو چکا ہے

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ جب امام جہر سے قرأت کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ انہی الفاظ

کو پڑھتے جائیں تو اس میں بہت اچھی طرح استماع و انصات بھی پایا جاتا ہے الخ

یہ محض دعویٰ ہے جو قابل قبول نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت اپنے لبوں کو حرکت دیکر ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جہر نہ کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا اور ارشاد ہوا، لا تحرّك به لسانك لتعجل به ان علینا جمعه وقراٰنه ۔ فاذا قرأناه فاتّبع قراٰنه ۔" قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے تاکہ جلدی یاد ہو جائے۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو (آپ کے دل میں) جما دینا اور پڑھوا دینا تو جب ہم (بواسطہ جبریل کے) اس کو پڑھیں تو اسکی قرارت کا اتباع کیجئے"۔ اس کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں فاستمع له وانصت کہ" جب وحی نازل ہو تو اس کو سنتے رہیئے اور خاموش رہیئے"۔

اس کے بعد آپ زبان کو حرکت نہ دیتے اور خاموش رہتے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف ص۳ ج۱

معلوم ہوا کہ قرارت قرآن کے وقت زبان کو حرکت دینا اتباع نہیں ہے اور مقتدی کو امام کے اتباع کا امر کیا گیا ہے انما جعل الامام لیؤتم به کہ امام بنایا اسی لئے گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے اور حدیث ابن عباس سے معلوم ہو گیا کہ اتباع قرارت یہ ہے کہ بالکل خاموش رہے زبان کو حرکت نہ دے اور لغت میں بھی انصات کے معنیٰ سکوت ہی کے ہیں۔ البتہ اگر انصت له بولا جائے تو اس کے دو معنی ہیں۔ ایک خاموش رہنا دوسرے کان لگا کر سننا اور جب انصات مطلق ہو اس کے معنی سکوت ہی کے ہیں۔ ملاحظہ ہو قاموس ص۹۵ ج۱۔ پس امام کے ساتھ ساتھ قرارت کرنا اتباع امام کے بھی خلاف ہے اور انصات کے بھی خلاف ہے۔

اس کے بعد یہ الزام دیا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز میں کئی سکتے ثابت ہیں۔ اگر مقتدی سکتات مذکورہ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو آیت واذا قرئ القراٰن کا مخالف نہ ہوگا۔

جواب ظاہر ہے کہ اس صورت کو ناجائز کس نے کہا؟ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سکتات امام پر واجب نہیں کیونکہ وجوب کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر امام سکتہ نہ کرے تو مقتدی قرارت فاتحہ نہیں کر سکے گا۔ نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس کی نماز باطل ہوگی۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلّا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام رازی سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔

جواب یہ ہے کہ جیسے اس عبارت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کی طرف بلا سند ایک غلط قول کی نسبت کی گئی ہے ایسے ہی یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ آیت امام کے پیچھے چلا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔ بھلا صحابہ کے متعلق کون یہ گمان کرسکتا ہے کہ وہ نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلّا کر شور کریں گے۔ کیا ان کو نماز کی حقیقت اور اس میں خشوع وخضوع کی ضرورت کی بھی خبر نہ تھی۔

اہلِ حدیث جو اس قسم کی لغو باتیں کر کے صحیح حدیثوں کو رَد کرتے ہیں اور آیت قرآنی میں غلط تاویلیں کرتے رہیں تو وہ عامل بالحدیث ہوں، اور حنفیہ نصوص کے صحیح معنی بیان کریں اور صحیح طریقہ پر عمل کریں وہ مذہب پرست اور استخواں فروش قرار پائیں، سبحان اللہ کیا انصاف ہے؟ ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ آیت امام کے پیچھے چلّا کر پڑھنے کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے اور آہستہ قرارت جائز ہے تو خطبۂ جمعہ میں بھی چلّا کر بولنا ہی منع ہوگا۔ کسی قدر آواز سے بولنا باتیں کرنا تسبیح وتکبیر وتہلیل کرنا ممنوع نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ تمام علمار نے اسی آیت سے خطبہ میں کلام کو منع کیا ہے اور خود صاحب تکمیل نے بھی اس آیت کا شانِ نزول خطبہ کو قرار دیا ہے تو کیا وہ اس کے قائل ہونگے کہ خطبہ جمعہ میں امام کا خطبہ سُنتے ہوئے لوگوں کو بغیر چلّائے باتیں کرنا یا ذکر اللہ اور تکبیر وتسبیح وتہلیل کرنا جائز ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو خلاف اجماع ہے اہلِ حدیث بھی اس کے قائل نہیں۔ اور اگر نفی میں ہے تو کیا خطبہ کا درجہ نماز سے بھی زیادہ ہے؟ کہ نماز میں تو آہستہ آہستہ پڑھنا جائز اور خطبہ میں حرام ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ عدم فرضیت فاتحہ پر حنفیہ کا آیت ہذا سے استدلال کرنا تمام محدثین ومفسرین کے خلاف ہے۔ یہ وہی مغالطہ ہے جو شروع سے آخر تک صاحب تکمیل کا شیوہ ہے۔ حنفیہ نے اس آیت سے عدم فرضیت فاتحہ پر کب استدلال کیا ہے؟ اس سے تو وہ قرارت خلف الامام کی عدم فرضیت پر استدلال کرتے ہیں اور اسمیں جمہور سلف وخلف ان کے ساتھ ہیں۔ جیسا علامہ ابن تیمیہ کے قول سے معلوم ہو چکا ہے عدم فرضیت فاتحہ پر تو وہ آیت فاقرؤا ماتیسر من القرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حدیث اعرابی سے انکے استدلال کی تائید ہوتی ہے جیسا پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

اس کے بعد دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت میں نازل

ہوئی ہے اور بعض تابعین کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ آیت خطبہ کے بارمیں نازل ہوئی ہے خطبہ کے وقت لوگوں کو استماع کا حکم دیا گیا ہے الخ

اس کا جواب گزر چکا ہے کہ مکّہ میں نہ جمعہ قائم ہوا تھا نہ خطبہ تھا اس لئے جن حضرات نے اس آیت کو خطبہ کے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی نماز کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے یہ مطلب نہیں کہ شانِ نزول فقط خطبۂ جمعہ ہے کیونکہ یہ آیت بالاتفاق مکی ہے اور مکّہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ اور خطبہ میں آہستہ بات کرنا یا آہستہ ذکر و تسبیح پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں تو نماز میں امام کے ساتھ آہستہ قرارت کس طرح جائز ہوگی؟ نماز میں باتیں کرنا ہجرت کے بعد بھی جائز تھا۔ جب سورۂ بقرہ کی آیت وقوموا للّٰہ قانتین نازل ہوئی تو باتیں کرنے سے منع کیا گیا (صحیح مسلم) اور آیت واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا بالاتفاق مکی ہے اس کو نماز میں باتیں کرنے کی ممانعت پر محمول کرنا صحیح نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ صحابہ ممانعت کے بعد بھی عام طور سے نماز میں باتیں کرتے تھے اور یہ ان کی شان سے بعید ہے اور قرارت خلف الامام مدینہ میں عام طور پر صحابہ نہ کرتے تھے۔ کسی ایک یا دو ناواقف نے ایسا کیا ہے جیسا حدیث پڑھنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم میں سے کس نے قرارت کی تو صرف ایک آدمی کہتا تھا میں نے قرارت کی ہے۔ اس کو آپ نے منع کردیا۔

پھر امام رازی کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس آیت میں کفار کو خطاب ہے۔ اور اگر آیت کو قرارت خلف الامام پر محمول کیا جائے تو قرآن کا سیاق و سباق ہی بگڑ جائے گا اور ترتیب مختل ہو جائے گی الخ۔

میں کہتا ہوں امام احمد بن حنبل کا قول گزر چکا ہے کہ بالاتفاق یہ آیت نماز کے متعلق (قرارت خلف الامام سے منع کرنے میں) نازل ہوئی ہے تو کیا احمد بن حنبل اور دوسرے علماء سلف سے بھی زیادہ کوئی قرآن کے سیاق و سباق کا سمجھنے والا ہو سکتا ہے؟ پھر اس آیت سے پہلے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ھذا بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون۔ "یہ قرآن (بجائے خود) گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں" جس میں اہلِ ایمان کا اور قرآن کا ذکر ہے۔ اسکے بعد واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ہے۔ اس کے بعد واذکر

ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین ہے جس میں ہر مسلمان کو ذکر کی تاکید اور غفلت سے ممانعت ہے غرض آیت واذا قرئ القرآن سے پہلے بھی اہل ایمان کا ذکر ہے اور بعد میں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے تو درمیان میں قرأت قرآن کے متعلق مسلمانوں کو خطاب کرنے سے قرآن کا سیاق وسباق کیسے مختل ہو گیا؟ اس آیت سے پہلے قرآن کی عظمت کا بیان ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے بصائر وہدایت ورحمت ہے اس کے بعد یہ امر یقیناً اس کی عظمت کے مناسب ہے کہ جب قرآن (نماز میں) پڑھا جائے اسکو سنو اور خاموش رہو تاکہ اچھی طرح بصیرت وہدایت ورحمت سے حصّہ حاصل کر سکو، اسکے بعد حکم ہے کہ اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ یاد کیا کرو صبح اور شام اور غافلوں میں شمار نہو۔

بتلائیے کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس صورت میں نظم قرآن مختل ہو گیا۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو جہاں قرآن نے کفار کے شور وغل اور چلّانے کا ذکر کیا ہے وہاں رحمت کا ذکر نہیں کیا وہاں ان کو سخت عذاب کی دھمکی دی ہے۔

وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون فلنذیقن الذین کفروا عذابا شدیدا ولنجزینھم اسوأ الذی کانوا یعملون ٭

یعنی کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور شور وغل مچاؤ شاید اس طرح تم غالب آجاؤ۔ ہم ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے اور انکی اس بُری حرکت کی جو وہ کرتے ہیں سزا دیں گے۔

پس آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون کا عنوان ہی تبلا رہا ہے کہ اسمیں مسلمانوں کو خطاب ہے وہی قرآن کو سُننے اور خاموش رہنے پر رحمت کے اُمیدوار ہو سکتے ہیں کفار تنہا اس پر رحمت کے اُمیدوار کیونکر ہو سکتے ہیں جبتک ایمان نہ لے آئیں؟ پس تفسیر فتح البیان کا یہ قول ہرگز صحیح نہیں کہ اس آیت میں صرف کفار کو خطاب ہے اور مسلمانوں کو خطاب ماننے سے قرآن کی آیات میں ارتباط نہ رہے گا۔ بلکہ سیاق وسباق اور آیت کے عنوان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس میں مسلمانوں ہی کو خطاب ہے تمام علماء مفسرین نے اس کو قرأت خلف الامام سے ممانعت پر محمول کیا ہے جیسا علامہ طبری کے حوالہ سے ہم نے تفصیل کے ساتھ شروع ہی میں لکھدیا ہے غالباً ناظرین نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ صاحب تکمیل البرہان کس قدر ہٹ دھرمی اور عصبیت مذہبی سے حنفیہ کے دلائل پر تنقید کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی جس آیت سے جمہور سلف وخلف نے قرأت خلف الامام کی ممانعت پر استدلال کیا تھا اس کو تفسیر فتح البیان اور رازی کے قول سے رَد کرنا

چاہتے ہیں الغریق یتشبث بالحشیش اسی کو کہتے ہیں کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت نظر آتا ہے۔

دلائلِ حدیثیہ پر تنقید:

اس کے بعد آپ نے حنفیہ کے دلائل حدیثیہ پر تنقید شروع کی ہے۔

پہلی دلیل یہ بیان فرمائی ہے کہ صحیح بخاری میں جو روایت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حالتِ رکوع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پایا تو صف میں ملنے سے پہلے رکوع کرلیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کرنے پر آپ نے اس رکعت کو لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا اس سے حنفیہ قرارت فاتحہ خلف الامام کے فرض نہ ہونے پر دلیل لاتے ہیں کہ جب رکوع میں ملنے سے (بغیر فاتحہ کے) رکعت ہوگئی تو حالت قیام میں بھی سورۂ فاتحہ کے بغیر ہو جائے گی الخ

اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ صرف حنفیہ کی دلیل نہیں بلکہ مالکیہ و حنابلہ نے بھی مسبوق کے اس مسئلہ سے مقتدی پر قرارت خلف الامام کے واجب نہ ہونے کے لئے استدلال کیا ہے جیسا کتاب المغنی کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور صرف حدیث ابی بکرہ ہی سے استدلال نہیں کیا گیا بلکہ اجماع سے استدلال کیا گیا ہے۔ امام طحاوی نے تصریح کی ہے کہ اسمیں فقہاء کا اختلاف نہیں کہ مسبوق رکوع پالینے سے رکعت پالیتا ہے اور مغنی ابن قدامہ میں ہے ولانها قراءة لا تجب على المسبوق فلم تجب على غيره كالسورة۔ "پھر قرارت فاتحہ خلف الامام مسبوق پر واجب نہیں تو غیر مسبوق پر بھی واجب نہ ہوگی جیسے (ضم) سورت اھ"۔

اس دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرارت کا وجوب حالتِ قیام میں ہے جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔

میں کہتا ہوں اہلِ حدیث کی زبان وقلم سے ایسی باتیں نکلنا جائے تعجب ہے کیونکہ یہ تو سراسر قیاس ہے جس کے متعلق یہ لوگ بڑے زور سے اول من قاس ابلیس[1] کا نعرہ لگایا کرتے ہیں۔ انکو کسی حدیث سے اسکا ثبوت دینا چاہئیے کہ قرارت کا وجوب حالت قیام کے ساتھ مخصوص ہے۔ حضرت عبادہ کی حدیث لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب میں تو قیام کی شرط مذکور نہیں۔ اگر اور کسی حدیث میں یہ قید مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ آپ ایک حدیث سے دوسری حدیث کو مقید کرسکتے ہیں۔ پھر حنفیہ نے کیا جرم کیا جو وہ دوسری حدیث من كان له امام فقراءة الامام له

---

[1] کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا۔ آگے یہ انکی بلا جانے کہ قیاس ابلیس کس قسم کا تھا اور قیاس مجتہد کسے کہتے ہیں۔ ۱۲ ظ

قراءۃ سے حدیث عبادہ کو منفرد اور امام کے ساتھ خاص کرتے ہیں؟ پھر یہ بھی خوب رہی کہ جب حالت بدل گئی حکم بھی بدل گیا۔ اوّل اس کو تو ثابت کیجئے کہ رکوع کرنے سے حالت کیا بدل گئی؟ کیا نماز ختم ہوگئی یا نمازی بدل گیا؟ آخر یہ مسئلہ کس حدیث سے آپ نے معلوم کیا کہ رکوع کرنے سے نماز یا نمازی کی حالت بدل جاتی ہے؟ حدیث ابوبکرہ اور ان جملہ احادیث سے جو رکوع پالینے سے رکعت پانے پر دلالت کرتی ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شارع علیہ السلام کی نظر میں رکوع قیام کے حکم میں ہے جبھی تو رکوع پالینے سے رکعت مل جاتی ہے البتہ سجدہ قیام کے حکم میں نہیں ہے کہ سجدہ پانے سے رکعت نہیں ملتی۔ اور جب رکوع بحکم قیام ہے تو رکوع سے حالت نہیں بدلی۔ پس رکوع پانے والے پر رکوع میں قرارت فاتحہ فرض ہونی چاہیئے چنانچہ بعض صحابہ اس طرف گئے بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو جزء القراءۃ بیہقی ص۶۸ عن حسان بن عطیۃ عن ابی الدرداء قال لاتترك الفاتحۃ خلف الامام زاد ابن ابی الحواری ولوان تقرأ وانت راکع وفی روایۃ اخری عن ابی الدرداء قال لوادرکت الامام وھو راکع لاحببت ان اقرأ بفاتحۃ الکتاب۔" حسان بن عطیہ حضرت ابوالدرداء سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ چھوڑو۔ چاہے رکوع میں ہی پڑھ لو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں امام کو رکوع میں پاؤں تو اس کو پسند کروں گا کہ سورۂ فاتحہ (رکوع ہی میں) پڑھ لوں۔ اس اثر سے صاحب تکمیل کی ساری بنی بنائی عمارت منہدم ہوگئی۔ معلوم ہوگیا کہ رکوع سے حالت کچھ نہیں بدلی بلکہ رکوع میں بھی قیام کی طرح قرارت فاتحہ ہوسکتی ہے اور اس اثر کو ضعیف نہیں کہہ سکتے کیونکہ امام بیہقی نے بطور حجت کے اس کو پیش کیا ہے۔ پس صاحب تکمیل کا یہ نتیجہ نکالنا کہ" جیسے شریعت کا یہ حکم ہے کہ کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے نہیں ہوتی ویسے ہی شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ رکوع میں ملنے سے (رکعت) ہوجاتی ہے" حنفیہ و حنابلہ کے استدلال کے وزنی ہونے کا اقرار ہے کہ جب رکوع میں ملنے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں حالانکہ رکوع بحکم قیام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حالت قیام میں بھی مقتدی پر فاتحہ پڑھنا فرض نہیں امام کی قرارت کافی ہے۔ صاحب تکمیل کا یہ کہنا کہ حالت رکوع میں جانے سے حالت بدل گئی اور مثال میں مسافر و مقیم کا مسئلہ بیان کرنا انکی جس بدحواسی کو ظاہر کر رہا ہے ناظرین نے اندازہ کر لیا ہوگا۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ مقتدی کے ذمہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض کہتے ہیں،

ان کو یا تو ظاہریہ کی طرح اس کا قائل ہونا چاہیئے کہ رکوع پانے سے رکعت نہیں مل سکتی یا پھر حضرت ابوالدرداء کی طرح اس کے قائل ہو جائیں کہ امام کو رکوع میں پائے تو رکوع ہی میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے۔ اگر وہ جمہور کی طرح اسکے قائل ہونگے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے اور رکوع میں فاتحہ پڑھنا فرض نہیں تو پھر وہ کسی طرح بھی مقتدی پر قرارت فاتحہ کو فرض نہیں کہہ سکتے۔

رہا یہ کہ حنفیہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور اس حالت میں ابوبکرہ صحابی کو قیام بھی نہیں ملا اور بغیر قیام کے انکی وہ رکعت ہو گئی۔ پس معلوم ہوا کہ قیام بھی فرض نہ رہا۔ الخ

اس سے صاحب تکمیل کی بدحواسی ظاہر ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابوبکرہ نے تکبیر تحریمہ بھی کہی تھی یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو حدیث میں اسکا ذکر کہاں ہے؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہوسکتی تو ہم کہتے ہیں کہ قیام کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ معلوم ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوتی علامہ شوکانی اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ بغیر قیام کے صحیح نہیں ہوسکتی۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ ساری اُمت کے خلاف ہے۔ تکبیر تحریمہ کے بغیر کسی کے نزدیک بھی نماز صحیح نہیں ہوسکتی۔

دوسری دلیل پر تنقید:

اس کے بعد دوسری دلیل حضرت ابوہریرہ کی حدیث ابوداؤد کے حوالہ سے مختصر نقل کی گئی ہے ہم نے اس کو اپنے دلائل میں مفصل بیان کر دیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز سے فارغ ہو کر جس میں جہر کیا تھا فرمایا کہ تم میں سے کسی نے میرے ساتھ اس وقت قرارت کی ہے۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے قراءت کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں بھی کہوں یہ کون مجھ سے قرآن چھین رہا ہے؟ جب لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی تو صحابہ اس نماز میں قرارت کرنے سے رُک گئے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہر کے ساتھ قرارت کرتے تھے۔ اس کو امام مالک نے موطا میں امام شافعی رح نے مسند میں ائمۂ اربعہ نے سنن میں روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تحسین کی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

اس دلیل کا جواب صاحب تکمیل نے دیا ہے کہ "صحابہ قرارت کرنے سے رُک گئے" یہ لفظ مدرج[1] ہے

---

[1] یعنی راوی نے بڑھا دیا ہے۔ صحابی کا قول نہیں۔ ۱۲ ظ

مرفوع نہیں ہے۔ یہ زہری تابعی کا قول ہے۔"

میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ابوداود نے اس کو معمر کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا، "لوگ جہری نماز میں قراءت سے رُک گئے"۔ اور معمر ثقہ متقن ہے۔ ان سے روایت کرنے والا احمد بن السرح بھی ثقہ ثبت ہے۔ پس یہ دعوٰی غلط ہے کہ یہ زہری کا قول ہے۔ پھر اگر زہری کا قول بھی ہو تو یہ زہری کا فتوٰی تو نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر ہے اور زہری مغازی وسیر واخبار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امام وقت ہے۔ زمانۂ رسول کے واقعات بیان کرنے میں اس کا قول حجت ہے۔

صاحبِ تکمیل کا یہ کہنا کہ "اس سے نماز سری میں قراءت کی ممانعت نہیں پائی جاتی"۔ تو سری نمازوں میں قراءت سے ہم بھی منع نہیں کرتے مگر جہری میں تو قراءت کی ممانعت ثابت ہوگئی اور یہی ہمارا مدعٰی ہے۔

اس کے بعد صاحبِ تکمیل فرماتے ہیں کہ مطلب حدیث کا صاف ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد جب امام جہری نمازوں میں کوئی سورت پڑھے تو مقتدی خاموش ہو کر سُنے الخ

مگر وہ یہ تو بتائیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے کس لفظ سے معلوم ہوا؟ ظاہر ہے کہ فانتھی الناس عن القراءۃ فی ما جھر فیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالقراءۃ "پس لوگ قراءت کرنے سے رُک گئے ان نمازوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت جہر سے کرتے تھے" ان الفاظ میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں بلکہ مطلقاً قراءت سے رُک جانا مفہوم ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ دوسری حدیث سے یہ قید بڑھائی گئی ہے جس میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنے شاگرد کو حکم ہے اقرأ بھا فی نفسك کہ سورۂ فاتحہ اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو تو اسکا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل میں پڑھ لیا کرو۔ اور اگر ایک حدیث میں دوسری حدیث سے تم ایک قید بڑھا سکتے ہو تو حنفیہ نے کیا جرم کیا کہ جو وہ حدیث عبادہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب میں دوسری احادیث کی وجہ سے ھٰذا اذا کان وحدہٗ کی قید بڑھاتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بغیر نماز نہ ہونا اس وقت ہے کہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور یہ قید خود راوی حدیث سفیان بن عیینہ نے بڑھائی ہے اور امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر کی روایت سے اسکی تائید کی ہے اور حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا بھی اسکی مؤید ہے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا، صاحبِ تکمیل کا ترمذی کے قول کو نقل کرنا اور امام احمد کے قول کو چھوڑ دینا اور امام الکلام سے سہارا ڈھونڈنا

ان کی جس بیچارگی کو ظاہر کر رہا ہے اہل علم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

تیسری دلیل پر تنقید:

تیسری دلیل کے جواب میں تو صاحبِ تکمیل نے کمال کر دیا۔ ایک تو حضرت جابرؓ کی حدیث من صلّی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القراٰن فلم یصل الّا ان یکون وراء الامامؒ جس نے کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے پڑھی اُس نے نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔" اسکا مطلب آپ نے یہ نکالا کہ "مقتدی کی وہ رکعت جس میں اس نے امام کو حالتِ رکوع میں پالیا ہو صرف یہ رکعت اسکی بلا فاتحہ درست ہے" بھلا موطا مالک اور ترمذی نے حضرت جابرؓ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں اُن سے کسی کا ذہن بھی اس مطلب کی طرف پہنچ سکتا ہے جو صاحبِ تکمیل نے گھڑا ہے ترمذی نے اس حدیث سے امام احمد کا عدم وجوب قراءت فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا نقل کیا ہے تو کیا امام احمد حدیث کا مطلب غلط سمجھے صاحبِ تکمیل ہی صحیح مطلب سمجھے سبحان اللہ! لفظ الا وراء الامام کو مسبوق کی اس رکعت سے کیا واسطہ جو بحالت رکوع پالی گئی ہے "مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ" اسی کو کہتے ہیں۔ اگر ایسے ہی دور دراز مطالب بیان کر دینے سے دوسرے کے دلائل کا جواب دیا جا سکتا ہے تو بخدا آپ ایک دلیل سے بھی اپنا مدعٰی ثابت نہ کر سکیں گے۔

یہ تو حدیث کے معنی میں بے تکی تاویل تھی اب صاحبِ تکمیل کی دیانت سند کی بحث میں ملاحظہ ہو۔ اوّل تو آپ نے اثر جابرؓ کو موقوف قرار دیکر یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ "قول صحابی حدیث مرفوع کے خلاف ہے تو وہ عند الحنفیہ مقبول نہیں"۔ مگر وہ پہلے تو یہ ثابت کریں کہ حضرت جابرؓ کا یہ قول حدیث مرفوع کے خلاف کیونکر ہے۔ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے وہ خلاف نہیں۔ اور حدیث من کان لہٗ امام فقراءۃ الامام لہٗ قراءۃ کے بھی موافق ہے۔ رہی حدیث عبادہؓ تو ترمذی نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کر دیا ہے کہ وہ حضرت جابرؓ کے اس قول ہی کی وجہ سے حدیثِ عبادہ کو منفرد پر محمول کرتے ہیں کیونکہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی سے کچھ بھی تعرض نہیں۔

پھر آپ نے ترمذی کے محشی اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کو ناواقف قرار دیتے ہوئے یہ گل کھلائے ہیں کہ ان لوگوں نے اس اثر کو طحاوی کے حوالہ سے مرفوع لکھا ہے حالانکہ خود امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اسکی پُرزور الفاظ میں تردید کی ہے پھر طحاوی سے ایک عبارت نقل کر دی من ذٰلک یحیٰی بن السلام عن شعبۃ فھو منکر الخ "منجملہ انکے حدیث یحیٰی بن

سلام کی شعبہ سے ہے سو وہ حدیث منکر ہے"۔ جس سے ہر دیکھنے سننے والا یہی سمجھے گا کہ امام طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اس حدیث کو منکر کہا ہوگا جو حضرت جابر سے مروی ہے حالانکہ طحاوی کا یہ قول حدیث جابر کے متعلق اصلاً نہیں بلکہ مناسکِ حج کی اس حدیث کے متعلق ہے جو یحییٰ بن سلام نے شعبہ سے ابن ابی لیلیٰ سے زہری سے سالم سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ تمتع کرنے والا اگر ہدی نہ پائے تو ایامِ تشریق میں روزہ رکھ لے اور محدثین کے اصول پر اس حدیث کے مرفوع ہونے کو منکر قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ عبداللہ بن عمر کا قول ہے کیونکہ یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ کے حفظ میں محدثین کو کلام ہے اس کے بعد طحاوی نے یہ بھی فرمایا ہے مع انی لا احب ان اطعن علیٰ احد من العلماء بشیء ولکن ذکرت مایقول اھل الروایۃ فی ذٰلک اھ ص۳۶۵ ج ۱ یعنی اگرچہ میں علماء میں سے کسی پر بھی طعن کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اہل روایت نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے ذکر کر دیا ہے۔

صاحبِ تکمیل کی خیانت :

اس جگہ صاحبِ تکمیل نے چند خیانتیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ طحاوی نے یحییٰ بن سلام کی اُس اُس حدیث کو منکر کہا تھا جو وہ شعبہ کے واسطے سے جواز صوم ایّام تشریق میں روایت کرتا ہے اس حدیث کو ہرگز منکر نہیں کہا جس کو ص۱۲۸ ج ۱ پر امام مالک کے واسطہ سے وہب بن کیسان سے حضرت جابر سے قرات خلف الامام کے متعلق مرفوعاً روایت کیا گیا ہے۔

دوسرے جس حدیث کو طحاوی نے یحییٰ بن سلام و ابن ابی لیلیٰ کے ضعف کی وجہ سے منکر کہا تھا وہاں بھی پُرزور تردید نہیں کی تھی بلکہ صاف کہدیا تھا کہ "میں خود کسی عالم پر طعن کرنا نہیں چاہتا تھا صرف اہلِ روایت کا قول نقل کر رہا ہوں"۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود طحاوی کے نزدیک یحییٰ بن سلام اور ابن ابی لیلیٰ ضعیف یا مطعون نہیں ہیں۔ اس پر یہ دلیری اور بیباکی کہ خود تو خیانت کا ارتکاب کریں اور محشی ترمذی اور مولانا احمد علی صاحب پر خدا سے نہ ڈرنے کا الزام لگائیں۔

تیسرے کتب رجال سے یحییٰ بن سلام کا ترجمہ بھی نہ دیکھ لیا جس سے معلوم ہو جاتا کہ بعض محدثین نے اس کو ثقہ بھی کہا ہے اور ایسا راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور صحیح اور حسن کا راوی اگر ایسی زیادتی کرے جو جماعت کے خلاف نہو تو اسکی زیادت مقبول ہے۔ ملاحظہ ہو شرح نخبہ ص۱۲ اور ظاہر ہے کہ موقوف کو مرفوع کرنا ایسی زیادت نہیں جس کو مخالفت

پر محمول کیا جا سکے کیونکہ حضرات صحابہ کبھی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور فتویٰ اپنی طرف سے استعمال کرتے تھے کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر حدیث کو مرفوع کرتے تھے۔ اب یحییٰ بن سلام کا ترجمہ لسان المیزان ص۲۶۱ ج ۶ سے ملاحظہ ہو۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ باوجود ضعف کے اس کی حدیث لکھی جائے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا کبھی خطا بھی کرجاتا ہے۔ ابوزرعہ رازی نے کہا لا بأس به ربما وهم" اس میں کوئی بات نہیں کبھی وہم بھی کرجاتا ہے" ابوحاتم نے کہا شیخ بصری صدوق بزرگ ہے اور بہت سچا۔ ابوالعرب نے طبقات قیروان میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ "حفاظ حدیث میں سے اور بہترین لوگوں میں سے تھا" اھ صرف دارقطنی نے اسکو ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی نے اسکی منکرات میں حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا جو اسوقت زیر بحث ہے نہ طحاوی نے اس کو منکر کہا اور اکثر محدثین نے یحییٰ بن سلام کی توثیق کی ہے تو اگر اسکی حدیث کو مولانا احمد علی صاحب نے حَسَن کہدیا تو کیا جُرم کیا؟

رہا یہ کہ طحاوی نے اس کے بعد اسمٰعیل بن موسیٰ سُدّی کا اثر بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ اسماعیل نے امام مالک سے پوچھا میں جابر کی اس حدیث کو مرفوع کردوں؟ امام مالک نے فرمایا خذ وا برجله۔ اس میں سب سے پہلے تو اسمٰعیل سُدّی کا حال معلوم کرنا چاہئیے کہ وہ کس درجہ کا ہے؟ سو اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے مگر ابن حبان نے ثقات میں اسکا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدان (شیخ بخاری) نے فرمایا کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور ہناد بن السری نے (کہ یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں) ہمارے اس کے پاس جانے پر انکار کیا اور کہا یہ شخص فاسق ہے۔ سلف کو بُرا کہتا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس نے امام مالک کی دو حدیثوں کو موصول کردیا اور شریک سے بھی چند احادیث میں منفرد ہے (کوئی اسکے ساتھ شریک نہیں) لوگوں نے اسکے غلو فی التشیع کی بنا پر اس کو منکر کہا ہے، یعنی غالی شیعہ ہے اس لئے محدثین نے اس پر انکار کیا ہے۔ (تہذیب ص۳۳۶ ج ۱) ایسے غالی شیعہ کی روایت سے یحییٰ بن سلام جیسے بہترین حافظ کی روایت کو مجروح قرار دینا صاحب تکمیل ہی کی جرأت ہے پھر اس غالی شیعہ نے امام مالک کا جو قول نقل کیا ہے اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ امام مالک نے اس حدیث کے رفع پر انکار کیا ہے یا اس شخص کے شریکِ درس ہونے پر انکے الفاظ یہ ہیں کہ" اس کے پیر پکڑ لو" جس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

اس کو قید کرلو تاکہ حدیث بیان نہ کرنے پائے۔ اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ پیر پکڑ کے یہاں سے نکالدو۔ یہ شیعہ غالی ہمارے درس میں بیٹھنے کے لائق نہیں اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ امام مالک نے حدیث کے مرفوع ہونے پر انکار کیا ہے اور اگر انکار بھی ہو تو اسکا رفع صحیح نہ ہوگا، مگر حسن تو ہوسکتا ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے رفع کو حسن ہی کہا ہے صحیح نہیں کہا۔

چوتھی دلیل پر تنقید :

حنفیہ کی طرف سے چوتھی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ صحیح مسلم میں قتادہ رضی اللہ عنہ سے واذا قرأ فانصتوا وارد ہے (صاحبِ تکمیل کے الفاظ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ قتادہ کو صحابی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ حدیث کے راوی حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی ہیں) اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان فرمایا ہے کہ "امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ جب وہ قرات کرے خاموش رہو جب وہ رکوع کرے رکوع کرو الخ" اس سے ہر شخص جو بھی سنے گا یہی سمجھے گا کہ مقتدی کو امام کی قرات کے وقت خاموش رہنا چاہیئے۔
ہم نے اس حدیث کو حدیث عبادہ کے معارض یا اسکا ناسخ ہرگز نہیں کہا، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حدیث عبادہ میں امام یا مقتدی کا کوئی ذکر نہیں اس میں صرف یہ مضمون ہے کہ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں اس کو مقتدی کے متعلق کہنا صحیح نہیں وہ غیر مقتدی کے حق میں ہے اور حدیث ابوموسیٰ صاف طور سے مقتدی کے حق میں ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ کے راوی سفیان بن عیینہ اور زہری نے بھی اسکو غیر مقتدی کے متعلق سمجھا ہے۔

اب اس کے بعد اہل حدیث کی تاویلات ملاحظہ ہوں وہ کہتے ہیں اذا قرأ فانصتوا کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور سورت پڑھنے سے خاموش رہو۔ کوئی ان سے پوچھے کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا کہاں ذکر ہے جو یہ قید بڑھائی جارہی ہے، حدیث میں تو مطلقاً خاموش رہنے کا ذکر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث عبادہ کی وجہ سے یہ قید بڑھائی جارہی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ حدیث عبادہ سے اذا قرأ فانصتوا کو مقید کرنا ضروری ہے؟ تطبیق اور توفیق کی یہ صورت بھی تو ہوسکتی ہے کہ حدیث عبادہ کو اس حدیث کی وجہ سے منفرد پر محمول کیا جائے جیسا سفیان بن عیینہ اور امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے کیا ہے اور یہی حنفیہ نے اختیار کیا ہے اب صاحبِ تکمیل اسکی وجہ

بتلائیں کہ جو وجہ تطبیق وہ بیان کرتے ہیں وہی صحیح ہے اور جو وجہ ہم نے بیان کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اہل حدیث کو جو منکرِ تقلید ہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کے ظاہر مطلب کو کسی کی تقلید سے بدلدیں اور اگر ان کو بیہقی وغیرہ کی تقلید میں اس حدیث کا ایک مطلب بیان کرنے کا حق ہے تو ہم کو بھی امام ابوحنیفہ اور احمد بن حنبل وسفیان بن عیینہ وزہری کی تقلید میں اس کا وہ مطلب بیان کرنے کا حق ہے جو حدیث کے الفاظ سے بلاتاویل مفہوم ہورہا ہے۔

رہا یہ کہ اس حدیث اذا قرأ فانصتوا کے دوسرے راوی حضرت ابوہریرہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا تھا اقرأ بہا فی نفسک یا فارسی، کہ حالتِ اقتدار میں سورۂ فاتحہ کو اپنے نفس میں پڑھو، اس کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ دل دل میں پڑھو کیونکہ موطا مالک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی یہ حدیث موجود ہے۔ فانتہی الناس عن القراءۃ فیما جہر فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ لوگ جہری نمازوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرارت کرنے سے رک گئے جیسا پہلے گزرچکا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ قال فی غیث الغمام قولہ اقرأ بہا المراد من القراءۃ فی النفس والاخطار بالبال من دون ان یتلفظ بہا ای احضر معانیہا فی نفسک وقدرفیہا حین یقرأہا الامام کذا نقلہ الزرقانی فی معناہ عن عیسٰی وابن نافع اھ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اپنے نفس میں سورۂ فاتحہ پڑھ لو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پڑھو اور دل سے سوچتے رہو زبان سے تلفظ نہ کرو بلکہ اس کے معانی کو دل میں حاضر کرتے، اور سوچتے رہو جبکہ امام سورۂ فاتحہ پڑھے۔ زرقانی نے اسی طرح اسکا مطلب عیسٰی اور ابن نافع سے نقل کیا ہے اھ ابن نافع امام مالک کے شاگرد ہیں، وقال الطحاوی رحمہ اللہ وکان من الحجۃ علیہم فی ذٰلک ان حدیثی ابی ھریرۃ وعائشۃ الذین رووھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج لیس فی ذٰلک دلیل علٰی انہ اراد بذٰلک الصلوٰۃ التی تکون وراء الامام فلا یجوز ان یکون عنی بذٰلک الصلوٰۃ التی لا امام فیہا للمصلی واخرج من ذٰلک المأموم بقولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ فجعل المأموم فی حکم من یقرأ بقراءۃ

امامه فکان المأموم بذٰلك خارجًا من قوله کل من صلّی صلوٰة لم یقرأ فیها بفاتحة الکتاب فصلوٰته خداج اھ ص۱۰۶ ج۱

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرارت خلف الامام کے قائل نہیں ہیں ان کی حجت مخالفوں پر یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث میں کہ جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے اس پر کوئی دلیل نہیں کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو امام کے پیچھے ہو، جائز ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہو جس میں مصلی امام کے پیچھے نہ ہو۔ اس حکم سے آپ نے مقتدی کو اپنے دوسرے قول سے کہ جس کا کوئی امام ہو اسکی قرارت مقتدی کے لئے قرارت ہے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں مقتدی کو امام کی قرارت کی وجہ سے حکماً قاری قرار دیا گیا ہے پس مقتدی اس حکم سے مستثنیٰ ہے کہ جو نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھی جائے وہ ناقص ہے۔

اب صاحب تکمیل انصاف سے بتلائیں کہ حدیث اذا قرأ فانصتوا کی جو تاویل وہ کر رہے ہیں اس کے صحیح اور حق ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ حدیث میں صاف حکم ہے کہ امام جس وقت قرارت کرے مقتدی خاموش رہیں۔

رہا یہ کہ دار قطنی کی روایت میں ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضّالّین فانصتوا۔ کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرے خاموش رہو جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنے کا حکم سورۂ فاتحہ کے بعد ہے تو اہل حدیث کو یہ روایت پیش کرتے ہوئے شرمانا چاہیئے یہ منکر روایت ہے تمام ثقات نے اس کو یوں بیان کیا ہے اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضّالّین فقولوا اٰمین۔ "جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضّالّین کہے تم آمین کہو" کسی محدّث نے فقولوا اٰمین کو مختصر الفاظ میں فامّنوا کے لفظ سے بیان کر دیا ہوگا۔ اس کو کسی عقلمند نے تصحیف اور تبدیل کر کے فانصتوا کہہ دیا۔ ایسی مہمل باتوں سے صاحب تکمیل اپنا دل خوش کر لیں مگر سمجھنے والے ان کی بےبسی کو خوب سمجھ چکے ہیں اور اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو ولا الضّالّین کے بعد جہر سے آمین کہنا بھی ممنوع ہوگا کیونکہ حدیث میں ولا الضّالّین کے بعد خاموش رہنے کا امر ہے فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ اور اگر کوئی مقتدی نماز میں ایسے وقت شریک ہوا کہ امام سورۂ فاتحہ پڑھ چکا ہے اس کو بحالت قیام سورۂ فاتحہ پڑھنا امام کے پیچھے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس حدیث میں امام کے ولا الضّالّین پڑھنے کے بعد مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے اس

کے متعلق صاحب تکمیل کا کیا فتوی ہے ؟

پانچویں دلیل پر تنقید :

پانچویں دلیل حنفیہ کی طرف سے یہ بیان کرتے ہوئے من کان لہٗ امام فقراء تہ لہ قراءۃ "جس کا کوئی امام ہو امام کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے۔" صاحب تکمیل نے علامہ سندی حنفی کا سہارا ڈھونڈا ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے اور یہ حدیث صحاح ستہ کی حدیث (حدیث عبادہ) کے خلاف ہے، اللہ اللہ! تقلید کا انکار کرنے والے بھی سندی حنفی کی تقلید کرتے ہیں یاللعجب! اگر وہ سچے اہل حدیث ہوتے تو اس حدیث کے طرق کی تلاش کرتے تاکہ معلوم ہو جاتا کہ ابن ماجہ کی سند میں جابر جعفی کے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سند میں وہی موجود ہو۔ اب سنئے اس حدیث کو حضرات صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

جابر بن عبداللہ و عبداللہ بن عمر و ابوسعید خدری و ابوہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم اجمعین، حدیث جابر کو جس سند سے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس میں جابر جعفی ہے مگر اس کی دوسری سند بالکل صحیح ہے جس کو امام محمد نے موطا میں امام ابوحنیفہ سے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے حضرت جابر سے بایں الفاظ روایت کیا ہے من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ "جس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو امام کی قرارت اس کے لئے بھی قرارت ہے۔"

اس پر دارقطنی کا یہ فرمانا کہ "اس حدیث کو سفیان ثوری اور ابوالاحوص، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابوخالد دالانی، سفیان بن عیینہ وغیرہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے عبداللہ بن شداد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کیا ہے (صحابی کا نام حذف کر دیا) اور وہی درست ہے۔" ہم پر حجت نہیں کیونکہ مسند احمد بن منیع میں اس حدیث کو سفیان ثوری اور شریک القاضی کے واسطہ سے مرفوعاً موصولاً روایت کیا گیا ہے۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تنہا اس کو موصول کیا ہے اور اگر مان لیا جائے تو ابوحنیفہ ہزاروں محدثین سے بڑھ کر ثقہ ہیں۔ ان کا کسی حدیث کو تنہا موصول کرنا بھی اصول محدثین کی بناء پر واجب القبول ہے۔

امام ابوحنیفہ کا درجہ علم حدیث میں :

یحییٰ بن معین کے زمانہ تک امام ابوحنیفہ پر کسی نے بھی جرح نہیں کی تھی مسئلہ خلق

قرآن کا فتنہ رونما ہونے کے بعد بعض محدثین حشویہ نے ان پر جرح شروع کر دی کیونکہ اس فتنہ میں علماء محدثین پر سختی کرنے والے قاضی عقیدۃً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے حشویہ نے ان قاضیوں سے اس طرح انتقام لیا کہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی پر جرح کرنے لگے جو مذہب حنفی کے ستون ہیں۔ ولما سئل ابن معین عنہ قال ثقۃ مأمون ما سمعت احدا ضعفہ ھذا شعبۃ بن الحجاج یکتب الیہ ان یحدث وشعبۃ شعبۃ

"جب یحیٰی بن معین سے امام صاحب کی نسبت سوال کیا گیا فرمایا ثقہ مأمون ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ ان کو ضعیف کہتا ہو۔ شعبۃ بن الحجاج ان کو حدیث بیان کرنے کی تاکید خط کے ذریعہ کرتے ہیں اور شعبہ شعبہ ہی ہیں۔"

بڑے بڑے ائمہ نے امام صاحب کی تعریف کی ہے جیسے عبداللہ بن المبارک، اور انکا شمار تو امام صاحب کے شاگردوں میں ہے اور سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید، عبدالرزاق، وکیع بن الجراح۔ اور یہ تو امام صاحب کی فقہ پر فتوی دیا کرتے تھے۔ نیز ائمہ ثلثہ امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم نے بھی امام صاحب کی بہت مدح و ثنا کی ہے (عینی شرح بخاری ص۱۲ ج ۶)

تاریخ خطیب بغدادی میں جو بعض بڑے لوگوں سے امام صاحب کی تضعیف وتنقیص منقول ہے یہ سب فتنۂ خلق قرآن کے بعد جماعت حشویہ کی گھڑت ہے کیونکہ یہ تمام خرافات عموماً مجہولین، مجروحین، کذابین کے ذریعہ سے روایت کی گئی ہیں اور خطیب کی وفات کے بہت بعد اس کی تاریخ میں ملحق کی گئی ہیں۔ خطیب نے ثقات کے ذریعہ سے بجز مناقب و فضائل کے کچھ ذکر نہیں کیا جس کو تفصیل کا شوق ہو میرا مستقل مضمون "خطیب بغدادی اور منکرین حدیث" مطبوعہ ماہنامہ الصدیق ملتان بابت سنہ ۱۹۵۷، ۵۸ء مطالعہ کریں۔

رہے دوسرے طرق جو حضرت عبداللہ بن عمرو ابوسعید خدری وابوہریرہ وابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ان کے بعض راویوں پر اگرچہ دارقطنی نے کلام کیا ہے مگر ان میں اکثر ایسے ہیں جو بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں پھر اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ چند ضعیف مل کر حسن اور کبھی صحیح کے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے گھر کا فیصلہ ہے کہ یہ حدیث قابل تسلیم نہیں۔ اگر صاحب تکمیل عینی شرح بخاری کا مطالعہ کر لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث بالکل صحیح بلکہ صحیح

سے بھی اوپر ہے کیونکہ اس کو خود امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے موطا اور کتاب الآثار میں بسند صحیح روایت کیا ہے۔ پھر امام دارقطنی نے جو اس کو مرسلاً صحیح کہا ہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عبداللہ بن شداد صحابی صغیر ہیں اور جب امام شافعی کے نزدیک سعید بن المسیب جیسے تابعی کبیر کا مرسل قابل قبول ہے تو صحابی صغیر کا مرسل بدرجہ اولیٰ مقبول ہوگا کیونکہ مراسیل صحابہ کو بالاتفاق سب نے قبول کیا ہے۔

اس کے بعد صاحب تکمیل نے امام بخاری کا ایک فیصلہ نقل کیا اور دعوی کیا ہے کہ یہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ عام ہے اور حدیث عبادہ میں الا بام القرآن سے سورۂ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک حدیث میں ہے کہ میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ بنائی گئی ہے۔ پھر دوسری حدیث میں الا المقبرۃ والحمام کہہ کر قبرستان وغیرہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ امام طحاوی نے بھی تو یہی فرمایا ہے کہ حدیث ابو ہریرہ کل صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج۔ "جس نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ خداج (ناقص) ہے۔" عام ہے جس میں سے حدیث من کان لہ امام فقراءتہ لہ قراءۃ نے مقتدی کو مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کو امام کی قرارت کی وجہ سے قاری قرار دیا گیا ہے تو اس کی کیا وجہ کہ امام بخاری کا قول تو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور امام طحاوی کا قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل نہ ہو یہ محض زبردستی اور عصبیت ہے اور کچھ نہیں۔ حالانکہ لفظ قرارت کو عام کہنا غلط ہے اور حدیث ابو ہریرہ میں کل صلوٰۃ کا عام ہونا صحیح اور واضح ہے۔ پھر ہم بتلا چکے ہیں کہ حدیث عبادہ میں جملہ استثنائیہ الا بامّ القرآن کو امام فن یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اس کی وجہ سے حدیث من کان لہ امام الخ میں تأویل کرنا صحیح نہیں اور حدیث من کان لہ امام صحیح حدیث ہے۔ نیز حدیث مسلم اذا قرأ فانصتوا اور نصّ قرآن واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کے موافق ہے اس کو حدیث عبادہ اور حدیث ابو ہریرہ کے لئے مخصص قرار دینا درست ہے۔ پس امام طحاوی کا قول بہت وزنی ہے جس کے سامنے امام بیہقی وغیرہ کی تاویل کی کوئی حقیقت نہیں۔

رہا یہ کہ دارقطنی (اور بیہقی نے) حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ظہر یا

عصر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھی تو آپ نے نماز کے بعد دریافت فرمایا، یہ کون میرے پیچھے قراءت کر رہا تھا؟ تین بار دریافت فرمایا۔ ایک شخص نے کہا میں نے قراءت کی تھی۔ فرمایا، میں دیکھ رہا تھا کہ تم قرآن میں مجھ سے منازعت کر رہے تھے جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کو امام کی قراءت کافی ہے الخ

تو یہ حدیث تو حنفیہ کی دلیل تھی جس کو مغالطہ کے طور پر صاحب تکمیل اپنی بنا رہے ہیں۔ حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے آہستہ قراءت کی تھی اگر جہر سے قراءت کی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار دریافت کرنے کی نوبت نہ آتی۔ صحابہ پہلے ہی سوال پر کہہ دیتے کہ فلاں نے قراءت کی تھی۔ پھر آپ کا یہ فرمانا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قراءت اس کے لئے قراءت ہے صاف بتلا رہا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت نہ کرنا چاہیئے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ سورۂ فاتحہ کے سوا اور کوئی سورت نہ پڑھے زبردستی کی تاویل ہے جو ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے مفہوم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ سرّی نمازوں میں بھی آپ کو مقتدی کی قراءت گوارا نہ تھی۔ اور یہ کہ عام طور سے صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے۔ ایک دو ناواقف ایسا کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قراءت سے روک دیتے تھے۔ اگر سب صحابہ قراءت کرتے ہوتے تو یقیناً مقتدی یہ ضرور کہتے کہ ہم نے تو صرف سورۂ فاتحہ پڑھی تھی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ سب خاموش رہے پھر قراءت کرنے والے نے یہ بھی نہیں کہا کہ میں نے سورۂ فاتحہ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھی تھی۔ اس نے بھی صرف سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کی قراءت کا اقرار کیا جس سے معلوم ہوا کہ قراءت فاتحہ خلف الامام کا صحابہ کو اہتمام نہ تھا۔ پھر اگر قراءت فاتحہ خلف الامام لازمی تھی تو اس شخص کو آپ مطلقاً قراءت سے منع نہ کرتے بلکہ صاف فرما دیتے کہ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو حضرت جابرؓ کی حدیث کے کسی طریق میں بھی قراءت فاتحہ کا استثناء مذکور نہیں اور حدیث عبادہ کے جملہ استثنائیہ کا حال اوپر گزر چکا ہے کہ ائمۂ حدیث نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، پس حنفیہ کی دلیل کو اپنی دلیل بنانے والا خود جہالت کا ارتکاب کر رہا ہے وہ اس خطاب کا جو دوسروں کو دے رہا ہے خود ہی مستحق ہے۔

چھٹی دلیل پر تنقید:

اس کے بعد چھٹی دلیل عبداللہ بن مسعود کی حدیث کنز العمال کے حوالہ سے نقل کی

گئی ہے اذا صلّی احدکم خلف الامام فلیصمت فان قراء ته له صلوٰۃ" جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے خاموش رہے کیونکہ اس کی قرارت اس کے لئے قرارت ہے اور اسکی نماز اُس کی نماز ہے" اس حدیث کو اوّل تو ضعیف کہا گیا ہے مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ حدیث چند صحابہ کی روایت سے ہے جن میں عبداللہ بن مسعود صحابی کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اور حدیث ضعیف کا تعدد طرق سے حسن یا صحیح کے درجہ پر پہنچ جانا اصول حدیث میں مصرح ہے پھر اس حدیث کے بعض طرق یقیناً صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں جیسا پہلے اپنے دلائل میں ہم بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو حضرت جابر کی روایت سے مشہور قرار دیا ہے اور حدیث مشہور کا جو درجہ ہے اہل حدیث اس سے ناواقف نہیں ہیں پھر اسمیں بھی وہی بے تکی تاویل کی گئی ہے کہ لفظ قرارت عام ہے جس سے بوجہ حدیث عبادہ کے سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے الخ۔ اس تاویل کا لغو ہونا ابھی بیان ہو چکا ہے۔

پھر ایک عجیب الزام دیا گیا ہے کہ اگر جملہ فان قراءته له قراءة سے یہ مطلب لیا گیا کہ امام کی قرارت مقتدی کو کافی ہے اس کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں تو جملہ وصلوٰته له صلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہوگا کہ امام کی نماز مقتدی کو کافی ہے تو اقتدار کے بعد ارکان نماز مثلاً رکوع وسجود وغیرہ کی بھی مقتدی کو ضرورت نہ ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحبِ تکمیل کے نزدیک صلوٰۃ نام ہی سورۂ فاتحہ کا ہے۔ جیسا حدیث قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی کی تفسیر میں صلاہ پر امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کو صلوٰۃ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر فاتحہ نہ ہو تو نماز ہی نہیں الخ جب آپ کے نزدیک سورۂ فاتحہ ہی کا نام صلوٰۃ ہے تو حدیث ابن مسعود کا حاصل یہ ہوگا کہ امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے اور اسکی سورۂ فاتحہ مقتدی کی سورۂ فاتحہ ہے اس کو خود پڑھنے کی ضرورت نہیں اور قرارت کے بعد خاص سورۂ فاتحہ کا ذکر اس لئے فرمایا گیا کہ شاید کوئی یہ سمجھے کہ قرارت سے مراد ماسوائے فاتحہ ہے اس لئے اس شبہہ کو رفع کر دیا گیا، یہ تو الزامی جواب تھا دیکھیں صاحبِ تکمیل اس الزام کو کس طرح اپنے اوپر سے دفع کرتے ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ جملہ وصلوٰته له صلوٰۃ کا وہی مطلب ہے جو حدیث الامام ضامن کا مطلب ہے کہ امام کی نماز صحۃً وفساداً متضمن صلوٰۃ مقتدی ہے یعنی اگر امام کی نماز

صحیح ہوگی اس کی بھی صحیح ہوگی، اس کی فاسد ہوگی تو اس کی بھی فاسد ہوگی چنانچہ ابوداود کی ایک روایت میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے - قال وحدثنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد اعجبنی ان تکون صلوٰۃ المسلمین او المؤمنین واحدۃً "حضرت معاذ بن جبل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نماز ایک نماز ہو" جماعت کی نماز کو آپ نے ایک نماز قرار دیا ہے الگ الگ بہت سی نمازیں قرار نہیں دیں اور عرفاً و عادۃً بھی جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا جاتا ہے اور اسی لئے کہ جماعت کی نماز ایک نماز ہے۔ سترہ صرف امام کے سامنے کافی ہے۔ ہر مقتدی کے آگے الگ الگ سترہ کی ضرورت نہیں تو ایک نماز کے لئے ایک قرارت اور ایک ہی فاتحہ کافی ہے ہر ایک کو قرارت کی ضرورت نہیں بقیہ ارکان کو قرارت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ امام کی قرارت کے لئے تو استماع و انصات کا قرآن و حدیث میں صاف حکم ہے اور رکوع وسجدہ کے لئے نیابت کافی نہیں سمجھی گئی بلکہ مقتدیوں کو صاف حکم ہے اذا رکع فارکعوا واذا سجد فاسجدوا۔ "جب امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو" اور یہی عام عادت بھی ہے کہ جب دربار شاہی میں بہت سے لوگ ایک درخواست لے کر پہنچتے ہیں تو افعال تعظیمی تو ہر شخص بجالاتا ہے مگر گفتگو رئیس وفد کرتا ہے ہر شخص الگ الگ گفتگو نہیں کرتا اور درخواست قبول ہونے کے بعد پھر ہر شخص شکریہ الگ الگ ادا کرتا اور آداب تعظیمی بجالاتا ہے یہی صورت شریعت نے نماز میں رکھی ہے کہ اوّل سب تکبیر کہیں آداب شاہی بجالائیں اسکے بعد درخواست پیش کرنا امام کا کام ہے جب وہ سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ جواب کے ہے تو ہر شخص آدابِ تعظیمی بجالاتا ہے اور رکوع وسجدہ میں شکریہ اور تعظیم کے الفاظ ادا کرتا ہے۔

منصفین اہلحدیث سے اپیل

اگر اہلِ حدیث انصاف سے کام لیں تو ان کے لئے اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان فرمائے ہیں یعنی حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللّٰھم ربّنا لک الحمد واذا سجد فاسجدوا الخ" امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے۔ جب وہ تکبیر کہے تکبیر کہو۔ جب رکوع کرے رکوع کرو۔ جب سمع

اللہ لمن حمدہ کہے اللّٰھم ربنا لك الحمد کہو، جب سجدہ کرے سجدہ کرو"۔ اس کی کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے واذا قرأ فاقرؤا کہ جب امام قرارت کرے تم بھی قرارت کرو۔ اگر مقتدی کے ذمہ امام کی قرارت کے ساتھ قرارت فرض یا واجب ہوتی تو اسکا بیان اس حدیث میں ضروری تھا جس میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض بیان کئے جارہے ہیں۔ اس حدیث میں اگر ہے تو اذا قرأ فانصتوا ہے کہ جب امام قرارت کرے تم خاموش رہو۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور ابو داود۔ پس جس کو قرارت فاتحہ خلف الامام کے فرض ہونے کا دعوی ہے وہ اس حدیث کے کسی طریق میں اذا قرأ فاقرؤا دکھلائے کیونکہ اسی حدیث میں امام اور مقتدی دونوں کے فرائض کا بیان ہے۔ حدیث عبادہ پیش کرنا کافی نہیں کیونکہ اس میں امام اور مقتدی کے فرائض کا بیان نہیں بلکہ راوی حدیث سفیان بن عیینہ اور زہری وغیرہ نے خود کہدیا ہے کہ وہ تنہا نماز پڑھنے والے کے متعلق ہے اور اسی کو امام احمد نے بیان فرمایا ہے۔

ساتویں دلیل پر تنقید :

ساتویں دلیل صحیح مسلم سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے لا قراءۃ مع الامام فی شیء من الصلوات کہ امام کے ساتھ کسی نماز میں بھی قرارت نہیں ہے (امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں لا تقرأ مع الامام فی شیء من الصلوات ورجاله ثقات امام کے ساتھ کسی نماز میں قرارت نہ کرو اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں) اس کے بعد وہی رکیک تاویل اس میں بھی کی گئی ہے کہ یہ اثر ماسوائے فاتحہ پر محمول ہے اور دیدہ دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ جواب صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر موجود ہے الخ کوئی ان سے پوچھے کہ امام نووی کی تقلید کس دن سے واجب ہوگئی جو ان کے جواب کو ماننا حنفیہ پر لازم ہوگیا اور نہ مانیں تو شپرہ چشم کہلائیں؟ مگر جو لوگ امام طحاوی کے جواب کو نہ دیکھیں نہ مانیں ان کے لئے کیا لقب تجویز کیا جائے گا؟ یہ ہے اہلِ حدیث کی دیانت اور تہذیب کہ اپنے مطلب کی بات کسی جگہ سے مل جائے تو فوراً مقلد بن جاتے ہیں اور اس کے ماننے پر ایسا زور دیتے ہیں گویا آسمان سے وحی نازل ہوگئی ہے کہ اثر زید بن ثابت کا وہی مطلب ہے جو امام نووی نے بیان کیا یا امام بیہقی نے اپنے مذہب کی رعایت وحمایت میں کچھ لکھدیا ہے ہمیں پوچھتا ہوں کہ زید بن ثابت کے اثر میں فاتحہ یا غیر فاتحہ کا ذکر ہی کہاں ہے اور اگر اسی طرح کی تاویلوں سے کام لیا جائے گا تو آپ کی ایک دلیل بھی قائم نہ رہ سکے گی ہر شخص کو اختیار ہوگا

کہ آپ کے تمام دلائل کو منفرد پر محمول کر دے اور تائید میں حدیث اذا قرأ فانصتوا اور نصِ قرآنی اذا قرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا کو پیش کر دے پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کی تأویل اور امام نووی اور بیہقی کا قول تو حجت ہو اور دوسرے کی تأویل اور امام احمد وسفیان بن عیینہ اور زہری اور طحاوی اور علامہ عینی کے اقوال حجت نہ ہوں؟ اگر آپ سچے اہلحدیث ہیں تو صرف حدیث کے الفاظ سے استدلال کیجئے اِدھر اُدھر سے اس میں قیدیں نہ بڑھائیے اس راستہ سے آپ چلیں گے تو انشاء اللہ حنفیہ کے مسلک کی قوت کھلی آنکھوں نظر آجائے گی۔

آپ نے حنفیہ کے جتنے دلائل پر کلام کیا ہے وہ صاف الفاظ میں قرارت فاتحہ خلف الامام کے ممنوع ہونے یا فرض و واجب نہ ہونے کو ظاہر کر رہے ہیں مگر آپ امام نووی یا بیہقی یا امام رازی وغیرہ کی تقلید کا سہارا لیکر ان میں وہ تاویلیں کرتے ہیں جسکا آپ کو کوئی حق نہیں۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا اسی کا نام ہے۔

امام احمد اور علامہ ابن تیمیہ کے قول کا اعادہ :

اخیر میں امام احمد بن حنبل اور علامہ ابن تیمیہ کا قول پھر یاد دلاتا ہوں۔ امام احمد فرماتے ہیں "ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سُنا کہ جب امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اور اس کے پیچھے مقتدی قرارت نہ کرے تو ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ تابعین اور اہلِ حجاز میں امام مالک اہلِ عراق میں امام سفیان ثوری، اہلِ شام میں امام اوزاعی اہلِ مصر میں امام لیث بن سعد۔ انمیں سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ جو شخص مقتدی ہو اور اسکا امام قرارت کر رہا ہو وہ قرارت نہ کرتا ہو تو اسکی نماز باطل ہے اھ" موفق بن قدامہ نے امام احمد کا یہ قول نقل کرکے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے ص۶۰۱ ج۱،

علامہ عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ قرارت خلف الامام کی ممانعت بڑے بڑے اسّی صحابہ سے منقول ہے جن میں حضرت علی اور عبادلۂ ثلٰثہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس) بھی ہیں محدثین کو ان صحابہ کے نام معلوم ہیں ان حضرات کا اس پر اتفاق کرنا بمنزلہ اجماع کے ہے اسی لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ترک قرارت خلف الامام پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اکثر کے اتفاق کو اجماع کہدیا گیا کیونکہ ہمارے نزدیک اسکو بھی اجماع کہا جاتا ہے اور شیخ امام عبداللہ ابن یعقوب حارثی نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں فرمایا ہے کہ عبداللہ بن زید بن اسلم نے

اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے دس حضرات قرات خلف الامام کے بارے میں بہت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے (جنکے نام یہ ہیں) ابوبکر صدیق عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن طالب، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اھ اس کے بعد علامہ عینی نے متعدد صحابہ کے اقوال بحوالہ کتب واسانید بیان کئے ہیں جن کو ہم نے اپنے دلائل میں پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "تنوع العبادات" میں فرمایا ہے "کہ سلف نے عام طور پر قرارت خلف الامام کو مکروہ سمجھا ہے جبکہ امام قرارت جہر سے کر رہا ہو اور اکثر ائمہ سورۂ فاتحہ کے بعد سکوت طویل نہ کرتے تھے (تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں) جہری نمازوں میں (امام کے پیچھے) قرارت کرنے والے بہت کم تھے اور اس سے کتاب اللہ نے بھی منع کیا ہے اور سنتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اور جمہور سلف وخلف بھی اس سے منع کرتے ہیں اور قرارت خلف الامام کی صورتمیں نماز کے باطل ہونیمیں اختلاف ہے۔ بعض علماء جہری نماز میں بھی مقتدی پر قرارت فاتحہ خلف الامام کو واجب کرتے ہیں اور اگر قرارت نہ کرے تو نماز کے باطل ہونے میں اختلاف ہے پس نزاع دونوں طرف ہے لیکن جو لوگ قرارت خلف الامام سے منع کرتے ہیں ان کے ساتھ جمہور سلف وخلف ہیں اور کتاب اللہ بھی اور سنتِ صحیحہ بھی۔ اور جو لوگ اس حالت میں مقتدی پر قرارت کو واجب کرتے ہیں انکی حدیث کو ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے اور حدیث ابو موسیٰ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو واذا قرأ فانصتوا (جب امام قرارت کرے خاموش رہو) امام احمد اور اسحٰق اور امام مسلم وغیرہم نے صحیح بتلایا ہے بخلاف اس حدیث کے جو حضرت عبادہ سے روایت کی گئی ہے (لا تفعلوا الا بام القرآن) کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے مگر سورۂ فاتحہ۔ وہ صحیح میں شامل نہیں کی گئی اور اسکا ضعیف ہونا چند وجوہ سے ثابت ہو چکا ہے دراصل وہ حضرت عبادہ کا قول ہے اھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے۔

حنفیہ کا اہل حدیث پر احسان:

الحمد للہ کہ آج بروز چہارشنبہ ۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ رسالہ تکمیل البرہان کا جواب تمام ہوا جس سے ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مسئلہ قرارت خلف الامام میں امام ابوحنیفہ

کا مسلک کتاب اللہ اور سنّتِ صحیحہ اور اجماع جمہور سلف و خلف سے مؤید ہے اور جو اہلِ حدیث مقتدی کی نماز کو بوجہ ترک قرارت فاتحہ خلف الامام کے باطل کہتے ہیں انکے پاس کوئی دلیل صریح نہیں بلکہ امام کے پیچھے قرارت کرنے والوں کی نماز درست ہی ہوجائے تو غنیمت ہے۔ کیونکہ قرآن میں اور سُنّتِ صحیحہ میں مقتدی کو قرارتِ قرآن کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے قرارت سے منع کیا گیا ہے اور اہلحدیث کے اصول پر نہی کی مخالفت سے عمل باطل ہوجاتا ہے اگرچہ حنفیہ کے نزدیک باطل نہیں ہوتا۔ پس ان کو امام ابوحنیفہ کا احسان مند ہونا چاہیئے کہ وہ قرارت خلف الامام کی وجہ سے انکی نمازوں کو باطل نہیں کہتے ورنہ خود اصول اہلحدیث کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا کی مخالفت سے جس کا نزول بالاجماع قرارت خلف الامام کے بارے میں ہوا ہے جیسا امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے نیز حدیث صحیح اذا قرأ فانصتوا کی خلاف ورزی سے جو صاف طور سے مقتدیوں کے متعلق وارد ہے کہ جب امام قرارت کرے خاموش رہو اہلحدیث کی نمازیں باطل ہوجانی چاہئیں جیسا صوم یوم النحر کو اسی بنا پر باطل کہتے ہیں کہ شارع کی نہی موجب بطلان عمل ہے۔

اُمید ہے کہ اہلِ فہم اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عصبیت جاہلیہ سے بچائے اور ائمہ سلف کی عظمت وادب کا پاس کرنیکی توفیق دے اور اس رسالہ کو مقبول عام وخاص بنائے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمّد واٰلہ واصحابہ اجمعین والحمد للہ الذی بنعمتہ وبعزّتہ وجلالہ تتم الصّٰلحٰت ۔

۲۷ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۰ھ
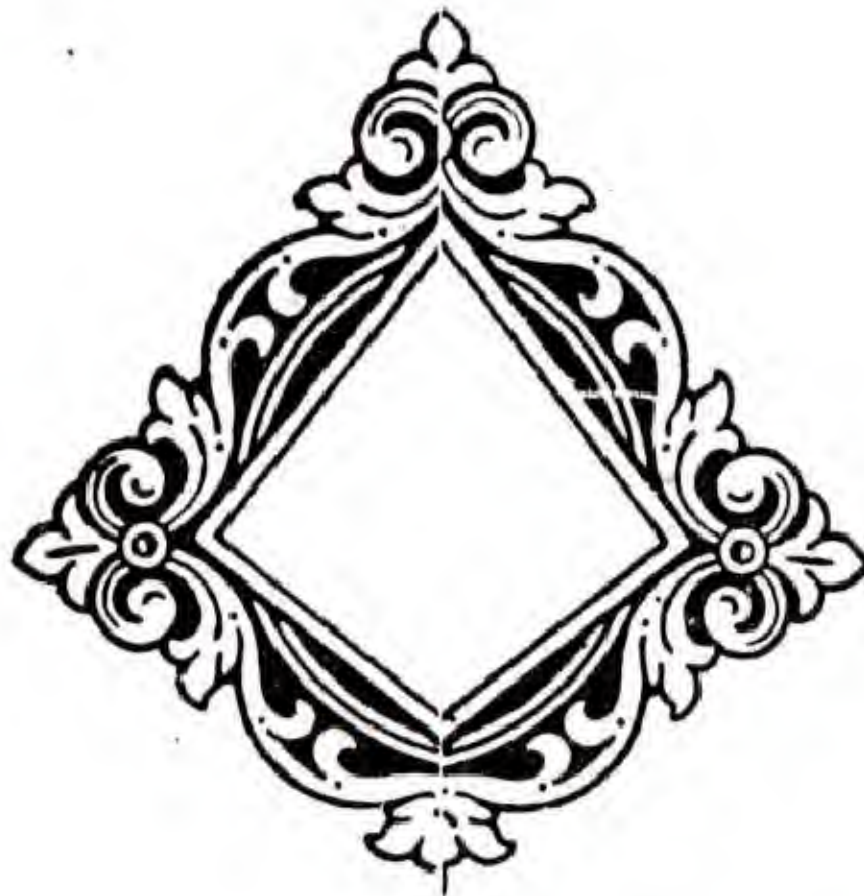
باب الامامۃ والجماعۃ

جماعتِ فجر کے وقت سنتیں پڑھنا:

سوال :- فجر کی جماعت قائم ہو تو سنتِ فجر پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر نہ پڑھیں تو طلوعِ شمس سے قبل پڑھے یا کہ بعد ؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر تشہد میں جماعت سے شرکت کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، مگر مسجد سے باہر پڑھے یا حائل سے پڑھے، مثلاً ستون وغیرہ کے پیچھے، صف سے اختلاط کرکے یا صف کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہ ہے، لہٰذا اگر خارج المسجد یا ساریہ وغیرہ کے حائل سے پڑھنے کی جگہ نہ ہو تو ترک کردے، ایسے ہی اگر تشہد میں شرکت کی امید نہ ہو تو ترک کردے، اور طلوعِ شمس کے بعد پڑھے، بعد الطلوع پڑھ لینا افضل ہے، ضروری نہیں، بہت سے فقہاء کا قول ہے کہ اگر رکعتِ ثانیہ میں شرکت کی امید نہ ہو تو سنت[عہ] نہ پڑھے، مگر شامیہ سے قولِ اوّل کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، والتفصیل[عہ] فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رذی قعدہ ۷۳ھ

نوافل یا سنتیں پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہوجانا:

سوال :- کوئی شخص نفل یا سنت پڑھ رہا ہو اس حالت میں جماعت قائم ہوجائے تو کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد نوافل یا سنن میں شروع ہونا اس شرط سے جائز ہے کہ رکعتِ اُولیٰ فوت ہونے کا خوف نہ ہو، اِلّا سنن الفجر، اگر قیامِ جماعت سے پہلے

عہ یعنی ایسی حالت میں سنت شروع نہ کرے، اگر شروع کردیں تو قطع کرنا جائز نہیں ۱۲ منہ

 عہ باب الوتر والنوافل میں بتفصیل دلائل آرہا ہے، ۱۲ منہ

نوافل یا سنن شروع کرچکا ہے تو ایک قول پر تقیید بسجدہ سے قبل یہ نماز قطع کرکے جماعت کے ساتھ شامل ہوجائے، مگر صحیح یہ ہے کہ تقیید بسجدہ کی ہو یا نہیں بہرحال دوگانہ پورا کرکے شامل ہو، اگر ظہر کی چار سنتیں پڑھ رہا ہو تو ایک قول پر چار رکعتیں کامل کرے، مگر صحیح یہ ہے کہ دو رکعتوں پر سلام پھیر کر جماعت میں شریک ہو، البتہ اگر رکعتِ ثالثہ میں کھڑا ہوگیا ہے تو ایک قول پر تقیید بسجدہ سے قبل تشہد کی طرف رجوع کرکے سلام پھیر دے، مگر راجح یہ ہے کہ چار رکعات پوری کرلے، ثالثہ کو خواہ مقید بسجدہ نہ کیا ہو، سنن جمعہ کا بھی یہی حکم ہے یعنی سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہوجائے تو دو رکعت پر سلام پھیر دے اگر خطبہ سے قبل تیسری رکعت شروع کرچکا ہو تو چار پوری کرے، مگر خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت شروع کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں، والتفصیل فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ذی قعدہ ۷۲ھ

فرض پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہوگئی:

سوال:- ایک شخص فرض پڑھ رہا تھا اس حالت میں جماعت قائم ہوگئی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

اگر رکعتِ اولیٰ کے سجدہ سے قبل امام نے تکبیرۂ تحریمہ کہہ دی تو نماز قطع کرکے امام کی اقتداء کرے۔

رکعت اولیٰ کا سجدہ کرلیا ہو تو فجر و مغرب میں قطع کرکے اقتداء کرے اور بقیہ نمازوں میں شفع پورا کرکے اقتداء کرے۔

ثانیہ کا سجدہ کرلیا ہو تو قطع نہ کرے بلکہ فجر و مغرب میں پوری نماز پڑھ لے اور اقتداء نہ کرے۔ بقیہ نمازوں میں شفع پورا کرکے اقتداء کرے۔

ثالثہ کا سجدہ کرلیا ہو تو نماز پوری کرکے متنفلاً اقتداء کرے، الا فی العصر۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: حاصل ھذہ المسألۃ شرع فی فرض فاقیم قبل ان یسجد للاولیٰ قطع واقتدی فان سجد لھا فان فی رباعی اتم شفعاً واقتدی مالم یسجد للثالثۃ فان سجد اتم واقتدی متنفلاً الا فی العصر وان فی غیر رباعی قطع واقتدی مالم یسجد للثانیۃ فان سجد لھا اتم ولم یقتد اھ وقال ایضاً تحت (قولہ لا لاقامۃ المؤذن)

فکأنہ قال المراد بالاقامۃ الشروع فی الفریضۃ فی مصلاۃ لا اقامۃ المؤذن الخ (رشامیۃ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ ر ذی قعدہ ۷۲ھ

قضا نماز پڑھنے کی حالت میں جماعت قائم ہوگئی:

سوال:۔ قضا نماز پڑھتے ہوئے جماعت شروع ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

قضا نماز شروع کرنے سے قبل ہی جماعت قائم ہوجائے تو بھی صاحبِ ترتیب پہلے قضا نماز پڑھ اس کے بعد ہوسکے تو جماعت میں شامل ہوجائے، اور غیر صاحبِ ترتیب قضا نہ پڑھے بلکہ جماعت میں شامل ہو، اور اگر قضا نماز شروع کرنے کے بعد جماعت قائم ہو تو قطع نہ کرے (سواء کان صاحب الترتیب اولا) ھکذا فی الشامیۃ باب ادراک الفریضۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ ر ذی قعدہ ۷۲ھ

لنگڑا چلنے پر قادر ہو تو اُس پر جماعت واجب ہے:

سوال:۔ ایک مولوی صاحب کا گھر دو مسجدوں کے درمیان ہے، امام کی قرارت اس کے گھر میں سنائی دیتی ہے۔ یہ مولوی صاحب دونوں پاؤں سے لنگڑے ہیں، البتہ تجارت وغیرہ معاملات بخوبی کرتے ہیں اور چلتے پھرتے رہتے ہیں، کراچی وغیرہ تک بھی جاتے رہتے ہیں، مگر مسجد میں جماعت سے شامل نہیں ہوتے، کیا اُن کے لئے یہ عذر ترکِ جماعت کے لئے کافی ہے، اگر کافی نہیں تو ترکِ جماعت کس قدر جُرم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

جبکہ مولوی صاحب بخوبی چلتے پھرتے رہتے ہیں تو ان کے لئے ترکِ جماعت جائز نہیں، جماعت ایسے لنگڑے سے معاف ہے جو چلنے پر قادر نہ ہو، الاعرج الذی لایستطیع المشی، (رشامیۃ) تارکِ جماعت کے لئے سخت وعید ہے، تارکھا بلاعذر یعزر و ترد شہادتہ (رشامیۃ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ر شوال ۷۱ھ

نابینا کی امامت:

سوال:۔ نابینا کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

نابینا کی اقتدار مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر یہ نابینا سب سے افضل ہے اور مسائل سے زیادہ واقف ہے تو کوئی کراہت نہیں، بلکہ اس کو امام بنانا افضل ہے، قیل کراھۃ امامۃ الاعمی فی المحیط وغیرہ بان لا یکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولی (رشامیۃ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۲ھ

ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت:

سوال: ڈاڑھی کٹانے یا منڈوانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب منہ الصدق والصواب

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے، اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کا اظہار واعلان ہے، اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فیصلہ تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان میں علانیہ کھائے پیئے وہ واجب القتل ہے، کیونکہ وہ کھلے طور پر شریعت کی مخالفت کر رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل امتی معافی الا المجاھرین "میری پوری امت لائق عفو ہے مگر علانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں۔"

دوسرا فرق یہ ہے کہ دوسرے گناہ کسی خاص وقت میں ہوتے ہیں مگر ڈاڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، سو رہا ہو تو بھی گناہ ساتھ ہے، حتیٰ کہ نماز وغیرہ عبادت میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلی ہے، قوم لوطؑ کے اسباب عذاب میں ڈاڑھی کٹانا بھی ہے، (درمنثور)

غرضیکہ ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنا دیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے، اس کا وبال وعذاب مسجد کے منتظمین پر ہوگا، صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ (درمختار) وفی الشامیۃ افاد ان الصلوٰۃ خلفھما اولی من الانفراد لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع (رشامیۃ ج ۱) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر و فاجر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال: زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی کٹانے اور منڈانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے لوگوں کو نماز پڑھتے رہنا چاہئے، حوالہ شامیہ اور فتح القدیر کا دیتا ہے، کیا زید کا یہ قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اور ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز بالکل صحیح ہی نہیں ہوتی، احناف کے ہاں نماز صحیح تو ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہے، کراہت تنزیہیہ و تحریمیہ کے بارہ میں اگرچہ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے کچھ اختلاف کیا ہے، مگر راجح قول کراہت تحریمیہ کا ہے، نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط لازم ہے، محرم اور مبیح میں تعارض کے وقت اصولاً محرم کی ترجیح متعین ہے، خصوصاً جبکہ بعض ائمہ کے ہاں نماز درست ہی نہیں ہوتی، اور فرض ہی ادا نہیں ہوتا تو اختلاف سے احتراز اور اہم ترین فرض کی ادا علیٰ وجہ الکمال بلکہ فرض سے یقینی طور پر بریٔ الذمہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ فاسق کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اسی لئے موجودہ وقت کے محققین علماء حنفیہ کراہتِ تحریمیہ پر متفق ہیں، قال فی الشامیۃ واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم لامر دینہ وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا ولا یخفی انہ اذا کان اعلم لا تزول العلۃ فانہ لا یؤمن ان یصلی بھم بغیر طھارۃ فھو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذا لم تجز الصلوٰۃ خلفہ اصلا عند مالک فلذا حاول الشارح فی عبارۃ المصنف وحمل الاستثناء علی غیر الفاسق، واللہ اعلم (رد المحتار ج۱) فتح القدیر اور شامیہ میں کراہتِ تنزیہیہ کا قول ہرگز نہیں، زید کا قول محض افتراء اور بہتان ہے، یا زید درمختار کے متن اور شرح میں امتیاز نہیں کر سکتا، جہالت کی وجہ سے متن اور شرح کو خلط کر کے غلط نتیجہ نکال رہا ہے، متن میں صرف یکرہ کا لفظ ہے، تنزیھًا کا لفظ شارح نے زیادہ کیا ہے، مگر متن کی عبارت الا ان یکون الخ سے شارح کا فاسق کو مستثنیٰ کرنا بیّن دلیل ہے، کہ شارح کی طرف سے تنزیھًا کا لفظ بھی غیر فاسق سے متعلق ہے، شامیہ کی مذکورہ عبارت یعنی فلذا حاول الشارح الخ اس کی وضاحت کر رہی ہے، غرضیکہ تنویر الابصار میں یکرہ کا لفظ مطلق ہے، جس سے متبادر کراہتِ تحریمیہ ہے، کما صرح

به الفقهاء، اور درمختار کی عبارت سے کراہت تحریمیہ مفہوم ہے، اور ردالمحتار میں کراہت تحریمیہ کی تصریح ہے، فتح القدیر اور عالمگیریہ وغیرہ میں بھی یکرہ کا لفظ مطلق ہے، اور فقہاء رحمہم اللہ کی تصریح ہے کہ کراہت کے اطلاق کے وقت کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے،

البتہ فاسق اگر امام بن گیا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جدا نماز پڑھنے سے افضل ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا خلف کل بر و فاجر، وفی شرح التنویر عن النهر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة، وفی الشامیة افاد ان الصلوٰة خلفهما اولیٰ من الانفراد لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع الخ، علماء امت حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، اور مقتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے، مگر اپنے اختیار سے فاسق کو امام بنانا جائز نہیں، اگر مسجد کی منتظمہ نے فاسق کو امام بنادیا اور دوسری جگہ کوئی صالح امام میسر نہ ہو تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ فاسق ہی کی اقتداء میں نماز پڑھ لے، اس کو امام بنانے کا عذاب منتظمہ پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ربیع الآخر ۱۳۷۳ھ

ڈاڑھی کٹانے سے توبہ کرلی تو بھی ڈاڑھی پوری ہونے تک اس کی امامت مکروہ ہے:

سوال: ایک آدمی ڈاڑھی منڈواتا ہے، اب اس نے سچے دل سے توبہ کرلی ہے، اور اس نے ڈاڑھی چھوڑنے کا عزم کرلیا ہے، کیا اس حالت میں جبکہ وہ توبہ کرچکا ہے مگر ڈاڑھی نہیں ہے اور اور نہ جلدی ڈاڑھی اگانا اس کے بس کی بات ہے، آیا اس کے امام بننے میں کراہت ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

توبہ کے باوجود ایسے شخص کی امامت دو وجہ سے مکروہ ہے، ایک یہ کہ اس پر تا حال اثر صلاح نمایاں نہیں ہوا، یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ اس کبیرہ سے احتراز کا اہتمام کرے گا یا نہیں؟ دوسری وجہ یہ کہ جن لوگوں کو توبہ کا علم نہیں اُن کو مغالطہ ہوگا اور وہ یہی سمجھیں گے کہ فاسق نماز پڑھا رہا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

صلوٰۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں:

سوال: کیا صلوٰۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ ہے؟ شامیہ میں ہے: کل صلوٰة ادیت مع الکراهة تجب اعادتها،

اس سے معلوم ہوا کہ اعادہ واجب ہے، بینوا توجروا،

الجواب منہ الصدق والصواب

اس صورت میں اعادہ نہیں، مقتلِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم بغاۃ کے پیچھے نماز پڑھتے رہے، کسی سے اعادہ ثابت نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "صلّوا خلف کلّ برّ وفاجر" میں بھی اعادہ کا ذکر نہیں، نہ ہی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس میں اعادہ کا حکم دیا ہے، باقی رہا کلیہ "کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ تجب اعادتہا" سے تعارض، سو اس کے مندرجہ ذیل جوابات ہو سکتے ہیں:۔

① علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترک واجب جماعت کے باوجود صلوٰۃ المنفرد کے عدمِ وجوبِ اعادہ کی توجیہ یوں فرمائی ہے: الا ان یدعی تخصیصہا بان مرادھم بالواجب والسنۃ التی تعاد بترکہ ماکان من ماھیۃ الصلوٰۃ واجزائہا (رشامیۃ باب واجبات الصلوٰۃ) مذکورہ اعتراض کے جواب میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ صلوٰۃ خلف الفاسق میں ماہیتِ صلوٰۃ اور اجزاءِ صلوٰۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں، اس لئے واجب الاعادہ نہیں، مگر اس میں یہ اشکال ہے کہ صلوٰۃ بحالت مدافعۃ الاخبثین یا بحالتِ حمل صورت واجب الاعادہ ہے، حالانکہ اس میں ماہیتِ صلوٰۃ میں سے کسی امر کا ترک نہیں پایا گیا، چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے آخر بحث میں یہی اشکال ظاہر فرمایا ہے،

② اعادہ اس صورت میں لازم ہے جب کہ اعادہ میں کوئی کراہت نہ ہو، صلوٰۃ خلف الفاسق کے اعادہ میں جماعت کی اولویت سے انفراد کی غیر اولویت کی طرف رجوع کی کراہت ہے، اس لئے صلوٰۃ خلف الفاسق واجب الاعادہ نہیں، اس جواب میں یہ اشکال ہے کہ اگر اعادہ بالجماعۃ ممکن ہو تو وہ واجب ہونا چاہئے، حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں،

③ یہ جزئیہ حدیث "صلّوا خلف کلّ برّ وفاجر" اور اجماعِ امت کی بناء پر مستثنیٰ ہے، اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فاسق کی اقتداء نہ کرنے میں انتشار وفتنہ کا خطرہ ہے، اور اقتداء کے بعد اعادہ میں اگرچہ خطرہ نسبۃً کم ہے مگر حرج ہے، کیونکہ یہ امر کثیر الوقوع ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ربیع الآخر ۷۳ھ

امام مسافر نے چار رکعتیں پڑھیں تو مقیم مقتدی کی نماز نہ ہوگی:

سوال:۔ امام مسافر اگر چار رکعتیں کامل کرے تو مقتدی جو مسافر نہیں ان کی نماز اس کے پیچھے صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

امام کی آخری دو رکعتیں نفل ہیں اور مقتدی کی فرض، اقتداء المفترض خلف المتنفل کے لزوم کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی، البتہ اگر مقتدی آخری دو رکعتیں اپنے طور پر پڑھیں، امام کی اقتداء ملحوظ نہ رکھیں تو اُن کی نماز صحیح ہوجائے گی، لما فی شرح التنویر ولو نوی الاقامة لا لتحقیقها بل لیتم صلوٰة المقیمین لم یصر مقیما وفی الشامیة (قوله لم یصر مقیما) فلو اتم المقیمون صلوتهم معه فسدت لانه اقتداء المفترض بالمتنفل ظهیریة ای اذا قصدوا متابعته اما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد افاده الخیر الرملی (شامیة، جلد ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲، ذی الحجہ ۷۲ھ

امام راتب احق بالامامت ہے:

سوال:- مسجد میں ایک امام مقرر ہو، اتفاقاً اگر اس سے زیادہ اعلم کوئی شخص آجائے تو امامت کا حقدار کون ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

امام راتب احق ہے لما فی شرح التنویر واعلم ان صاحب البیت ومثله امام المسجد الراتب اولیٰ بالامامة من غیره مطلقا وفی الشامیة (قوله مطلقا) ای وان کان غیره من الحاضرین من هو اعلم واقرأ منه (رد المحتار ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰، ذی الحجہ ۷۳ھ

غیر معذور کی اقتداء معذور سے جائز نہیں:

سوال:- غیر معذور کی نماز معذور کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التنویر فی موانع الاقتداء ولا طاهر بمعذور (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱، ذی الحجہ ۷۵ھ

رکوع وسجود پر قادر کی اقتداء عاجز سے جائز نہیں:

سوال:- رکوع اور سجدے پر قادر کی نماز اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

درست نہیں، قال فی التنویر فی موانع الاقتداء وقادر علی رکوع وسجود بعاجز عنهما (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ ذی الحجہ ۷۵ھ

متوضی کی اقتدار متیمم سے جائز ہے؟:

سوال:۔ متوضی اقتدار متیمم کی کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب منه الصدق والصواب

کرسکتا ہے: قال فی التنویر وصح اقتداء متوضئ لاماء معه بمتیمم (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ ذی الحجہ ۷۵ھ

مسح کرنے والے کی امامت جائز ہے:

سوال:۔ عذر کی وجہ سے کسی عضو پر مسح کرنے والے کے پیچھے اعضاء کو دھونے والا نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

پڑھ سکتا ہے، قال فی التنویر وصح اقتداء متوضئ لاماء معه بمتیمم وغاسل بماسح (رد المحتار، ج ۱ ص ۵۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ ذی الحجہ ۷۵ھ

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی امامت جائز ہے:

سوال:۔ قائم کی اقتداء بالقاعد عند الحنفیہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

درست ہے، قال فی التنویر وصح الاقتداء (الی قوله) وقائم بقاعد، (رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۰) حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو بیٹھکر نماز پڑھائی تھی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ ذی الحجہ ۷۵ھ

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے:

سوال:۔ امام اگر تکبیرات انتقال وتکبیر تحریم بہت آہستہ کہے تو نماز میں کچھ خلل ہے یا نہیں؟

اور جہر کی کیا حد ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

امام کے لئے جہر بالتکبیر مسنون ہے، اس لئے اس کے ترک سے سجدۂ سہو تو نہیں البتہ ترک سنت کا گناہ ہوگا، اور جہر کی حد یہ ہے کہ پوری صف اوّل تک آواز پہونچے قال فی شرح التنویر فی سنن الصلوٰۃ وجہر الامام بالتکبیر بقدر حاجته للاعلام بالدخول والانتقال وكذا بالتسميع والسلام وفی الشامية واشار بقوله والانتقال الى ان المراد بالتكبير هنا مايشمل تكبير الاحرام وغيره وبه صرح فی الضياء (رد المحتار ج۱ ص ۳۴۳) وایضاً فی فصل القراءة من الشامية قال فی الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير ان الامام اذا قرأ فی صلوٰة المخافتة بحيث سمع رجل اورجلان لايكون جهراً و الجهر ان يسمع الكل اھ ای كل الصف الاوّل لاكل المصلّين بدليل مافی القهستانی عن المسعودية ان جهر الامام اسماع الصف الاوّل اھ (الی قوله) فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافتة اسماع نفسه او من يقرب به من رجل اورجلين مثلاً واعلاها مجرد تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخی ولاتعتبر هنا فی الاصح وادنى الجهر اسماع غيره ممن ليس بقرب به كاهل الصف الاوّل واعلاه لاحد له فافهم واغتنم، هذا تحرير هذا المقام فقد اضطرب فيه كثير من الافهام (رد المحتار ج۱ ص ۴۹۹)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ صفر سنہ ۷۶ھ

تعداد رکعات میں مقتدیوں کے اختلاف کا حکم:

سوال:- ظہر کی نماز میں مقتدیوں نے اختلاف کیا، بعض کہتے ہیں چار ہوئیں، اور بعض کہتے ہیں کہ تین، امام کس قول پر عمل کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب منه الصدق والصواب

قال فی الهندية فی آخر الفصل السابع من الباب الخامس من كتاب الصلوٰة:-

(۱) لووقع الاختلاف بين الامام والقوم فقال القوم صليت اربعاً ان كان الامام على اليقين لايعيد الصلوٰة بقولهم وان لم يكن على يقين يعيد الصلوٰة بقولهم،

(۲) ولو اختلف القوم فقال بعضهم صلّی ثلاثا وقال بعضهم صلی اربعا والامام مع احد الفریقین یؤخذ بقول الامام وان کان معه واحد کذا فی الخلاصة،

(۳) واذا لم یکن مع الامام واحد واعاد الامام الصلوٰة واعاد القوم معه مقتدین به صح اقتداؤهم به کذا فی المحیط،

(۴) ولو استیقن واحد من القوم انه صلّی ثلاثا واستیقن واحد انه صلی اربعا والامام والقوم فی شك لیس علی الامام والقوم شیء کذا فی الخلاصة ولا یستحب للامام الاعادة وعلی المستیقن بالنقصان الاعادة،

(۵) ولو کان الامام استیقن انه صلّی ثلاثا وواحد استیقن بالتمام کان علیه ان یعید بالقوم ولا اعادة علی الذی تیقن بالتمام کذا فی المحیط،

(۶) ولو استیقن واحد من القوم بالنقصان وشك الامام والقوم فان کان ذلك فی الوقت اعادها احتیاطًا وان لم یعید وافلا شیء علیهم الا اذا استیقن عدلان بالنقصان واخبرا بذلك کذا فی الخلاصة (عالمگیریة ج۱ ص۴۸)

(۷) وایضًا فیها فی آخر الباب الثانی عشر عن الظهیریة قال محمد بن الحسن رحمه الله تعالیٰ فاعید بقول واحد عدل بکل حال کذا فی التتارخانیة،

(عالمگیریة ج۱ ص۱۶۸)

والروایات المذکورة کلها مسطورة ایضًا فی ردالمحتار قبیل باب صلوٰة المریض ج۱ ص۵۹۰،

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوتے :-

(۱) بہتر یہ ہے کہ بہر کیف قول واحد عادل سے اعادہ کیا جائے (للروایة السابعة)

(۲) اگر بعض کو اتمام یا نقصان کا یقین ہو اور بعض کو شک ہو تو متیقّن بہر حال اپنے یقین پر عمل کرے، اگرچہ متفرد ہو، (للروایة الخامسة والرابعة والشق الاوّل من الاولیٰ) اور متردّدین پر عدلین کے قول سے اعادہ ہے، (للروایة السادسة والشق الآخر من الاولیٰ) متیقن واحد کے قول سے اعادہ نہیں (للروایة السادسة) البتہ اگر امام متیقن بالنقصان ہو تو اس کے قول سے متردّدین پر اعادہ ہے، اگرچہ عدل واحد اس کے خلاف کا جازم ہو (للرّوایة الخامسة) عدلین کے مقابلہ میں صرف امام کا قول حجت نہیں (کما هو مفهوم الروایة الثانیة)

(۳) اگر متعدد اشخاص جازم بالنقصان ہیں اور متعدّد جازم بالاتمام اور باقی متردّد، تو متردّدین

پرامام کا قول واجب العمل ہوگا، اگرچہ امام کے ساتھ محض فردِ واحد ہو اور دوسری جانب جماعت کثیرہ، (للروایۃ الثانیۃ) اگر امام خود متردد ہے تو اذا تعارضا تساقطا کے تحت متردّدین پر اعادہ نہ ہوگا، طرفین میں تعدّد کے بعد قلّت وکثرت کا اعتبار نہیں لانہ لا اعتبار لکثرۃ الحجۃ بل لقوتہا،

④ اگر امام کو اتمام کا یقین تھا معہٰذا اس نے احتیاطاً اعادہ کیا تو متردّدین اور جازمینِ نقصان کی اقتدا صحیح ہے، (للروایۃ الثالثۃ) وجہ یہ ہے کہ امام کے خیال میں اگرچہ یہ اعادہ واجب نہیں مگر مقتدیوں کے خیال میں واجب ہے، پس جازمینِ نقصان امام کی صلوٰۃ کو بھی فرض سمجھ رہے ہیں، لہٰذا اقتدا درست ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۲ صفر ۷۶ھ

ہل تجب الاعادۃ علیٰ من سہا خلف الامام :

سوال :- ما قولکم رحمکم اللہ فیما اذا سہا المقتدی خلف الامام ہل یعید الصلوٰۃ بطریق جبر النقصان ام لا؟ بینوا بالدلائل الشافیۃ والعبارات الواضحۃ،

الجواب منہ الصدق والصواب

قال فی الفتح (قولہ سجد وحدہ کان مخالفاً) ای فی نفس مایؤدیہ مع الامام حکماً وان کان سجودہ بعد فراغ الامام الخ (فتح القدیر، ج ۱ ص ۳۶۲) وقال فی الشامیۃ تحت (قولہ لابسہوہ اصلا) لا قبل السلام للزوم مخالفۃ الامام ولا بعدہ لخروجہ من الصلوٰۃ بسلام الامام (الیٰ قولہ) بل الاولیٰ التمسک بمارویٰ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس علیٰ من خلف الامام سہو اھ (تنبیہ) قال فی النہر ثم مقتضی کلامہم انہ یعیدہا لثبوت الکراہۃ مع تعذر الجابر (رد المحتار، ج ۱ ص ۵۴۹)

اقول مفاد عبارۃ الشامیۃ ان مدار وجوب الاعادۃ علیٰ ثبوت الکراہۃ مع تعذر الجابر وماذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی تعلیل التعذر اوّلاً اورد علیہ اشکالاً من النہر ثانیاً ولذا قال بل الاولیٰ التمسک بمارویٰ الخ فکأنہ مارضی بالتعلیل المذکور وامّا تعلیل ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فاعترض علیہ ایضاً الفاضل الجلبی فی حاشیتہ علی العنایۃ فلمّا لم یثبت تعذر الجابر وآل الامر الی التمسک بالنص الناقض للقیاس فہدم بناء وجوب الاعادۃ والحدیث

ایضاً یدل علی عدم الاعادۃ لانہ لما ارتفع السہو عن المأموم وعفاہ الشرع فلا وجہ لایجاب الاعادۃ علیہ علی ان صاحب النہر ما اتی بروایۃ من ائمۃ المذہب وما ذکر نصاً من المشایخ بل اخذ شیئاً من فحوی کلامہم وھو کما تری، لان سکوتہم عن وجوب الاعادۃ یدل علی عدمہ، فان السکوت فی معرض البیان بیان، ولذا ذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیاً الی النہر بحثاً فقط ولم یفت بہ کما ھو دأب المحققین فانہم قد یذکرون شیئاً علی طریق البحث المحض ولا یفتون بہ،

والحاصل ان الاعادۃ لیست بواجبۃ ومعہذا ان احتاط واعاد فقد احسن، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ ربیع الاول ۷۷ھ

لُنجے کی امامت :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلہ میں کہ زید کا بایاں ہاتھ بازو سے کٹا ہوا ہے، قرآن مجید کا قاری ہے، سنت کے مطابق اُن کی ڈاڑھی بھی ہے، اور شادی شدہ ہے اور علم فقہ میں بھی ان کو واقفیت ہے، کیا اُن کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟ ضرورت کا وقت ہو یا نہ ہو نماز پڑھا سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ اس قسم کے معذور سے طبعاً نفرت ہوتی ہے، نیز اس کے لئے طہارتِ کاملہ ممکن نہیں، اس لئے دوسرے صحیح امام کی موجودگی میں اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اگر اس سے زیادہ مستحق امامت کوئی شخص موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، قال فی شرح التنویر تکرہ خلف امرد وسفیہ ومفلوج وابرص شاع برصہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وکذلک اعرج یقوم ببعض قدمہ فالاقتداء بغیرہ اولیٰ تاترخانیۃ وکذا اجذم بیرجندی ومجبوب وحاقن ومن لہ ید واحدۃ فتاوی الصوفیۃ عن التحفۃ والظاہر ان العلۃ النفرۃ ولذا قید الابرص بالشیوع لیکون ظاہراً ولعدم امکان اکمال الطہارۃ ایضاً فی المفلوج والاقطع والمجبوب، وفی العلائیۃ ھذا ان وجد غیرہم والا فلا کراھۃ بحر بحثاً وفی الشامیۃ (قولہ ان وجد غیرھم) ای من ھو احق بالامامۃ منھم (قولہ بحر بحثاً) قد علمت انہ موافق للمنقول عن الاختیار وغیرہ

(رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ الظاہر وجہ عدم امکان اکمال الطہارۃ فی المجبوب ولعلہ عدم تأتی الاستبراء فی الاستنجاء فربما کانت طہارۃ ناقصۃ (التحریر المختار ص ۷۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶ صفر ۸۶ھ

امام کے سلام اول کے بعد اقتداء صحیح نہیں:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں بزرگانِ دین مسئلۂ ذیل میں کہ ایک شخص نے امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تحریمہ کہکر اقتداء کی تو اس کی اقتداء تو صحیح نہیں ہوگی، لیکن اپنی نماز کیسے پڑھے؟ کیا پہلی تکبیر تحریمہ کافی ہے یا از سر نو کہی جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی کی تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے قبل اگر امام نے ایک طرف لفظ السلام کہہ لیا اگرچہ ابھی علیکم نہ کہا ہو تو اقتداء صحیح نہیں ہوئی، تکبیر تحریمہ دوبارہ کہکر نماز پڑھے، اگر دوبارہ تکبیر نہ کہے گا تو نماز نہ ہوگی، قال فی العلائیۃ وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ وفی الشامیۃ (قولہ وتنقضی قدوۃ بالاول) ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوتہ فلما قال السلام جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلاً فی صلوتہ لان ہذا سلام (رد المحتار ص ۴۳۶ ج ۱) وفی التنویر واذا فسد الاقتداء لا یصح شروعہ فی صلوۃ نفسہ علی المذہب (رد المحتار ص $\frac{۴۳۶}{ج ۱}$)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الاول ۸۶ھ

مقتدی کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال:۔ ایک شخص تکبیر تحریمہ کہکر امام کے ساتھ اس حالت میں شریک ہوا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے، مقتدی بیٹھنے نہیں پایا کہ امام نے سلام پھیر لیا، کیا اس کی اقتداء صحیح ہوتی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اقتداء صحیح ہوگئی، قال فی شرح التنویر وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشہور عندنا وعلیہ الشافعیۃ (رد المحتار ص ۴۳۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(اس سے زیادہ واضح دلیل تتمہ میں ہے) ۲ رجب ۸۶ھ

غیر مسجد میں بدون عذر اقامتِ جماعت بدعت ہی:

سوال:۔ مولانا محترم دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک مسئلہ دریافت طلب ہی، نماز باجماعت وحاضری مسجد کے متعلق؛ ایک عرصہ سے میری صحت کمزور ہو چکی ہے، اکثر و بیشتر کسی نہ کسی عارضہ میں مبتلا رہتا ہوں، جس کی وجہ سے ضعف و پستی بہت ہی پیدا ہو گئی ہے، گرمی وسردی کا بھی تحمل نہیں، اور اکثر دور تک چلنے سے تکان بھی ہو جاتا ہے، مسجد میرے مکان سے تقریبًا دو یا ڈیڑھ فرلانگ ضرور ہی، جب تک قوت تھی مسجد چلا جاتا تھا، اب مذکور بالاعذر سے قاصر رہتا ہوں، اور گھر ہی پر نماز پڑھ لیتا ہوں، اگر ایک شخص بھی مل جاتا ہے تو جماعت کر لیتا ہوں یا ان لوگوں کو (اگر مل گئے تو) شریک کر لیتا ہوں جو مسجد کے عادی نہیں اور اوقاتِ نماز کے بھی پابند نہیں، یا محلہ کے لوگ از خود آجاتے ہیں، یہ لوگ وہ ہیں جو پابندی سے نہیں آتے، بلکہ محض اتفاق سے یا وقت کی تنگی کی وجہ سے آجاتے ہیں، اگر ان کو میرے ساتھ جماعت نہیں ملتی، تو از خود نماز فردًا فردًا پڑھکر چلے جاتے ہیں،

یا بس اسٹاپ نزدیک ہونے کی وجہ سے کوئی مسافر نماز کے وقت آکر شریک ہو جاتا ہے، یہ بات اکثر عصر، مغرب وعشاء میں ہوتی ہے،

معمولاً روزانہ عصر اور مغرب کے درمیان کچھ دین کی باتوں کے لئے چند احباب مجتمع ہو جاتے ہیں، عصر کی نماز اور مغرب کی نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں،

جمعہ کے روز اسی عصر ومغرب کے درمیان کچھ اجتماع کثیر ہو جاتا ہے، عصر ومغرب کی نماز جماعت سے ہوتی ہے، یہ لوگ جو جمع ہوتے ہیں اکثر دفاتر میں کام کرنے والے یا تاجر ہوتے ہیں، اور دور کے محلّوں سے آتے ہیں، جو خود نہ تو اوقاتِ نماز کے پابند ہوتے ہیں اور نہ مسجد جانے کے عادی ہیں، اور ہمارے محلّہ کے بھی نہیں ہوتے، اِلّا ماشاء اللہ،

میں نے بار بار اعلان کر دیا کہ یہاں آنے والے اصحاب عصر کی نماز مسجد میں پڑھکر آیا کریں اور مغرب کی نماز کے لئے پانچ منٹ پہلے اٹھکر چلے جایا کریں، چنانچہ اہلِ محلّہ اور چند ایسے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، باقی جو رہ جاتے ہیں اُن کی جماعت ہو جاتی ہے، باقی رہ جانے والوں میں بھی چند احباب یہی ضعف اور کسی دوسرے عذر کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں،

امور مذکورۃ بالا میں ہر جزء کے متعلق شرعی جواز وعدمِ جواز سے مطلع فرمائیں، اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائیں،

الجواب باسم ملهم الصواب

عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال لقد رأینا وما یتخلف عن الصلوٰة الا منافق قد علم نفاقه او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلوٰة وقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم علمنا سنن الهدیٰ وان من سنن الهدیٰ الصلوٰة فی المسجد الذی یؤذن فیه الحدیث رواه مسلم، وفی الشامیة ان من هذا الامام الحلوانی انه بذلك ربان یجمع باهله فی بیته) لاینال ثواب الجماعة وانه یکون بدعة ومکروها بلا عذر (الیٰ قوله) وسیأتی فی الامامة ان الاصح لو اجمع باهله لایکره وینال فضیلة الجماعة لکن جماعة المسجد افضل، (رد المحتار ص ۳۶۶ ج ۱) ثم نقل فی باب الامامة عن القنیة اختلف العلماء فی اقامتها فی البیت والاصح انها کاقامتها فی المسجد الا فی الافضلیة (رد المحتار ص ۵۱۶ ج ۱) وفیها ایضاً (قوله ولو فاتته ندب طلبها) ولا یجب علیه الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجداً للجماعة آخر فحسن وان صلی فی مسجد حیه منفرداً فحسن وذکر القدوری یجمع باهله ویصلی بهم یعنی وینال ثواب الجماعة کذا فی الفتح واعترض الشرنبلالی بان هذا ینافی وجوب الجماعة واجاب ح بان الوجوب عند عدم الحرج وفی تتبعها فی الاماکن القاصیة حرج لایخفی (رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ غیر معذور کے لئے جماعت مسجد میں حاضری ضروری ہے، محلہ میں مسجد ہوتے ہوئے بلا عذر گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ یہ فعل بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، بالخصوص اس کی عادت بنا لینے میں کراہت شدید ہے، البتہ مسجد محلہ کی جماعت کسی عذر سے فوت ہو گئی تو گھر میں ادا کرنے سے بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

بظاہر شامیہ کی عبارت وسیأتی فی الامامة ان الاصح الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا عذر گھر پر جماعت کرنے کا جواز مختلف فیہ ہے اور علی الاصح جائز ہے، مگر یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ شامیہ باب الامامة میں بحوالہ فتح منقول جزئیہ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کا جواز اس وقت ہے جبکہ مسجد محلہ میں جماعت کسی عذر کی وجہ سے فوت ہو گئی ہو، لہٰذا قنیہ کا جزئیہ اختلف العلماء فی اقامتها فی البیت الخ بھی اسی پر محمول ہوگا، نیز قنیہ کے جزئیہ کا سیاق بتاتا ہے کہ یہاں اقامتِ جماعت کی شرائط کا بیان ہے، اور مقصود یہ ہے کہ علی الاصح اقامت جماعت کے لئے مسجد بدرجہ شرط نہیں، پس اس سے بلا عذر غیر مسجد میں جماعت کا جواز بلا کراہت ثابت نہ ہوا، اگر غیر معذورین کے لئے ہر جگہ اقامت جماعت کا جواز تسلیم کر لیا جائے تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اعذار ترک جماعت کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ سب بیکار ہو جاتی ہے، بالفرض اس جزئیہ کی دلالت علی الجواز بلا عذر تسلیم بھی کر لی جائے تو اس سے دوام اور عادت بنا لینے کا جواز ہرگز نہیں نکلتا،

غیر مسجد میں اقامتِ جماعت کی کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مساجد کی ویرانی کا باعث ہے، قرون مشهود لها بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلافِ امت میں غیر مساجد میں بدون عذر اقامت جماعت بالخصوص علی سبیل العادة کی کوئی نظیر نہیں ملتی، صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت مذکورہ میں گذرا، صحیح بخاری میں روایت

ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ کسی کو امامت کا حکم دے کر خود ایسے لوگوں کی طرف تشریف لے جائیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے، اور ان کو اُن کے گھروں میں بند کر کے گھروں کو جلا ڈالیں، اگر غیر مسجد میں اقامتِ جماعت معروف ہوتی تو کیا ان متخلفین کے لئے یہ عذر قبول نہ ہوتا کہ انھوں نے گھر میں جماعت کر لی ہے،

غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسلافِ امّت کے تعامل و عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں،

یہ تو عام کلیۃ تھا، آگے خصوصیت سوال سے متعلق چند امور تحریر کئے جاتے ہیں:-

① مجلس میں شریک ہونے والے لوگوں کو صلوٰۃ فی المسجد کی صرف ترغیب دینا یا اس کی فضیلت بتا دینا کافی نہیں، بلکہ مسئلہ کی پوری حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے، کہ غیر معذور کے لئے مسجد میں جانا ضروری اور غیر مسجد میں نماز پڑھنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، بلکہ اپنے خاص لوگوں کو جن پر جبر کرنے کا شریعت نے نہ صرف اختیار دیا ہے بلکہ امر فرمایا ہے، جماعتِ مسجد میں شمول کا حکم دیا جائے،

② معذورین کی جماعت کھُلے مقام پر ہونے کی بجائے کہیں مخفی جگہ پر ہونا چاہئے، کھلے مقام پر معذورین کی جماعت سے مندرجہ ذیل قباحتیں پیدا ہوتی ہیں:-

① اس میں بہت سے غیر معذور بھی سستی یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے شریک ہو جاتے ہیں، جو اُن کے لئے جائز نہیں، اُن کے اس گناہ کا سبب یہ معذورین کی جماعت بن رہی ہے

② لوگ اس فعلِ عادی کو جوازِ جماعت فی غیر المسجد بلاعذر پر دلیل اور سند بنائیں گے، خصوصاً جب کہ ایک مقتدیٰ کا فعل ہے، عوام کو سند اور حجت چاہئے، اس تفصیل کو کوئی نہیں سوچتا کہ یہ فعل عذر سے ہو رہا ہے یا کہ بلا عذر، پس اس عادی اور دائمی فعل کی وجہ سے جتنے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ناجائز کام کریں گے ان کے گناہ کا سبب یہ فعل بنا، اور عوام کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب پیدا کرنا خود گناہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجب سنہ ۸۷ھ

جوابِ دارالعلوم، ٹنڈو اللہ یار:-

حامداً و مصلّیاً و مسلماً، حسبِ تصریح فقہاء بعض عذر مسقط وجوب حضور جماعت ہیں، جن میں سے مرض اور سخت سردی اور سخت گرمی یعنی جس سے مضرت کے لحوق کا اندیشہ ہو

اور شیخوخت ای اذا صار شیخاً کبیراً لا یستطیع المشی یعنی ایسا بڑھاپا کہ چل نہ سکتا ہو، اس کے علاوہ اور بھی مختلف قسم کے اعذار ہیں، جو بیس تک پہنچ جاتے ہیں، جن کی تفصیل علامہ شامی نے ج ۱ ص ۴۱۰ پر ذکر کی ہے، اور مراقی الفلاح میں ص۱۷۷ پر موجود ہے، تمام اعذار کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں، اعذار مذکورہ میں سے بعض عذر تو ایسے ہیں جو عامۃ دائم ہوجاتے ہیں، جیسے شیخوخۃ اس درجہ کی ہوجانا کہ چلنا دشوار ہوجائے، تو اس کے لئے یہی حکم ہے کہ گھر پر نماز پڑھتا رہے، اور جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو جماعت میں شریک کرلیا کرے جو جماعت میں نہیں جاتے، تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہے، اور دوسرے اعذار مثل سردی گرمی اور مرض کے ان کی حالت یکساں نہیں، ان میں کمی زیادتی اور وجود وعدم کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے، لہٰذا جب یہ اعذار نہ رہیں یا اتنے کم ہوجائیں کہ مسجد جانے سے لحوقِ ضرر نہ ہو تب مسجد جانا واجب ہوگا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جس زمانہ یا جن اوقات میں لحوقِ ضرر ہو حضورِ مسجد کے ترک میں مضائقہ نہیں، مگر طبیعت میں بشاشت ہوتے اور ضرر کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں مسجد جانے کا حکم ہے نیز کسی وقت بغیر کاوش کے سواری کا انتظام ہو تو مسجد ہی جانا چاہئے، حضورِ مسجد کے ترک کو کلیۃً اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں، کیونکہ بعض اوقات طبیعت کی بشاشت یا سواری کے انتظام کی وجہ سے جانے میں دشواری نہیں ہوتی، نیز دوسرے لوگ عملاً اس چیز کو سمجھ لیں کہ اصل حکم حضورِ مسجد ہی کا ہے، اور مسجد میں نہ آنا عذر کی وجہ سے ہے،

نیز لوگوں کو غلط فہمی سے نکالنے کے لئے بعض امور اختیار کئے جائیں، ایک یہ کہ اس جگہ پر جو نماز کے لئے بنا رکھی ہے یہ اعلان لگا دیا جائے کہ جو لوگ مسجد جاسکتے ہیں ان پر مسجد جانا لازم ہے، زائد ثواب مسجد ہی میں ہے، معذورین مستثنیٰ ہیں،

دوسرے یہ کہ جس دن مجمع زیادہ ہوا کرے زبانی اعلان بھی کردیا جایا کرے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے سب مسجد نماز کے لئے چلیں، کیونکہ کوئی نہ کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے جس کو پہلے اعلان کا پتہ نہیں ہوتا نیز جو اپنے زیرِ اثر ہوں اُن کو مسجد جانے کا حکم فرمایا جائے، اور اتنے وقت پہلے اعلان کیا جائے کہ مسجد میں وقت پر پہونچ جائیں تکبیرِ اُولیٰ مل جائے،

اور گھر پر بحالتِ عذر جو جماعت کی جائے اس میں صاحبِ عذر کے شریک ہونے میں مضائقہ نہیں اور غیر معذورین کو مسجد جانے کی تلقین کی جائے، لیکن کسی خاص مجبوری یا سستی کی وجہ سے پھر بھی شریک ہوں اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں، اور محلّہ والے اور غیر محلّہ والے حکم میں برابر ہیں کہ

معذورین کے لئے رخصت ہے، اور غیر معذورین سے حضور مطلوب ہی، اور اہلِ دفاتر کا پابندِ جماعت نہ ہونا مسقطِ حضورِ جماعت نہیں، اور اس کے جواب دہ وہ خود ہوں گے اور تنہا نماز پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ اسی جماعت میں شریک ہوجائیں، اس میں مسئولہ صورتوں کے جواب ہوگئے۔ واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح — کتبہ محمد وجیہ غفرلہ

ظفر احمد عثمانی عفا عنہ ۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ — دار العلوم ٹنڈو الٰہ یار ضلع حیدرآباد

امام کی نماز میں کراہت سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی:

سوال:۔ امام کی نماز مکروہ ہوجائے تو مقتدیوں کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدیوں کی نماز امام کی نماز کے تابع ہے، اس لئے امام کی نماز میں کراہت واقع ہونے سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۴ ذی قعدہ ۸۶ھ

امام کو جس حالت میں پائے شریک ہوجائے:

سوال:۔ زید ایسے وقت آیا کہ جماعتِ ظہر ہورہی تھی، زید وضوء کرکے فارغ ہوا تو امام سجدہ میں تھا، تو کیا زید کو تکبیرِ تحریمہ کہکر سجدہ میں ہی ملنا واجب ہی، یا قیام کا انتظار کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا چاہئے، یہ صرف سجدہ ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ امام جس حالت میں بھی ہو اسی میں شامل ہوجائے، بلاوجہ تاخیر گناہ ہے، عن علی ومعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام، رواہ الترمذی، وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوہ شیئا الحدیث (رواہ ابو داؤد) وفی العلائیۃ ولو ادرکہ راکعا او ساجدا ان اکبر رأیہ انہ یدرکہ اتی بہ ای بالثناء، وفی الشامیۃ (قولہ او ساجدا) ای السجدۃ الاولیٰ کما فی المنیۃ واشار بالتقیید راکعا او ساجدا الی انہ لو ادرکہ فی احدی القعدتین فالاولیٰ ان لا یثنی لتحصیل فضیلۃ زیادۃ المشارکۃ فی القعود وکذا لو ادرکہ فی السجدۃ الثانیۃ وتمامہ فی شرح المنیۃ (رد المحتار، جلد ۱ صفحہ ۴۵۶)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۶ ذی قعدہ ۸۶ھ

خنثیٰ کی امامت صحیح نہیں :

سوال :- ہجڑے کی امامت درست ہے یا نہیں، اور نماز مقتدیوں کی ہوگی یا نہیں جبکہ یہ ہجڑا متبع شریعت ہو اور نمازی و دیندار ہو اور ڈاڑھی بھی شریعت کے موافق ہو، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس خنثیٰ میں مرد کی علامات زیادہ ہیں تو اس کی امامت صحیح ہے، اور اگر زنانہ علامات زیادہ ہوں یا دونوں علامات برابر ہوں تو اس کی امامت صحیح نہیں، بلکہ اپنے ہمجنس کا بھی امام نہیں بن سکتا، البتہ اس سے عورتوں کی اقتداء درست ہے، قال فی الدر ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثیٰ وصبی مطلقاً ولو فی جنازۃ ونقل علی الاصح وفی الشامیۃ رقولہ ولا یصح اقتداء الخ) والخنثیٰ البالغ تصح امامتہ للانثیٰ مطلقاً فقط لا للرجل ولا لمثلہ لاحتمال انوثتہ وذکورۃ المقتدی ویصح اقتداءہ بالرجل لا بمثلہ ولا بانثیٰ مطلقاً لاحتمال ذکورتہ الخ (رد المحتار، ص ۲۰ ۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ر ذی الحجہ ۸۶ھ

خنثیٰ کا مقام بچوں کی صف کے پیچھے ہے :

سوال :- ہجڑے کی امامت جائز نہیں تو اس کا صفِ اوّل میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خنثیٰ میں مردانہ علامات زیادہ ہوں تو صفِ اوّل میں کھڑا ہو سکتا ہے، اور اگر زنانہ علامات زیادہ ہوں تو عورتوں کی صف میں کھڑا ہوگا، اگر دونوں علامات برابر ہوں تو اس کا مقام بچوں اور عورتوں کی صف کے درمیان ہے، یعنی بچوں کے پیچھے اور عورتوں سے آگے، قال فی التنویر فیقف بین صف الرجال والنساء و فی الشامیۃ اذ لو وقف مع الرجال احتمل انہ انثیٰ او مع النساء احتمل انہ رجل (رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۵) وفی التنویر ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء، (رد المحتار، ص ۵۳۴ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ر ذی الحجہ ۸۶ھ

رکوع یا سجدہ میں امام سے سبقت کا حکم :

سوال :- اگر مقتدی نماز کی کسی حرکت میں امام سے سبقت کر جائے یعنی رکوع یا سجود وغیرہما کسی ایک حرکت میں امام سے پہل کر جائے تو نماز جاتی رہے گی یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر امام رکوع یا سجود میں مقتدی کو پہنچ گیا تو نماز ہوجائے گی، لیکن امام سے سبقت کرنا مکروہ ہے اور اگر لوٹ کر امام کو قیام میں پاسکتا ہو تو قیام کی طرف عود واجب ہے، قال فی الشامیۃ الخامس ان یأتی بہما قبلہ ویدرکہ الامام فیہما وھو جائز لکنہ یکرہ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۶)

وفی العلائیۃ لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وکذا عکسہ) وھو ان یرفع المأموم رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم الامام التسبیحات (قولہ فیعود) ای المقتدی لوجوب متابعتہ لامامہ فی اکمال الرکوع وکراھۃ مسابقتہ لہ فلو لم یعد ارتکب کراھۃ التحریم (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ صفر ۸۷ھ

سوال مثل بالا:

سوال:۔ شامیہ میں تحریر ہے کہ اگر کسی نے رکوع اور سجدہ دونوں امام سے پہلے کرلئے تو وہ ایک رکعت قضا کرے، اور اگر صرف رکوع امام سے پہلے کیا تو چاروں رکعتیں قضا کرے، حالانکہ پہلی صورت میں جو وجہ تحریر کی گئی ہے اس صورت میں بھی بعینہ وہی وجہ موجود ہے، اس لئے اس میں بھی ایک ہی رکعت کی قضاء لازم ہونا چاہئے، شامیہ میں یہ مقام ملاحظہ فرما کر دونوں میں مابہ الفرق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صحیح یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں دو رکعتیں قضا کرے، قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فیما ذکرہ من توجیہ الزامہ برکعۃ نظر وذلک انہ فی الاولیٰ لم یعتبر رکوعہا ولا سجودھا لکونہما قبل الامام و یعتبر قیامھا لکونہا معہ، فکأنہ لم یأت بہما فیلتحقان من الثانیۃ بہا ویلغو قیام الثانیۃ لکونہ حصل قبل اتمام الاولیٰ فبقی علیہ الثانیۃ ثم قیامہ فی الثالثۃ معتبر لانہ مع الامام والرکوع والسجود لا یعتبران لانہما قبلہ فینتقلان من الرابعۃ الیہا ویلغو قیام الرابعۃ لحصولہ قبل تمام الثانیۃ

۱؎ لعلہ من سہو الناسخ والصحیح الثالثۃ ۱۲ رشید احمد

فبقی علیه الرابعة ایضاً فیلزمه رکعتان نظیر ما قیل فی الوجه الثالث، ایضاً اذالزمه رکعتان لو سجد قبله فقط لزمتاه فیما لو سجد ورکع قبله بالاولی وما ذکره من التوجیه هو المذکور فی الخانیة ثم توجیه الوجه الرابع محل نظر وتأمل وذلك انه حیث لغا رکوع وسجود الاولی ینبغی ان یلتحقا من الثانیة بها ویبطل قیام الثانیة لوقوعه عقب قیام الاولی فتلزمه الثانیة ثم اذا قام الی الثالثة مع الامام کان قیامه معتبراً ویلغو رکوعها وسجودها ثم اذا اتی بالرابعة التحق رکوعها وسجودها بالثالثة ویبطل قیامها وحینئذٍ یلزمه الثانیة والرابعة حسبما قیل فی الوجه الثالث (التحریر المختار ص ۷۷ ج ۱)

یہ حکم اس حالت میں ہے کہ چاروں رکعات میں امام سے تقدم کیا ہو، اگر صرف پہلی رکعت میں تقدم کیا تو دونوں صورتوں میں ایک رکعت قضا کرے گا، نیز فراغ امام کے بعد قضا کا حکم جب ہی کہ بروقت غلطی پر تنبہ نہ ہو، ورنہ حکم یہ ہو کہ رکن متروک پہلے ادا کرکے پھر باقی نماز میں امام کا اتباع کرے، اگر عمداً اس کے خلاف کیا تو بھی نماز ہوجائے گی مگر گنہگار ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

۷ ذی قعدہ ۹۸ھ

مقتدی قعدۂ اولیٰ میں کھڑا ہو گیا:

سوال:۔ اگر امام قعدۂ اولیٰ میں بیٹھ جائے اور مقتدی اچانک کھڑا ہوجائے اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

مقتدی پر قعدہ کی طرف لوٹنا واجب ہے، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ فی الفتح والبحر وغیرهما من باب سجود السهو ان المؤتم لو قام ساهیاً فی القعدة الاولیٰ یعود ویقعد لان القعود فرض علیه بحکم المتابعة (الی قوله) اقول الذی یظهر انهم ارادوا بالفرض الواجب (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

۱۴ صفر ۸۷ھ

عرصۂ دراز تک امامت کے بعد اقرارِ کفر:

سوال:۔ ایک شخص مدّتِ مدید تک امامت کرتا رہا، اب وہ خود اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ حالتِ کفر میں نماز پڑھاتا رہا ہے، کیا مقتدیوں پر اس مدتِ مدیدہ کی نمازوں کا اعادہ

واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب،

اگر اس کے کفر پر سوائے اقرار کے اور کوئی دلیل نہیں تو اس کو وقتِ اقرار سے مرتد قرار دیا جائیگا، گزشتہ زمانہ میں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی نمازیں درست ہیں، قال فی شرح التنویر ولو زعم انہ کافر لم یقبل منہ لان الصلوٰۃ دلیل الاسلام واجبر علیہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لان الصلوٰۃ دلیل الاسلام) ای دلیل علیٰ انہ کان مسلماً وانہ کذب بقولہ انہ صلی بہم وھو کافر وکان ذلک الکلام منہ ردۃ فیجبر علی الاسلام، (رد المحتار ص۵۵۴ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غرۃ جمادی الاولیٰ ۸۶ھ

عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ امام کافر ہے:

سوال:۔ ایک شخص عرصۂ دراز تک امامت کرتا رہا، اب قرائن سے پتہ چلا کہ وہ کافر ہے، مگر خود وہ شخص کافر ہونے کا اقرار نہیں کرتا بلکہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے، مگر لوگوں کو اس کے قول پر اعتماد نہیں، بلکہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہ خود اپنے آپ کو جو مسلمان ظاہر کرتا ہے وہ نفاق کی وجہ سے ہے، تو کیا جتنی نمازیں اس کی اقتداء میں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر شواہد و قرائن سے اس کے کفر کا ظن غالب ہو جائے تو اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ فرض ہے، قال فی شرح التنویر واذا ظہرت حدث امامہ وکذا کل مفسد فی رأی مقتد بطلت فیلزم اعادتہا وفی الشامیۃ (قولہ وکذا کل مفسد فی رأی مقتد) اشار الی ان الحدث لیس بقید فلو قال المصنف کما فی النہر ولو ظہر ان بامامہ ما یمنع صحۃ الصلوٰۃ لکان اولیٰ لیشمل ما لو اخل بشرط او رکن والی ان العبرۃ برأی المقتدی حتی لو علم من امامہ ما یعتقد انہ مانع والامام خلافہ اعاد، (قولہ بطلت) ای تبین انہا لم تنعقد ان کان الحدث سابقاً الخ (قولہ فیلزم اعادتہا) المراد بالاعادۃ الاتیان بالفرض بقرینۃ قولہ بطلت لا المصطلح علیہا وھی الاتیان بمثل المؤدی لخلل غیر الفساد (رد المحتار ص۵۵۳ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۴ جمادی الاولیٰ ۸۶ھ

بچوں کو بالغین کی صف میں کھڑا کرنا:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ: نابالغ لڑکے بالغین کے ساتھ نماز میں ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں یا نہیں اور کیا وہ نابالغ لڑکے جو سمجھدار ہوں یعنی اوقاتِ نماز، تعداد رکعات، کیفیات اداء نماز وغیرہ جانتے ہوں تو ان کا الگ حکم ہے یا یہ کہ سب کے لئے ایک حکم ہے، نیز یہ کہ صفِ اول ثانی اور ثالث میں بھی کوئی فرق ہے یا سب صفوں کا ایک ہی حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوف ہی میں کھڑا کرنا چاہئے، کیونکہ دو یا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں، قال العلامۃ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ذکرہ فی البحر بحثا) قال الرحمتی ربما یتعین فی زماننا ادخال الصبیان فی صفوف الرجال لان المعهود منهم اذا اجتمع صبیان فاکثر تبطل صلوۃ بعضهم ببعض وربما تعدی ضررهم الی افساد صلوۃ الرجال، انتھی (التحریر المختار صـ۷۳ ج۱)۔

چونکہ یہ قول مطلق ہے، لہٰذا صفِ اول، ثانی اور ثالث میں کوئی فرق نہیں، یہ حکم اُن بچوں سے متعلق ہے جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہوں، زیادہ چھوٹے بچوں کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا مکروہ ہے، بلکہ مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

مقتدی کے لقمہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد پڑھنے قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ کے قراءت میں بھول جائے اور رکوع بھی نہیں کرتا اور انتقال الی آیۃ اخری بھی نہیں کرتا، بلکہ بار بار اسی کو دُھراتا ہی رہا اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بھی نہیں آیا، اس لئے مقتدی نے بھی بار بار لقمہ دیا، کیا نماز فاسد تو نہیں ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ امام کو ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مقتدی کو بھی لقمہ دینا

میں جلدی کرنا مکروہ ہے، کما فی الدر (بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفاتح وآخذ بکل حال اھ وفی الحاشیۃ ای سواء قرأ الامام قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ ام لا، انتقل الی اٰیۃ اخریٰ ام لا تکرر الفتح ام لا ھو الاصح، نھر، وبعد اسطر (تتمہ) یکرہ ان یفتح من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل ینتقل الی اٰیۃ اخریٰ لا یلزم من وصلھا ما یفسد الصلوٰۃ او الی سورۃ اخریٰ او یرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم بہ الزیلعی وغیرہ وفی روایۃ قدر المستحب کما رجحہ الکمال بانہ الظاھر من الدلیل واقرہ فی البحر والنھر ونازعہ فی شرح المنیۃ ورجح قدر الواجب لشدۃ تاکدہ (رد المحتار ص ۵۸۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ ذیقعدہ ۹۳ھ

مقتدی کے تشہد یا درود سے فراغت سے قبل امام نے سلام پھیر دیا:

سوال:- امام نے سلام پھیر دیا، اور مقتدی کا تشہد پورا نہیں ہوا، تو کیا مقتدی تشہد پورا کرکے سلام پھیرے یا امام کے ساتھ؟ اور اگر مقتدی نے تشہد و درود پڑھ کے سلام پھیرا تو اس مقتدی کی نماز میں کراہت تو نہیں آئے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مقتدی پر تشہد پورا کرنا اور درود چھوڑ کر امام کا اتباع کرنا واجب ہے، تشہد سے فارغ ہو کر سلام پھیر دے درود نہ پڑھے، تشہد کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح درود میں مشغول ہو کر سلام میں تاخیر کرنا یا رکوع وسجود کی تسبیحات پوری کرنے کے لئے امام سے پیچھے رہنا مکروہ تحریمی ہے، قال فی شرح التنویر واعلم انہ مما یبتنی علی لزوم المتابعۃ فی الارکان انہ لو رفع الامام رأسہ من الرکوع او السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجب متابعتہ وکذا عکسہ فیعود ولا یصیر ذلک رکوعین بخلاف سلامہ او قیامہ لثالثۃ قبل اتمام المؤتم التشہد فانہ لا یتابعہ بل یتمہ لوجوبہ ولو لم یتم جاز ولو سلم والمؤتم فی ادعیۃ التشہد تابعہ لانھا سنۃ والناس عنہ غافلون وفی الشامیۃ (قولہ ولو لم یتمہ جاز) ای صح مع کراھۃ التحریم کما افادہ ح الخ (قولہ فی ادعیۃ التشہد) یشمل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبہ صرح فی شرح المنیۃ، (رد المحتار، ص ۴۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ ذیقعدہ ۸۶ھ

شافعی اور اہلحدیث کی امامت:

سوال: حنفی مسلک والے کی نماز اہل حدیث یا شافعی امام کے پیچھے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ امام نماز کے ارکان و شرائط میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے، اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کی اقتداء مکروہ ہے، آجکل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی، بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے، اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے، اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لئے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے، مگر بوقتِ ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، قال فی العلائیۃ عن البحران تیقن المراعاۃ لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ (رد المحتار، ص ۵۲۶ ج ۱)۔ یہ تفصیل اس وقت ہے کہ یہ امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے، اور سبِّ سلف کرتا ہے تو اس کی امامت بہرحال مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ربیع الآخر ۹۵ھ

ملازم کے لئے ترکِ جماعت جائز نہیں:

سوال:- زید مزدور ہے، باجماعت نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جاتا ہے تو افسر لوگ کہتے ہیں کہ کام کے وقت نماز پڑھنا ضروری نہیں، اس لئے کہ اس سے مالک کو نقصان ہوتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

افسر کے کہنے سے جماعت چھوڑنا جائز نہیں، ایسا افسر سخت گنہگار ہے، جہاں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہو اس ملازمت کو چھوڑنا واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵ صفر ۹۲ھ

مریضِ ریاح کے لئے ترکِ جماعت جائز ہے:

سوال:- ایک شخص ریاحی تکلیف کا مریض ہے، اس کا یہ غالب گمان ہے کہ اگر جماعت سے نماز ادا کرنے گیا تو جماعت ہی میں ریاح خارج ہو جائے گی، تو ایسی صورت میں جماعت اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اگر وہ گھر پر نماز ادا کرلے تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس حالت میں ترکِ جماعت کا گناہ نہیں ہوگا، بلکہ اکیلا پڑھنے سے بھی جماعت کا ثواب ملے گا، قال فی الشامیۃ معزیا الی نور الایضاح واذا انقطع عن الجماعۃ لعذر من اعذارها وکانت نیته حضورها لولا العذر یحصل به ثوابها اھ والظاھر ان المراد به العذر المانع کالمرض والشیخوخۃ والفلج بخلاف نحو المطر والطین والبرد والعمی تأمل (رد المحتار، ص ۵۱۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۲ھ

جماعت مسجد میں عورتوں کی شرکت مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- عورتوں کو جمعہ یا عیدین یا جماعت پنجوقتی نماز باجماعت مسجد کے اندر مرد امام کے پیچھے مسجد کے اوپر یا کہیں پردے کے اندر یا مدرسہ میں جو مسجد سے ملحق ہو اس میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے، قال فی شرح التنویر ویکرہ حضورھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذھب المفتی به لفساد الزمان، (رد المحتار، ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۵ رجب سنہ ۸۷ھ

پیشاب، پاخانہ یا بھوک کی شدت کی وجہ سے ترکِ جماعت:

سوال:- نماز کی جماعت کھڑی ہو اور بھوک کی بھی شدت ہو، کھانا بھی بالکل تیار ہو، یا پاخانہ، پیشاب کی حاجت ہو تو کسے مقدم کیا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

صورتِ مسئولہ میں کھانا اور پیشاب و پاخانہ کی حاجت کو مقدم کیا جائے قال فی الدر فلا تجب علی مریض (الی قوله) او مدافعۃ احد الاخبثین وارادۃ سفر وقیامه بمریض وحضور طعام تتوقه نفسه ذکرہ الحدادی الخ (رد المحتار، ص ۵۲۰، ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ر ذیقعدہ سنہ ۹۷ھ

صرف نامحرم عورتوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے:

سوال:۔ زید صرف عورتوں کی امامت کرتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کا اجنبی مرد کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جبکہ ان کے ساتھ کوئی مرد یا کوئی محرم عورت نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی جماعت میں شریک ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن پھر بھی فساد زمان کی وجہ سے احتیاط ضروری ہے، قال فی الدر ویکرہ حضورهن الجماعۃ ولو جمعۃ و عید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی بہ لفساد الزمان (الیٰ) کما تکرہ امامۃ الرجل لهن فی بیت لیس معهن رجل غیرہ ولا محرم عنہ کأختہ او زوجتہ اوامتہ اما اذا کان معهن واحد ممن ذکر اوامهن فی المسجد لایکرہ، بحر (رد المحتار ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ محرم ۸۸ھ

اذان کے بعد مسجد میں اکیلے نماز پڑھکر چلے جانا:

سوال:۔ کسی کام کی جلدی مثلاً سفر یا اور کسی ضروری کام کی وجہ سے اذان کے بعد مسجد کے اندر اپنی نماز پڑھکر چلے آنا اور جماعت ترک کرنا جبکہ جماعت میں دیر ہو، شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتدبہ حرج ہو تو ترکِ جماعت جائز ہے، قال فی التنویر فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج (رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ ذیقعدہ ۸۷ھ

مسجد دور ہونے کی وجہ سے ترکِ جماعت:

سوال:۔ زید کا گھر مسجد سے دور ہے، تیز چلنے والے کے لئے پندرہ منٹ کا سفر ہی، پنجگانہ نماز باجماعت پڑھنے سے بہت سے ضروری کام رہ جاتے ہیں، اور سردی بھی بہت سخت ہی، تو اس صورت میں زید پنجگانہ نماز باجماعت پڑھنے میں کوتاہی کرے تو گنہگار تو نہ ہوگا باعذر یا بلاعذر؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصّواب

چونکہ پندرہ منٹ میں تیز چلنے والا شخص ایک میل طے کرتا ہے اور پانی ایک میل دور ہو تو وضو کے لئے وہاں تک جانا ضروری نہیں، تیمم کرنا درست ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ایک میل کے طے کرنے میں حرج ہے، اور حرج مُسقطِ جماعت ہے، قال فی التنویر فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج، (رد المحتار ص ۱ج۵۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ ر ذیقعدہ ۸۷ھ

سوال مثل بالا:

سوال:۔ گھر سے مسجد کتنے فاصلہ پر ہو تو جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں ہوگا، اگر سواری ہے تو کیا اس سے فرق پڑے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

عام شہروں اور قصبات میں بالعموم محلّہ کی جو مقدار ہوتی ہے اگر مسجد اس مقدار سے زیادہ فاصلہ پر ہے تو وہاں جماعت کے لئے جانا واجب نہیں، سواری کا وجود و عدم برابر ہے، قال فی العلائیۃ فتسن او تجب ثمرتہ تظهر فی الاثم بترکها مرۃ علی الرّجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصّلوٰۃ بالجماعۃ من غیر حرج، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ولو فاتتہ ندب طلبها) فلا یجب علیہ الطلب فی المساجد بلاخلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجداً للجماعۃ آخر فحسن وان صلّی فی مسجد حیّہ منفرداً فحسن، وذکر القدوری یجمع اهلہ ویصلی بهم یعنی وینال ثواب الجماعۃ کذا فی الفتح، واعترض الشرنبلالی بان هذا ینافی وجوب الجماعۃ واجاب ح بان الوجوب عند عدم الحرج وفی تتبعها فی الاماکن القاصیۃ حرج لایخفی (رد المحتار ص ۱ج۵۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ ر جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

خصیّ کی امامت:

سوال:۔ جس شخص کو جبراً خصیّ کیا گیا ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خصی سے طبعاً قدرے انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اس سے زیادہ مستحق امامت موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں، کما قالوا فی المجبوب،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۹ر جمادی الآخرہ ۸۵ھ

امام سنتیں ادا کرنے سے قبل نماز پڑھا سکتا ہے:

سوال:۔ ظہر کی جماعت کا وقت ہو گیا، گھنٹہ کے اعتبار سے تو امام کو پہلے سنت ظہر ادا کرنا چاہئے یا جماعت کرائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پر وقت متعین کی رعایت رکھنا لازم ہے، اس لئے وقتِ جماعت سے قبل سنتوں سے فراغت کا اہتمام کرے، اگر کبھی کسی عذر سے تاخیر ہو گئی تو مقتدیوں کو چاہئے کہ امام کو سنتیں ادا کرنے کا موقع دیں، اگر ایسا نہیں کیا گیا اور بدون سنتیں ادا کئے نماز پڑھا دی تو درست ہے،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۵ر ذی قعدہ ۸۸ھ

امام کا اوپر کی منزل میں کھڑا ہونا:

سوال:۔ ایک مسجد تین منزلہ ہے، بیچ کی منزل میں امام کھڑا ہوتا ہے، تو نیچے کی منزل میں اور اوپر کی منزل میں مقتدی رہتے ہیں تو کیا نیچے کی منزل کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟ طریقۂ مذکورہ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اقتداء صحیح ہو جائے گی، مگر امام کو نچلی منزل میں کھڑا ہونا چاہئے، بالائی منزل پر بلاضرورت کھڑا نہ ہو، مسجد کی اصل وضع اور امت کے متوارث تعامل کے خلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۱ر رمضان المبارک ۸۸ھ

مسجد کی بالائی منزل میں جماعت کرنا:

سوال:۔ ایک مسجد دو منزلہ ہے، نچلی منزل میں حبس ہوتا ہے، اس لئے گرمیوں میں اگر بالائی منزل میں جماعت کر لی جائے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر مسجد کے اوپر مستقل مسقّف منزل نہو تو ایسی حالت میں بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا اور حبس وغیرہ کی وجہ سے چھت پر منفرداً نماز پڑھنا یا جماعت کرنا مکروہ ہے، البتہ مسجد کے اندر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ مقتدیوں کا مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں، قال فی الهندیة فی الباب الخامس من کتاب الکراهیة الصعود علیٰ سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علیٰ سطحه للضرورة کذا فی الغرائب (عالمگیریة ص ۳۲۲ ج ۵)

صورتِ مسئولہ اس سے کچھ مختلف ہے، اس لئے کہ اس میں مسجد کی بالائی منزل مسقّف ہے، اور نماز کی نیت سے بنائی گئی ہے، لہٰذا اس میں ویسی کراہت تو نہیں، مگر نفسِ کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ نچلی منزل کو چھوڑ کر بالائی منزل میں جماعت کرنا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متوارث تعامل کے خلاف ہے، نیز نچلی منزل کا جماعت سے خالی رہنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے، البتہ بعذر حبس وغیرہ بلاکراہت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ رمضان المبارک ۸۸ھ

رکوع میں شرکت کا صحیح طریقہ :

سوال :- ایک شخص ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہوتا ہے کہ جب امام رکوع کی حالت میں ہے تو اس کو کیا کرنا چاہیے ؟ اگر وہ دل ہی دل میں نماز کی نیت کرلے کیونکہ زبان سے کہنا تو صرف مستحب ہے، تکبیر تحریمہ کہہ لے، دوسری مرتبہ تکبیر کہہ کر فوراً رکوع میں چلا جائے، ذرا بھی توقف اور قیام نہ کرے، اور اس وقت امام رکوع میں ہی ہو، لیکن مقتدی کی شرکت کے بعد فوراً کھڑا ہو جاتے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ رکعت مقتدی کو مل گئی، تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنا تو ضروری نہیں ؟ تکبیر تحریمہ کے بعد بقدر ایک یا تین مرتبہ تسبیح کے قیام کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ رکوع میں امام کے ساتھ مطلق شریک ہو جانا کافی ہے یا اتنی دیر تک امام کے ساتھ رکوع میں رہنا ضروری ہے جس میں ایک یا تین مرتبہ رکوع کی تسبیح پڑھی جاسکے ؟ غرض یہ تحریر فرمایا جائے کہ ایسی حالت میں مقتدی کو کن امور کے انجام دینے سے وہ رکعت مل جائے گی اور کن امور کے بغیر رکعت نہیں ملے گی، اور کن امور کا انجام دینا ضروری نہیں ہے ؟ اس مسئلہ کے نہ جاننے سے اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں، اس لئے استفسار کی ضرورت پیش آئی، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صورتِ مذکورہ میں رکعت مل جائے گی، صحیح طریقہ یہ ہے کہ حالتِ قیام میں تکبیرِ تحریمہ کہے، پھر فوراً دوسری تکبیر کہے بغیر رکوع میں جائے، تکبیرِ تحریمہ کے بعد ہاتھ نہ باندھے، رکوع میں امام کے ساتھ ذرا سی شرکت بھی کافی ہے، حتیٰ کہ اگر مقتدی اس حالت میں رکوع کے لئے جھکا کہ امام رکوع سے اٹھ رہا ہے مگر امام ابھی اتنا سیدھا نہیں ہوا کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہونچ سکیں، اس حال میں مقتدی اتنا جھک گیا کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ سکتے ہوں تو اس کو یہ رکعت مل گئی، اس کے لئے بقدر تسبیحہ واحدہ رکوع میں ٹھہرنا واجب ہے، اس کے بعد بقیہ تسبیحات چھوڑ کر اتباعِ امام واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مزید تحقیق تتمہ میں) ۱۴ ذی قعدہ ۸۸ھ

رشوت خور کی امامت:

سوال:۔ ایک شخص سرکاری افسر ہے، رشوت بھی لیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رشوت لینے والا فاسق ہے، اس لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب ۸۹ھ

ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت:

سوال:۔ ایسے امام کی اقتداء کرنا جو کہ ٹیلیویژن دیکھتا ہو جائز ہے؟ نیز ٹیلیویژن دیکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹیلیویژن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے، مگر نماز ہو جائے گی لوٹانا ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۳ صفر ۹۰ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ہاں شرعی پردہ نہ ہو:

سوال:۔ اگر امام صاحب کی بیوی پردہ نہ کرے تو ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جس شخص کے ہاں شرعی پردہ کا اہتمام نہ ہو وہ فاسق ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں، اس کی

امامت مکروہ تحریمی ہے، البتہ جسے بیوی کو پردہ کروانے پر قدرت نہو اس کی امامت بلا کراہت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۰ ربیع الآخر سنہ ۸۹ھ

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے قبل امام اُٹھ گیا:

سوال:۔ مقتدی اپنا تشہد پورا کرکے اُٹھے یا امام کی اطاعت کرے؟ جبکہ امام تشہد پڑھنے سے قبل کھڑا ہو جائے، مقتدی شروع نماز میں شریک ہو، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی تشہد پورا کرکے اٹھے، قال فی الشامیۃ تحت (قولہ ومتابعۃ الامام) والحاصل ان متابعۃ الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبۃ فان عارضہا واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشہد فانہ یتمہ ثم یقوم لان الاتیان بہ لا یفوت المتابعۃ بالکلیۃ وانما یؤخرہا والمتابعۃ مع قطعہ تفوتہ بالکلیۃ فکان تأخیر احد الواجبین مع الاتیان بہما اولیٰ من ترک احدہما بالکلیۃ الخ، (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
۲۳ رجب سنہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال:۔ زید مقتدی نے قعدۂ اُولیٰ کا تشہد پورا نہ کیا کہ امام کھڑا ہو گیا، اتنے میں مقتدی نے تشہد پورا کیا، امام رکوع کرکے کھڑا ہو گیا، تو زید کو امام کا رکوع نہ ملا، تو زید نماز کس طرح پوری کرے اور نماز زید کی صحیح کیسے ہوگی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی صورت میں مقتدی تشہد اور دوسرے واجبات و فرائض امام کے پیچھے پیچھے ادا کرتا جائے نماز درست ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ فان عارضہا واجب لا ینبغی ان یفوتہ بل یأتی بہ ثم یتابع کما لو قام الامام قبل ان یتم المقتدی التشہد فانہ یتمہ، ثم یقوم، (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۷ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

بدعتی کی امامت:

سوال:۔ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا ایسا شخص امامت کے قابل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل کے فرقۂ مبتدعہ کے عقائد حدِّ شرک تک پہونچے ہوئے ہیں، اس لئے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، البتہ اگر کوئی بدعتی شرکیہ عقائد نہ رکھتا ہو بلکہ موحّد ہو، صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ جیسی بدعات میں مبتلا ہو، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، قال فی الشامیۃ فہو (الفاسق) کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال (ردّ المحتار، ص ۵۲۳ ج ۱) وقال العلّامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ماحرر من ان کراھۃ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم ویکرہ تقدیم المبتدع ایضًا لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھواشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف و یستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئًا علیٰ خلاف مایعتقد اھل السّنۃ والجماعۃ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذا لم یکن مایعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اھل السنۃ اما لوکان مؤدیًا الی الکفر فلا یجوز اصلاً الخ (غنیۃ ص ۴۸۰)۔

کوئی صحیح العقیدہ امام مل جائے تو بدعتی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھے ورنہ اسی کے پیچھے پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، بدعتی کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز اگرچہ مکروہ تحریمی ہے مگر واجب الاعادہ نہیں، یہ ایسے بدعتی کا حکم ہے جو مشرک نہ ہو، شرکیہ عقائد رکھنے والے کا حکم اوپر لکھا جاچکا ہے کہ اس کے پیچھے نماز قطعًا نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ربیع الآخر سنہ ۹۱ھ

اصفرار سے قبل جماعت قائم نہ ہو تو تنہا نماز پڑھ لے:

سوال:۔ عصر کی نماز یہاں ایک مسجد میں دیر سے ہوتی ہے، مغرب اور عصر کے درمیان کبھی گھنٹہ رہتا ہے، کبھی آدھا گھنٹہ اور کبھی اس سے بھی کم تو اگر کوئی شخص اس وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اصفرارِ شمس تک تاخیر جائز ہے، اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اصفرارِ شمس سے پہلے اگر جماعت قائم نہ ہو تو نماز تنہا پڑھ لی جائے، مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ کراچی میں اصفرارِ شمس غروب سے تقریبًا پندرہ منٹ پہلے ہوتا ہے، وقت مکروہ کی تفصیل احسن الفتاویٰ جلد دوم میں ملاحظہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجب سنہ ۹۰ھ

مقتدی نے قصداً تشہد نہ پڑھا:

سوال :۔ قصداً امام کے پیچھے التحیات و درود شریف نہ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

درود شریف سنت ہے اور تشہد واجب ہے، منفرد یا امام عمداً ترکِ واجب کرے تو نماز واجب الاعادہ ہے، اور سہواً ترک ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، مگر مقتدی کے سہواً ترک واجب پر نہ سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ نماز کا اعادہ، اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ترکِ واجب کا کوئی جابر نہیں، لہٰذا عمداً ترکِ واجب موجبِ اعادہ نہ ہوگا، علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترکِ واجبِ متابعۃ الامام کے مباحث میں کہیں بھی اعادہ کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حالانکہ اس کے بعض مواقع میں ارکان میں تکرار اور ان میں تقدیم و تاخیر بھی ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا عمد موجبِ اعادہ نہیں، معہٰذا اعادہ میں احتیاط ہے، سہو مقتدی کے موجبِ اعادہ نہ ہونے میں بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحث تحریر فرمائی ہے تو عمد میں بطریقِ اولیٰ بحث ہوگی، لہٰذا اعادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر جمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

مودودی عقائد رکھنے والے کی امامت:

سوال :۔ جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے حافظ صاحب کے پیچھے قرآن سننا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اگر فرائض میں صحیح العقیدہ امام میسّر نہ ہو تو اس کے پیچھے پڑھ لے، مگر تراویح بہرکیف اس کی اقتداء میں نہ پڑھیں، صحیح امام نہ ملے تو تنہا پڑھ لیں، مودودی عقائد کی تفصیل کے لئے بندہ کا رسالہ "مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام" مندرجہ احسن الفتاویٰ جلد اول ملاحظہ فرمائیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۸ر رمضان سنہ ۹۱ھ

قضا پڑھے بغیر جماعت کے ساتھ شریک ہوگیا:

سوال :۔ ایک شخص صاحبِ ترتیب ہے، اس نے سہواً جماعت کے ساتھ نماز شروع کردی، نماز کے درمیان میں اُس شخص کو یاد آیا کہ وہ صاحبِ ترتیب ہے، اب اُس کے لئے

کیا حکم ہے؟ اس شخص کی نماز اس جماعت کے ساتھ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر جماعت کے ساتھ شرکت سے قبل قضا نماز یاد ہو تو جماعت میں شریک نہ ہو بلکہ پہلے قضاء پڑھے، مگر مسجد میں ہو تو قضاء کے گناہ کو مخفی رکھنے کے لئے لازم ہے کہ فجر و مغرب کے سوا دوسرے اوقات کی جماعت میں بنیت نفل شریک ہو جائے، بعد میں پہلے قضاء اور پھر اداء پڑھے، اور اگر سہواً جماعت میں شامل ہو گیا تو امام کے ساتھ یہ نماز پوری کرلے، یہ نماز نفل ہو گئی، اس کے بعد قضاء نماز پڑھے، پھر اس کے بعد امام کے ساتھ پڑھی ہوئی وقتی نماز دوبارہ پڑھے، قال فی الشامیۃ (قوله للخبر المشهور من نام عن صلوٰة) تمام الحديث اونسيها فلم يذ كرها الا وهو يصلى مع الامام فليصل التى هو فيها ثم ليقض التى تذ كرها ثم ليعد التى صلى مع الامام ح عن الدر (رد المحتار ص ۶۸۰ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ر صفر سنہ ۹۱ھ

بیوی کی خواہش پوری کرنے کے لئے ترکِ جماعت:

سوال:- اذان ہو گئی اور بیوی کہتی ہے کہ نماز سے پہلے میری خواہش پوری کرو، اگر اس کی خواہش پوری کی جاتے جماعت ترک ہوتی ہے، اس صورت میں کیا کرے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مرد کو بھی اس حد تک میلان ہو گیا کہ نماز میں پوری توجہ نہ رہے گی تو ترکِ جماعت جائز ہے، فارغ ہو کر اطمینان سے نماز پڑھے، اور مرد کو اس حد تک خواہش نہیں تو صرف عورت کے کہنے پر ترکِ جماعت جائز نہیں، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ر ذی الحجہ سنہ ۹۱ھ

امام کا وسطِ محراب سے ہٹکر کھڑا ہونا مکروہ ہے:

سوال:- امام کو نماز کے لئے محراب کا نصف حصّہ چھوڑ کر دائیں یا بائیں کھڑا ہو کر نماز پڑھانا کیسا ہے؟ اور اگر محراب کے اندر ہی منبر بنا ہو جیسا کہ اکثر مسجدوں میں ہوتا ہے تو اس صورت میں امام کو کس جگہ کھڑا ہونا چاہئے؟ مسئلہ واضح فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

محراب سے مقصود یہ ہے کہ امام صف کے ٹھیک بیچ میں کھڑا ہو، اور یہ سنت ہے، سو اگر محراب

صحیح طور پر صف کے درمیان میں ہی تو محراب کے عین درمیان کو چھوڑ کر دائیں یا بائیں جانب ہٹ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے، خواہ منبر محراب کے اندر ہو یا نہ ہو، بہر حال محراب کے درمیان کھڑا ہونا چاہئے، اکثر مساجد میں دیکھا گیا ہے کہ امام منبر کو چھوڑ کر بقیہ محراب کے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، یہ مکروہ ہے، اس کی اصلاح لازم ہے، اور اس مسئلہ کی اشاعت ضروری ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ تعمیر مساجد میں اس اصلاح کی اشد ضرورت ہے کہ منبر کی جگہ دائیں جانب چھوڑ کر مسجد کے ٹھیک درمیان میں اس طرح محراب بنائیں کہ محراب کا عین وسط جہاں امام کھڑا ہوگا وہاں سے مسجد کی دونوں طرف فاصلہ برابر ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی المعراج وفی مبسوط بکر السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ (رد المحتار ص۵۳۱ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ر محرم ۹۳ھ

امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیرا اس کے بعد امام نے سلام پھیرا تو کیا مقتدی مذکور کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز ہوگئی، مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر ایسی سخت مجبوری سے سلام پھیرا جو نماز میں باعثِ تشویش بن رہی ہو تو نماز کا لوٹانا واجب نہیں، لانہ ترک واجب متابعۃ الامام لواجب اٰخر وھو اصلاح الصلوٰۃ والتحرز عن کراھۃ اداء الصلوٰۃ مع المشوش،

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عمداً واجب متابعۃ الامام کے ترک کی وجہ سے یہ نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟ اس سے متعلق کوئی صریح حکم نہیں ملا، البتہ مقتدی کے سہواً ترکِ واجب پر سجدۂ سہو کے عدمِ وجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ بصورتِ عمد نماز کا اعادہ واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ر ذیقعدہ ۹۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال:۔ اگر جماعت کی نماز میں کوئی مقتدی امام سے پہلے سہواً سلام پھیر دے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر وہ کوئی مفسدِ صلوٰۃ بات کئے بغیر امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اتباعِ امام واجب ہے، اس لئے امام سے تقدیم عمداً بلا عذر مکروہ تحریمی ہے، البتہ سہواً یا بعذر

خوفِ حدث وغیرہ تقدیم میں کراہت نہیں، قال فی شرح التنویر ولو اتمہ قبل امامہ فتکلم جاز وکرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای لو اتم المؤتم التشہد بان اسرع فیہ وفرغ منہ قبل اتمام امامہ فاتی بما یخرجہ من الصلوٰۃ کسلام اوکلام اوقیام جاز ای صحت صلوٰتہ لحصولہ بعد تمام الارکان (الیٰ قولہ) وانما کرہ للمؤتم ذلک لترکہ متابعۃ الامام بلاعذر فلو بہ کخوف حدث اوخروج وقت جمعۃ او مرور مار بین یدیہ فلاکراھۃ، کماسیأتی قبیل باب الاستخلاف (رد المحتار ص۲۹ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ جمادی الآخرہ سنہ ۹۸ھ

سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت :

سوال :- جو حافظ صاحب ڈاڑھی کو خضاب لگاتے ہوں کیا وہ تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سیاہ خضاب لگانے والا فاسق ہے، لہٰذا ایسے امام کی اقتداء میں تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، صالح امام نہ ملے تو تراویح تنہا پڑھ لیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ شعبان سنہ ۹۲ھ

امام کے تقرر میں اہلِ صلاح کی کثرتِ رائے معتبر ہے :

سوال :- اگر کسی مسجد کے اکثر مقتدی اور اہلِ محلہ وممبرانِ کمیٹی ایک پیش امام صاحب کو اُن کی خدمات سے سبکدوش کرکے کسی دوسرے امام کو اُن کی جگہ تقرر کریں، کیونکہ اہلِ محلہ کو ان سے عقیدت ہے، تو ایسی صورت میں اکثریت کی رائے کا احترام ضروری ہوگا یا اقلیت کی ہٹ دھرمی کو تسلیم کیا جائے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دونوں امام علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں برابر ہیں تو قوم میں سے اہلِ صلاح کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے قال فی الدر فان استووا یقرع بین المستویین اوالخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم ولو قدموا غیرالاولیٰ اساؤا بلا اثم، (رد المحتار ص ۵۲۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ذیقعدہ سنہ ۹۳ھ

ولد الزنا کی امامت :

سوال :۔ ولد الزنا کی امامت اور اسے کسی دینی منصب پر قائم کرنے کا کیا حکم ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

ولد الزنا والد کے نہ ہونے کی وجہ سے صحیح تربیت یافتہ نہیں ہوتا، نیز اس سے طبعًا انقباض ہوتا ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر اس میں یہ علتِ کراہت نہ پائی جائے بلکہ وہ عالم اور متقی ہو تو کراہت باقی نہ رہے گی، بلکہ دوسروں کی بنسبت اس کی امامت افضل ہے، یہی حکم دوسرے دینی مناصب کا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وولد الزنا) اذ لیس لہ اب یربیہ ویؤدبہ ویعلمہ فیغلب علیہ الجھل بحر اولنفرۃ الناس عنہ (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) ونقل عن البحر والاختیار ولو عدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدۃ والاعمی من البصیر فالحکم بالضد (رد المحتار ص ۵۲۳ ج ۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۴ھ

امام کے پیچھے مؤذن کی جگہ متعین کرنا جائز نہیں :

سوال :۔ مؤذن کی جگہ مقرر کرنا امام کے پیچھے درست ہو کہ نہیں؟ امام کے پیچھے مؤذن کی جانماز بچھی رہتی ہے، اس جگہ کوئی دوسرا نمازی کھڑا نہیں ہو سکتا، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں کسی کے لئے بھی جگہ متعین کرنا جائز نہیں، مؤذن اگر امام سے قریب رہنا چاہتا ہے تو دوسرے نمازیوں سے پہلے آجائے، ورنہ جہاں بھی جگہ ملے وہیں اقامت کہدے، اقامت کے لئے صفِ اوّل یا امام سے قرب کی کوئی قید نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ رجب سنہ ۹۴ھ

امام رکوع وسجدہ مختصر کرے :

سوال :۔ امام اور منفرد کو رکوع اور سجدہ میں کتنی تسبیحات پڑھنا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

منفرد کو اجازت ہے، خواہ تین تسبیحات پڑھے یا پانچ یا سات یا اور زیادہ، مگر طاق پڑھے، البتہ امام زیادہ تسبیحات نہ کہے بلکہ اس کا لحاظ رکھے کہ مقتدی اطمینان کے ساتھ تین تسبیح پوری کرلیں،

قال فی الشامیۃ وصرحوا بانہ یکرہ ان ینقص عن الثلاث وان الزیادۃ مستحبۃ بعد ان یختم علی وتر خمس او سبع او تسع ما لم یکن اماماً فلا یطول (رد المحتار ص ۴۶۱ ج ۱) وایضا فیہا تحت مطلب فی اطالۃ الرکوع للجائی وفی المنیۃ ویکرہ للامام ان یعجلہم عن اکمال السنۃ ونقل فی الحلیۃ عن عبد اللہ بن المبارک واسحق وابراہیم والثوری انہ یستحب للامام ان یسبح خمس تسبیحات لیدرک من خلفہ الثلاث اھ (رد المحتار ص ۴۶۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۴ھ

پاجامہ ٹخنے سے نیچے رکھنے والے کی امامت:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک مسجد کے صدر پاجامہ اس طرح کا پہنتے ہیں کہ ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں، اگر ان صدر کو یہ معلوم ہو جائے کہ امامت کرنا ہے بس ضرور موجود ورنہ کئی کئی نمازوں میں غائب، براہِ کرم شرعاً جو فیصلہ ہو تحریر فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ٹخنے سے نیچے پاجامہ لٹکانا ناجائز ہے، اس پر بہت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطراً متفق علیہ وعنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار، رواہ البخاری (مشکوٰۃ، ص ۳۷۳ ج ۲) قوم لوط علیہ السلام پر جن براعمالیوں سے عذاب آیا ان میں ٹخنے ڈھانکنا بھی ہے، (در منثور) اس لئے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ ربیع الآخر سنہ ۹۳ھ

امام پر مقتدیوں کی بے احتیاطی کا اثر پڑتا ہے:

سوال:- امام سے نماز میں اکثر غلطی ہوتی رہتی ہے، کیا اس کی وجہوں میں سے یہ وجہ بھی ہے کہ مقتدی کی غلطی سے ہوتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی طہارت وغیرہ کی احتیاط نہ کرے تو امام پر اس کا اثر پڑنا حدیث سے ثابت ہے، عن شبیب بن ابی روح عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الصبح فقرأ الروم فالتبس علیہ فلما صلی قال ما بال اقوام یصلون معنا لا یحسنون الطہور وانما یلبس علینا القرآن اولئک رواہ

النسائی (مشکوٰۃ ص ۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۸ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۳ھ

انعامی بونڈ رکھنے والے کی امامت:

سوال:۔ ایسا شخص امامت کے لائق ہے جو پرائز بونڈ رکھے اور اس پر انعام کی رقم وصول کرے اور انعام سودی رقم سے تقسیم ہوتے ہیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

انعامی بونڈ سود اور قمار کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اس لئے انعامی بونڈ رکھنے والا فاسق ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵ر شوال سنہ ۹۳ھ

وضو ٹوٹنے کی وجہ سے صف سے نکلا تو یہ خلا کیسے پُر کیا جائے؟:

سوال:۔ اگر کوئی شخص پہلی صف میں سے وضو ٹوٹنے کی وجہ سے لوگوں کو چیرتا ہوا نکل جائے اس صورت میں پچھلی صف والا بذاتِ خود اس کی جگہ جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پچھلی صف والے پر واجب ہے کہ از خود آگے بڑھ کر اس خلا کو پُر کرے، اگر اس نے ایسا نہ کیا تو بعد میں آنے والا شخص صف کے سامنے سے گذر کر یہاں کھڑا ہو، اگر صف کے سامنے سے گذرنے کی جگہ نہ ہو تو صف چیر کر یہاں آئے اور خلا پُر کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ر رمضان المبارک سنہ ۹۳ھ

صف کا خلا پُر کرنے کے لئے نمازی کے سامنے سے گزرنا جائز ہے:

سوال:۔ اگر وضو ٹوٹ جائے تو نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وضو کر کے اسی جگہ آکر ملے یا پیچھے کھڑا ہو جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز کی اصلاح کے لئے نمازیوں کے سامنے سے گذرنا جائز ہے، لہٰذا جاتے وقت سامنے سے گذر جائے اور واپسی تک اگر وہ جگہ خالی ہے تو سامنے سے گذر کر اس جگہ کو پُر کرے، بلکہ سامنے سے جانے کی جگہ نہ ہو تو صف کو چیر کر بھی جا سکتا ہے، قال فی العلائیة ولو کان فرجة فللداخل ان یمر علیٰ رقبة من لم یسدّها لانه اسقط حرمة نفسه، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ قال فی القنیة قام فی اٰخر الصّف فی المسجد بینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمرّ بین یدیه

لیصل الصفوف لانہ اسقط حرمۃ نفسہ فلا یأثم المار بین یدیہ دل علیہ ماذکر فی الفردوس بروایۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من نظر الیٰ فرجۃ فی صف فلیسدّھا بنفسہ فان لم یفعل فمر مار فلیتخط علی رقبتہ فانہ لاحرمۃ لہ (الیٰ قولہ) واذا کان لہ ذلک فلہ ان یمر بین یدیہ بالاولیٰ فافہم (رد المحتار ص۵۹۵ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ ذیقعدہ سنہ ۹۴ھ

مقتدی امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز نہ ہوگی:

سوال:- مسجد میں دورانِ جماعت دوسری منزل کے نمازی امام سے کچھ آگے بڑھ گئے، کیا اُن کی نماز درست ہوگئی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اگر ایڑی برابر ہو تو نماز ہو جائے گی، اگرچہ مقتدی کے پاؤں کی انگلیاں امام کے پاؤں سے آگے ہوں، البتہ اگر مقتدی اور امام کے پاؤں میں اتنا زیادہ تفاوت ہو کہ دونوں کی ایڑیاں برابر ہونیکے باوجود مقتدی کے پاؤں کا اکثر حصہ امام کے پاؤں سے آگے بڑھ گیا تو نماز نہ ہوگی، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی شروط الامامۃ وعدم تقدمہ علیہ بعقبہ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو ساواہ جاز وان تقدمت اصابع المقتدی لکبر قدمہ علی قدم الامام مالم یتقدم اکثر القدم کما سیأتی (رد المحتار ص۵۱۴ ج۱) وذکر التفصیل فی بیان مقام المقتدی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ رمضان المبارک سنہ ۹۴ھ

نابالغ مقتدی سے جماعت کا ثواب مل جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ بالغ امام کے پیچھے بارہ تیرہ سال کے بچوں نے اقتداء کی، تو کیا جماعت ادا ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب پورا ملے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے پیچھے اگر ایک نابالغ نے بھی اقتداء کی تو اس کو نماز باجماعت کہا جائے گا، اور جماعت کا پورا ثواب ملے گا، بشرطیکہ وہ بچہ عاقل ہو، قال فی العلائیۃ واقلہا اثنان واحد مع الامام ولو ممیزًا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لحدیث اثنان فما فوقہما جماعۃ اخرجہ السیوطی فی

الجامع الصغیر ورمز لضعفہ قال فی البحر لانہا مأخوذۃ من الاجتماع وھما اقلّ ما یتحقق بہ وھٰذا فی غیر جمعۃ اھ ای فان اقلہا فیہا ثلاثۃ صالحون للامامۃ سوی الامام ومثلہا العید الخ (قولہ ولو ممیّزاً) ای ولو کان الواحد المقتدی صبیًّا ممیّزاً قال فی السراج لو حلف لا یصلّی جماعۃ وامّ صبیًّا یعقل حنث اھ ولا عبرۃ بغیر عاقل بحر قال ط ویؤخذ منہ انّہ یحصل ثواب الجماعۃ باقتداء المتنفل بالمفترض لانّ الصبیّ متنفل الخ (ردالمحتار ص ۵۱۷ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۸ر محرم سنہ ۹۵ھ

صرف عورت یا بچہ مقتدی ہو تو کہاں کھڑا ہو؟

سوال:۔ زید اپنے گھر میں جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے، اگر مقتدی صرف ایک نابالغ لڑکا یا صرف ایک عورت ہو یا بچہ اور عورت دونوں اقتدا کریں تو یہ کہاں کھڑے ہوں؟ عورت محرم اور غیر محرم میں کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

بچہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور عورت امام کے پیچھے، عورت محرم ہو یا غیر محرم دونوں کا یہی حکم ہے، قال فی العلائیۃ (ویقف الواحد) ولو صبیًّا امّا الواحدۃ فتتأخر (محاذیًا) ای مساویًا (لیمین امامہ) علی المذھب، وفی الشامیۃ خلافًا لما عن محمدؒ من انہ یجعل اصابعہ عند عقب الامام، بحر (ردالمحتار ص ۵۳۰ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۷ر ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والے کی امامت:

سوال:۔ جو شخص نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملاتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

نامحرم عورتوں سے ہاتھ ملانے والا فاسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ر ربیع الاوّل سنہ ۹۵ھ

مقتدی ایک مرد اور ایک بچہ ہو تو صف بندی کیسے کریں؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ مسجد میں بوقت جماعت امام کے علاوہ

ایک مرد اور ایک نابالغ لڑکا موجود ہے ان کو صف بندی کس طرح کرنی چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

مرد اور نابالغ بچہ دونوں مل کر کھڑے ہوں، قال فی شرح التنویر ثم الصبیان ظاهرہ تعددهم فلو واحدا دخل الصف وفی الشامیۃ ذکرہ فی البحر بحثا قال وکذا لوکان المقتدی رجلا و صبیا یصفهما خلفه لحدیث انس رضی الله تعالیٰ عنه فصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا، (رد المحتار، ص ۵۳۲ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۴ر رمضان ۹۵ھ

شروع میں صرف ایک مقتدی تھا حالتِ سجدہ میں اور آگئے:

سوال:- مسجد میں امام صرف ایک مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، آخری رکعت کے سجدہ کے دوران اور کئی مقتدی پہنچ گئے، کیا ان لوگوں کو اسی حالت میں امام کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر نماز میں شرکت کرنی چاہئے یا امام کا سجدہ سے اُٹھنے کا انتظار کریں تاکہ امام آگے ہو جائے، اور پھر یہ پہلے سے موجود مقتدی کے ساتھ مل کر صف بنائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے پیچھے صف بنا کر حالتِ سجدہ ہی میں شریک ہو جائیں، سجدہ سے اُٹھنے کے بعد پہلا مقتدی بھی پیچھے ہٹ جائے، قال فی التنویر ویقف الواحد محاذیا الیمین امامه (الیٰ ان قال) والزائد خلفه وفی الشامیۃ وفیه اشارۃ الیٰ ان الزائد لوجاء بعد الشروع یقوم خلف الامام ویتأخر المقتدی الاول، (رد المحتار ص ۵۳۰ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۴ر رمضان ۹۵ھ

امام پر متعین وقت کا اہتمام لازم ہے:

سوال:- عموماً مساجد میں جب امام مسجد گھڑی کے صحیح وقت پر نہیں پہونچتا تو نمازی معترض ہوتے ہیں، اور ان کو دو چار منٹ انتظار کرنا دشوار معلوم ہوتا ہے، حالانکہ انتظارِ صلوٰۃ کی حدیث اور یہ کہ اذان کے بعد نماز کے پورے وقت میں کسی وقت بھی جماعت کی اجازت ہے، اور وقت کا تعین محض سہولت کے لئے ہے، تاکہ مصلی اس وقت پر جمع ہو جائیں، یہ امر ان کے خیالات کا مؤید نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ:

① امام کا انتظار کیا جانا چاہئے یا نہیں؟ اور کتنا انتظار کیا جا سکتا ہے؟

② کیا امام پر گھڑی کے وقت کی ایسی پابندی کہ دو چار منٹ بھی تاخیر نہ ہو از روئے شرع ضروری ہے؟
③ جو امام اکثر دو چار منٹ دیر سے مسجد میں پہونچ کر نماز پڑھاتا ہو اس کو کس بات کی احتیاط ضروری ہے؟
④ جو نمازی تاخیر پر مسجد میں شور و غل مچاتے ہیں اور چرچا کرتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟
⑤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور قرونِ اُولیٰ میں کس طرح عمل رہا ہے؟
⑥ فقہاءِ کرام اس مسئلہ میں کیا تفصیل بتاتے ہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک اور قرونِ اولیٰ میں نیز حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے دَور میں نہ دنیوی مشاغل زیادہ تھے اور نہ ہی گھڑیاں تھیں، اس لئے جماعت کا اصول یہ رہا کہ وقت داخل ہونے کے بعد اذان ہوئی، اور اس کے بعد جب نمازیوں کا اجتماع ہو گیا جماعت قائم ہو گئی،

اس زمانہ میں ایک طرف دنیوی مشاغل میں مصروفیت بدرجۂ انہماک اور دوسری جانب دین میں غفلت و بے اعتنائی کے پیشِ نظر گھڑیوں کی سہولت سے استفادہ ناگزیر ہو گیا ہے، لہٰذا آجکل کے حالات کے پیشِ نظر گھڑی سے وقت کی تعیین اور امام کے لئے وقتِ معیّن کی پابندی ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں لوگوں کے اجتماع کو ملحوظ رکھا جاتا تھا، اب چونکہ گھڑی کے معیّن وقت پر ہی نمازی جمع ہوتے ہیں، لہٰذا یہ امر بھی اس کو مقتضی ہے کہ معیّن وقت سے تاخیر نہ کی جائے، علاوہ ازیں قرونِ اُولیٰ کے ائمہ تنخواہ نہیں لیتے تھے، اور اِس زمانہ کا امام تنخواہ دار ملازم ہے، اس لئے بھی اس پر متعین وقت کی پابندی لازم ہے، البتہ نمازیوں پر امورِ ذیل کا خیال رکھنا ضروری ہے:

① اگر کبھی بتقاضائے بشریّت امام کو چار پانچ منٹ تاخیر ہو جائے تو بے صبری اور چیخ و پکار کی بجائے صبر و تحمّل سے کام لیں، اور اس تاخیر کو کسی عذر پر محمول کر کے امام پر زبان درازی اور طعن سے احتراز کریں،

② اگر امام ہمیشہ تاخیر سے آنے کا عادی ہو تو اسے ملاطفت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے،

③ اگر تفہیم کے باوجود امام کی روش نہیں بدلتی تو منتظمہ اسے معزول کر سکتی ہے، مگر اس صورت میں بھی امام سے متعلق بدزبانی اور اس کی غیبت ہرگز جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷؍ شوال سنہ ۹۵ھ

وارثوں کو حصہ نہ دینے والے کی امامت:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمیٰ زید فوت ہوگیا، اور اس کی اولاد میں سے تین لڑکے ایک لڑکی ہے، زید مذکور پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا تھا، لیکن جائیداد اولاد کے نام منتقل نہیں ہوئی، پاکستان بننے میں جب شرعی طور پر وراثت تقسیم کرنا منظور ہوا تو زید متوفی کی جائیداد اس کی اولاد پر تقسیم ہونے کے وقت بڑے لڑکے خالد نے کہا کہ ہماری ہمشیرہ ہندہ وراثت کی حقدار نہیں، چونکہ ہمارا باپ پاکستان بننے سے پہلے کئی سال گزرے فوت ہوا اس وقت قانوناً لڑکی ورثہ لینے کی حقدار نہ تھی، تو اس صورت پر ہندہ کے نام جائیداد منتقل نہ کی گئی، اب استفسار ہے کہ اگر عدالت میں دعویٰ کرے تو شرعاً ہندہ اپنا حصہ لے سکتی ہے یا نہ؟ اور خالد جس نے ہمشیرہ کو حصہ سے محروم کر دیا اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر امام مسجد ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

ہندہ اپنا حصہ بہرکیف وصول کر سکتی ہے، خالد حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی وجہ سے فاسق اور ظالم ہے، لہٰذا اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ محرم ۹۶ھ

جو امام حروف کے صحیح مخارج پر قادر نہ ہو:

سوال:۔ ایک شخص خوش خواں نہیں، اور کئی حروف سمجھ میں نہیں آتے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے امامت سے معزول کر دیا جائے، وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے چونکہ نئے دانت لگوائے ہیں اس لئے تاروں کی وجہ سے آواز بھاری ہوجاتی ہے، باقی رہا اشکال حروف سمجھ میں نہ آنے کا تو اس کا کہنا ہے کہ میں تمام حروف کو سمجھتا ہوں، کیا اس کی امامت درست ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر یہ امام حروف کو اُن کے مخارج سے صحیح طرح سے ادا کرتا ہو اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی سمجھ بھی سکیں تو یہ امام احق بالامامۃ ہے، اسی کو برقرار رکھنا چاہئے، اور اگر حروف کو صحیح طریقہ سے مخارج سے ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، خواہ یہ عدم قدرت نئے دانتوں کی وجہ سے ہو یا اور کوئی سبب ہو، اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی صاف اور واضح طور پر نہ سمجھ سکیں تو اس کی امامت درست نہیں، قال فی شرح التنویر ولا غیر الالثغ بہ ای

بالالثغ علی الاصح کما فی البحر عن المجتبی وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالاُمّی فلا یؤم الا مثلہ ولا تصح صلوتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جھدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ و کذا من لا یقدر علی تلفظ حرف من الحروف او لا یقدر علی اخراج الفاء الا بتکرار (رد المحتار ص ۵۴۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ محرم سنہ ۹۶ھ

بنک کے مُلازم کی امامت:

سوال:- اوقاف کے ملازم ائمہ جن کی ڈاڑھی مُشت سے کم ہے، نیز بنک ملازم حفاظ وقرّاء ڈاڑھی خور کی اقتدا میں نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ ڈاڑھی خور بینک میں ملازمت کی وجہ سے سود خور بھی ہے، ان دونوں گناہوں میں سے ہرایک موجبِ فسق ہے، اس لئے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ صفر سنہ ۹۶ھ

حنبلی امام نے قصر نہ کیا تو مقتدی کی نماز واجب الاعادہ ہے:

سوال:- جماعت میں ایک عربی حنبلی تھا، نمازیں پڑھاتا تھا، ہم مسافر تھے وہ بھی مسافر تھا، ایک روزہ کہنے لگا آج میں پوری نماز پڑھاؤں گا، کیونکہ ہمارے مسلک میں قصر کا جواز ہی جیسا کہ روزہ، لہٰذا آج میں ضرور پوری نماز پڑھاؤں گا، بہرحال انھوں نے پوری نماز پڑھائی، آیا ہماری نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ تھا، قصر واجب ہے، اس کے ترک سے مقتدی گنہگار ہوئے، اُن پر توبہ لازم ہی، اور اس نماز کا اعادہ واجب ہی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

ایسے شخص کی امامت جس کے ذمہ قضا نماز ہو:

سوال:- زید صاحب ترتیب ہو، اور ایک مسجد میں امام ہے، اتفاق سے اس کی ایک نماز قضا ہوگئی، دوسری نماز کی جماعت کا وقت ہوگیا، مگر یہ اس سے پہلے قضا نماز نہیں پڑھ سکا اس لئے زید نے اس وقت وقتی نماز پڑھادی، اور مزید چار نمازیں گزرنے کے بعد قضا نماز پڑھ لی، اس صورت میں مقتدیوں کی نماز میں تو کوئی فساد نہیں آیا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں کو چاہیئے کہ وہ امام کو پہلے قضا نماز پڑھنے کا موقع دیں یا امام کو لازم ہے کہ وہ امامت نہ کرے، بلکہ کوئی دوسرا شخص نماز پڑھائے، اور یہ قضا نماز پڑھنے کے بعد جماعت میں شریک ہو، معہذا جب زید نے نماز پڑھادی تو اس کی نماز کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی موقوف ہوگئی، اگر فوت شدہ نماز کی قضاء سے قبل ایسی پانچ نمازوں کا وقت گزر گیا کہ ان کی ادائیگی کے وقت قضا نماز بھی یاد تھی تو سب کی نمازیں درست ہوگئیں، قال فی التنویر وتذکر فائتۃ علیہ او علیٰ امامہ وھو صاحب ترتیب، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای تذکر المصلّی فائتۃ علیہ ان کان منفردًا او اماماً او علیٰ امامہ ان کان مقتدیًا وقولہ وھو ای من علیہ الفائتۃ مطلقاً وفی السراج ثم ھٰذہ الصلوٰۃ لا تبطل قطعًا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ بل تبقی موقوفۃ ان صلّی بعدھا خمس صلوات وھو یتذکر الفائتۃ تنقلب جائزۃ،

(ردالمحتار، ص ۵۶۹ ج ۱)

اس عبارت میں تذکر امام کی صورت میں مقتدیوں کی نماز کا کوئی الگ حکم نہیں بیان کیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام کی طرح مقتدیوں کی نماز بھی بالآخر صحیح ہوجائے گی، قانون تبعیت کا مقتضیٰ بھی یہی ہے،

مگر امام کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے کہ اگر اس اثناء میں امام یا مقتدیوں میں سے کسی کا انتقال ہوگیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ شوال ۹۸ھ

امام کے ذمہ وتر کی قضاء ہو:

سوال:۔ زید ایک مسجد میں امام ہے، آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے زید کے وتر قضا ہوگئے، ایسے وقت بیدار ہوا کہ جماعت فجر کا وقت قریب تھا، اس لئے وتر کی قضا پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھادی، دوسرے روز بوقت اشراق وتر کی قضا پڑھی، تو مقتدیوں کی نمازیں صحیح ہوگئیں یا نہیں؟ اگر دوسرے روز فجر سے قبل وتر کی قضا پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کی طرح مقتدیوں کی نمازیں بھی موقوف تھیں، قضاء وتر سے قبل چھ نمازوں کا وقت گزر جانے سے سب کی نماز صحیح ہوگئی، بشرطیکہ ان نمازوں کی ادائیگی کے وقت قضا نماز یاد ہو، اگر

دوسرے روز طلوع آفتاب سے قبل وتر کی قضا پڑھ لیتا تو امام اور مقتدی سب کی درمیانی سب نمازیں باطل ہوجاتیں،

تنبیہ :۔ امام کو ایسا کرنا جائز نہیں، اگر اس دوران میں امام یا کسی مقتدی کا انتقال ہوگیا تو قضا رہ جانے والی نمازوں کا عذاب امام پر ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

یوم العاشوراء ۱۴۰۰ھ

مقتدی نے امام کی تکبیر تحریمہ ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوئی :

سوال :۔ زید نے امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ شروع کی مگر ختم امام کی تکبیر سے پہلے کردی تو زید کی نماز ہوگئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

زید کی نماز نہیں ہوئی، اس لئے کہ تکبیر تحریمہ پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریمہ پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کرلی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہوگیا، لہٰذا اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی، اگر اسی تحریمہ سے منفرداً نماز پڑھے گا تو وہ بھی نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر ولا یصیر شارعاً بالمبتدأ فقط کاللہ وباکبر فقط ھو المختار فلو قال اللہ مع الامام واکبر قبله او ادرك الامام راکعاً فقال اللہ قائماً واکبر راکعاً لم یصح فی الاصح (رد المحتار ص ۴۴۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ / ذیقعدہ ۹۸ھ

کسی فرد کے لئے جماعت میں تاخیر جائز نہیں :

سوال :۔ اکثر جہال متولیان امام عالم پر حکومت کرتے ہیں، مثلاً نماز کے اوقات مقررہ کے وقت پر جب امام نماز شروع کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو متولی کہتا ہے کہ امام صاحب ذرا ٹھہرئیے فلاں نہیں آیا، کیا یہ انتظار جائز ہے ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نمازیوں کے اجتماع کے بعد کسی فرد کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ کوئی شخص شریر ہو اور اس سے خطرہ ہو تو اس کے شر سے بچنے کے لئے تاخیر کی جاسکتی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی اذان البزازیۃ لو انتظر الاقامۃ لیدرك الناس الجماعۃ یجوز ولواحد بعد الاجتماع لا الا اذا کان

واعزّاً شریراً اھ (ردالمحتار ص۳۶۲ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ صفر ۸۸ھ

فصل مانع اقتداء :

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ احاطۂ عیدگاہ کے اندر اور احاطۂ عیدگاہ کے باہر صفوں میں کتنا فاصلہ مانع اقتدا نہیں، احاطۂ عیدگاہ کے باہر ہر چہار طرف سڑکیں ہیں، لوگ سڑکوں کو چھوڑ کر کہیں ۱۵ فٹ لغایت ۲۵ فٹ تک کے فاصلہ پر صف بندی کرتے ہیں، ایسی صورت میں اُن لوگوں کی نماز ہوئی ؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو صحیح صف بندی کا طریقہ کیا ہے ؟ احاطہ کے اندر اور احاطہ کے باہر صحیح طریقہ تفصیل سے ارسال کیجئے، تاکہ چھپوا کر عام لوگوں کی معلومات کے لئے تقسیم کیا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احاطۂ عیدگاہ کے اندر صفوں کے درمیان فاصلہ صحتِ اقتداء سے مانع نہیں، خواہ کتنا ہی زیادہ ہو، مگر بلا ضرورت درمیان میں خلاء چھوڑنا مکروہِ تحریمی ہے، معہٰذا نماز صحیح ہو جائے گی، البتہ عیدگاہ میں کوئی نالہ ہو تو وہ اقتداء سے مانع ہوگا، جس کی تفصیل عیدگاہ سے باہر صف بندی کے بیان میں آرہی ہے۔

احاطۂ عیدگاہ سے باہر صحتِ اقتداء کے لئے یہ شرط ہے کہ موضعِ سجود سے بقدر دو صف (تقریباً ۵ء۲ میٹر) جگہ خالی نہ ہو، اور اتنا بڑا عام راستہ درمیان میں نہ ہو جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گزر سکتا ہو، اور خالی اونٹ کی گذرگاہ کے برابر چوڑا کوئی نالہ بھی نہ ہو، اگر درمیان میں دو صف کی جگہ خالی رہی، یا نالہ یا سڑک واقع ہوئی اور اسے پُر نہ کیا گیا تو اس سے پیچھے کھڑی ہونے والی صفوں کی اقتداء صحیح نہ ہوگی، لہٰذا ان کی نمازِ عید درست نہ ہوگی، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی موانع الاقتداء او طریق تجری فیہ عجلۃ آلۃ یجرھا الثور او نھر تجری فیہ السفن ولو زورقا ولو فی المسجد او خلاء ای فضاء فی الصحراء او فی مسجد کبیر جداً کمسجد القدس یسع صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف، وفی الشامیۃ (قولہ او طریق) ای نافذ ابوالسعود عن شیخہ ط قلت ویفھم ذلک من التعبیر عنہ فی عدۃ کتب بالطریق العام وفی التتارخانیۃ الطریق فی مسجد الرباط والخان لایمنع لانہ لیس بطریق عام (قولہ تجری فیہ عجلۃ) ای تمر وبہ عبر فی بعض النسخ والعجلۃ بفتحتین وفی الدرر ھو

الذی تجری فیہ العجلۃ والاوقار اھ وھو جمع وقر بالقاف قال فی المغرب واکثر استعمالہ فی حمل البغل او الحمار کالوسق فی حمل البعیر (قولہ ولو زورقا) بتقدیم الزاء السفینۃ الصغیرۃ کما فی القاموس وفی الملتقط اذا کان کاضیق الطریق یمنع وان بحیث لا یکون طریق مثلہ لا یمنع سواء کان فیہ ماء اولا وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ النھر الذی یمشی فی بطنہ جمل وفیہ ماء یمنع وان کان یابسا واتصلت بہ الصفوف جاز اھ اسمعیل (قولہ ولو فی المسجد) صرح بہ فی الدرر والخانیۃ وغیرھما (قولہ او فی مسجد کبیر جداً الخ) قال فی الامداد والفاصل فی مصلی العید لا یمنع وان کثر واختلف فی المتخذ لصلوۃ الجنازۃ وفی النوازل جعلہ کالمسجد والمسجد وان کبر لا یمنع الفاصل الا فی الجامع القدیم بخوارزم فان ربعہ کان علی اربعۃ آلاف اسطوانۃ وجامع القدس الشریف اعنی ما یشتمل علی المساجد الثلاثۃ الاقصی والصخرۃ والبیضاء کذا فی البزازیۃ ومثلہ فی شرح المنیۃ (رد المحتار ص۵۸۴ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ رذی الحجہ ۹۶ھ

سوال مثل بالا :

سوال :- مسجد کے صحن میں حوض ہے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر امام کی اقتداء کرلی تو نماز ہوجائے گی یا نہیں ؟ مسجد میں یا مسجد سے باہر صفوں کے درمیان کتنی جگہ خالی ہو تو اقتداء درست نہیں ؟ تفصیل سے بیان فرمائیں ، بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر حوض ۱۰۰ ہاتھ = ۲۲۵ مربع فٹ = ۲۰٫۹ مربع میٹر یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے کھڑا ہونے والے کی اقتداء صحیح نہیں ، البتہ اگر حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑا ہونے والے تک صفوف متصل ہوں تو اس کی اقتداء درست ہے ،

مسجد ، عیدگاہ ، جنازہ گاہ ، ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۳۳۴٫۴۵۱ مربع میٹر سے چھوٹا کمرہ اور اس سے چھوٹا صحن ، ان سب مقامات میں صفوں کے درمیان خواہ کتنا ہی فصل ہو اقتداء صحیح ہے ، مگر بلاضرورت خلاء چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے ، معہٰذا نماز ہوجائے گی ، البتہ اگر درمیان میں ۲۰٫۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ ہو کہ جس کے بیچ میں اونٹ چل سکے تو اس کے پیچھے اقتداء صحیح نہیں ، مگر یہ کہ کسی جانب سے یہاں تک صفوف متصل ہوں تو اقتداء صحیح ہوجائے گی ،

کھلے میدان، ۲۵۱ء۳۳۴ مربع میٹر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں صحتِ اقتداء کے لئے یہ شرط ہے کہ درمیان میں مندرجہ ذیل موانع نہ ہوں :۔

① اتنا چوڑا عام راستہ کہ اس میں بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گزر سکے، البتہ اگر یہ شارع عام نہ ہو بلکہ کسی جانب سے بند ہو تو یہ صحتِ اقتداء سے مانع نہیں،

② ۲۰ء۹ مربع میٹر حوض یا اتنا چوڑا نالہ کہ اس کے طول میں اونٹ گزر سکے،

③ بقدر دو صف (تقریباً ۸ فٹ = ۲ء۴۴ میٹر) خلاء،

یہ تینوں موانع اس صورت میں ہیں کہ کسی جانب سے بھی صفوف میں اتصال نہ پایا جائے، اگر کسی جانب سے ان موانع کے پیچھے تک صفوف متصل ہوں گی تو اقتداء صحیح ہو جائے گی، قال فی شرح التنویر ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیہ عجلۃ آلۃ یجرھا الثور او نھر تجری فیہ السفن ولو زورقا ولو فی المسجد اوخلاء ای فضاء فی الصحراء اوفی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس یسع صفین فاکثر الا اذا اتصلت الصفوف، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ اوطریق) ای نافذ ابوالسعود عن شیخہ ط قلت ویفھم ذلک من التعبیر عنہ فی عدۃ کتب بالطریق العام وفی التتارخانیۃ الطریق فی مسجد الرباط والخان لایمنع لانہ لیس بطریق عام (قولہ تجری فیہ عجلۃ) ای تمرّ بہ عبر فی بعض النسخ والعجلۃ بفتحتین وفی الدر ھو الذی تجری فیہ العجلۃ والاوقار وھو جمع وقر بالقاف قال فی المغرب اکثر استعمالہ فی حمل البغل او الحمار کالوسق فی حمل البعیر (قولہ او نھر تجری فیہ السفن)۔ ای یمکن ذلک ومثلہ یقال فی قولہ تجر فیہ عجلۃ ط، واما البرکۃ او الحوض فان کان بحال لو وقعت النجاسۃ فی جانب تتنجس الجانب الأخر لایمنع والا منع کذا ذکرہ الصفار اسمٰعیل عن المحیط، وحاصلہ ان الحوض الکبیر المذکور فی کتاب الطھارۃ یمنع ای مالم تتصل الصفوف حولہ کمایأتی (قولہ ولو زورقا) بتقدیم الزاء السفینۃ الصغیرۃ کما فی القاموس وفی الملتقط اذا کان کاضیق الطریق یمنع وان بحیث لا یکون طریق مثلہ لایمنع سواء کان فیہ ماء اولا، وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ النھر الذی یمشی فی بطنہ جمل وفیہ ماء یمنع وان کان یابسا واتصلت بہ الصفوف جاز اھ اسمٰعیل، (قولہ ولو فی المسجد) صرّح بہ فی الدرر والخانیۃ وغیرھما (قولہ اوفی مسجد کبیر جدا الخ) قال فی الامداد والفاصل فی مصلّی العید لایمنع وان کثر، واختلف فی المتخذ لصلوۃ الجنازۃ

وفی النوازل جعله کالمسجد والمسجد وان کبر لایمنع الفاصل الا فی الجامع القدیم بخوارزم فان ربعه کان علی اربعة آلاف اسطوانة وجامع القدس الشریف اعنی مایشتمل علی المساجد الثلاثة الاقصی والصخرة والبیضاء کذا فی البزازیة ومثله فی شرح المنیة واما قوله فی النهر لایمنع من الاقتداء الفضاء الواسع فی المسجد وقیل یمنع اھ فانه وان افاد ان المعتمد عدم المنع لکنه محمول علی غیر المسجد الکبیر جدا کجامع خوارزم والقدس بدلیل ما ذکرناه وکون الراجح عدم المنع مطلقا یتوقف علی نقل صریح فافهم (تتمة) فی القهستانی البیت کالصحراء والاصح انه کالمسجد ولهذا یجوز الاقتداء فیه بلا اتصال الصفوف کما فی المنیة اھ ولم یذکر حکم الدار فلیراجع لکن ظاهر لتقیید بالصحراء والمسجد الکبیر جدا ان الدار کالبیت تأمل، ثم رأیت فی حاشیة المدنی عن جواهر الفتاوی ان قاضی خان سئل عن ذلک فقال اختلفوا فیه فقدره بعضهم بستین ذراعا وبعضهم قال ان کانت اربعین ذراعا فهی کبیرة والا فصغیرة هذا هو المختار اھ (رد المحتار ص ۵۴۲ ج۱) وفی المتانة معزیا الجواهر الفتاوی سئل قاضیخان رحمه الله تعالیٰ عن الدار ان لہ حکم المسجد ام حکم الصحراء فی حکم اتحاد المکان واختلافه؟ قال اختلفوا فیه بعضهم قالوا ان کان ستین ذراعا فی ستین ذراعا بذراع شاهجهان فهی کبیرة والا فصغیرة وبعضهم قالوا ان کان اربعین ذراعا فی اربعین ذراعا فهی کبیرة والا فصغیرة هذا هو المختار، هکذا افتاه (المتانة فی مرمة الخزانة ص ۱۹۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۴ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

شرائطِ استخلاف :

سوال :- اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز میں کسی کو اپنا خلیفہ بنانا چاہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

صحتِ استخلاف کی تین شرطیں ہیں :-

① صحتِ بناء کی وہ سب شرائط جن کی تفصیل اوپر کے مسئلہ میں بیان کی گئی ہے (تبویب میں یہ مسئلہ باب مفسدات الصلوٰۃ میں بعنوان "شرائط صحتِ بناء" آیا ہے) البتہ خلیفہ متعین ہو جانے کے بعد بقیہ شرائط صرف امام کی بناء کے لئے ہیں، خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز کے لئے نہیں، اگر اس کے بعد امام نے کوئی فعل منافی کیا تو خلیفہ اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہو جائے گی،

② اگر مسجد یا ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۴۵۱ء ۳۳۴ مربع میٹر سے چھوٹے کمرے یا اس سے چھوٹے صحن میں جماعت ہو تو امام کے اس سے باہر نکلنے سے پہلے خلیفہ متعین ہو، اور اگر کھلی فضا یا مذکور رقبہ سے برابر یا اس سے بڑے کمرے یا بڑے صحن میں ہو تو جہتِ قبلہ میں سترہ سے اور سترہ نہ ہو تو موضع سجود سے تجاوز سے قبل اور بقیہ تین اطراف میں صفوف سے تجاوز سے قبل خلیفہ متعین ہو جائے،

③ خلیفہ میں امامت کی صلاحیت ہو، یعنی عورت یا نابالغ نہ ہو،

خلیفہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ اس کو امام ہی متعین کرے، بلکہ اگر مقتدیوں نے کسی کو آگے کر دیا یا کوئی شخص از خود خلیفہ بن گیا تو بھی جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ امام خود خلیفہ بنائے، مسبوق بھی خلیفہ بن سکتا ہے، اگر خلیفہ کو بقیہ رکعات کا علم نہ ہو تو امام انگلیوں کے اشارہ سے بتادے، قراءت باقی ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے، سورۂ فاتحہ باقی ہو تو جہاں چھوڑی اس سے آگے ایک دو کلمات بلند آواز سے پڑھ دے، رکوع کے لئے گھٹنوں پر، سجود کے لئے پیشانی پر، سجدۂ تلاوت کے لئے پیشانی اور زبان پر، سجدۂ سہو کے لئے سینہ پر ہاتھ رکھ کر خلیفہ کو سمجھائے، پھر وضوء سے فراغت تک اگر جماعت ختم نہ ہوئی تو خلیفہ کی اقتداء کرے، ورنہ تنہا نماز پوری کرلے، صورتِ اقتداء میں متروک ارکان پہلے ادا کرکے امام کے ساتھ شامل ہو،

اگر پانی مسجد کے اندر ہی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، امام وضو کرکے واپس اپنے مقام پر آکر امامت کرے، اس وقت تک مقتدی انتظار کریں، مگر اس صورت میں بھی استخلاف جائز ہے، اگر امام خلیفہ کے ایک رکن ادا کرنے سے قبل وضو کرکے آگیا تو خلیفہ پیچھے ہٹ جائے، اور اصل امام ہی امامت کرے، بشرطیکہ امام مسجد سے نہ نکلا ہو، اگر پانی مسجد سے باہر ہو تو افضل یہ ہے کہ کسی کو خلیفہ بنا کر خود استیناف کرے، البتہ وقت تنگ ہو تو استخلاف وبناء واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رشعبان ۸۸ھ

امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا:

سوال:۔ امام کے محراب کے اندر کھڑا ہونے سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

امام پاؤں محراب سے باہر رکھے، بلا عذر محراب میں پاؤں رکھنا مکروہ تنزیہی ہے، وجہ کراہت میں دو قول ہیں:

① محراب میں کھڑا ہونے سے دونوں طرف کے مقتدیوں پر امام کی حالت مشتبہ رہتی ہے،

اس بناء پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں، وھو مختار ابن ھمام وصاحب الحلیۃ رحمھما اللہ تعالیٰ،

(۲) اہلِ کتاب سے تشبہ، اس بناء پر جانبین میں مقتدیوں کے لئے کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باوجود بھی امام کا محراب میں قیام مکروہ تنزیہی ہے، وھو قول الاکثر، البتہ جگہ کی تنگی وغیرہ کسی عذر سے ہو تو بالاتفاق کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروھات الصلوٰۃ وقیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ وقدماہ خارجہ لان العبرۃ للقدم مطلقاً وان لم یشتبہ حال الامام ان علل بالتشبہ وان بالاشتباہ ولا الاشتباہ فلا اشتباہ فی نفی الکراھۃ (الیٰ قولہ) وھذا کلہ عند عدم العذر کجمعۃ وعید فلو قاموا علی الرفوف والامام علی الارض او فی المحراب لضیق المکان لم یکرہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ صرح محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی الجامع الصغیر بالکراھۃ ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببھا فقیل کونہ یصیر ممتازاً عنھم فی المکان لان المحراب فی معنی بیت آخر وذلک صنع اھل الکتاب واقتصر علیہ فی الھدایۃ واختارہ الامام السرخسی وقال انہ الاوجہ وقیل اشتباہ حالہ علی من فی یمینہ ویسارہ فعلی الاول یکرہ مطلقاً وعلی الثانی لا یکرہ عند عدم الاشتباہ وایّد الثانی فی الفتح بان امتیاز الامام فی المکان مطلوب وتقدمہ واجب وغایتہ اتفاق الملتین فی ذلک وارتضاہ فی الحلیۃ وایدہ لکن نازعہ فی البحر (الیٰ قولہ) وفی حاشیۃ البحر للرملی الذی یظھر من کلامھم انھا کراھۃ تنزیہ تأمل اھ (رد المحتار، ص ۴۰۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

کرفیو کی حالت میں مسجد جانا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام کہ کرفیو کے اوقات میں مساجد میں باجماعت نماز پڑھنے جانا چاہئے یا گھر میں نماز ادا کرسکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر فوج نماز کے لئے مسجد جانے والوں کو منع نہ کرتی ہو تو مسجد میں جانا ضروری ہے، ورنہ گھر میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے، قانون کی خلاف ورزی اور عزت وجان کو خطرے میں ڈالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ھ

امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال :۔ امام سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ربنالک الحمد بھی کہے یا کہ صرف مقتدی کہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی تحمید سے متعلق دونوں قول ہیں کہنا افضل ہے، قال فی شرح التنویر فی سنن الصلوٰۃ والتسمیع للامام والتحمید لغیرہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لغیرہ) ای لمؤتم ومنفرد لکن سیأتی ان المعتمد ان المنفرد یجمع بین التسمیع والتحمید وکذا الامام عندھما وھو روایۃ عن الامام جزم بہا الشرنبلالی فی مقدمتہ (رد المحتار ص ۴۴۵ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ رجمادی الآخرہ ۹۷ھ

امام کے لئے تأمین مسنون ہے:

سوال :۔ امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے، قال فی التنویر وامّن الامام سرًا کمأموم ومنفرد وفی الشامیۃ ھو سنۃ للحدیث الآتی المتفق علیہ کما فی شرح المنیۃ وغیرہ (رد المحتار ص ۴۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ رجمادی الآخرہ ۹۷ھ

لفظ "السلام" امام سے پہلے ختم کرنا مکروہ ہے:

سوال :۔ کیا مقتدی امام کے لفظ السلام کہنے کے ساتھ ہی فوراً سلام پھیر دے یا کچھ دیر کے بعد؟ اکثر ائمۂ مساجد سلام میں لفظ "اللہ" کو بہت زیادہ کھینچتے ہیں، کیا مقتدی بھی اسی طرح کرے؟ یا وہ دونوں طرف امام سے پہلے سلام کے کلمات ختم کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

سلام اوّل میں لفظ السلام کہنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے، اس لئے سلام اوّل کی میم امام سے پہلے کہنا مکروہ ہے، اس کے بعد کوئی وجہ کراہت معلوم نہیں ہوتی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳۰ رجمادی الآخرہ ۹۷ھ

عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- بہشتی زیور میں پڑھا ہو کہ عورت کی اقتدا، عورت کے پیچھے درست ہے، سننے میں تو آج تک یہی آیا تھا کہ عورت امام نہیں بن سکتی، اس کی تحقیق ارشاد فرمائیں، کہ کیا عورت کسی خاص نماز میں امام بن سکتی ہے، وضاحت سے فرمائیں تاکہ مسئلہ سمجھ میں آجائے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

عورت عورتوں کی امام بن سکتی ہے، مگر عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائیۃ ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوۃ الجنازۃ (الی قولہ) فان فعلن تقف الامام وسطھن فلو تقدمت اثمت، وفی الشامیۃ (قولہ فلو تقدمت اثمت) افاد ان وقوفھا وسطھن واجب کما صرح بہ فی الفتح وان الصلوۃ صحیحۃ وانھا اذا توسطت لاتزول الکراھۃ وانما ارشدوا الی التوسط لانہ اقل کراھیۃ من التقدم کما فی السراج بحر (رد المحتار، ص ۵۲۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

غرۂ محرم ۹۸ھ

امام نمازِ فجر میں قنوت پڑھنے کی بجائے خاموش رہا:

سوال:- میرا ایک دوست حنفی عقیدہ رکھتا ہے، مسجد میں شافعی امام ہیں، لوگ بھی زیادہ شافعی ہیں، صبح کی نماز میں امام کی غیر حاضری کی وجہ سے جماعت ان صاحب نے کرائی تو دوسری رکعت میں وہ ہمارے دوست شافعی امام کی دعاء تو مانگتے نہیں، لیکن رکوع کے بعد مقتدیوں کے لئے کھڑے رہتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ اور ہماری نمازیں جو اُن کے پیچھے پڑھی ہیں ہوگئی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ صاحب خاموش نہ کھڑے ہوتے بلکہ دعاء پڑھتے تو نماز ہو جاتی، خاموش رہنے کی صورت میں ان کی نماز بھی اور مقتدیوں کی بھی واجب الاعادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ محرم ۹۸ھ

مسافر پر مقیم امام کے اتباع میں چاروں رکعتیں فرض ہیں:

سوال:- مسافر مقیم امام کے پیچھے تو چار ہی پڑھے گا، لیکن اس پر دو رکعتیں فرض ہیں، لیکن جب وہ چار کی نیت کرے گا کیونکہ مقتدی کی نیت امام کی نیت کے تابع ہوتی ہے تو کیا خداوند پاک کا سفری حکم ٹوٹ جائے گا یا رہے گا؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے تابع ہونے کی وجہ سے مسافر پر بھی چار رکعات فرض ہو جاتی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ صفر سنہ ۹۸ھ

آنے والے کے لئے قراءت یا رکوع لمبا کرنا:

سوال:- اگر امام نمازی آنے کی وجہ سے قراءت یا رکوع لمبا کرے کہ نمازی شامل ہو جائے تو کیا گنہگار ہوگا؟ شامیہ میں ہے: فالحاصل ان التأخیر القلیل لاعانة اهل الخیر غیر مکروہ الخ.

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر امام نے کسی نمازی کو پہچان لیا، اور اس کی خاطر قراءت یا رکوع کو لمبا کیا تو مکروہ تحریمی ہے البتہ بدون پہچانے اطالہ میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التنویر رحمه الله تعالیٰ وکرہ تحریما اطالة رکوع او قراءة لادراك الجائی ای ان عرفه والا فلا بأس به ولو اراد التقرب الی الله تعالیٰ لم یکرہ اتفاقاً لکنه نادر وتسمی مسألة الریاء فینبغی التحرز عنها (رد المحتار ص ۴۶۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ صفر سنہ ۹۸ھ

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کا وسط میں کھڑا ہونا:

سوال:- بوجہ ہجوم اگر صفوں کا توازن نہ ہو، امام ومقتدی برابر کھڑے ہو جائیں، یعنی چھوٹی مسجد کی توسیع ہوئی جس میں سابقہ مسجد صرف بائیں جانب آئی، اور موجودہ مسجد کے عین محراب کے مقابل صرف امام اپنے دائیں بائیں دو آدمی کھڑے کر کے جماعت کرائے جو فی الوقت خارجی جگہ مسجد کی سیڑھیوں کا راستہ ہے، ایسی صورت میں جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، مگر جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذوالحجہ سنہ ۹۷ھ

ظہر، مغرب، عشاء کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف رُخ کرنا خلاف سنت ہے:

سوال:- یہاں بہت عالم رہتے ہیں جو ظہر، مغرب وعشاء فرض نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف

رُخ کرکے دعا کرتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خلاف سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۹ ذی قعدہ ۹۸ھ

دوسروں کو نمازی بنانے کی غرض سے مسجد کی جماعت چھوڑنا جائز نہیں:

سوال:- ہمارے کالج کی مسجد امسال رمضان المبارک میں تعمیر مکمل ہونے کے بعد نماز کے لئے شروع ہوئی کوئی تین چار منٹ کے فاصلہ پر ہے، اس مسجد سے پہلے ہم اپنے ہاسٹل میں ایک کمرہ مخصوص کرکے جائے نماز کی نیت کرکے وہاں نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے، میں فجر کے لئے جو جو لڑکا نماز پڑھتا تھا اس کو نماز کے لئے باقاعدگی کے ساتھ اٹھایا کرتا تھا، جب مسجد بن گئی تو میں نے وہاں جانا شروع کردیا، اور ہاسٹل میں لڑکوں کو اٹھانا چھوٹ گیا، نیز اس جائے نماز میں تقریبًا ہر نماز پر اذان دیا کرتا تھا، تقریبًا ۶۰ فی صد لڑکے ہمارے نماز پڑھا کرتے تھے، میرے اُدھر مسجد میں جانے سے کچھ لڑکے نماز میں سستی کرنے لگے، اور کئی ایک نماز چھوڑ بیٹھے، وہ لڑکے اس مسجد میں نہیں جاتے تھے، کہ بقول اُن کے اتنی دور کون جائے، اور پھر یہ جائے نماز بھی یہاں سے مسجد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی، ظاہر ہے کہ جائے نماز میں مسجد کا ثواب حاصل نہیں ہوتا، اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ آیا میں دوبارہ اس جائے نماز میں اذان دینا، لڑکوں کو اٹھانا شروع کردوں اور مسجد کا ثواب چھوڑ دوں، یا مسجد میں ہی پابندی سے نماز پڑھتا رہوں، اور لڑکوں کی پروا نہ کروں؟ کیا یہاں جماعت اور مسجد والا ثواب ملے گا؟ یہ جائے نماز جب ہم پڑھائی ختم کرکے جائیں گے ختم ہوجائے گی، یہ چیز ذہن میں رہے کہ لڑکے مسجد میں جاکر پانچوں وقت نماز پڑھنے کے لئے تیار نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آپ مسجد میں نماز پڑھا کریں، حسب قدرت دوسروں کو بھی مسجد میں جانے کی تلقین و تبلیغ کرتے رہیں، اور حسبِ معمول نماز کے لئے جگایا کریں، اس کے باوجود اگر کوئی نہیں جاتا تو اس کی فکر نہ کریں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ صفر ۹۹ھ

شافعی امام کی اقتداء میں رفع یدین نہ کرے:

سوال:- زید مذہبًا حنفی ہے، وہ باجماعت نماز ایک ایسے امام کے پیچھے پڑھتا ہے، جو شافعی یا حنبلی ہے، لہٰذا زید نہ تو آمین بالجہر کہتا ہے اور نہ رفع یدین کرتا ہے، چونکہ یہ امام کی اتباع یا تقلید نہ ہوئی تو ایسی صورت میں زید کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور اسی طرح شافعی یا حنبلی حنفی امام

کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ امام کی اتباع کے خلاف رفع یدین اور آمین بالجہر کہے، اس کی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان امور میں اتباعِ امام لازم نہیں، لہٰذا حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے اور شافعی کی حنفی کے پیچھے درست ہے، احناف رفع یدین نہ کریں، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشر لانہ مأثور (فی الشامیۃ) (قولہ ولو زاد تابعہ الخ) لانہ تبع لامامہ فتجب علیہ متابعتہ وترک رأیہ برأی الامام لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ فما لم یظہر خطؤہ بیقین کان اتباعہ واجبًا ولا یظہر الخطأ فی المجتہدات فاما اذا خرج عن اقوال الصحابۃ فقد ظہر خطؤہ بیقین فلا یلزمہ اتباعہ فلہٰذا لو اقتدی بمن یرفع یدیہ عند الرکوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری تکبیرات الجنازۃ خمسًا لا یتابعہ لظہور خطئہ بیقین لان ذلک کلہ منسوخ، بدائع (رد المحتار، ص ۱۸۰، ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ رصفر ۹۹ھ

مقتدی کی تین تسبیح پوری ہونے سے قبل امام اُٹھ گیا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ کہ مقتدی نے امام کو رکوع یا سجدہ میں پایا، ابھی تک وہ تین تسبیحات یا کچھ بھی نہیں کہہ پایا کہ امام کھڑا ہو گیا، تو اب مقتدی کو کیا کرنا چاہیے، تین تسبیحات پوری کرے یا امام کی متابعت کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تسبیح واحدہ کی مقدار رکوع اور سجدہ میں واجب ہے، اور بقدر تین تسبیح سنت ہے، لہٰذا بقدر وجوب یعنی صرف تسبیح واحدہ کی مقدار توقف کرنے کے بعد امام کی متابعت کرنا واجب ہے، قال فی العلائیۃ واعلم انہ مما یبتنی علی لزوم المتابعۃ فی الارکان انہ لو رفع الامام رأسہ من الرکوع والسجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلاث وجبت متابعتہ وقال ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ واعلم الخ) ویسبح فیہ ثلاثًا فانہ سنۃ علی المعتمد المشہور فی المذہب لا فرض ولا واجب کما مر فلا یترک المتابعۃ الواجبۃ لاجلہا تأمل۔ (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ رجمادی الاولیٰ ۹۹ھ

امام قعدۂ اُولیٰ چھوڑکر اُٹھ گیا تو مقتدی پر اس کا اتباع لازم ہے:

سوال:۔ امام نے بھول کر قعدۂ اُولیٰ چھوڑ دیا، اور سیدھا کھڑا ہو گیا، تو مقتدی تشہد پڑھکر کھڑے ہوں یا تشہد چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مقتدیوں پر امام کا اتباع لازم ہے، تشہد چھوڑ کر کھڑے ہو جائیں، کما فی الشامیۃ عن شرح المنیۃ تجب متابعته للامام فی الواجبات فعلاً وکذا ترکاً ان لزم من فعله مخالفة الامام فی الفعل کترکه القنوت اوتکبیرات العید اوالقعدة الاولی اوسجود السهو او التلاوة فیترکه المؤتم ایضاً، (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ر شعبان ۹۹ھ

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد اُٹھ گیا تو مقتدی اس کا اتباع نہ کریں:

سوال:۔ آخری قعدہ کے بعد بھول کر امام کھڑا ہو گیا، لقمہ دینے پر بھی نہیں بیٹھا، اور دو رکعتیں پوری کر کے سجدۂ سہو کر لیا، اس صورت میں مقتدیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

امام پر قعود کی طرف عَود لازم ہے، مقتدی اس کا اتباع نہ کریں، بلکہ بیٹھکر اس کے لوٹنے کا انتظار کریں، اگر سجدہ سے قبل قعود کی طرف لَوٹ آیا تو اس کے ساتھ سجدۂ سہو کر کے سلام پھیریں ورنہ الگ سلام پھیر کر نماز ختم کر دیں، قال فی شرح التنویر وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح ثم الاصح ان القوم ینتظرونه فان عاد تبعوه وان سجد للخامسة سلموا لانه تم فرضه اذ لم یبق علیه الا السلام (الیٰ قوله) وسجد للسهو فی الصورتین لنقصان فرضه بتأخیر السلام فی الاولیٰ وترکه فی الثانیة، وفی الشامیة (قوله اذ لم یبق علیه الا السلام) اشار به الیٰ ان معنی تمام فرضه عدم فساده والا فصلوته ناقصة کما یأتی فی قوله لنقصان فرضه بتأخیر السلام الیه اشار فی البحر (رد المحتار ص ۵۵۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ر شعبان ۹۹ھ

امام مسافر قعدۂ اُولیٰ کے بعد کھڑا ہو گیا تو مقتدی کیا کریں؟:

سوال:۔ مسافر امام چار رکعت والی نماز کے قعدۂ اُولیٰ کے بعد اگر کھڑا ہو جائے تو مقیم مقتدی کیا کریں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مقتدی امام کے لوٹنے کا انتظار کریں، اگر امام تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل واپس آگیا تو اس کے ساتھ سجدۂ سہو کریں، اور اس کے سلام کے بعد باقی نماز ادا کریں، اور اگر امام نے تیسری رکعت کا سجدہ کر لیا تو مقتدی اپنے طور پر کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کر لیں، امام کی اقتدا، بقیہ نماز میں نہ کریں، اگر اقتداء کر لی تو ان کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال فی شرح التنویر ولو نوی الاقامۃ لا لتحقیقھا بل لیتم صلوٰۃ المقیمین لم یصر مقیمًا، وفی الشامیۃ (قولہ لم یصر مقیما) فلو اتم المقیمون صلوتہم معہ فسدت لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل ظہیریۃ ای اذا قصدوا متابعتہ اما لو نووا مفارقتہ ووافقوہ صورۃ فلا فساد افادہ الخیر الرملی (رد المحتار ص ۷۴۱، ج ۱) قلت واما انتظارھم عود الامام فظاھر کما نصوا علیہ فی المسبوق اذا قام امامہ بعد القعدۃ الاخیرۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ رجب ۸۶ھ

لنگڑے کی امامت:

سوال:۔ لنگڑا شخص امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

لنگڑے کی امامت جائز ہے مگر ایسے شخص سے عمومًا طبعی انقباض ہوتا ہے اس لئے مکروہ تنزیہی ہے، اگر کسی کے علم وتقویٰ کی وجہ سے اس سے لوگوں کو انقباض نہ ہو تو کراہت تنزیہیہ بھی نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ومفلوج وابرص شاع برصہ) وکذلک اعرج یقوم ببعض قدمہ فالاقتداء بغیرہ اولیٰ تاترخانیۃ (الیٰ قولہ) والظاھر ان العلۃ النفرۃ (رد المحتار ص ۵۲۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ شوال ۹۹ھ

پتلون والے کی امامت:

سوال:۔ ایک شخص پتلون میں نماز پڑھاتا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے، نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر پتلون چست ہو یا ٹخنے چھپے ہوئے ہوں تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم،

۶ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۰ھ

بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے کی امامت :

سوال :- زید کہتا ہے کہ بے پردہ عورتوں کو، بالغہ ہوں یا قریب البلوغ، بینا ہوں یا نابینا، نرسیں ہوں یا لیڈی ڈاکٹر یا ہوائی جہاز کی ہوسٹسیں، جلوت میں ہوں یا خلوت میں، اسکول یا کالج کے کمروں میں ہوں یا مسجد کے حجرہ میں، جماعت کی صورت میں ہوں یا گھر کے اندر اکیلی، نامحرم مرد عالم ہو یا مفتی، پیر ہو یا مرید، جوان ہو یا بوڑھا، بینا ہو یا نابینا، نہیں پڑھا سکتا، جبکہ بکر اس کی اجازت دیتا ہے،

بکر کا استدلال یہ ہے کہ جب تک ان بے پردہ عورتوں کو احکامِ شرعیہ سے واقف نہیں کرایا جائے گا، اُس وقت تک اُن کا پردہ کرنا ممکن نہیں، اور اگر ان کو نظر انداز کرکے دینی تعلیم سے صرف اس لئے بے بہرہ رکھا جائے کہ یہ بے پردہ ہیں تو یہ صحیح نہیں، مزید یہ کہ نرسیں، لیڈی ڈاکٹر، ایئرہوسٹسیں وغیرہ جو اکثر پردہ نہیں کرتیں اس پردہ والی شرط سے دینی تعلیم سے محروم رہ جائیں گی، جب کہ عملاً اس کا تجربہ کیا گیا کہ ایسی عورتوں کو دینی تعلیم دی گئی تو انہی بے پردہ عورتوں میں سے بعض تہجد گزار بن گئیں،

زید کا استدلال یہ ہے کہ شرعی حدود کو کسی بھی خود پیدا کردہ مجبوری کی وجہ سے نہیں توڑا جا سکتا، بے پردگی ایک خود پیدا کردہ اضطرار ہے، شرعاً ایسے اضطرار کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اگر اس طرح عوام خود ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن سے اُن کی مشکلات میں اضافہ ہوتا جائے آئندہ چل کر ہر ایسی مجبوری کو اضطرار کا نام دیتے جائیں، اور شرعی حدود و سدُود کو توڑتے جائیں تو وجودِ شرعی باقی نہیں رہے گا، حالانکہ پردہ کی غرض و غایت صنفی اختلاط کا ختم کرنا ہے، اگر یہ اختلاط برقرار رہا تو پردہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا، جبکہ اختلاطِ مرد و زن اسی لئے جائز نہیں رکھا کہ اس سے ہر دو صنف کے سفلی جذبات کو ہوا ملتی ہے، اگر اختلاط اس لئے ناگزیر ہے کہ بصورتِ عدمِ اختلاط دینی تعلیم سے محرومی واقع ہوتی ہے، تو پھر دنیوی مخلوط تعلیم میں کوئی قباحت نہیں رہتی، کیونکہ بعض لوگ مرد و زن کا اختلاط دنیوی تعلیم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور آپ دینی تعلیم کے لئے، حدودِ شرعیہ کے توڑنے میں دونوں برابر کے شریک ہیں، اگرچہ اغراض مختلف ہیں، جہاں بے پردہ عورتوں میں احکامِ شرعیہ کی واقفیت کے بعد چند عورتیں تہجد گزار بن گئی ہیں وہاں بڑی عمر کے اساتذہ اور کم سن بچیوں سے زنا کے ارتکاب تک کی بھی نوبت پہنچی ہے، چند عورتوں کے تہجد گزار بن جانے کے ثواب کے مقابلہ میں ایک زنا ہو جانے کا نہایت سنگین اور ناقابلِ معافی جرم ہے،

نیز خیر القرون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پردہ کرنے کے لئے فرمایا تھا، آج چودھویں صدی کے معاشرہ میں پردہ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے،

اگر زید کا استدلال درست ہے تو مزید وضاحت طلب امر یہ ہے کہ بے پردہ عورتوں کو پڑھانے والے آدمی کو امام مسجد وخطیب بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

زید کا خیال و استدلال صحیح ہے، عورتوں کی دینی تعلیم عورتوں کی وساطت سے یا پسِ پردہ ہوسکتی ہے، علاوہ ازیں اردو میں مستند دینی کتابوں کے مطالعہ سے یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے، بے پردہ عورتوں کو بالمشافہہ پڑھانے والا فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اس کو امام وخطیب بنانا ناجائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رشعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

مقتدی کی قنوت ختم ہونے سے قبل امام رکوع میں چلاگیا :

سوال : اگر رمضان المبارک میں نماز وتر میں کوئی آدمی امام صاحب کے ساتھ دعاء قنوت پوری نہیں کرسکتا بلکہ امام صاحب پہلے ہی دعاء قنوت پڑھ کر رکوع میں چلے جاتے ہیں تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے کوئی حرج تو نہیں ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مطلقاً کوئی دعاء یا معروف دعاء کا کچھ حصہ پڑھ لینے سے واجب ادا ہوگیا، دعاءِ معروف پوری پڑھنا مسنون ہے واجب نہیں، لہٰذا اسکی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلاگیا تو قنوت چھوڑ کر امام کا اتباع واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رشوال سنہ ۹۸ھ

تکبیر اولیٰ میں شرکت کی حد :

سوال : جماعت میں تکبیر تحریمہ میں شرکت کی جو فضیلت ہے وہ کس وقت تک ہے، اگر کوئی رکعت اولیٰ کے رکوع میں مل گیا تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اسمیں مختلف اقوال ہیں، ادراک فاتحہ کا قول راجح ہے، قال فی الشامیۃ وفی التاترخانیۃ عن المنتقی وقیل بادراک الرکعۃ الاولیٰ وھذا اوسع وھو الصحیح اھ وقیل بادراک الفاتحۃ وھو المختار خلاصۃ (رد المحتار ص۳۹۱ ج۱) قلت لفظ المختار آکد من لفظ الصحیح لان الاختیار یستلزم التصحیح والتصحیح لا یستلزم الاختیار، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۲۹ رشعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینۃ یرید الصلوٰۃ فوجد الناس قد صلّوا فمال الی منزلہ فجمع اھلہ فصلی بھم

الوصیۃ الاخوانیۃ
فی
حکم الجماعۃ الثانیۃ

مسجد میں دوسری
جماعت کا حکم

مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور فقہاء عظام اس مسئلہ میں کہ اگر ایک مسجد میں جماعت کا تکرار کیا جائے اور نمازی بھی اسی محلہ کے ہوں، تکرار عذر سے ہو یا بلا عذر، اور یہ تکرار دائمی ہوتا ہو یا کبھی اتفاقاً تو یہ نماز صحیح غیر مکروہ ہے یا کہ مکروہ ؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے یا تنزیہی ؟
بیّنوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

تکرار جماعت کی صورتیں مختلف ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف ہے لہٰذا ہر صورت کا حکم علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) مسجد طریق ہو، یعنی اس کے نمازی معین نہ ہوں۔
(۲) اس مسجد میں امام اور مؤذن معین نہ ہوں۔
(۳) مسجد محلہ میں غیر اہلِ محلہ نے جماعت کی ہو۔
(۴) مسجد محلہ میں اہل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو۔

ان صور اربعہ میں تکرار جماعت (اگرچہ تکرار اذان و اقامت کیساتھ ہو) بالاجماع جائز بلکہ افضل ہے۔

(۵) مسجد محلہ میں اہل محلہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی اذان سے ہو۔
(۶) صورت مذکورہ میں تکرار جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولیٰ پر ہی ہو، یعنی عدول عن المحراب نہ کیا گیا ہو،

یہ دونوں صورتیں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہیں۔

(۷) مذکورہ صورت میں جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ پر نہ ہو، یعنی عدول عن المحراب کیا گیا، امام وسط مسجد میں محراب یا محراب کی محاذاۃ میں نہ کھڑا ہوا ہو۔ اس حالت میں کراہت شیخین میں مختلف فیہا ہے۔

قال فی شرح التنویر (۵) ویکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ (۱) لا فی مسجد طریق (۲) او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن، قال فی الشامیۃ (قولہ ویکرہ) ای تحریماً لقول الکافی لا یجوز والمجمع لا یباح وشرح الجامع الصغیر انہ بدعۃ کما فی رسالۃ السندی (قولہ باذان واقامۃ) عبارتہ فی الخزائن اجمع مما ھھنا ونصہا (۵) ویکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ (۳) الا اذا صلی بھما فیہ اولا غیر اھلہ (۴) او اھلہ

لکن بمخافتة الاذان ولو کرر اهله بدونهما (۱) او کان مسجد طریق جاز اجماعًا (۲) کما فی مسجد لیس له امام ولا مؤذن ویصلی الناس فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة علیحدة کما فی امالی قاضیخان اھ ونحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون کما فی الدرر وغیرها قال فی المنبع (۱) والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز عن الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعًا اھ ثم قال فی الاستدلال علی الامام الشافعی النافی للکراهة ما نصه ولنا انه علیه الصلوٰة والسلام کان خرج لیصلح بین قوم فعاد الی المسجد وقد صلی اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهله وصلی ولو جاز ذٰلک لما اختار الصلوة فی بیته علی الجماعة فی المسجد ولان فی الاطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی فانهم لا یجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فیه سواء ولا اختصاص له بفریق دون فریق اھ ومثله فی البدائع (۵ تا ۷) ومقتضی هذا الاستدلال کراهة التکرار فی مسجد المحلة ولو بدون اذان (۵ تا ۷) ویؤیده ما فی الظهیریة لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی فیه اهله یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة اھ وهذا مخالف لحکایة الاجماع المارة (۶) وعن هذا ذکر العلامة الشیخ رحمة الله السندی تلمیذ المحقق ابن الهمام فی رسالته ان ما یفعله اهل الحرمین من الصلوٰة بائمة متعددة وجماعات مترتبة مکروه اتفاقا ونقل عن بعض مشایخنا انکاره صریحًا حین حضر الموسم بمکة سنة ۵۵۱ منهم الشریف الغزنوی (۶) وذکر انه افتی بعض المالکیة بعدم جواز ذٰلک علی مذهب العلماء الاربعة (۶) ونقل انکار ذٰلک ایضًا عن جماعة من الحنفیة والشافعیة والمالکیة حضروا الموسم ۵۵۱ھ (۶) واقره الرملی فی حاشیة البحر لکن یشکل علیه ان نحو المسجد المکی او المدنی لیس له جماعة معلومون فلا یصدق علیه انه مسجد محلة بل هو کمسجد شارع (۱) وقد مر انه لا کراهة فی تکرار الجماعة فیه اجماعًا فلیتأمل هذا۔

(رد المحتار باب الامامة ج۱)

وایضًا فی الشامیة فی باب الاذان (۵ تا ۷) وروی عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی (الی ان قال) وفی اٰخر شرح المنیة وعن ابی حنیفة لو کانت الجماعة اکثر من ثلاثة یکره التکرار والا فلا (۷) وعن ابی یوسف اذا لم تکن علی الهیئة الاولی

لا تکرہ والا تکرہ وھو الصحیح و بالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ کذا فی البزازیۃ اھ وفی التتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ نأخذ (رد المحتار باب الاذان ج ۱)

شامیہ میں جو جزئیہ خزائن اور منبع سے منقول ہے اس میں مسجد محلہ میں تکرار جماعت بدون اذان کی اباحت بالاجماع بیان کی گئی ہے مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ مسجد محلہ میں تکرار جماعت بلا اذان کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) علی الھیئۃ الاولیٰ (۲) علی غیر الھیئۃ الاولیٰ۔

صورتِ اولیٰ بالاتفاق مکروہ ہے۔ کیونکہ امام ابو یوسف کے ہاں جوازِ تکرار کیلئے عدول عن المحراب ضروری ہے (کمامر) علاوہ ازیں مسجد مکہ اور مسجد مدینہ میں کراہتِ تکرار پر فقہاء مذاہب اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع تحریر کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں مسجدوں میں تکرار بدون اذان علی الھیئۃ الاولیٰ ہوتا تھا۔ جیسے کہ شامیہ کی عبارت سے بھی ظاہر ہے۔ شامی کا ان مساجد کو مساجد شارع میں داخل کر کے عدم جوازِ تکرار پر اشکال پیش فرمانا بھی بیّن دلیل ہے کہ مسجد محلہ میں ایسا تکرار ہرگز جائز نہیں دوسری صورت میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے ہاں مکروہ ہے۔ چنانچہ شامیہ نے ظہیریہ کی روایت نقل کر کے قول اجماع کو فاسد قرار دیا ہے بہرکیف ان دو صورتوں کو بالاجماع جائز کہنا صحیح نہیں، بلکہ صورتِ اولیٰ بالاتفاق مکروہ اور صورتِ ثانیہ مختلف فیہا ہے۔

امام ابو یوسف کے قول "عدول عن المحراب" سے مراد حقیقی محراب نہیں، بلکہ محاذاۃ محراب مراد ہے۔ اگرچہ مسجد کے صحن ہی میں ہو، کیونکہ صلوٰۃ اولیٰ کا محراب میں ہونا ضروری نہیں بلکہ محراب کی محاذاۃ میں ہونا مسنون ہے۔ لہٰذا جو نماز محاذیاً للمحراب ہوگی وہ ہیئت اولیٰ پر ہوگی ہیئت اولیٰ کے تغیر کے لئے ضروری ہے کہ عدول عن محاذاۃ المحراب ہو۔ قال فی الشامیۃ (قولہ ویقف وسطا) قال فی المعراج وفی مبسوط بکر السنۃ ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ (الی ان قال) قال علیہ الصلوٰۃ والسلام توسطوا الامام الخ وایضا فیھا (تنبیہ) یفہم من قولہ اوالی ساریۃ کراھۃ قیام الامام فی غیر المحراب (الی قولہ) السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الا تری ان المحاریب ما نصبت الا وسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام اھ (رد المحتار ج ۱) وایضا فیھا (قولہ لان العبرۃ للقدم) یکرہ للامام ان یقف فی غیر المحراب الا لضرورۃ (رد المحتار ج ۱)

مذکورہ جزئیات سے واضح ہوگیا کہ محراب سے مراد محاذاۃ محراب ہے۔ امام کے عین محراب میں قیام کی سنیت اور عین محراب سے عدول کی کراہت کا کوئی بھی قائل نہیں، بالاتفاق محاذاۃ محراب ہی مسنون ہے۔

غرضیکہ صور سبعہ میں سے پہلی صور اربعہ میں تکرار جماعت بالاجماع افضل ہے اور خامسہ وسادسہ میں بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ کراہت تحریمیہ کی تصریح شامیہ کی عبارت میں تحریر ہو چکی ہے۔

صورت سابعہ یعنی تکرار جماعت عدول عن محاذاۃ المحراب کی حالت میں شیخین کا اختلاف ہے اور حالتِ اختلاف میں تطبیق یا ترجیح کی ضرورت ہے۔ شرح التنویر میں اصول ترجیح بایں الفاظ منقول ہیں۔ واختلف فیما اختلفوا فیہ والاصح کما فی السراجیۃ وغیرھا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی (الی قولہ) وصحح فی الحاوی القدسی قوۃ المدرك (شرح التنویر مطلب رسم المفتی) لہٰذا سراجیہ کے قانون کے مطابق ظاہر ہے کہ امام صاحب کا قول مفتی بہ ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قانون پر عمل کیا جائے تو بھی امام صاحب ہی کا قول مختار ہے۔ اس لئے کہ امام صاحب کے قول کی دلائل عقلیہ ونقلیہ سے قوت ظاہر ہے دلیل عقلی شامیہ میں ہے ولان فی الاطلاق الخ اور ادلہ نقلیہ یہ ہیں۔

(۱) الحدیث المرفوع الذی مرّ فی عبارۃ الشامیۃ

(۲) قول انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الذی نقلہ العلامۃ الشامی وفیہ بیان تعامل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۳) عن ابی بکرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینۃ یرید الصلوٰۃ وقد صلوا فمال الی منزلہ فجمع اھلہ فصلی بھم (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط قال الھیثمی رجالہ ثقات)

(۴) عن ابراھیم النخعی قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یصلی بعد صلوٰۃ مثلھا (ابن ابی شیبہ)

(۵) عن خرشۃ الحران عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یکرہ ان یصلی بعد صلوٰۃ الجمعۃ مثلھا (رواہ الطحاوی بسند صحیح)

مندرجہ ذیل دو روایتیں بظاہر امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف نظر آتی ہیں۔

(۱) عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جاء فی المسجد رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معہ (رواہ الترمذی)

(۲) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلیقاً وابی یعلیٰ موصولاً انہ جاء انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ (بخاری)

ان آثار کا جواب تابع الآثار حاشیہ طحاوی میں اس طرح مذکور ہے۔ وما ورد من قولہ علیہ السلام من یتصدق لایدل علی جواز التکرار المتکلم فیہ وھو اقتداء المفترض بالمفترض اذ الثابت بہ اقتداء المتنفل بالمفترض ولا یحکم بکراھتہ بل ورد فی جوازہ حدیث اٰخر من قولہ علیہ السلام اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلوۃ قوم فصلیا معھم واجعلا صلاتکما معھم سبحۃ کما ھو ظاھر وما روی البخاری تعلیقا عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ محمول علی مسجد الطریق او نحوہ لما نقل فیہ انہ رضی اللہ عنہ اذن واقام وھو مکروہ عند العامۃ اھ (تابع الآثار)
قلت ویحمل علی مسجد الطریق ایضاً لئلا یخالف قولہ لما نقلہ الشامی من حکایۃ تعامل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

غرضیکہ دلائل کے لحاظ سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قوی ترین ہے۔ علاوہ ازیں الترجیح للمحرم کے اصول پر بھی امام ہی کا قول راجح ہے۔ پس اصول ترجیح میں ہر حیثیت سے حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول مفتی بہ و مختار ہے۔

صورۃ التطبیق

امام ابو یوسف کراہۃ تحریمیہ کے نافی ہیں اور حضرت امام کراہۃ تنزیہیہ کے مثبت ہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ شامیہ میں صورت خامسہ کو مکروہ تحریمی کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں کراہت کی نفی کی ہے ان میں کراہت تحریمیہ کی نفی ہے للتقابل الظاھر، نیز مطلق کراہت سے مراد تحریمیہ ہوتی ہے، کما ھو مصرح فی کتب المذھب، تو عند النفی بھی اسی تحریمیہ کی نفی ثابت ہوگی، بعدہٗ کراہت تنزیہیہ کی نفی کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے، پہلی چار صورتوں میں افضلیت تکرار کی تصریح کراہت تنزیہیہ کے عدم پر دلیل ہے، کراہت کی نفی سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی اور دلیل افضلیت سے کراہت تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور استحباب ثابت ہوگیا۔ اسکے برعکس صورت سابعہ میں کراہت تحریمیہ کا انتفاء ہے اور تنزیہیہ کی نفی پر کوئی دلیل نہیں بلکہ ظہیریہ سے منقول ظاہر الروایۃ میں کراہت کا ثبوت ہے لہٰذا کراہت تحریمیہ کا انتفاء اور تنزیہیہ کا ثبوت ظاہر ہے، تو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسف کی نفی میں کوئی تعارض

نہیں، اس صورت میں خزائن اور منبع سے منقول اجماع کی تغلیط کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ مطلق (بدون اذان) کو مقید (علی غیر الہیئۃ الاولی) پر محمول کیا جائے گا اور "جاز اجماعاً" اور "یباح اجماعاً" سے مراد جواز واباحت مع الکراہۃ التنزیہیہ ہے، کراہت تحریمیہ کی نفی مقصود ہے جواز واباحت کا اطلاق کراہت تنزیہیہ پر ہوتا رہتا ہے۔ قال فی الشامیۃ وقد یقال اطلق الجائز وارادبہ مالا یعم المکروہ ففی الحلیۃ عن اصول ابن حاجب انہ قد یطلق و یراد بہ مالا یمتنع شرعا وھو یشمل المباح والمکروہ والمندوب والواجب اھ لکن الظاہران المراد المکروہ تنزیھا لان المکروہ تحریما ممتنع شرعا لازما (رد المحتار ج۱)

وفی شرح التنویر ویجوز بلا کراھۃ اذان صبی مراھق وعبد۔ وفی الشامیۃ (قولہ بلا کراھۃ) ای تحریمیۃ لان التنزیھیۃ ثابتۃ لما فی البحر عن الخلاصۃ ان غیرھم اولیٰ منھم (ردالمحتار ج۱)

مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ صورت سادسہ میں بھی کراہت تحریمیہ ہے۔ امام ابویوسف کا خاص صورت سابعہ یعنی علی غیر الہیئۃ الاولی میں کراہت تحریمیہ کی نفی کرنا اس پر بیّن دلیل ہے کہ صورت سادسہ یعنی بدون اذان علی الہیئۃ الاولی بالاتفاق صورت خامسہ کیطرح مکروہ تحریمیہ ہے۔

بالفرض اگر اباحت کو نفی متبادر پر محمول کرکے امام ابویوسف کے ہاں عدم کراہت تنزیہیہ کا قول تسلیم کرلیا جائے تو بھی تکرار کا ندب اور استحباب چونکہ نہ کسی دلیل سے ثابت ہے اور نہ ہی امام ابویوسف سے منقول ہے۔ لہٰذا نفی کراہت سے اثبات ثواب لازم نہ ہوگا۔ قال فی الشامیۃ فی بیان کراھۃ الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی ویمکن ان یقال الجماعۃ فیہ غیر مستحبۃ ثم ان کان احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحا غیر مکروہ (الی قولہ) فان نفی السنیۃ لا یستلزم الکراھۃ الخ (ردالمحتار ج۱)

غرضیکہ تکرار میں امام ابویوسف کے ہاں کوئی ثواب نہیں اور امام کے نزدیک کراہت ہے اور ترک میں امام کے ہاں ثواب ہے اور امام ابویوسف کے ہاں کوئی نقصان نہیں۔ حتیٰ کہ حرمان عن الثواب بھی نہیں اس لحاظ سے بھی ترک تکرار ہی اولیٰ ہوا۔ کیونکہ تکرار میں فائدہ کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ کراہت کا احتمال ہے۔ اور ترک تکرار میں کوئی نقصان نہیں بلکہ ثواب کی اُمید ہے یہ کل تحقیق فی نفسہ ہے، ورنہ مفاسد خارجیہ کے پیش نظر تکرار کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر امام ابویوسف کے سامنے یہ مفاسد پیش ہوتے تو ہرگز جواز کا قول نہ فرماتے، ھٰکذا افاد حکیم الامۃ قدس سرہٗ۔

انقلاب زمانہ: شریعت کا حکم یہ ہے کہ مساجد میں جماعت قائم کی جائے، بدون عذر

غیر مسجد میں جماعت کرنا بالخصوص اسکی عادت بنالینا مکروہ اور بدعت ہے قرونِ خیر میں اسکی کوئی مثال نہیں ملتی، چلنے سے عاجز مریض کے علاوہ صرف ایسے لوگ مسجد کی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جنکا نفاق معروف ومشہور ہوتا تھا، قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ او مریض ان المریض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلوٰۃ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الھدیٰ وان من سنن الھدیٰ الصلوٰۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ، (رواہ مسلم)

وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد ناسا فی بعض الصلوات فقال لقد ھممت ان آمر رجلا یصلی بالناس ثم اخالف الی رجال یتخلفون عنھا فامر بھم فیحرقوا علیھم بحزم الحطب بیوتھم، الحدیث (رواہ مسلم) البتہ کسی عذر سے مسجد کی جماعت فوت ہوجائے تو گھر میں جماعت کیجائے، جیساکہ مضمون بالا میں متعدد احادیث اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل سے ثابت ہوا،

مگر انقلاب زمانہ دیکھئے کہ بدوں عذر گھروں پر جماعت کا عام دستور ہورہا ہے، علماء، صلحاء، مقتدا ومرجع عوام وخواص بھی اس بدعت میں مبتلا ہیں، جنکا عمل دوسروں کے لئے بھی مشعلِ راہ ہے، اور دوسری جانب مساجد میں جماعت ثانیہ کا عام رواج ہوگیا ہے، جس میں مندرجۂ ذیل قبائح ہیں،

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق سے مخالفت

② جماعت کی تقلیل و تہاون،

③ جماعت اصلیہ کے ساتھ شرکت میں تکاسل اور اسکی عادت پڑجانے کا سبب،

④ جماعت سے تخلف کے گناہ کا اظہار،

⑤ افتراق کی صورت، اور اسکا سبب،

غرضیکہ دَورِ بدعت کی ستم ظریفی ہے کہ حکم شرع کے بالکل برعکس مسجد کی جماعت گھروں میں ہونے لگی اور گھروں کی جماعت مسجد میں،

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اتباع سنت واجتناب بدعات کی توفیق عطا فرمائیں، فقط واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ الا بہ،

رشید احمد

۲۳ ربیع الآخر سنہ ۷۳ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ

امام الکلام
فی
تبلیغ صوت الامام

حضرتِ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالہ متعلقہ آلۂ مکبر الصوت پر بعض علماء نے اعتراضات کئے تھے، اُن پر غور اور اظہار رائے کے لئے حضرت مفتی صاحب نے بندہ سے فرمائش کی، اس کی تعمیل میں یہ رسالہ تحریر کیا گیا!

نماز میں آلہ مکبر الصوت کے استعمال کا حکم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

امّا بعد، رسالہ متعلقہ آلہ مکبر الصوت (مؤلفہ مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ) اور اس پر بعض علماء کی تنقیدات مؤلف مدظلہ نے بغرض تنقیح وتحقیق بندہ کے سپرد فرمائی ہیں جسکا منشأ صرف حُسنِ ظن ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کہاں میرے جیسا فقید العلم اور کہاں علماء کی تحریرات کی تنقیح اور ان میں محاکمہ، بہرکیف امتثالاً للامر علمی بے مائگی کے ساتھ کثرتِ اشغال کے باوجود جو کچھ ذہن فاتر میں آیا حوالۂ قرطاس کررہا ہوں۔ فمنی الجھل ومنہ الاصابۃ۔ پہلے اصل رسالہ کی تنقیح کی جائے گی اسکے بعد اس پر دیگر علماء کی تنقیدات کا تجزیہ ہوگا۔ واللہ المستعان۔

(تنقیح رسالہ)

قولہ، ان دونوں مثالوں (ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا اور روپے کے کھرے یا کھوٹے ہونے سے متعلق سوال کا جواب اشارہ سے دینا) میں خارج نماز شخص کا جواب اور اتباع موجود ہے (الیٰ قولہ) خارج نماز کے جواب یا اتباع کا مفسد نماز قرار دینا اس کے عمل کثیر ہونے کی علّت پر مبنی ہے الخ (ص۳)

اقول، جواب واتباع مترادف قرار دیکر دونوں پر ایک حکم لگایا گیا ہے، حالانکہ دونوں کی حقیقت میں بھی فرق ہے اور دونوں کا حکم بھی جداگانہ ہے۔ اتباع خارج بہرکیف مفسد ہے خواہ اس میں عمل قلیل ہو یا کثیر، الا ان یکون امتثالا لامر الشارع فلا یفسد وان کان عملا کثیرا، اور جواب بالاشارہ کا مفسد ہونا موقوف ہے عمل کثیر ہونے پر۔ مذکورہ دونوں مثالوں میں اتباع نہیں بلکہ جواب ہے۔ اس لئے کہ اسکے مفسد ہونے کی علت عمل کثیر ہونا بیان کی گئی ہے، اتباع خارج کا بہرکیف مفسد ہونا جزئیات ذیل سے ثابت ہے۔

(۱) لیس فیھا (فی الاجابۃ بالرأس والید) امتثال امر (تنبیہ ذوی الافہام ص ۱۷۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اسمیں امتثال امر اور اتباع خارج ہوتا تو مفسد ہوتا، اگرچہ عمل قلیل ہے مگر چونکہ اسمیں اتباع خارج نہیں صرف جواب بالاشارہ ہے اور عمل قلیل سے ہے اسلئے نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۳) اذا قیل لمصلٍ تقدم فتقدم او دخل فرجۃ الصف احد فتجانب المصلی توسعۃً لہٗ فسدت صلوٰتہ (الی قولہ) اقول لوقیل بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشارع فلا تفسد و بین کونہ امتثل امرالداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیر نظر الی امرالشارع فتفسد (طحطاوی علی شرح التنویر ص۲۴۷ ج۱) تقدم و تأخر اور خصوصاً توسعہ عمل قلیل ہے اس کے باوجود اگر امتثال امر شارع کی غرض سے نہو بلکہ اتباع و امتثال خارج سے ہو تو اسے مفسد قرار دیا گیا ہے۔

قولہ، اس اتباع میں جہاں عمل کثیر نہ پایا جائے اور امر غیر اللہ کا اتباع مقصود نہ ہو تو صرف اس وجہ سے کہ کسی خارج شخص کے کہنے یا اس کے اشارہ کرنے پر کوئی نقل و حرکت کی گئی اس کو مفسد نماز کہنا صحیح نہیں (ص۳)

اقول، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اتباع خارج میں عمل قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اتباع خارج سے امتثال امر شارع مقصود ہے تو بہرحال مفسد نہیں، ولوکان عملاً کثیرًا کدوران الصفوف عند سماع خبر تحویل القبلۃ وغیرہ من الجزئیات اور اگر امتثال امر شارع مقصود نہو تو اتباع خارج بہرکیف مفسد ہے ولوکان عملاً قلیلاً کما مرّ۔

قولہ، آلہ مکبر الصوت کی آواز پر تکبیر تحریم یا تکبیرات انتقالیہ ادا کرنے میں اعمال نماز کے سوا کوئی عمل تو ہے نہیں، نہ قلیل نہ کثیر (ص۳)

اقول، اتباع خارج کا مفسد ہونا اس پر موقوف نہیں کہ اس میں اعمالِ نماز کے سوا کوئی دوسرا عمل پایا جائے بلکہ اعمالِ نماز میں بھی اتباع خارج مفسد ہے، وھو ظاھر جدًا، پس فساد نماز کی بنا عمل کا خارج من اعمال الصلوٰۃ ہونا نہیں بلکہ امتثال امر غیر شارع فساد نماز کی بنا ہے۔ لہٰذا عبارت مذکورہ بلا فائدہ اور حشو محض ہے۔

قولہ، اور اس کی (آلہ کی) آواز کے اتباع میں اسکا دور دور بھی کوئی احتمال نہیں کہ اس آلہ کی خاطر سے یا اس کا اتباع کیا جا رہا ہے۔ یہاں تو بجز اتباع امر اللہ کے اور کوئی احتمال ہی نہیں الخ (ص۳)

اقول، یہ امر بعید از قیاس نہیں، مگر غزی، حموی اور شامی و دیگر فقہاء کے خیال کی تغلیط بھی سہل نہیں، فلیحرر۔[۵]

---

۵ سیأتی تحریرہ فی اٰخر ھذا التحریر ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۲ منہ

قولہ، مطلقاً کسی خارج شخص کا اتباع مفسدِ نماز نہیں ہوسکتا جب تک اس میں یا تو عمل کثیر نہ پایا جائے۔ یا امر غیر اللہ کا اتباع مقصود ہو (ص۵)

اقول، اوپر دوبار تحریر کیا جاچکا ہے کہ اتباع خارج کا مفسد ہونا صرف اس پر موقوف ہے کہ اسمیں امرِ شارع کا امتثال نہ ہو۔ عمل کی قلت وکثرت میں کوئی فرق نہیں۔ امتثال امرِ شارع مفسد نہیں ولوکان العمل کثیراً اور امرِ غیر اللہ کا اتباع و امتثال مفسد ہے ولو کان قلیلاً۔

قولہ، خود علامہ شامی نے اپنے رسالہ تنبیہ ذوی الافہام میں جو خاص اسی مسئلہ مکبر یا مبلغ کے لئے لکھا ہے، اگرچہ خارج نماز کی آواز پر تکبیرِ تحریمہ کہنے کو حموی کے حوالہ سے مفسد لکھا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسی رسالہ میں یہ بھی لکھ دیا ونقل عن ذٰلک الکتاب: ان الاجابۃ بالرأس لاباس بھا ولم ار من صرح بخصوص مسألتنا سوی ما مر عن الحموی وھذا الفرع اشبہ بھا من غیرہ لان الاجابۃ فیھا بالفعل اھ (الیٰ قولہ) اس سے معلوم ہوگیا کہ علامہ شامی کو بھی مکبر خارج نماز کی آواز کے اتباع کو مفسد نماز کہنے پر اطمینان نہیں، بلکہ اس کے خلاف کو ترجیح ہے (ص۵)

اقول، مضمون مذکور علامہ شامی نے صرف بحثاً ذکر فرمایا ہے ۔کما ھو دأب المحققین فانھم یذکرون فی اثناء تحقیقھم امورا کثیرۃ بحثا فقط ولا یفتون بھا، اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علامہ شامی حموی اور غزی کی تحقیق پر مطمئن نہیں اور اسکے خلاف کو ترجیح دے رہے ہیں، اگر ایسا ہوتا تو خود اپنے اسی رسالہ تنبیہ ذوی الافہام کے آخر میں حموی کیموافق فتوی نہ دیتے، ونصہٗ فمن ذٰلک ان بعضھم یجھر بالتکبیر عند احرام الامام من غیر قصد الاحرام لیعلم الناس وربما یفعل ذٰلک وھو قاعد او منحن ثم یدخل بعد ذٰلک فی صلوٰۃ الامام ولاشک حینئذٍ ان من لم یکن قریبًا من الامام یأخذ من ذٰلک المبلغ فلا یصح شروعہٗ لانہ لم یدخل فی تکبیرہ فی الصلوٰۃ فیکون اقتداء بمن لم یدخل فی الصلوٰۃ وھولا یصح کما مرّ۔ ومن ذٰلک ان بعضھم یکون اعمی وھو بعید عن الامام فیقعد رجل الیٰ جانب ذٰلک المبلغ الاعمی ویعلمہ بانتقالات الامام والاعمیٰ یرفع صوتہ لیعلم المأمومین کما شاھدت ذٰلک فی مسجد دمشق وعلی ما مرتکون صلوٰۃ

المبلغ فاسدۃ لاخذہ من الخارج وکذلک صلوٰۃ من اخذ من ذلک المبلغ۔

(تنبیہ ذوی الافہام ص۱۴۲)

ان دونوں جزئیوں میں علامہ شامی غزی وحموی کی تحقیق پر فتوی دے رہے ہیں۔ پورے رسالہ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ اس سارے رسالے کا خلاصہ اور نتیجہ یہی حموی کی تحقیق ہے۔ ردالمحتار میں بھی شامی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ شامی نے بطور بحث وھذا الفرع اشبہ بھا من غیرہ الخ سے جو اشکال ذکر کیا ہے اسکا جواب ظاہر ہے کہ اجابت بالرأس والید میں امتثال واتباع نہیں بلکہ جواب ہے اور مسئلہ تبلیغ میں اتباع وامتثال ہے فافترقا، شامی نے دونوں مسئلوں میں وجہ شبہ" لان الاجابۃ فیہما بالفعل" سے بیان فرمائی ہے دیگر ان کی نظر فرق مذکور کی طرف نہیں گئی۔

قولہ، اور اسی رسالہ میں دو صفحہ کے بعد اسکی تصریح فرمائی ہے کہ حموی کی تخریج ایک ایسے اصول پر مبنی ہے جو صحیح نہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اذا علمت ھذا ظہر لک ما فی کلام الحموی (الی قولہ) علی انہ تخریج علی غیر صحیح (تنبیہ ص۱۴۲) (ص۵)

اقول، اسمیں مصنف مدظلہ کو التباس ہوگیا ہے اس کا مسئلۂ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ایک دوسرے مستقل مسئلہ سے متعلق ہے اور یہ امر رسالہ تنبیہ سے بالکل واضح ہوجاتا ہے۔

قولہ، لیکن اس رسالہ میں پھر بھی علامہ شامی نے ہدایت یہی دی ہے کہ خارج نماز شخص کی آواز پر تکبیر تحریمہ وغیرہ کہنے سے احتراز کیا جائے اور یہی وہ فیصلہ ہے جو احقر نے اپنے رسالہ مکبر الصوت میں اختیار کیا ہے کہ جہاں مظنہ اور احتمال بھی فساد نماز کا ہو وہاں احتراز ہی کرنا چاہیئے اس لئے نماز میں آلہ مکبر الصوت کا استعمال مناسب نہیں (ص۵)

اقول، شامی نے احتراز کی روایت کو بیان نہیں فرمایا بلکہ فساد نماز کا حکم دیا ہے۔ اس کے برعکس رسالہ مکبر الصوت میں صحت صلوٰۃ کا فیصلہ دیا گیا ہے اور احتراز کو اولیٰ اور آلہ کے استعمال کو صرف نامناسب فرمایا گیا ہے۔

قولہ، (غیر امام کو لقمہ دینا) اس عنوان کے تحت مؤلف مدظلہ نے فتح علی غیر الامام کے مفسد نماز ہونے کے لئے تین قیود بیان فرمائی ہیں۔

(۱) امام کے استفتاح پر خارج نے لقمہ دیا ہو۔

(۲) خارج شخص بتلانے کی نیت سے لقمہ دے، محض اپنی تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

(۳) بتلانے والے کے پورا بتلانے کے ذریعے امام کو اپنی غلطی ظاہر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے شروع کرتے ہی امام کو خود یاد آ گیا ہو۔ ان شروط کے اثبات کے لئے مؤلف مدظلہٗ نے جزئیات ذیل تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) وفی الدر المختار وفتحہ علی غیر امامہ الا اذا اراد التلاوۃ وکذا الاخذ الا اذا تذکر فتلا قبل تمام الفتح۔

(۲) قال الشامی (قولہ الا اذا تذکر) قال فی القنیۃ فان اخذ فی التلاوۃ قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد، وفی المبسوط للسرخسی بعد قولہ تفسد بہ صلوٰۃ المصلی لانہ تعلیم وتعلم۔

(۳) (ثم قال) وانما ھذا اذا اراد ان یفتح علی غیر امامہ فحینئذ ینبغی ان ینوی التلاوۃ دون التعلیم فلا یضرہ ذلک (مبسوط ج۱ ص ۱۹۲)

(۴) قال فی البدائع لان فتحہ بعد استفتاحہ جواب وھو من کلام الناس فیوجب الفساد وان کان مرۃ واحدۃ ھذا اذا فتح علی المصلی عن استفتاح واما اذا فتح علیہ من غیر استفتاح لا تفسد صلوٰتہ بمرۃ واحدۃ وانما تفسد عند التکرار لانہ عمل لیس من اعمال الصلوٰۃ (بدائع ج۱ ص ۲۳۶)

(۵) وفی البحر واراد من الفتح علی غیر امامہ تلقینہ علی قصد التعلیم واما ان قصد قراءۃ القراٰن فلا تفسد عند الکل۔

(۶) (وقال بعد ذلک) وفی القنیۃ ارتج علی الامام ففتح علیہ من لیس فی صلوٰتہ وتذکر فاذا اخذ قبل تمام الفتح لم تفسد والا تفسد لان تذکرہ یضاف الی الفتح (بحر ج ۲ ص ۷)

اقول، اصل کتب کی مراجعت سے معلوم ہوا کہ ان جزئیات کے مفہوم میں مؤلف مدظلہٗ کو التباس ہو گیا ہے۔ چنانچہ جزئیہ نمبر۱ و نمبر۳ و نمبر۴ و نمبر۵ کو مؤلف مدظلہٗ نے صلوٰۃ امام کے حکم سے متعلق قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان میں خود فاتح کی نماز کا حکم بیان ہو رہا ہے لہٰذا شروط مذکورہ میں سے شرط دوم ثابت نہ ہوئی۔ نیز جزئیہ نمبر۴ خلاف مذہب ہے۔ ملاحظہ ہو بحر ص۶ و ص۷ کبیری ص۴۱۱، پس شرط اول بھی ثابت نہ ہو سکی اور جزئیہ نمبر۲ و نمبر۶ سے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں۔ قال فی الحلیۃ وفیہ نظر لانہ ان حصل التذکر

والفتح معاً لم یکن التذکر ناشئا عن الفتح ولا وجہ لافساد الصلوٰۃ بتأخر شروعہ فی القراءۃ عن تمام الفتح وان حصل التذکر بعد الفتح قبل اتمامہ فالظاھر ان التذکر ناشیء عنہ ووجبت اضافۃ التذکر الیہ فتفسد بلا توقف للشروع فی القراءۃ علی اتمامہ اھ ملخصًا قلت والذی ینبغی ان یقال ان حصل التذکر بسبب الفتح تفسد مطلقا ای سواء شرع فی التلاوۃ قبل تمام الفتح او بعدہ لوجود التعلم وان حصل تذکرہ من نفسہ لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً

خلاصہ یہ کہ اگر تذکر ناشی عن الفتح ہے تو بہرکیف نماز فاسد ہوجائے گی اگرچہ فاتح کے شروع کرتے ہی امام کو یاد آگیا ہو اور وہ فوراً قبل تمام الفتح ہی پڑھنے لگا ہو۔ پس شرط سوم بھی سالم نہ رہی۔

قولہ، اور اگر قرآن کریم یاد ہے مگر محض امداد کے لئے قرآن مجید کھول کر سامنے رکھ لیا ہے کہ ضرورت پڑے تو اسپر نظر کرنے سے آیت یاد آجائے گی۔ یہ صورت باجماع مفسد نماز نہیں ہے (صٹ)

اقول، اس دعوی کے اثبات کے لئے جتنی جزئیات پیش کی گئی ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اگر حافظ قرآن کو کھول کر نماز پڑھے مگر اسے اُٹھائے نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بوقت ضرورت قرآن سے تذکر کرے تو مفسد نہیں بلکہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ بلا استفادہ تذکر کرکے قرآن کو دیکھ کر پڑھے تو مفسد نہیں، اگر صورت تذکر فرض کی جائے تو یہ شامیہ ص ۵۸۲ کے جزئیہ مذکورہ بالا ان حصل التذکر بسبب الفتح الخ سے معارض ہوگی۔

قولہ، تذکر یعنی دوسرے کی بات سُن کر کوئی چیز یاد آجانا اس کو عمل سے خارج اور غیر مفسد قرار دیا ہے (صہ)

اقول شامیہ ص ۵۸۲ کے جزئیہ سے اوپر ثابت کیا جاچکا ہے کہ تذکر ناشی عن الفتح مفسد ہے۔

قولہ، علامہ عینی اور حافظ ابن حجر اور امام طحاوی نے اس واقعہ (تحویل قبلہ) سے اس امر کا استنباط کیا ہے کہ نمازی کو خارج نماز شخص سے کسی قسم کا استفادہ کرنا مطلقاً موجب فساد نہیں (ص۹)

اقول، اس قدر اطلاق اور وسعت معلوم نہیں ہوتی، خصوصاً جبکہ حافظ ابن حجر اس واقعہ میں کچھ تأویلات کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

یہاں تک تو رسالہ مکبر الصوت کے دلائل سے متعلق بقدر ضرورت کلام ہوا، اب رسالہ

مذکورہ پر تنقیدات سے تعرض کیا جاتا ہے۔ نفس مسئلہ کی تحقیق آخر میں تحریر کی جائے گی۔

تبصرہ بر تنقید مفتی عطاء محمد صاحب

رسالہ مکبر الصوت میں تنبیہ ذوی الافہام سے منقولہ جزئیہ "ولما رمن صرح بخصوص مسألتنا سوی ما مرّ عن الحموی" کے بارے میں مفتی عطاء محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ عبارت مسئلہ تبلیغ سے متعلق نہیں، بلکہ اس سے مراد قریبی مذکور مسئلہ امتثال امر الغیر کی ایک مثال اذا قال لہ تقدم فتقدم الخ ہے۔ اھ

بندہ نے پورے غور سے اس مقام کو دیکھا اور ایک دوسرے قابلِ اعتماد اہلِ علم کو بھی دکھایا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ اصل رسالہ میں جو مفہوم اس جزئیہ کا لیا گیا ہے وہی صحیح ہے۔ مفتی عطاء محمد صاحب کے بیان کردہ مفہوم کی کوئی گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں جزئیہ مذکورہ میں "مسألتنا" کا لفظ بھی اسکی وضاحت کر رہا ہے کہ اسکا محمل وہی مسئلہ ہے جو رسالہ کا اصل موضوع ہے۔ اور جسکا اوپر عنوان قائم کیا گیا ہے یعنی مسئلہ تبلیغ۔ شامی کے اس قول سے متعلق ضروری تحقیق اوپر تحریر کی جا چکی ہے۔

تبصرہ بر تنقید قاضی شمس الدین صاحب

قولہ بر تقدیر تسلیم نبودن آواز مکبر الصوت آواز اصلی متکلم دریں تحریر منیر آنحضرت از مسئلہ صدای چرا گریز فرمودہ اند۔

اقول اس کا جواب مؤلف مدظلہ نے اپنے سابقہ رسالہ مطبوعہ میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ سجدہ میں ایک عبادت یعنی سجدۂ تلاوت کا ایجاب مستقل ہے جو حسب تصریح فقہاء آیت سجدہ کی تلاوت صحیحہ یا اُس کے سننے پر موقوف ہے اور حسب تصریح بدائع صوت صدی کو تو تلاوت ہی نہیں کہہ سکتے اور کسی نے مجنون کی زبان سے آیت سجدہ سُن لی تو وہ اگرچہ تلاوت ہے مگر تلاوت صحیحہ نہیں، کیونکہ مجنون تلاوت کی اہلیت نہیں رکھتا۔ اس لئے اس سے آیت سجدہ سننے پر بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا (بدائع ج ۱ ص ۱۸۶)

بخلاف اس مسئلہ کے کہ مقتدی پر امام کا اتباع اور اس کے ساتھ رکوع وسجود میں منتقل ہونا پہلے سے لازم و واجب ہے۔ مکبر کی آواز اس کے واجب ہونے کا سبب یا علت نہیں، بلکہ مکبر کی آواز صرف انتقال امام کی خبر دینے والی ہے اور امام کی حرکات انتقالیہ پر اطلاع

جیسے عام طور پر امام کی آواز سے ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی اگلی صف کی نقل و حرکت سے کبھی سایہ وغیرہ سے بھی ہوجاتی ہے اور کبھی مکبر کے بآواز بلند تکبیر کہنے سے اور کبھی آلہ مکبر الصوت سے بھی ہوجاتی ہے بہر حال اتباع امام ہی کا ہوتا ہے جو بسبب اقتدار پہلے سے اس کے ذمہ لازم تھا۔ آواز مکبر الصوت کے سننے یا نہ سننے پر اس کا مدار نہیں، اس لئے صوت صدی کا وجوب سجدہ میں اعتبار نہ کرنا اور چیز ہے اور اسکے ذریعہ انتقال امام پر استدلال کرکے نقل و حرکت کرنا دوسری چیز اھ

احقر کو اس تقریر پر اشکال ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ و حکم کے موقع و محل کا تعلم من الخارج بھی مفسد ہے کما سیأتی، حقیقت میں وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ وجوب سجدہ مبنی ہے صحتِ تلاوت پر جو نیت پر موقوف ہے اور تالی آلۂ صدی کے استعمال کی نیت نہیں رکھتا پس آلۂ صدی کے غیر مختار ہونے کی وجہ سے صوت صدی بحکم صوت تالی تو ہوگی مگر بلانیتِ استعمال پیدا ہونے کے باعث تلاوت نہ کہلائے گی۔ اس کے برعکس صحت اقتدار کے لئے نیت تکبیر شرط نہیں بلکہ نفس تکبیر ہی ضروری نہیں۔ امام کے فعل کی اقتدار ہی کافی ہے۔ پس آلہ صدی کی آواز بحکم صوت امام ہے مگر امام نے اس آلہ کو استعمال کرکے اس آواز کے پیدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صحت اقتدا کے لئے یہ نیت شرط نہیں۔

قولہ اگر درمیان صفوف جماعت کلاں برجائے بلند یک خواندہ طوطی نشستہ باشد و صلاحیت نقل تکبیرات امام دارد و چون امام تکبیرۂ تحریمہ گوید آں طوطی تکبیر او شنیدہ بآواز بلند فوراً نقل آں آواز کند، مقتدیان بعید ایں جماعت کہ در انتظار تکبیرۂ تحریمہ امام بامر الٰہی ندو خواہند کہ بامر الٰہی باقتدار امام تکبیر گویند لیکن حال امام بوجہ دوری از امام ازیں مقتدیان مستور ست و آواز تکبیر امام نیز باین مقتدیان نمے رسد و چون آواز طوطی شنیدند پس باخبر شدہ تکبیر پس امام خود گفتہ تحریمہ بستند واز آواز ایں طوطی متذکر شدند کہ اکنوں امام تکبیر گفتہ است و دریں جا ہرگز احتمال نیست کہ کسے وقعت ایں طوطی مسکین درنظر مے دارد و بپاس خاطر او تکبیر مے گوید و کلام طوطی کلام طوطی ست، کلام الناس ہم نیست، پس مطابق اصول زریں بیان فرمودہ آنحضرت نماز ہمہ مقتدیان صحیح باشد، زیراکہ در تکبیر گفتن این طوطی نیز نہ عمل قلیل و کثیر ست و نہ کلام الناس۔

اقول، طوطی نہ ہی تو صدی اور مکبر الصوت کی طرح آلۂ غیر مختار ہے کہ اسکا فعل مستعمل کیطرف منتقل ہوجائے اور اسکی صوت کو بحکم صوت امام کہا جاسکے اور نہ ہی طوطی انسان ہے کہ مستقلاً اسکی خبر پر اعتماد کیا جائے۔ معاملات میں بھی طوطی کی خبر پر اعتماد کی گنجائش نہیں اور یہاں تو مسئلہ دیانات کا ہے۔ ۲۲

بیوع واجارات وغیرہا من العقود کا بذریعہ طوطی عدمِ انعقاد اور اسکے برعکس بذریعہ مکبر الصوت ان کا انعقاد اس قدر بین اور واضح ہے کہ شاید کوئی شخص بھی اسکے انکار کی جرأت نہ کرسکے۔

نفس مسئلہ کی تحقیق

مصلی کے معاملہ مع الخارج کی مختلف صورتیں ہیں۔

① اجابت بالقول۔

② اجابت بالعمل الکثیر، یہ دونوں مفسدِ نماز ہیں۔

③ اجابت بالعمل القلیل کالاجابۃ باشارۃ الرأس او الید، یہ مفسد نہیں۔

④ تذکر، اس سے متعلق شامیہ کی تحقیق گزرچکی ہے کہ اگر تذکر ناشی عن فتح الخارج ہے تو مفسد ہوگا والا فلا، مگر اسمیں بندہ کو شرح صدر نہیں، اولاً اسلئے کہ عامۃ الکتب میں الا اذا تذکر قبل تمام الفتح مطلق ہے، ثانیاً اس لئے کہ تعلم کو عمل کثیر ہونے کی بناء پر مفسد قرار دیا گیا ہے اور تذکر کا عمل کثیر ہونا معرض خفا میں ہے، ثالثاً اس لئے کہ شامی کی تحقیق پر کئی مواقع ایسے پیش آئیں گے کہ ان میں اصلاح نماز ناممکن ہوگی۔ اور نمازی ابطالِ عمل نماز پر مجبور ہوجائے گا۔ مثلاً نمازی کو قیام و قعود یا دیگر ارکان نماز میں سے کسی رکن میں سہو واقع ہوا، خارج نے لقمہ دیا اور اس پر نمازی کو بھی تذکر ہوگیا۔ اب اس نماز کی تکمیل کا کوئی طریق ممکن نہیں، نہ اپنے تذکر ناشئ عن فتح الخارج پر عمل کرسکتا ہے اور نہ ہی تذکر کے بعد عمداً کسی رکن کو چھوڑ سکتا ہے۔ پس ابطالِ نماز کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وقال اللہ تعالیٰ لا تبطلوا اعمالکم، پس اس پر عمل کرنا متعین ہوگیا۔

⑤ اتباع وامتثال خارج تطییباً لخاطرہ، یہ مفسد نماز ہے۔

⑥ تعلم القرآن یا تعلم المسئلۃ یہ بھی مفسد ہے۔

⑦ تعلم محل المسئلہ، جس کی تعلیم کو شامی نے اعلام و تذکیر سے تعبیر کیا ہے جیسے تقدم، تأخر، توسعہ، واقعۂ تحویل قبلہ، جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفسد نہیں۔ وفی العلائیۃ لو اشتبہ علی المریض اعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقہ لایلزمہ الاداء ولو اداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزیہ کذا فی القنیۃ وقال فی الشامیۃ تحتہ قد یقال انہ تعلیم وتعلم وھو مفسد کما اذا قرأ من المصحف او علمہ انسان القراءۃ وھو فی الصلوٰۃ وقد یقال انہ لیس بتعلیم وتعلم بل ھو تذکیر واعلام فھو کاعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل (رد المحتار ص۱۳ ج۲)

اس میں بھی تصریح ہے کہ تعلم محل مسئلہ مفسد نہیں۔مسئلہ تبلیغ میں بھی تعلم محل مسئلہ ہے تعلم نفس مسئلہ نہیں۔اس لحاظ سے اسمیں تعلم من الخارج مفسد نہ ہونا چاہیئے۔شامیہ کی عبارت مذکورہ میں فھو کاعلام المبلغ بھی اسکی کامل وضاحت کررہا ہے مگر تنبیہ ذوی الافہام میں غزی وحموی کی تحقیق کے مطابق شامی نے مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج کو مفسد قرار دیا ہے۔پس رفع تعارض کی یہ صورت سمجھ آتی ہے کہ تقدم وتأخر اور توسعہ وغیرہ کے عدم افساد کی وجوہ مختلف بیان کی گئی ہیں۔بعض نے منصوص علی خلاف القیاس ہونے کا حکم لگایا ہے اور بعض نے لضرورۃ اصلاح الصلوٰۃ بیان کیا اور بعض نے امتثال امر شارع قرار دیا،ان مختلف تعبیرات کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔لہٰذا منصوص علی خلاف القیاس اور لضرورۃ اصلاح الصلوٰۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے امتثال امر شارع کا مفہوم یہ متعین ہوجاتا ہے کہ اس خاص موقع پر اصلاح صلوٰۃ کی ضرورت کیخاطر امر شارع وارد ہوا ہو اور اسکا امتثال مقصود ہو مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج نہ منصوص علی خلاف القیاس ہے نہ ہی اسمیں ضرورت اصلاح صلوٰۃ ہے اسلئے کہ یہ ضرورت تعلم من الداخل سے پوری کیجاسکتی ہے اور نہ ہی اس بارہمیں خاص طور پر امر شارع وارد ہوا ہے جبکا امتثال مقصود ہو، مریض سے متعلق قنیہ کا جزئیہ" ولواداھا بتلقین غیرہ ینبغی ان یجزیہ" بھی ضرورت اصلاح صلوٰۃ پر مبنی ہے۔شامی نے جو اسکی علت بیان فرمائی ہے وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی،اسلئے کہ اولاً اسے تذکیر کہنا بعید ہے۔ثانیاً یہ کہ تذکیر کے متعلق خود شامی کا فیصلہ اوپر تحریر کیا جاچکا ہے کہ تذکر ناشی عن التذکیر ہو تو مفسد ہے۔ثالثاً شامی کی یہ توجیہ اسکو مستلزم ہے کہ مسئلہ تبلیغ میں تعلم من الخارج جائز ہو۔بلکہ تقریباً اسکی تصریح ہے جو خود شامی کے فیصلہ مندرجہ تنبیہ کے خلاف ہے۔ممکن ہے کہ فتامل سے شامی نے اسی طرف اشارہ کیا ہو۔غرضیکہ مسئلہ تبلیغ میں تلقن من الخارج مفسدِ نماز ہے۔

آلہ مکبّر الصّوت

حقیقت میں یہاں دو مسئلے جدا جدا ہیں ایک جواز استعمال کا اور دوسرا صحتِ صلوٰۃ کا،بندہ کے خیال میں ان دونوں سوالوں کا جواب مختلف ہے۔یعنی آلہ مکبر الصّوت کا استعمال نماز میں مکروہ ہے، مگر اسکے باوجود اگر کسی نے اقتدا کرلی تو نماز درست ہوجائے گی۔کراہتِ استعمال اسلئے کہ بلاضرورت مسنون ومعتمد علیہ اور یقینی طریق تبلیغ ترک کرکے ناقابلِ اعتماد طریقہ اختیار کرنا درست نہیں،البتہ عوام میں غلبۂ جہل وفقدان اہلیت یا اور کسی وجہ سے مکبرین کا کوئی معقول انتظام نہو تو بضرورت مکبر الصوت کے استعمال میں مضایقہ نہیں،حتی الامکان احتراز اولیٰ واحوط ہے،

دوسرا مسئلہ صحت نماز کا ہے جس میں وجوہ ذیل کی بنا پر بندہ بھی مؤلف رسالہ مکبر الصوت ودیگر اکابر دیوبند کی رائے سے موافق ہے اور صحت نماز کا قائل ہے۔

(۱) مکبر الصوت کی آواز عین آواز متکلم ہے یا غیر؟ اسکا ابتک اہل سائنس فیصلہ نہیں کرسکے بصورت اختلاف بقاعدۂ "الیقین لا یزول بالشك" اسکی صوت کو عین صوت متکلم کہا جائے گا، اسلئے کہ صوت متکلم کا وجود یقینی اور صوت مغائر کا وجود مشتبہ ہے خصوصاً جبکہ احکام شرع کا مدار ظاہر پر ہے۔ نہ کہ تدقیقات فلسفیہ پر اور ظاہر یہی ہے کہ جب امام بول رہا ہے تو یہ آواز اسی کی ہے۔

(۲) اگر اس صوت کو صوت متکلم کا غیر فرض کرلیا جائے تو آلہ مکبر الصوت محض آلہ غیر مختار ہے لہٰذا اسکی آواز بحکم آواز متکلم ہوگی۔

(۳) فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے عدم صحت اقتداء کی صورتیں بہت تفصیل سے بیان فرمائی ہیں مگر صوت صدی کی اقتداء کا فساد کہیں بیان نہیں کیا، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ مصنفین کا ذہن صوت صدی کی طرف نہیں گیا اسلئے کہ سجدۂ تلاوت کی بحث میں جملہ مصنفین اس پر بحث فرماتے ہیں۔ پس سجدۂ تلاوت کے باب میں جمیع مصنفین کا اسے بیان فرمانا اور بحث اقتداء میں قاطبۃً سب فقہاء کا اس سے مکمل سکوت اختیار کرنا اور اس طرف کسی کا بھی کوئی توجہ نہ فرمانا، باوجودیکہ مسئلہ محتمل الوقوع ہے اور بہ نسبت سجدۂ تلاوت کے وقوع کا زیادہ قریب احتمال رکھتا ہے اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صوت صدی کی اقتداء صحیح ہے۔

(۴) مساجد میں محراب اور گنبدوں کے ذریعہ تبلیغ صوت کا تعامل و توارث چلا آتا ہے خصوصاً ٹھٹہ کی قدیمی تاریخی مسجد میں فن معماری کا اعجوبہ بہت سے حضرات نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ خطیب کی آواز گنبدوں کے ذریعہ کتنی دور تک صاف پہنچتی ہے، گنبدوں کے ذریعہ پہنچنے والی آواز میں قریب ترین احتمال یہ ہے کہ صدی ہے۔ مگر آج تک کسی زمانہ میں اس پر کوئی اشکال نہیں پیش کیا گیا۔ اگر بالفرض گنبدوں کی آواز کا صدی نہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی کم از کم صدی ہونیکا احتمال تو ضرور ہے جسکا مقتضیٰ یہ تھا کہ علماء دین اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کے صدی ہونے یا نہونے کی تحقیق کرتے، بصورت عدم تحقیق نماز کی اہمیت کے پیش نظر اس سے احتراز کو ضروری قرار دیتے اور فساد نماز کا حکم صادر فرماتے مگر آج تک کسی عالم نے اس طرف قطعاً کوئی التفات نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ صوت صدی کا اتباع مفسد صلوٰۃ نہیں اور یہ توارث سے ثابت ہے۔

فقط وھٰذا ما جاء فی نظری القصیر والعلم عند اللہ اللطیف الخبیر

غرۂ محرم سنہ ۸۱ یوم الجمعۃ

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

نیل السعادة
بالاقتداء فی الصلوٰۃ المعادة

نماز میں وقوع نقص کی وجہ
سے دوبارہ جماعت کرائی گئی تو
اس میں نئے مقتدی کی شرکت
کا حکم

صلوٰۃ معادہ لترک الواجب میں شرکت کا حکم

ایک اہم مسئلہ سے متعلق دو حضرات کے متضاد جوابات ارسالِ خدمت ہیں ۔حضرت سے درخواست ہے کہ انھیں ملاحظہ فرماکر فیصلہ فرمائیں اور اپنی تحقیق عمیق سے مستفید فرمائیں ۔

از مظفر نگر (انڈیا)

سوال : ترک واجب کی بنا پر نماز کا اعادہ کیا گیا تو نووارد شخص اس دوسری جماعت میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ امداد الفتاویٰ میں نووارد کی شرکت کا جواز مذکور ہے اور امداد الفتاویٰ کے حاشیہ پر شرکت کو مختار قول کے غیر مطابق قرار دیا ہے اور دلیل یہ بیان فرمائی کہ ثانی نماز مستقل نماز نہیں، لہٰذا مستقل نماز پڑھنے والوں کی اقتدا صحیح نہیں ہوگی ۔عرض ہے کہ مختار شرکت کا جواز ہے یا عدم جواز ؟ تفصیل کے ساتھ تحریر فرماکر ممنون فرمائیں ۔ ۲۰ ۱۱/۹۵ھ

جوابِ اوّل

حامداً ومصلّیاً ، مجتہدین کے کلام میں باوجود تتبع کے نووارد کی شرکت یا عدم شرکت کی تصریح تو نہیں ملی، غالباً یہ مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ ثانی نماز نفل ہے یا فرض ۔اس کا فیصلہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے بایں الفاظ فرمایا ہے ۔ یؤخذ من لفظ الاعادۃ ومن تعریفھا بما مرّ انہ ینوی بالثانیۃ الفرض لان ما فعل اولاً ھو الفرض فاعادتہ فعلہ ثانیاً اما علی القول بان الفرض یسقط بالثانیۃ فظاھر واما علی القول الاٰخر فلان المقصود من تکرارھا ثانیاً جبر نقصان الاولی فالاولی فرض ناقص والثانیۃ فرض کامل مثل الاولی ذاتاً مع زیادۃ وصف الکمال ولو کانت الثانیۃ نفلاً لزم ان تجب القراءۃ فی رکعاتھا الاربع اھ (رد المحتار باب قضاء الفوائت ص۴۹۷ ج) فقہاء کی تعبیرات میں ضرور اختلاف ہے ۔بعض نے الفرض سقط بالاولی اور بعض نے یکون الفرض ھو الثانی سے تعبیر فرمایا مگر علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ اختلاف تعبیرات کا ہے حقیقی نہیں کیونکہ سقوط الفرض بالثانیۃ کا یہ مطلب نہیں کہ اولیٰ سے سقوط فرض بالکل نہیں ہوا تھا اور ثانیہ پر اس طرح موقوف تھا کہ اگر بالفرض ثانیاً اس فعل کو نہ کیا جاتا تو مصلی خارج عن الصلوٰۃ نہ ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حکم سقوط الفرض موقوف ہے عدم اعادہ پر (نظائر شامیہ باب قضاء الفوائت میں مذکور ہیں) اور جب اعادہ ہوگیا تو یہ فرض محول الی النفل ہوگئے، جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر

صلوٰۃ جمعہ میں شریک ہوجائے تو فرضیت کا بطلان ہوکر عند الامام وابی یوسف رحمہما اللہ نفلیت باقی رہ جاتی ہے۔ چنانچہ اگر صلوٰۃ جمعہ میں اس سے رکن فوت ہوجائے تو ظہر کا اعادہ لازم ہوگا اور سقوط الفرض بالاولیٰ والثانی جابر کا قول بھی ثانیہ کے نفل ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ اسکے معنی بحسب تحقیق حضرت علامہ شامی رحمہ اللہ یہ ہیں کہ سقوط فرض ثانیہ کے شروع کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اگر اعادہ نہ کیا جائے تو سقوط فرض بالنقصان ہوچکا تھا، اب اس نقصان کو پورا کرنیکی خاطر ذاتِ اولیٰ کا کمال کے ساتھ اعادہ کیا جارہا ہے۔ جس طریقہ سے قعدہ اخیرہ پر ارکان پورے ہوجاتے ہیں، سقوط فرض کسی اور چیز پر موقوف نہیں مگر سلام سجود السہو کے بعد سے آخر تک جو حصہ ہے فرض ہی واقع ہوگا۔ چنانچہ جو اس حالت میں اقتدا کریگا بالاتفاق اسکی اقتدا صحیح ہوجائے گی تو یہ (ثانیہ) مثل سجود سہو ہے کما فی رد المحتار جابر للاول بمنزلۃ الجبر بسجود السہو چونکہ سجود سہو کی صورت میں منافی صلوٰۃ کوئی عمل نہیں ہوا اسلئے شارع علیہ السلام نے اس سجود و تشہد کی زیادتی کو مربوط بمحل السہو قرار دیکر لجبر النقصان کافی اعتبار کیا اور اعادہ کی صورت میں منافی صلوٰۃ عمل ہوچکا لہٰذا اس زیادتی کی بنا اصل صلوٰۃ پر ممکن نہیں رہی اسلئے جدید تحریمہ کے ساتھ مستقل نماز کو جابر قبول کیا، چار رکعت والی نماز کے لئے چار رکعت اور تین رکعت والی نماز کے لئے تین رکعت کو جابر قرار دینا دلیل ہے کہ مؤداۃ بالفعل الاول اور بالفعل الثانی میں اتحاد ذات ہے تغایر و تعدد صرف صورۃً ہے۔ اگر لجبر النقصان محض زیادتی مطلوب ہوتی تو دو رکعت نماز کی مشروع ہے ہر نماز کے لئے دو رکعت جابر ہوسکتی تھی، معادہ صلوٰۃ لترک الواجب متروک واجب کے قائم مقام ہے اور واجبات سب نمازوں کے مساوی تو ہر نماز کے لئے ایک ہی مقدار قرین قیاس تھی مگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ محض زیادتی مطلوب نہیں بلکہ زیادتی مع اتحاد ذاتِ مجبور و جابر مطلوب ہے۔ مثلاً ذات صلوٰۃ ظہر کا وجود چار رکعت سے ہوتا ہے، لہٰذا لجبر النقصان چار رکعت مطلوب ہوئیں۔ الغرض مؤداۃ بالفعل الثانی کا مماثل بالفعل الاول فی سائر الاجزاء مطلوب ہونا دلیل ہے کہ ثانیہ مثل اولیٰ کے عقب الوقوع فرض ہے، ذات کی ذاتیات و اوصاف ذاتیہ میں سے اگر کوئی معدوم ہوجائے تو ذات ہی باقی نہیں رہتی اور اگر اوصاف عارضہ میں خلل واقع ہوجائے تو ذات باقی رہتی ہے، مگر اس وقوع خلل فی الاوصاف کا نقص ذات ہی کی طرف راجع ہوتا ہے، پھر اگر اس نقصان کو پورا کیا جاتا ہے تو یہ جبر نقصان بلا واسطۂ ذات ممکن نہیں۔ یہ بھی تصریح سامنے

نہیں آئی کہ ثانیہ میں نفل کی نیت کافی ہوجائے گی۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں "نَفْلٌ جَائِزٌ" مذکور ہے۔ اس کے معنیٰ بصورت تطبیق یہ ہونگے کہ جب ارکان وشروط صلوٰۃ مکمل ہوچکے تو اب ثانیاً شروع فی الفعل فرض نہیں بلکہ غیر فرض ہے (چونکہ عند البعض اعادہ واجب ہے اور عند البعض مستحب اور بعض نے فی الوقت اور بعد الوقت کی تفصیل کی اسلئے لفظ نفل ذکر فرمادیا جو دونوں کو شامل ہے) اول کے نقصان کو پورا کرتا ہے لہٰذا یہ ابتداءِ فعل کے معاقب فرض واقع ہونے کے منافی نہیں۔ مسافر پر صلوٰۃ جمعہ فرض نہیں مگر جب پڑھیگا تو واقع فرض ہوگی۔ چنانچہ مسافر کی اقتداء بالاتفاق صحیح ہے۔ الحاصل بعض نے قبل الاعادہ کے اعتبار سے اولیٰ کو اور بعض نے بعد الاعادہ کے اعتبار سے ثانیہ کو مسقطۃ الفریضہ سے تعبیر فرمایا، مآل سب کا واحد ہے۔ کما فی رد المحتار وبھذا اظھر التوفیق بین القولین و ان الخلاف بینھما لفظی، اس وضاحت کے بعد نو وارد کی عدم شرکت کے قول کو مختار تسلیم کرنے میں تأمل ہے، عدم شرکت کے قول کو غلط کہنے کی جرأت تو نہیں کی جاسکتی، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ عدم شرکت پر ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا القاری اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہما کا فتویٰ شرکت پر ہے۔ دونوں حضرات مقتدیٰ ہیں اور ممکن ہے بلکہ ظن ہے کہ حضرت مفتی صاحب رفعت درجاتہم کے سامنے بہت زیادہ قوی دلیل ہو جسکے سامنے خاکسار کی یہ تحریر بالکل ہیچ کس ہو مگر چونکہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی دلیل مستور ہے اور حکیم الامت مدت فیوضہم کے فتویٰ کی دلیل اور مأخذ ظاہر ہے اسلئے قول شرکت کو مختار تسلیم کرنا قریب الفہم معلوم ہوتا ہے۔ عدم شرکت کی دلیل ثانی نماز کا غیر مستقل ہونا تحریر فرمایا ہے۔ مستقل اور غیر مستقل نماز کی تقسیم کا شرعی مأخذ اور تعریف، پھر تعریف کردہ مستقل نماز پڑھنے والے کو غیر مستقل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کے عدم جواز کا ثبوت محتاجِ بیان ہے حضرت محشّی صاحب حیات ہیں اور دُور بھی نہیں، انکی خدمت میں پیش ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد .... عفی عنہ

۲۳/ ۱۱/ ۹۵ھ

جواب ثانی از محشی

علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق یہی ہے کہ اصل نماز اور اعادہ کردہ نماز دونوں فرض ہیں۔ لیکن

اس تحقیق میں حضرت علامہ منفرد ہیں، جیسا کہ خود انھوں نے بحث ختم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ھذا نهاية ما تحرر لی من فتح الملك الوهاب فاغتنمه فانه من مفردات هذا الكتاب اھ لیکن مختار قول وہ ہے جو علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ والمختار ان المعادة لترك الواجب نفل جابر والفرض سقط بالاولى، حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ نے حضرت علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق فتوی ارقام فرمایا اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب نے طحطاوی کے قول کے مطابق فتوی دیا۔ اس وقت علماء مظاہر العلوم و دار العلوم کا فتوی بھی یہی ہے۔ اب آپ فیصلہ فرمالیں کہ کثرت کس طرف ہے۔ رہی یہ بحث تو یہ ایک خاص نقطۂ نظر لئے ہوئے ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والے بھی ایسی ہی بحث کرتے ہیں فاین المفر واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ مجھے بحث بار بار پڑھنے پر بھی شرح صدر نہیں ہوا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرًا۔

کتبہٗ .... عفا اللہ عنہٗ

۲۷ / ۱۱ / ۹۵ ھ

جواب الجواب از مجیب اوّل

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی عبارت ھٰذا نھایۃ ما تحرر لی الخ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں قولوں کی تطبیق میں حضرت علامہ رحمہٗ اللہ منفرد ہیں نہ کہ ثانیہ کو فرض قرار دینے میں منفرد ہیں۔ حضرت علامہ حلبی نے اپنی شرح کبیری میں واجبات صلوٰۃ کے شروع میں فرمایا ہے ومن المشائخ من قال یلزمہ ان یعید ویکون الفرض ھو الثانی اور خود علامہ شامی رحمہٗ اللہ نے ابو الیسر کا قول نقل کیا اور ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے ثانیہ کو فرض قرار دینے میں عدم سقوط الفرض بالاولی بلا ترک رکن کا اشکال ظاہر فرما کر الا ان یقال المراد ان ذلك امتنان الخ جواب فرمایا نیز جواب میں منقول عبارت میں واما علی القول بان الفرض یسقط بالثانیۃ مصرح ہے۔ پھر علامہ شامی رحمہ اللہ کی انفرادیت کیونکر قرار دی جاسکتی ہے۔ تفصیلی جواب کے ملاحظہ کے بعد طحطاوی کی عبارت کے یہ معنی مراد لے کر کہ ثانیہ بعد الوقوع فرض نہیں بلا دلیل مختار کہنا کسی ہی کو زیبا ہے۔ طحطاوی کی مذکورہ عبارت میں معادہ کی خبر نافلۃ جو کہ بعد الوقوع متصف بالفعل ہونے پر دال ہے ذکر نہ کرنا اور نفل مصدر کو ذکر کرنا جو صرف حدوث پر دال ہے گزشتہ جواب ۱ میں مذکور تاویل کا مؤید ہے۔ مجرد اولیٰ کی فرضیت کی دلیل

لان الفرض لا یتکرر کے بارے میں طحطاوی شرح درمختار میں وفیہ نظر مذکور ہے۔

کثرت اس وقت راجح ہوتی ہے جبکہ جانبین کے دلائل مساوی ہوں اور ہر ایک کو جانبین کے دلائل معلوم ہوں، اس کا شاہد خلیفہ ہارون الرشید کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ چور نے مال لینے کا اقرار کرلیا۔ تمام فقہاء مجلس نے قطع ید کا حکم کیا، مگر امام ابویوسف رحمہ اللہ نے قطع ید سے انکار فرمایا اور فرمایا کہ مال لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا چوری کا اقرار ضروری ہے پھر اس نے معلوم کرنے پر چوری کا بھی اقرار کرلیا تو تمام فقہاء کا اتفاق ہوگیا کہ اب تو قطع ید ضروری ہوگیا، مگر امام ابویوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ پہلے اقرار سے ضمان واجب ہوچکا تھا، پھر چوری کے اقرار سے ضمان کو ساقط کرتا ہے لہٰذا اقرار مسموع نہ ہوگا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ کی دلیل اگر ان فقہاء کو نہ پہنچتی تو سب اپنی رائے پر قائم رہتے اور یہ سب کا اتفاق صواب نہیں تھا۔

دوسرا نقطۂ نظر رکھنے والوں کی بحث تحریر فرمادی جاتی تو کرم ہوتا، وہ اگر قوی ہوتی تو تسلیم کرلی جاتی اور کم از کم مستقل نماز الخ کے بیان کا ثبوت مطلوب تھا اس کو تو تحریر فرما ہی دیا جاتا بخل مناسب نہیں۔

مفر کی ضرورت ہی نہیں کہ اس کی تلاش کی فکر کریں، ماوی کی ضرورت ہے وہ بحمد اللہ میسر ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد .... عفی عنہ

۱۳ / ۱۲ / ۹۵ھ

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئلہ کی اہمیت اور اس میں اکابر علماء کے اختلاف و بحث کے پیشِ نظر اس سے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات قدرے تفصیل سے پیش کی جاتی ہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى في منحة الخالق على البحر الرائق في باب قضاء الفوائت وخرج به ايضاً فعل مثله بعده لخلل غير الفساد وعدم صحة الشروع فهو خارج عن الاقسام الثلاثة كما نبه عليه المحقق ابن الهمام في التحرير لكن قال العلامة ابن امير حاج في شرحه ان هذا مبني على ما عليه البعض والا فقول الميزان الاعادة في عرف الشرع اتيان بمثل الفعل الاول على صفة الكمال بان وجب على المكلف فعل موصوف بصفة الكمال فاداه على

وجہ النقصان وھو نقصان فاحش یجب علیہ الاعادۃ وھو اتیان مثل الاول ذاتاً مع صفۃ الکمال اھ یفید انہ اذا فعل ثانیاً فی الوقت او خارج الوقت یکون اعادۃ کما قال صاحب الکشف اھ ونحوہ فی شرح اصول فخر الاسلام للشیخ اکمل الدین فانہ قال ولم یذکر الشیخ الاعادۃ وھی فعل ما فعل اولاً مع ضرب من الخلل ثانیاً وقیل ھو اتیان مثل الاول علی وجہ الکمال لانھا ان کانت واجبۃ بان وقع الاول فاسداً فھی داخلۃ فی الاداء او القضاء وان لم تکن واجبۃ بان وقع الاول ناقصاً لا فاسداً فلا یدخل فی ھذا التقسیم لانہ تقسیم الواجب وھی لیست بواجبۃ و بالاول یخرج عن العھدۃ وان کان علی وجہ الکراھۃ علی الاصح فالفعل الثانی بمنزلۃ الجبر کالجبر بسجود السھو اھ وھو موافق لکلام المیزان حیث لم یقیدھا بالوقت ومخالف لہ حیث صرح بعدم وجوبھا وفی شرح التحریر ھل تکون الاعادۃ واجبۃ فصرح غیر واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانھا لیست بواجبۃ وان بالاول یخرج عن العھدۃ وان کان علی وجہ الکراھۃ علی الاصح وان الثانی بمنزلۃ الجبر والاوجہ الوجوب کما اشار الیہ فی الھدایۃ وصرح بہ بعضھم کالشیخ حافظ الدین فی شرح المنار وھو موافق لما عن السرخسی وابی الیسر من ترک الاعتدال تلزمہ الاعادۃ زاد ابو الیسر ویکون الفرض ھو الثانی وعلی ھذا یدخل فی تقسیم الواجب ثم نقل عن شیخہ ابن الھمام لا اشکال فی وجوب الاعادۃ اذ ھو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع کراھۃ التحریم ویکون جابراً للاول لان الفرض لا یتکرر وجعلہ الثانی یقتضی عدم سقوطہ بالاول وھو لازم ترک الرکن لا الواجب الا ان یقال المراد ان ذلک امتنان من اللہ تعالی اذ یحتسب الکامل وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانہ انہ سیوقعہ اھ اقول ویظھر لی التوفیق بان المراد بالوجوب الافتراض فی عبارۃ الشیخ اکمل الدین لانہ ذکر وجوبھا عند وقوع الاول فاسداً ولا شبھۃ فی انھا حینئذ فرض وذکر عدم الوجوب عند وقوع الاول ناقصاً لا فاسداً ولا شبھۃ فی عدم افتراضھا حینئذ وعلی ھذا یحمل کلام شراح اصول فخر الاسلام فلا ینافی ذلک ما اشار الیہ فی الھدایۃ وصرح بہ فی شرح المنار من ان الاوجہ الوجوب لان المراد بہ الوجوب المصطلح لا الافتراض

(البحر الرائق ص۴۸، ۴۹ ج ۲)

وقال الشیخ زین الدین ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ والاعادۃ فعل مثلہ فی وقتہ لخلل غیر الفساد وعدم صحۃ الشروع وھو المراد بقولھم کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم فسبیلھا الاعادۃ فکانت واجبۃ فلذا دخلت فی المأمور بہ

(البحر الرائق ص۴۹ ج ۲)

وقال ملک العلماء الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فان کان المتروک فرضا تفسد الصلوٰۃ وان کان واجبًا لاتفسد ولکن تنتقص وتدخل فی حد الکراھۃ ۔

(بدائع الصنائع ص۱۶۴ ج۱)

وقال العلامۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الشرح الکبیر ومن المشایخ من قال یلزمہ ان یعید ویکون الفرض ھو الثانی والمختار ان الفرض ھو الاول والثانی جبر للخلل الواقع فیہ بترک الواجب قال الشیخ کمال الدین ابن الھمام لا اشکال فی وجوب الاعادۃ اذ ھو الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم ویکون جابرًا للاول لان الفرض لایتکرر وجعلہ الثانی یقتضی عدم سقوطہ بالاول وھو لازم ترک الفرض لا الواجب انتہی (الشرح الکبیر ص۲۸۵)

وقال فی العلائیۃ وکذا کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا والمختار انہ جابر للاول لان الفرض لایتکرر قال فی الحاشیۃ (قولہ والمختار انہ) ای الفعل الثانی جابر للاول بمنزلۃ الجبر بسجود السھو وبالاول یخرج عن العھدۃ وان کان علی وجہ الکراھۃ علی الاصح کذا فی شرح الاکمل علی اصول البزدوی ومقابلہ ما نقلوہ عن ابی الیسر من ان الفرض ھو الثانی واختار ابن الھمام الاول قال لان الفرض لایتکرر وجعلہ الثانی یقتضی عدم سقوطہ بالاول اذ ھو لازم ترک الرکن لا الواجب الا ان یقال المراد ان ذلک امتنان من اللہ تعالیٰ اذ یحتسب الکامل وان تأخر عن الفرض لما علم سبحانہ انہ سیوقعہ اھ یعنی ان القول بکون الفرض ھو الثانی یلزم علیہ تکرار الفرض لان کون الفرض ھو الثانی دون الاول یلزم منہ عدم سقوطہ بالاول ولیس کذلک لان عدم سقوطہ بالاول انما یکون بترک فرض لا بترک واجب وحیث استکمل الاول فرائضہ لاشک فی

کونہ مجزئاً فی الحکم وسقوط الفرض بہ وان کان ناقصًا بترک الواجب فاذا کان الثانی فرضًا یلزم منہ تکرار الفرض الاان یقال الخ فافہم (رد المحتار ص۴۳۶ ج۱)

وفی الدر المختار فی باب قضاء الفوائت والاعادۃ فعل مثلہ فی وقتہ لخلل غیر الفساد لقولہم کل صلٰوۃ ادیت مع کراہۃ التحریم تعاد ای وجوبًا فی الوقت و اما بعدہ فندبًا، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ فی وقتہ) ثم اعلم ماذکرھنا فی تعریف الاعادۃ ھو ما مشی علیہ فی التحریر وذکر شارحہ ان التقیید بالوقت قول البعض والا فھی المیزان الاعادۃ فی عرف الشرع اتیان بمثل الفعل الاوّل علیٰ صفۃ الکمال بان وجب علی المکلف فعل موصوف بصفۃ الکمال فاداہ علی وجہ النقصان وھونقصان فاحش یجب علیہ الاعادۃ وھو اتیان مثل الاوّل ذاتًا مع صفۃ الکمال اھ (ثم قال بعد اسطر) وان کان علی وجہ الکراھۃ علی الاصح فالفعل الثانی بمنزلۃ الجبر کالجبر بسجود السہواھ ثم قال تحت (قولہ ای وجوبًا فی الوقت) وقال فی شرح التحریر وھل تکون الاعادۃ واجبۃ فصرح غیر واحد من شراح اصول فخر الاسلام بانھا لیست بواجبۃ وانہ بالاول یخرج عن العھدۃ وان کان علی وجہ الکراھۃ علی الاصح وان الثانی بمنزلۃ الجبر والاوجہ الوجوب کما اشار الیہ فی الھدایۃ وصرح بہ النسفی فی شرح المنار وھو موافق لما عن السرخسی وابی الیسر من ترک الاعتدال تلزمہ الاعادۃ وزاد ابوالیسر ویکون الفرض ھو الثانی وقال شیخنا المصنف یعنی ابن الھمام لا اشکال فی وجوب الاعادۃ اذ ھو الحکم فی کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم ویکون جابراً للاول لان الفرض لا یتکرر وجعلہ الثانی یقتضی عدم سقوطہ بالاول وفیہ انہ لازم ترک الرکن لا الواجب الا ان یقال الخ (ثم قال) ومن ھذا یظھرانا اذا قلنا الفرض ھو الاول فالاعادۃ قسم اٰخر غیر الاداء والقضاء وان قلنا الثانی ففی احدھما اھ اقول فتلخص من ھذا کلہ ان الارجح وجوب الاعادۃ (الی ان قال) وقد نقل الخیر الرملی فی حاشیۃ البحر عن خط العلامۃ المقدسی ان ما ذکرہ فی البحر یجب ان لا یعتمد علیہ لاطلاق قولہم کل صلاۃ ادیت مع الکراھۃ سبیلہا الاعادۃ اھ قلت ای لانہ یشمل وجوبھا فی الوقت وبعدہ ای بناءً علی ان الاعادۃ لا تختص

بالوقت وظاهر ما قدمناه عن شرح التحرير ترجيحه وقد علمت ايضاً ترجيح القول بالوجوب فيكون المرجح وجوب الاعادة فى الوقت وبعده ويشير اليه ما قدمناه عن الميزان من قوله يجب عليه الاعادة وهو اتيان مثل الاول ذاتاً مع صفة الكمال اى كمال ما نقصه منها وذلك يعم وجوب الاتيان بها كاملةً فى الوقت وبعده كما مرّ، وقال ايضاً تحت (تنبيه) ويؤخذ من لفظ الاعادة ومن تعريفها بما مرّ انه ينوى بالثانية الفرض لان ما فعل اولاً هو الفرض فاعادته فعله ثانياً اما على القول بان الفرض يسقط بالثانية فظاهر واما على القول الآخر فلان المقصود من تكرارها ثانياً جبر نقصان الاولى فالاولى فرض ناقص والثانية فرض كامل مثل الاولى ذاتاً مع زيادة وصف الكمال ولو كانت الثانية نفلاً لزم ان تجب القراءة فى ركعاتها الاربع وان لا تشرع الجماعة فيها ولم يذكروه ولا يلزم من كونها فرضاً عدم سقوط الفرض بالاولى لان المراد انها تكون فرضاً بعد الوقوع اما قبله فالفرض هو الاولى وحاصله توقف الحكم بفرضية الاولى على عدم الاعادة وله نظائر كسلام من عليه سجود السهو يخرجه خروجاً موقوفاً وكفساد الوقتية مع تذكر فائتة كما سيأتى وكتوقف الحكم بفرضية المغرب فى طريق المزدلفة على عدم اعادتها قبل الفجر وبهذا ظهر التوفيق بين القولين وان الخلاف بينهما لفظى لان القائل ايضاً بان الفرض هو الثانية اراد به بعد الوقوع والا لزم الحكم ببطلان الاولى بترك ما ليس بركن ولا شرط كما مرّ عن الفتح ولزم ايضاً انه يلزمه الترتيب فى الثانية لو تذكر فائتة والغالب على الظن انه لا يقول بذلك احد ونظير ذلك القراءة فى الصلوة فان الفرض منها اية والثلاث واجبة والزائد سنة وما ذاك الا بالنظر الى ما قبل الوقوع بدليل انه لو قرأ القران كله يقع الكل فرضاً وكذا لو أطال القيام او الركوع او السجود وهذا نهاية ما تحرر لى من فتح الملك الوهاب فاغتنمه فانه من مفردات هذا الكتاب والله تعالى اعلم بالصواب (ردالمحتار ص۶۲۹ ج۱)

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی منقولہ عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ صلوۃ معادہ قبل الایقاع واجب ہے اور بعد الایقاع فرض ہے۔

اعرابی تارک اعتدال کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فصلّ فانّک لم تصلّ بھی اس پر دلیل ہے کہ صلوٰۃ معادہ فرض ہے۔ آپنے صلوٰۃ اولیٰ کو غیر معتبر قرار دیکر صلوٰۃ ثانیہ کا امر فرمایا، اور اسے معتبر قرار دیا۔ قول مذکور کی ترجیح کے علاوہ اسے صورت تطبیق بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ غیر واجب، واجب اور فرض کے اقوال میں تطبیق عبارات بالا میں گزر چکی ہے۔ باقی رہا قول نفل سو اسمیں نفل بمعنی واجب لیا جا سکتا ہے چنانچہ وتر کو باب نوافل میں ذکر کیا جاتا ہے اور کراہت جماعت فی غیر رمضان و وجوب القراءۃ فی جمیع الرکعات وغیرہ احکام میں بھی بحکم نوافل ہے خصوصاً واجب بایجاب العبد پر نفل کا اطلاق عام ہے کالصلوٰۃ المنذورۃ ورکعتی الطواف، چونکہ صلوٰۃ معادہ کا وجوب بھی بفعل العبد ہے اسلئے اس واجب کو اصطلاح میں نفل ہی سے تعبیر کیا جائیگا، غرضیکہ صورت ترجیح و تطبیق دونوں کا مقتضیٰ یہ ہے کہ صلوٰۃ اولیٰ فرض ناقص ہے اور صلوٰۃ معادہ بھی فرض مثل اولیٰ مع زیادۃ صفۃ الکمال ہے، اسلئے نو وارد کی اقتداء صحیح ہوگی۔

"الفرض لا یتکرر" کا جواب یہ ہے کہ فرض کامل کا تکرار جائز نہیں لانہ یراد بالمطلق الفرد الکامل

تنقید :

مجیب اول نے جو قبل الاعادہ پڑھی ہوئی نماز کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ" اور جب اعادہ ہوگیا تو یہ فرض محول الی النفل ہوگئے" اسمیں تأمل ہے۔ اسلئے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرما دی ہے کہ صلوٰۃ معادہ مثل اولیٰ ہے مع صفۃ زیادۃ الکمال، پس اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اعادہ کے بعد صلوٰۃ اولیٰ نفل ہو جائیگی تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑیگا کہ صلوٰۃ معادہ جو مثل اولیٰ ہے وہ بھی نفل ہو، مجیب نے جو مثال پیش کی ہے کہ اگر کوئی شخص ظہر پڑھ کر جمعہ میں شریک ہو تو فرضیت کا بطلان ہوکر عند الامام وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نفلیت باقی رہ جاتی ہے یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جمعہ کے روز ظہر کا حکم عند العجز او التخلف ہے۔ جب جمعہ پڑھ لیا تو عجز و تخلف کا تحقق ہی نہیں ہوا اسلئے صلوٰۃ جمعہ ہی کی صحت کا حکم ہوا اور جو نماز ظہر کی نیت سے پڑھی تھی وہ نفل ہوگئی۔ نیز یہاں دو الگ الگ نمازیں ہیں اور صلوٰۃ معادہ میں ایک ہی نماز کا اعادہ ہوتا ہے لہٰذا قیاس مع الفارق ہے۔ مجیب نے آگے چلکر خود مؤداۃ بالفعل الاول والثانی کو متحد بالذات قرار دیا ہے اور صلوٰۃ اولیٰ کو نفل قرار دینے سے اوّل و ثانی میں اتحاد بالذات نہیں رہتا۔ فافہم وتدبّر

مجیب ثانی کا صلوٰۃ اولیٰ اور صلوٰۃ معادہ دونوں کی فرضیت کے قول میں علامہ شامی

رحمہ اللہ تعالیٰ کو منفرد قرار دیتا اور اس پر علامہ شامی کے قول ھٰذا ما تحرر لی الخ سے استدلال صحیح نہیں، اسلئے کہ یہ پوری تحقیق سے متعلق نہیں بلکہ آخر بحث میں جو صورت تطبیق بیان فرمائی ہے اس سے متعلق ہے۔ چنانچہ خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں، اور علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کبیری میں فرضیت ثانیہ سے متعلق کئی حضرات کے اقوال نقل فرمائے ہیں اسلئے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علامہ شامی خود ایک چیز کو متعدد لوگوں کی طرف سے حکایۃً ذکر فرمائیں اور پھر یہ فرمائیں کہ یہ میرے تفردات میں سے ہے۔

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق

بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپکے فتاوی اور تحقیقات فقہیہ میں آپکے تبحر و تعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپکی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے۔ مسئلہ زیر بحث سے متعلق آپکے ۲ دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال: بعد از خروج وقت جبر نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است والاصح الوجوب کما فی مسائل شتی من شرح المنیۃ۔

سوال: در جبر نقصان نماز مغرب و وتر اگر سہواً بر سہ رکعت نہ نشست چہ کند، سہو دہد یا جبر باز گرداند؟

جواب: باز گرداند، (بیاض ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفوائت صنہ ۱۳)

خلاصہ

صلوٰۃ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح واوسع ہے اور قولِ عدمِ صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے یہ علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ، لہٰذا ایسی صورتمیں قول عدم صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے۔ البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہوجائے تو اس کے لئے عمل بالاحوط اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد
۱۴ محرم سنہ ۹۶ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

المشکوٰۃ لمسألة المحاذاة

اگر نماز باجماعت میں عورت مرد کے ساتھ یا اس سے آگے کھڑی ہو جائے اور امام نے عورت کی نیت کی ہو تو مرد کی نماز نہیں ہوتی، مگر حرمین شریفین میں بوقت جماعت بعض عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں، نیز مردوں کی صفوں سے آگے صف بنا لیتی ہیں، اس صورت میں مردوں کو پریشانی ہوتی ہے کہ نماز باجماعت کیسے ادا کریں؟ اس ابتلاءِ عام کے پیشِ نظر اس سے متعلق سوال کے جواب میں خصوصی توجہ و تحقیق اور مردوں کی نماز کو فساد سے بچانے کی تدبیر پر غور کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور بحمد اللہ تعالیٰ اس کا حل مل گیا، جو رسالہ زیر نظر میں درج ہے!

کتبہ فاروق

حرمین شریفین میں عورتوں کی محاذاۃ کا حل

سوال: حرمین شریفین میں عام طور پر عورتیں مَردوں کی صف میں شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) اگر امام نے امامۃ نساء کی نیت نہیں کی تو کسی عورت کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ مردوں کی صف میں شامل ہو یا مَردوں سے الگ عورتوں کے لئے مخصوص جگہ میں ہو۔

(۲) اگر امام نے امامۃ نساء کی نیت کی ہو تو اس عورت کے محاذی دونوں جانب اور اس کے پیچھے بالکل سیدھ میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز فاسد ہوگی۔

(۳) اگر عورتیں تین سے زیادہ ایک صف میں کھڑی ہوگئیں تو ان کے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں بھی ہونگی کسی کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی، خواہ وہ صفیں اسی جہت میں ہوں یا خانہ کعبہ کی دوسری جہات میں ہوں، نیز یہ اشکال صرف اس صورت میں نہیں کہ تین سے زائد عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوں بلکہ جو عورتیں الگ مخصوص مکان میں کھڑی ہوتی ہیں ان کے پیچھے بھی مسجد سے باہر مَردوں کی صفیں بن جاتی ہیں ان سب کی نماز بھی صحیح نہ ہونا چاہیئے۔

ان جملہ اشکالات کا حل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، مسئلہ کی اہمیت، ابتلاء عام اور حرمین شریفین کی مقدس نمازوں کی حفاظت کے پیشِ نظر پوری تحقیق اور مسئلہ کی ہر پہلو سے وضاحت فرما کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا فرمائیں۔ والاجر عند اللہ الکریم۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اوّلاً متعلقہ عبارات تحریر کی جاتی ہیں اس کے بعد ان سے ثابت ہونے والے احکام لکھے جائیں گے۔

(۱) قال فی التنویر واذا حاذتہ (ولو بعضو واحد وخصہ الزیلعی بالساق والکعب، الشرح) امرأۃ مشتہاۃ ولا حائل بینہما (اقلہ قدر ذراع فی غلظ اصبع او فرجۃ تسع رجلا، الشرح) فی صلاۃ مطلقۃ مشترکۃ تحریمۃً واداءً واتحدت الجہۃ فسدت صلاتہ ان نوی (الامام وقت شروعہ لا بعدہ، الشرح) امامتہا والا فسدت صلاتہا (رد المحتار ص۵۳۸ ج۱)

(۲) قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وخصہ الزیلعی الخ) حیث قال المعتبر فی المحاذاۃ الساق والکعب فی الاصح وبعضہم اعتبر القدم اھ فعلی قول البعض لو

تأخرت عن الرجل ببعض القدم تفسد وان كان ساقها وكعبها متأخراً عن ساقه وكعبه وعلى الاصح لا تفسد وان كان بعض قدمها محاذيا لبعض قدمه بان كان اصابع قدمها عند كعبه مثلاً تأمل هذا ومقتضى قوله وخصه الزيلعي ان قوله ولو بعضو واحد خارج عما ذكره الزيلعي فيكون قولاً ثالثاً في المسألة كما فهمه في البحر وظاهر كلام الزيلعي انه ليس في المسألة قول ثالث والا لذكره بل المراد بالعضو من المرأة قدمها ومن الرجل اي عضو كان على ما صرح به في النهاية ونصه وشرطنا المحاذاة مطلقاً لتتناول كل الاعضاء او بعضها فانه ذكر في الخلاصة محالاً على فوائد القاضي ابي علي النسفي رحمه الله تعالى المحاذاة ان يحاذي عضو منها عضواً من الرجل حتى لو كانت المرأة على الظلة ورجل بحذائها اسفل منها ان كان يحاذي الرجل شيئاً منها تفسد صلاته وانما عين هذه الصورة لتكون قدم المرأة محاذية للرجل لان المراد بقوله ان يحاذي عضو منها هو قدم المرأة لا غير فان محاذاة غير قدمها لشيء من الرجل لا يوجب فساد صلاته نص على هذا في فتاوى الامام قاضيخان في اواسط فصل من يصح الاقتداء به ومن لا يصح وقال المرأة اذا صلت مع زوجها في البيت ان كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة وان كان قدماها خلف قدم الزوج الا انها طويلة تقع رأس المرأة في السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما لان العبرة للقدم الا ترى ان صيد الحرم اذا كان رجلاه خارج الحرم ورأسه في الحرم يحل اخذه وان كان على العكس لا يحل انتهى كلام النهاية ونقله في المعراج واقره وفي القهستاني المحاذاة ان تساوي قدم المرأة شيئاً من اعضاء الرجل فالقدم مأخوذة في مفهومه على ما نقل عن المطرزي فمساواة غير قدمها لعضوه غير مفسدة اه فقد ثبت بما ذكرناه وجود المحاذاة بالقدم في مسألة الظلة المذكورة خلافاً لما زعمه في البحر وانه لا فرق بين التعبير بالعضو وبالقدم خلافاً لما زعمه في البحر ايضاً وانه لو اقتدت به متأخرةً عنه بقدمها صحت صلاتهما وان لزم منه محاذاة بعض اعضائها لقدمه او غيره في حالة الركوع او السجود لان المانع ليس محاذاة اي عضو منها لاي عضو منه ولا محاذاة قدمه لاي عضو منها بل المانع محاذاة قدمها فقط لاي عضو منه (رد المحتار ص۵۳۵ ج۱)

(۳) قال في الشامية تحت (قوله او فرجة تسع رجلاً) قال في السراج ولو قامت

وسط الصف تفسد صلوٰۃ واحد عن یمینہا وواحد عن یسارہا وواحد خلفہا بازائہا دون الباقین فقد شرطا ان یکون من خلفہا محاذیاً لہا للاحتراز عن وجود الفرجۃ وکذا صرح بہ الزیلعی والحاکم الشہید اھ ملخصاً وقدمنا نحوہ قریباً عن النہر، وافاد فی النہر ایضاً ان اشتراط المحاذاۃ للفساد لیس خاصاً بتقدم المرأۃ الواحدۃ بل الصف من النساء کذلک ای فحیث لم یحاذھن صفوف الرجال فلا فساد، والحاصل ان المراد من افساد صلاۃ من خلفہا ان یکون محاذیاً لہا من خلفہا ای بان یکون مسامتاً لہا غیر منحرف عنہا یمنۃ اولیسرۃً قدر مقام الرجل لامطلق کونہ خلفہا، (رد المحتار ص۵۳۶ ج ۱)

(۴) قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ومراد البحر من تعیین الحمل علی المحاذاۃ ماذکرنا الخ) علی[عہ] ان مراد صاحب البحر ماذکرہ ابن عابدین لا یندفع بہ الاشکال بخلافہ علی ماذکرہ المحشی والحاسم لمادۃ الاشکال ان یقال ان التقدم مفسد اٰخر ولو مع وجود فرجۃ ویمنع صحۃ اقتداء الرجل کالنہر الفاصل والطریق فکما انہم لم یجعلوا الفرجۃ معتبرۃ فی مسألۃ النہر مثلاً فکذلک فی مسألۃ تقدم المرأۃ اھ (التحریر المختار ص۷۲ ج ۱)

(۵) قال فی الشامیۃ تحت (قولہ فسدت صلاتہا) وظاہر عود الضمیر فی صلاتہا علی المرأۃ المحاذیۃ ای لامام او لمقتدٍ انہا لو اقتدت غیر محاذیۃ لاحد صح اقتداؤہا وان لم ینوہا الا اذا نفی امامۃ النساء کما فی القہستانی وحینئذٍ فلا یشترط لصحۃ اقتداء المرأۃ نیۃ الامام امامتہا الا اذا کانت محاذیۃً والا فلا یشترط وقدم المصنف فی بحث النیۃ ان فیہ اختلافاً وقدمنا ھناک عن الحلیۃ انہ یشترط ان لا تتقدم بعد فتحاذی احداً من امام اومأموم فان تقدمت وحاذت لا یبقی اقتداؤہا ولا تتم صلاتہا اھ وذکر فی النہایۃ ھنا ایضاً ان ھذا قول ابی حنیفۃ الاول وظاہرہ ان قولہ الاخیر اشتراط النیۃ مطلقاً والعمل علی المتأخر کما لا یخفی ولہذا اطلق فی متن المختار قولہ ولا تدخل المرأۃ فی صلوٰۃ الرجال الا ان ینویہا الامام ومثلہ فی متن المجمع (رد المحتار ص۵۳۹ ج ۱)

(۶) قال فی العلائیۃ والا ینوہا فسدت صلاتہا کما لو اشار الیہا بالتأخیر فلم تتأخر لترکہا فرض المقام وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ کما لو اشار

[عہ] کذا فی الاصل ولعل الصحیح ان مراد صاحب البحر علی الخ ۱۲ رشید احمد

الیها بالتأخیر الخ) قال فی الفتح وفی الذخیرۃ والمحیط اذا حاذتہ بعد ما شرع ونوی امامتها فلا یمکنہ التأخیر بالتقدم خطوۃ او خطوتین للکراھۃ فی ذلک فتأخیرها بالاشارۃ وما اشبہ ذلک فاذا فعل فقد اخّر فیلزمها التأخر فان لم تفعل فقد ترکت حینئذٍ فرض المقام فتفسد صلاتها دونہ اھ واستفید من قولہ بعد ما شرع انها لو حضرت قبل شروعہ ونوی امامتها محاذیًا لها وقد اشار الیها بالتأخر تفسد صلاتہ فالاشارۃ بالتأخر انما تنفع اذا حضرت بعد الشروع ناویًا امامتها قال ط والظاهر ان الامام لیس بقید اھ ای فلو حاذت المقتدی بعد الشروع واشار الیها بالتأخر ولم تتأخر فسدت صلاتها دونہ۔

(ردالمحتار ص۵۳۹ ج۱)

(۷) قال فی العلائیۃ ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل قدر ذراع او ارتفاعهن قدر قامۃ الرجل مفتاح السعادۃ وفی الشامیۃ (قولہ صف من النساء) المراد بہ ما زاد علی ثلاثۃ نسوۃ فانہ یمنع اقتداء جمیع من خلفہ والا ففیہ تفصیل بدلیل ما قدمنا حاصلہ عن البحر وھو ما اتفقوا علی نقلہ عن اصحابنا من ان المرأۃ الواحدۃ تفسد صلاۃ رجلین من جانبیها ورجل خلفها واثنتین صلوۃ اثنین من جانبیهما واثنین خلفهما والثلاثۃ صلوۃ اثنین من جانبیهن وصلوۃ ثلاثۃ ثلاثۃ من خلفهن الی اٰخر الصفوف ولو کان صف من النساء بین الرجال والامام لا یصح اقتداء الرجال بالامام ویجعل حائلا۔ وایضًا فیها تحت (قولہ بلا حائل) وحاصلہ انہ اذا کان صف النساء امام صف الرجال یمنع الا اذا کان احد الصفین علی حائط مرتفع قدر قامۃ او کان بینهما حائل مقدار مؤخر رحل البعیر او خشبۃ منصوبۃ او حائط قدر ذراع وھذا مخالف لما فی الخانیۃ والبحر وغیرهما وھو قوم صلوا علی ظهر ظلۃ فی المسجد وبحذائهم من تحتهم نساء اجزأتهم صلاتهم لعدم اتحاد المکان بخلاف ما اذا کان قدامهم نساء فانها فاسدۃ لانہ تخلل بینهم وبین الامام صف من النساء وھو مانع من الاقتداء اھ وفی الولوالجیۃ قوم صلوا علی ظهر ظلۃ المسجد وتحتهم قدامهم نساء لا تجزیهم صلاتهم لانہ تخلل صف من النساء فمنع اقتدائهم وکذا الطریق اھ فهذا باطلاقہ صریح بان الارتفاع غیر معتبر فی صف النساء وفی المعراج عن المبسوط فان کان صف تام من النساء ووراءهن صفوف الرجال فسدت تلک الصفوف کلها استحسانًا

والقیاس ان لا تفسد الا صلوۃ صف واحد ولکن استحسن لحدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً وموقوفاً علیہ من کان بینہ وبین الامام نھر اوطریق اوصف من النساء فلا صلوۃ لہ اھ فھذا صریح فی ان الحائل غیر معتبر فی صف النساء والا لفسدت صلوۃ الصف الاوّل من الرجال فقط لکونہ صار حائلا بین من خلفہ وبین صف النساء کما ھو القیاس فظھر ان ما ذکرہ الشارح من اعتبار الحائل اوالارتفاع انما ھو فیما دون الصف التام من النساء کالواحدۃ والثنتین ھ اما الصف فھو خارج عن القیاس اتباعاً للاثر ھذا ما ظھر فتدبر واللہ اعلم

(رد المحتار ص۵۴۷ ج ۱)

(۸) قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ فانہ یمنع اقتداء جمیع من خلفہ الخ) تقدم عن النھر ان اشتراط المحاذاۃ للفساد لیس خاصاً بتقدم المرأۃ الواحدۃ بل الصف من النساء کذلک ای فحیث لم یحاذھن صفوف الرجال فلا فساد اھ (التحریر المختار ص۷۶ ج ۱)

(۹) قال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ فھذا صریح فی ان الحائل غیر معتبر الخ) ھو صریح فی ان الصف الاول من الرجال لا یعد حائلاً ولا یمکن ان یقال غیرہ من الحوائل مثلہ لنقل اھل المذھب ان الحائل یمنع الفساد کعبارۃ مفتاح السعادۃ وما نقلہ ط عن ابی السعود فی اول مسألۃ المحاذاۃ بقولہ ولو کان ورائھن حائط خلفہ صفوف لا تفسد صلاتھم علی الاصح ولو کان ورائھن صف من الرجال ثم الحائط ثم الصفوف فسدت صلاۃ الکل اھ وحینئذ یقید اطلاق ما فی الخانیۃ و غیرھا بما فی مفتاح السعادۃ (التحریر المختار ص۷۶ ج ۱)

(۱۰) قال عبد الرحمٰن الجزیری الحنابلۃ - قالوا یشترط ان ینوی الامام الامامۃ فی کل صلوۃ وتکون نیۃ الامامۃ فی اول الصلوۃ الخ (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ص۲۱۵ ج ۱)

عبارات بالا سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے۔

اگر امام نے نماز شروع کرتے وقت عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو تو

(۱) اگر ایک یا دو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوگئیں تو ان عورتوں کی نماز ہوجائے گی مگر ان کی دونوں جانب متصل اور انکے پیچھے سیدھ میں صفِ اوّل میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہ ہوگی (العبارۃ الثالثۃ والسابعۃ)

البتہ اگر عورت اور مرد کے درمیان ایک شخص کے کھڑے ہونے کی جگہ خالی ہو یا ایک ہاتھ لمبا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کھڑا کر لیا جائے یا تصحیح زیلعی کے مطابق عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ، اور نہایہ، خلاصہ، نسفی، خانیہ، سراج، قہستانی اور مطرزی وغیرہ کے اختیار کے مطابق عورت کا پورا پاؤں مرد کے پاؤں سے پیچھے ہو تو مرد کی نماز ہو جائے گی۔ شامی رحمہ اللہ کی تحریر سے دوسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے (العبارۃ الاولٰی والثانیۃ)

اگر مرد کے پاؤں عورت کے پاؤں سے بلند ہوں تو اس بارے میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا، البتہ عبارت ثانیہ میں مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس صورت میں بھی مرد کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

صحت صلوٰۃ رجل کی مذکورہ بالا سب صورتیں اس مرد کے لئے ہیں جو عورت کی دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو، عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کے لئے بھی کوئی سترہ وغیرہ مفید ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی تصریح کہیں نہیں ملی، بظاہر اس کا فیصلہ اس پر موقوف ہے کہ عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے مرد کی نماز صحیح نہ ہونیکی علت محاذاۃ ہے یا کہ عورت کا تقدم؟

اگر محاذاۃ کو علت قرار دیا جائے تو عورت کی جانبین میں کھڑے ہونے والے مرد کی طرح یہاں بھی ایک ہاتھ اونچا اور ایک انگلی کے برابر موٹا سترہ کافی ہو جانا چاہیئے۔ مگر قول محاذاۃ پر کئی اشکالات ہیں۔ ولذلک قال المحشی والحاسم لمادۃ الاشکال ان یقال ان التقدم مفسد اٰخر الخ (العبارۃ الرابعۃ)

نیز محاذاۃ کے عرفی معنی کے مطابق بھی قول محاذاۃ صحیح معلوم نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں عدم صحت کی علت محاذاۃ نہیں بلکہ عورت کا تقدم ہے اسلئے صرف ایک انگل موٹا سترہ کافی نہ ہو گا۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کی صف کے پیچھے حائل ہونے کی صورتیں اختلاف کی جو تفصیل ۲؎ میں آ رہی ہے کیا یہاں ایک یا دو عورتوں کے تقدم کی صورت میں بھی وہی اختلاف ہو گا؟ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تقدم صف نساء کی بنسبت ایک یا دو عورتوں کا تقدم اہون ہے۔ چنانچہ تقدم صف نساء آخر صفوف تک مؤثر ہے اور ایک یا دو عورتوں کا تقدم صرف ایک صف تک، اسلئے ۲؎ میں مذکور تفصیل کے مطابق حائل یا بلندی کی موجودگی میں بالاتفاق صحتِ نماز کا حکم ہونا چاہیئے شامی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے (العبارۃ السابعۃ)

(۲) مرد نے نماز شروع کر دی اس کے بعد کوئی عورت اسکی محاذات میں کھڑی ہوگئی اور مرد نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا مگر وہ نہ ہٹی تو مرد کی نماز ہو جائے گی عورت کی نہیں ہوگی۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے قبل مرد نے عورت کو پیچھے ہٹنے کو کہا اور وہ نہ ہٹی اس کے باوجود مرد نے اسی حالت میں نماز شروع کر دی تو مرد کی نماز نہیں ہوئی عورت کی ہوگئی۔

(العبارۃ السادسۃ)

(۳) اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے سیدھ میں آخر صفوف تک کھڑے ہونے والے مردوں میں سے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی۔ (العبارۃ السابعۃ)

عبارت سابعہ میں شامی رحمہ اللہ کی یہ تحقیق تحریر ہے کہ چار عورتوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی پوری صفوف کی نماز نہ ہوگی، یعنی ان مردوں کی نماز بھی نہیں ہوگی جو عورتوں کی سیدھ میں نہیں۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ تین اور تین سے زائد عورتوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں، جس طرح تین عورتوں کی صف صرف ان مردوں کی اقتدار کے لئے مانع ہے جو ان کے پیچھے انکی سیدھ میں ہیں اسی طرح چار یا اس سے بھی زیادہ عورتوں کی صف بھی صرف انکے پیچھے انکی سیدھ میں کھڑے ہونے والوں کی اقتدار کے لئے مانع ہے جو مرد انکی سیدھ میں نہیں انکی نماز ہو جائیگی

(العبارۃ الثالثۃ والثامنۃ)

شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کو بحر کی عبارت سے اشتباہ ہوا ہے۔ بحر میں تین عورتوں کی محاذاۃ کا حکم بیان کرنے کے بعد یہ عبارت ہے ولو کان صف من النساء بین الرجال والامام لا یصح اقتداء الرجال بالامام ویجعل حائلا، تین عورتوں کے حکم کے بعد صف نساء ذکر کرنے سے یہ اشتباہ ہوا کہ یہاں تین سے زیادہ عورتیں مراد ہیں اور "لا یصح اقتداء الرجال" کے اطلاق سے یہ سمجھے کہ جو مرد عورتوں کی سیدھ میں نہیں انکی اقتدا بھی صحیح نہیں۔

حالانکہ بحر کی عبارت کا یہ مطلب نہیں، حقیقت یہ ہے کہ بحر میں پہلے مردوں کی صف میں شامل ہونے والی عورتوں کا حکم بیان کیا ہے اس کے بعد ولو کان صف من النساء الخ سے عورتوں کی مستقل صف کا حکم بتانا چاہتے ہیں خواہ یہ صف تین عورتوں کی ہو یا زیادہ کی، چونکہ عام طور پر سب صفوف طول میں برابر ہوتی ہیں اسلئے بظاہر مستقل صف

اور انکے پیچھے مردوں کی صف بھی آپس میں برابر ہونگی، اس بنا پر مردوں کی صف کے حکم میں تفصیل نہیں تحریر فرمائی، خصوصاً جبکہ تین عورتوں کے پیچھے کی صف میں تفصیل لکھی جا چکی ہے، اسلئے دوبارہ اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، جب تین عورتوں کو بھی فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے صف قرار دیا ہے تو پھر تین اور چار میں فرق کیا ہے ؟

غرضیکہ تین اور چار عورتوں میں فرق نہ معقول ہے اور نہ منقول اور نہ ہی عبارت بحر سے مفہوم، اسکے برعکس عدم الفرق معقول بھی ہے اور منقول بھی کما مر فی العبارۃ الثالثۃ والثامنۃ،

علاوہ ازیں عورتوں کی صف کو طریق و نہر کے حکم میں بتایا گیا ہے اور یہ دونوں صف کے صرف اس حصہ کی اقتدار کے لئے مانع ہیں جو انکے پیچھے ہو دوسرے حصہ کے لئے مانع نہیں، مثلاً

امام
صف
نہر
صف
جسر
نہر
صفوف
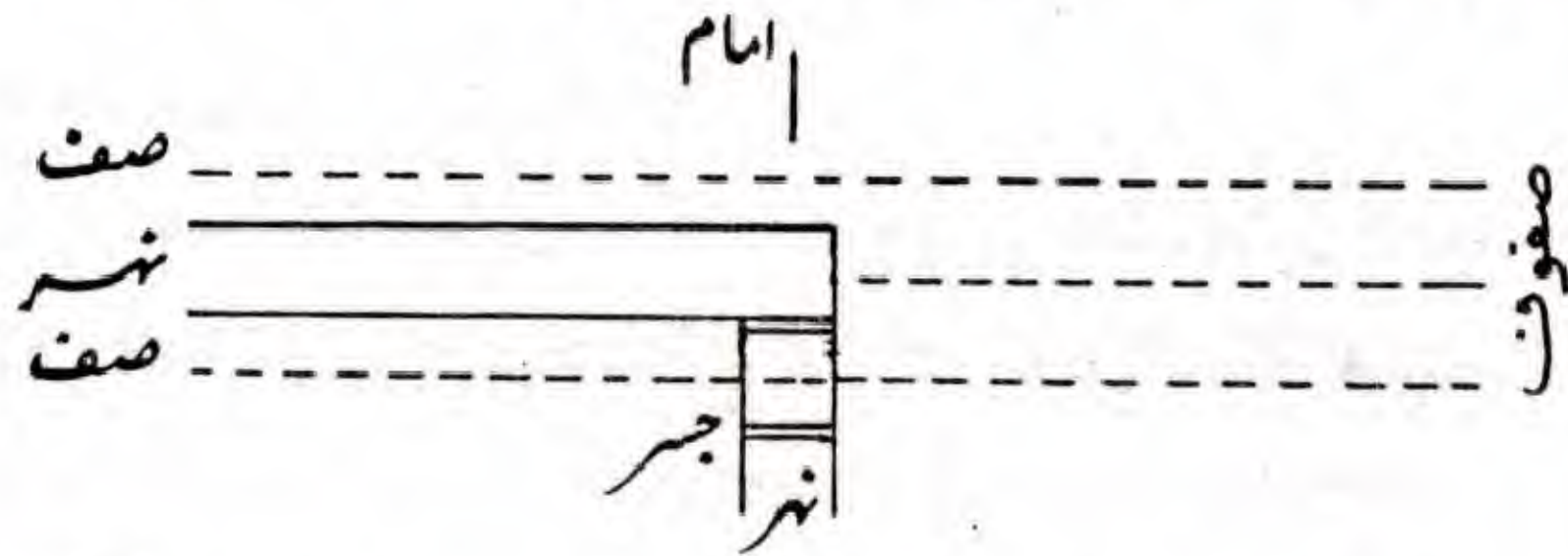
عورتوں کی صف کو بحکم طریق و نہر قرار دینے کے بعد ایک اور بحث سامنے آتی ہے وہ یہ کہ عورتوں کی صف کے پیچھے انکی سیدھ میں صف اول کے مردوں کی نماز تو بعلت تقدم المرأۃ یا بعلت محاذاۃ صحیح نہوگی کما مر فی المرأۃ القائمۃ فی صف الرجال، مگر دوسری اور تیسری صف کے لئے صحت اقتدار سے مانع تقدم صف نساء ہے جو بحکم طریق و نہر ہے۔ لہٰذا جب دوسری اور تیسری صف عورتوں کی سیدھ سے دائیں یا بائیں جانب بڑھی ہوئی ہو اور صف کے اس بڑھے ہوئے حصہ سے لیکر امام تک صفوف میں حقیقۃً یا حکماً اتصال موجود ہو یعنی اقتدار سے کوئی مانع نہو جیسا کہ اوپر کے نقشہ میں ہے تو اس پوری صف کی نماز صحیح ہو جانا چاہیئے، فلیحرر۔

(۴) عورتوں کی صف کے پیچھے ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ اونچا کوئی حائل ہو اسکے پیچھے مردوں کی صف ہو یا مردوں کی صف عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو، ان دونوں صورتوں میں مردوں کی اقتداء کی صحت سے متعلق عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف ہیں، مفتاح السعادۃ اور درمختار میں قول صحت تحریر ہے۔ اور خانیہ، بحر، ولوالجیہ وغیرہ میں صراحۃً اور معراج و مبسوط میں دلالۃً عدم صحت، اور طحطاوی نے ابو السعود سے قول صحت کی اصحیت نقل کی ہے جو نقل القولین کو

متضمن ہے۔شامی رحمہ اللہ نے قول عدم صحت اختیار کرکے مفتاح السعادۃ اور درمختار کی عبارت کی تقیید کی ہے اور رافعی رحمہ اللہ نے قول صحت اختیار کرکے خانیہ وغیرہ کی عبارت کو مقید قرار دیا ہے۔
(العبارۃ السابعۃ والتاسعۃ)

غرضیکہ شامی اور رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں مختلف عبارات میں تطبیق کی کوشش کرنے کے باوجود آپس میں مختلف ہیں۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ میں غور کرنے کے بعد ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں قول مستقل ہیں۔شامی و رافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے خیال کے مطابق دونوں اقوال میں سے کسی میں تقیید کی گنجائش نظر نہیں آتی، علاوہ ازیں طحطاوی کا ابو السعود سے دونوں اقوال نقل کرنا اوپر گزر چکا ہے۔ لہٰذا دونوں اقوال میں تطبیق کی بجائے ترجیح کی ضرورت ہے۔

غور وفکر کے بعد عدم صحت کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ یہ قول اکثر ہے، علاوہ ازیں قیاس **علی الطریق والنہر** کا بھی یہی مقتضیٰ ہے، اگرچہ ابو السعود نے قول صحت کو صحیح کہا ہے، واللہ اعلم۔

قول صحت میں شرط یہ ہے کہ حائل عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی پہلی صف کے آگے ہو۔اگر مردوں کی **پہلی صف کے سامنے** کوئی حائل نہیں بلکہ دوسری یا تیسری صف کے سامنے ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی (العبارۃ التاسعۃ)

مردوں کی صف عورتوں کے سر سے بلند ہو تو اسمیں شرط مذکور کی صراحت نہیں بظاہر حائل اور بلندی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا لہٰذا اسمیں بھی وہی شرط ہوگی کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول بلندی پر ہو اگر صف اوّل نیچے ہے اور اسکے پیچھے کی صف بلندی پر ہے توکسی صف کی بھی نماز نہیں ہوئی۔

اگر امام عورتوں کی امامت کی نیت نہ کرے

⑤ جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوتی ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، ان عورتوں کی دونوں جانب میں اور پیچھے کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی، عورت خواہ ایک ہو یا زیادہ عورتوں کی صف ہو۔ (العبارۃ الاولیٰ والسادسۃ)

اگر دو سے زیادہ عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہوگئیں اور ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں کوئی مرد نہیں تو دونوں جانب سے محاذاۃ کی وجہ سے دو عورتوں کی نماز بالاتفاق نہیں ہوگی بیچ والی عورتوں کا حکم صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، قاعدہ کے مطابق انکی نماز کی صحت میں بھی

وہی اختلاف ہوگا جو ۶ میں آرہا ہے۔

(۶) جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں انکی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ آخری قول یہ ہے کہ انکی نماز نہیں ہوتی، یہی قول راجح اور مفتی بہ ہے (العبارۃ الخامسۃ)

امام کے لئے امامتِ نسار کی نیت ضروری ہے یا نہیں؟

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک اوپر تحریر کیا جاچکا ہے کہ آپ کا آخری اور راجح قول یہ ہے کہ امامت نسار کی نیت ضروری ہے اگر امام نے عورتوں کی نیت نہ کی تو انکی نماز نہوگی، دوسرے ائمہ کے ہاں امامت نسار کی نیت شرط نہیں، عبارت عاشرہ میں حنابلہ کے ہاں مطلقاً نیت امامت کو ضروری قرار دیا ہے اس سے بالخصوص نیت امامت نسار کی شرطیت ثابت نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے۔ مزید تثبت کے لئے بندہ نے اس بارے میں شیخ عبدالعزیز ابن باز سے استفسار کیا انھوں نے جواب میں صراحۃً تحریر فرمایا ہے کہ ان کے ہاں نیت امامۃ نسار ضروری نہیں۔ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء کا فتوی بلفظہا درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

رياسة ادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

فتوی رقم ۱٤٦۰ وتاریخ ۲۵ / ۱ / ۱۳۹۷ھ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده وبعد

فقد اطلعت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء على ما ورد الى سماحة الرئيس العام من المستفتي رشيد احمد والمحال الى اللجنة من الامانة العامة لهيئة كبار العلماء والسؤال: ان النساء اذا صلين في جماعة الرجال فهل تشترط لصحة اقتدائهن نية الامام امامتهن بالخصوص ام تكفي نية الامامة مطلقا من غير تفصيل بين الرجال والنساء او تلزم على الامام نية الامامة مطلقاً،

وبعد دراسة السؤال اجابت بما يلي:

نية الامام للامامة كافية للرجال والنساء الذين يصلون خلفه ولا داعي لافراد

النساء بنية تخصهن لعدم الدليل الذى يدل على ذلك وقد كن يصلين مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينقل انه خصهن بنيته،

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وآله وصحبه

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و الافتاء

عضو	نائب رئيس اللجنة	الرئيس
عبد الله بن عبد الرحمن الغديان	عبد الرزاق عفيفي	عبد العزيز بن عبد الله بن باز

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمۂ حرمین شریفین عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے، انکے مذہب میں نیت ضروری نہیں اور یہ بھی معلوم ہے بلکہ بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ دوسرے مذاہب کی رعایت سے متعلق کسی درخواست کی انکے ہاں کوئی شنوائی نہیں ہوتی لہٰذا امامت نساء کی نیت نہ کرنے کی صورت میں جو احکام اوپر بیان کئے گئے ہیں حرمین شریفین میں ان کے مطابق عمل کیا جائے ۔

خلاصۂ تحقیق

اگر امام عورتوں کی نیت نہ کرے

حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے اسلئے جو عورتیں مردوں کی صف میں کھڑی ہو جاتی ہیں انکی نماز نہیں ہوتی ، ان عورتوں کی دونوں جانب اور ان کے پیچھے کھڑے ہونیوالے مردوں کی نماز ہو جاتی ہے اگرچہ عورتیں تین یا اس سے بھی زیادہ ہوں ۔

جو عورتیں الگ کھڑی ہوتی ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں انکی نماز بھی نہیں ہوتی مگر ایک قول چونکہ جواز کا بھی ہے اسلئے عورتوں پر حرمین شریفین میں جماعت کے ساتھ پڑھی ہوئی نمازوں کی قضاء واجب نہیں ، البتہ قضاء کرلینا بہتر ہے ۔ نماز جیسی اہم عبادت میں احتیاط کا یہی مقتضیٰ ہے ۔

اگر امام عورتوں کی نیت کرے

اگر کبھی یہ ثابت ہو جائے کہ حرمین شریفین کے امام عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں تو عورتوں کی نماز بہر حال صحیح ہو جائیگی خواہ الگ کھڑی ہوں یا مردوں کے ساتھ ۔

اگر مردوں کی صف میں ایک یا دو عورتیں کھڑی ہوئیں تو انکی دونوں جانب متصل اور انکے پیچھے سیدھ میں صرف صف اول میں کھڑے ہونے والے مردوں کی نماز نہ ہوگی، دوسری تیسری صف والوں کی ہو جائے گی۔

بوقت ابتلاء دائیں اور بائیں جانب والے مرد اپنی نماز کی یوں حفاظت کر سکتے ہیں کہ اپنے اور عورت کے درمیان ایک ہاتھ اونچی اور ایک انگلی کے برابر موٹی کوئی چھڑی وغیرہ گاڑلیں یا اتنا آگے بڑھ کر کھڑے ہوں کہ عورت کے پاؤں کی انگلیاں مرد کی ایڑی سے پیچھے رہ جائیں یا پاؤں کے نیچے کوئی چیز رکھ کر اتنے اونچے ہوجائیں کہ مرد کا پاؤں عورت کے ٹخنے سے اونچا ہوجائے اور زیلعی کی تصحیح کے مطابق یہ بھی کافی ہے کہ عورت کی پنڈلی اور ٹخنہ مرد کی ایڑی سے پیچھے ہو، اور عورت کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی نماز تب صحیح ہوگی کہ اپنے سامنے اپنے پورے عرض میں ایک ہاتھ اونچا تختہ وغیرہ کھڑا کرے یا عورت کے سر سے زیادہ بلندی پر کھڑا ہو۔

اگر دو سے زیادہ عورتوں کی صف ہو خواہ مردوں کے ساتھ ہو یا الگ تو ان کے پیچھے ان کی سیدھ میں آخر صفوف تک کے مردوں کی نماز نہ ہوگی، مردوں کے ساتھ ہوں تو دائیں بائیں جانب والے مرد کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

اگر عورتوں کی صف کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے ایک ہاتھ اونچا کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول عورتوں کے سر سے زیادہ بلند مقام پر ہو تو مردوں کی نماز کی صحت مختلف فیہ ہے قول صحت اوسع اور قول عدم صحت ارجح و احوط ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ عورتوں کے پیچھے مردوں کی صف اول کے سامنے کوئی حائل ہو یا مردوں کی صف اول بلندی پر ہو۔ اگر صف اول کے سامنے کوئی حائل نہیں بلکہ اس کے پیچھے والی کسی صف کے سامنے ہے یا پیچھے والی کوئی صف بلندی پر ہے تو کسی صف کی بھی نماز نہیں ہوگی۔

ازالۂ اشتباہات :

① اوپر اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء (ریاض) کی تحریر سے ثابت کیا گیا ہے کہ ائمۂ حرمین شریفین کے ہاں امامتِ نساء کی نیت ضروری نہیں، اس پر کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ شاید وہ مذہب حنفی کی رعایت سے امامتِ نساء کی نیت کر لیتے ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ رعایتِ مذہبِ غیر کے اہتمام کی سعادت صرف حنفیہ کو حاصل ہے، غیر مقلدین اور ائمۂ حرمین کی رعایتِ مذہبِ غیر سے بے اعتنائی بلکہ عمداً مخالفت عام مشہور و معروف ہے، معہٰذا دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

(۱) ان کے مذہب میں وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا واجب نہیں، صرف افضل ہے اور مذہب حنفی میں ناجائز ہے اور اس طرح وتر کا واجب ادا نہیں ہوتا، اسکا مقتضیٰ یہ تھا کہ رمضان میں جماعت وتر میں احناف کی رعایت سے دوسری رکعت پر سلام نہ پھیریں، مگر یہ لوگ دوسری رکعت پر لازماً سلام پھیرتے ہیں اور احناف کو علیحدہ جماعت کی بھی اجازت نہیں دی جاتی، بلکہ اُن کو شرکت پر مجبور کیا جاتا ہے، فتنہ وفساد اور احناف کی نماز کی بربادی قبول مگر رعایتِ مذہبِ غیر گوارا نہیں،

(۲) موسمِ حج میں منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں امامِ حج قصر کرتا ہے حالانکہ انکے نزدیک یہاں قصر واجب نہیں سنت ہے اور مذہب حنفی میں غیر مسافر کیلئے قصر جائز نہیں، اسکے باوجود امام قصر ہی کرتا ہے، احناف کی نماز کی کوئی پروا نہیں، بندہ نے ایکبار امام حرم ابو السمح سے گزارش کی کہ آپ گاڑی پر بقدرِ مسافتِ سفر چکر لگا کر عرفات پہنچیں تو ہمیں بھی آپ کی اقتدار میں نماز کا شرف مل جائے مگر وہ اس ایثار پر بھی تیار نہ ہوئے جس میں اُن کا ذرہ بھر بھی کوئی حرج نہ تھا۔

(۲) بعض کا خیال ہے کہ ائمۂ حرمین عدم امامت نسار کی نیت نہیں کرتے اور صحتِ صلوٰۃ نسار کے لئے اتنا کافی ہے، یہ خیال صحیح نہیں، شامیہ میں اسکی ترجیح تحریر ہے کہ نیت امامت کی نفی نہ کرنا کافی نہیں بلکہ ایجادِ نیتِ امامت ضروری ہے،

(۳) بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ امام کو یہ علم ہوتا ہی ہے کہ عورتیں اس کی اقتدار کر رہی ہیں بس یہی کافی ہے، یہ خیال بھی صحیح نہیں، امام کو اقتدارِ نسار کا علم کافی نہیں بلکہ امامتِ نسار کی نیت شرط ہے، علم ونیت میں فرق ظاہر ہے، قال فی التنویر لا (یشترط لصحۃ الاقتداء نیۃ، شرح) امامۃ المقتدی لو ام رجالا وان ام نساءً فان اقتدت بہ محاذیۃ لرجل فی غیر صلوٰۃ جنازۃ فلا بد من نیۃ امامتہا وان لم تقتد محاذیۃ اختلف فیہ (رد المحتار ص۳۹۵ ج۱) لفظ لو ام کے ساتھ اشتراطِ نیت کی بحث سے ثابت ہوا کہ علمِ اقتدار نیت کے قائم مقام نہیں، چنانچہ کسی منفرد کی کسی نے جہری نماز میں اقتدار کر لی اور اس کو علم بھی ہو گیا تو جبتک یہ نیتِ امامت نہیں کریگا اس پر جہر قراءت واجب نہ ہوگا،

تنبیہ : ائمۂ حرمین کا نیت امامتِ نسار نہ کرنا ہی بہتر ہے، اسلئے کہ اس صورت میں علیحدہ کھڑی ہونیوالی عورتوں کی نماز مشتبہ ہوئی جس سے احتراز ان عورتوں کے اختیار میں ہے کہ جماعت سے نماز نہ پڑھیں جو انکے لئے افضل بھی ہے، اور نیت امامتِ نسار میں یہ فساد ہے کہ عورتوں کی محاذاۃ یا تقدم کی صورت میں مردوں کی نماز نہیں ہوگی، اور اس سے احتراز بھی متعسر ہے، مردوں کی نمازِ حرم کو فساد سے بچانے کی فکر ہی اس تحریر میں محنت وکاوش کا محرک بنی، تقبل اللہ جھد المقل ولا حول ولا قوۃ الا بہ (اشکال وجواب تتمہ میں)

۹ جمادی الآخرہ سنہ ۹۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجھہ (رواہ البخاری)

انصراف الامام
الی
جہۃ الانام

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امام نماز فجر و عصر کے بعد اوراد و ادعیہ وہیں بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو اس کے لئے دائیں یا بائیں رُخ کرنے کی بجائے مقتدیوں کی طرف رُخ کرنا مسنون ہے۔

تنبیہ: اس تحریر میں کئی جگہ اوراد و ادعیہ اجتماعًا کا ذکر ہے، اس میں یہ تسہیل ہے کہ صورۃً ہیئت اجتماعیہ جائز ہی، امام اور مقتدیوں کا باہم ارتباط بدعت ہے، اس کی مدلّل تحقیق رسالہ "زبدۃ الکلمات" میں ہے۔ (نظر ثانی)

فاروق

نماز فجر و عصر کے بعد انحرافِ امام کی ہیئت

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد امام دائیں جانب مڑ کر بیٹھے یا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ دائیں جانب رُخ کر کے بیٹھنا مستحب ہے اور مقتدیوں کی طرف استقبال خلاف استحباب ہے۔ کیا ان مولوی صاحب کا یہ خیال درست ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

احادیث ذیل سے استحبابِ تیامن کا شبہہ ہو سکتا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ (رواہ مسلم)

وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ یقبل علینا بوجھہ (رواہ مسلم)

مگر ان احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے بلکہ شراح حدیث نے اس کے دوسرے مختلف مفہوم بیان فرمائے ہیں، چنانچہ علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث اول کی شرح میں فرماتے ہیں (کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ای احیانًا (ینصرف) ای عن مصلاہ (عن یمینہ) فی شرح السنۃ روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال اذا کانت حاجتہ عن یمینہ اخذ عن یمینہ وان کانت عن یسارہ اخذ عن یسارہ فقلت اذا کان المصلی لہ حاجۃ ینصرف الی جانب حاجتہ فان استویا الجانبان فینصرف الی ای جنب شاء والیمین اولی لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یحب التیامن فی کل شیء وکان یقبل علی الناس اذا لم یرد الخروج من المسجد بوجھہ من جانب یمینہ (مرقاۃ ص ۳۵۲ ج ۲)

اور دوسری حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں (یقبل علینا بوجھہ) ای عند السلام اوّلاً قبل ان یقبل علی من علی یسارہ وقیل معناہ یقبل علینا عند الانصراف (مرقاۃ ص ۳۵۳ ج ۲)

حاصل یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلّی سے اُٹھ کر کہیں تشریف لیجاتے وقت اور مسجد ہی میں بیٹھنے کی صورت میں مقتدیوں کی طرف انصراف میں تیامن کو پسند فرماتے تھے یعنی دائیں جانب سے گھوم کر مقتدیوں کی طرف رُخ فرماتے تھے، نہ یہ کہ دائیں جانب متوجہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ البتہ بعض فقہاء رحمہم اللہ

تعالیٰ نے دوسری حدیث سے توجہ الی الیمین کا مفہوم بھی لیا ہے کمافی شرح المنیۃ ونصہ فاذا تمّت صلوٰۃ الامام فهو مخیر ان شاء انحرف عن یسارہ وجعل القبلۃ عن یمینہ وان شاء انحرف عن یمینہ وجعل القبلۃ عن یسارہ وھذا اولی لما فی مسلم عن حدیث البراء کنا اذا صلینا خلف النبی علیہ السلام احببنا ان نکون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ فان مفهومہ ان وجھہ عند الاقبال علیھم کان یقابل من ھو عن یمینہ وذٰلک انما یکون اذا کان المسجد عن یمینہ والقبلۃ عن یسارہ (کبیری ص۳۴۳) وفی مراقی الفلاح ان الامام انحرف عن یسارہ وجعل القبلۃ عن یسارہ وھذا اولی لما فی مسلم کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم احببنا ان نکون عن یمینہ حتی یقبل علینا بوجھہ الخ معہٰذا ان حضرات نے دوسرے مفہوم بھی ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ مفہوم بالا بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ وقیل معناہ حتی یقبل علینا بوجھہ قبل من ھو عن یسارہ فیفید الانصراف عن یمینہ لانہ یجلس منحرفا لیستقبلھم فی القعود بعد الانصراف عن یمینہ کما فی حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مسلم ایضاً کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ (الی قولہ) والمراد من الانصراف الالتفات عن جھۃ الصلوٰۃ وھی القبلۃ اعم من ان یجلس بعدہا اولا (کبیری ص۳۴۳)

غرضیکہ اس حدیث کے مفہوم میں مختلف احتمالات ہیں۔ پس اگر احیاناً توجہ الی الیمین تسلیم بھی کرلی جائے تو اسکا جواز ثابت ہوا نہ کہ استحباب۔ آپ کی عام عادت شریفہ استقبال مأمومین کی تھی۔ کما روی الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجھہ، قال العلامۃ القاری رحمہ اللہ تعالیٰ قال الابھری والصحیح ان معناہ انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فرغ من الصلوٰۃ استقبل المأمومین (مرقاۃ ص۳۵۲ ج ۲)

کلام فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ :

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اسی ہیئت پر قائم رہنا بدعت ہے۔ اسلئے امام اپنی ہیئت تبدیل کرے جس کی مختلف صورتیں ہیں، یعنی یا تو مصلی سے اٹھ کر چلا جائے یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف مڑکر بیٹھے۔ اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ان کو ادا کرنے کے لئے مصلی سے آگے یا پیچھے یا دائیں یا بائیں طرف ہٹ کر پڑھے۔ امام ۲۴ کے اسی ہیئت پر مستقبل قبلہ رہنے میں نو وارد کو بقاء جماعت کا اشتباہ ہوسکتا ہے خطرہ ہے

کہ کوئی اقتدار کرلے اور اسکی نماز صحیح نہو اسلئے امام کا ہیئت نہ بدلنا مکروہ ہے۔ قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا فرغ الامام من الصلوٰۃ فلا یخلوا اما ان کانت صلوٰۃ لا تصلی بعدھا سنۃ کالفجر والعصر فان شاء الامام قام وان شاء قعد فی مکانہ یشتغل بالدعاء لانہ لا تطوع بعد ھاتین الصلاتین فلا بأس بالقعود الا انہ یکرہ المکث علی ہیئتہ مستقبل القبلۃ لما روی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من الصلوٰۃ لا یمکث فی مکانہ الا مقدار ان یقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام وروی جلوس الامام فی مصلاہ بعد الفراغ مستقبل القبلۃ بدعۃ ولان مکثہ یوھم الداخل انہ فی الصلوٰۃ فیقتدی بہ فیفسد اقتداؤہ فکان المکث تعریضا لفساد اقتداء غیرہ بہ فلا یمکث ولکنہ یستقبل القوم بوجھہ ان شاء ان لم یکن بحذائہ احد یصلی لما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من صلاۃ الفجر استقبل بوجھہ اصحابہ وقال ھل رأی احد کم رؤیا کأنہ کان یطلب رؤیا فیھا بشری بفتح مکۃ فان کان بحذائہ احد یصلی لا یستقبل القوم بوجھہ لان استقبال الصورۃ فی الصلوٰۃ مکروہ لما روی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأی رجلا یصلی الی وجہ غیرہ فعلاھما بالدرۃ وقال للمصلی اتستقبل الصورۃ وللاٰخر اتستقبل المصلی بوجھک وان شاء انحرف لان بالانحراف یزول الاشتباہ کما یزول بالاستقبال ثم اختلف المشائخ فی کیفیۃ الانحراف قال بعضھم ینحرف الی الیسار لیکون یسارہ الی الیمین وقال بعضھم ھو مخیر ان شاء انحرف یمنۃ وان شاء یسرۃ وھو الصحیح لان ما ھو المقصود من الانحراف وھو زوال الاشتباہ یحصل بالامرین جمیعا۔ وان کانت صلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ لہ المکث قاعدا وکراھۃ مرویۃ عن الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم روی عن ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انھما کانا اذا فرغا من الصلوٰۃ قاما کانھما علی الرضف ولان المکث یوجب اشتباہ الامر علی الداخل فلا یمکث ولکن یقوم ویتنحی عن ذٰلک المکان ثم یتنفل لما روی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ایعجز احد کم اذا فرغ من صلوٰتہ ان یتقدم او یتأخر وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ کرہ للامام ان یتنفل فی المکان الذی امّ فیہ ولان ذلک یؤدی الی اشتباہ الامر علی الداخل فینبغی ان یتنحی ازالۃ

للاشتباہ او استکثارا من شہودہ علی ماروی ان مکان المصلی یشھد لہ یوم القیامۃ

(بدائع الصنائع ص۱۶۰ ج۱)

غرضیکہ تبدیل ہیئت سے اصل مقصد ازالۂ اشتباہ ہے جو مذکورہ بالا سب صورتوں میں حاصل ہے اسلئے امام کا مصلی سے اُٹھ کر چلے جانا یا دائیں یا بائیں یا مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھنا فی نفسہٖ تحصیل مقصد کے لئے یہ سب صورتیں برابر ہیں، مگر بعض وجوہ کی بِنا پر مقتدیوں کے استقبال کی صورت راجح ہے۔

وجوہ ترجیح :

① حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادتِ مبارکہ استقبال مأمومین کی تھی کما رویٰنا عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی صلوٰۃ اقبل علینا بوجھہ (رواہ البخاری)

ولما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا فرغ من صلوٰۃ الفجر استقبل بوجھہ اصحابہ الخ (بدائع الصنائع)

② قال فی الھندیۃ ویستقبل بوجھہ اذا لم یکن بحذائہ مسبوق فان کان ینحرف یمنۃً او یسرۃً والصیف والشتاء سواء ھو الصحیح کذا فی الخلاصۃ

(عالمگیریہ ص۷۷ ج۱)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ اصل حکم استقبال مأمومین ہے اور دائیں یا بائیں طرف انحراف محاذاتِ مسبوق کے عارض کی حالت میں ہے۔ امداد الفتاوی میں فقہ حنبلی سے بھی صرف استقبال مأمومین کی صورت منقول ہے۔ ونصہ ویکرہ للامام استقبال القبلۃ بل یستقبل المأمومین لما تقدم انہ ینحرف الیھم اذا سلم (امداد الفتاوی ص۵۷ ج۱)

③ تیامن وتیاسر میں بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت بن جاتی ہے جو حرمتِ مسلم کے خلاف ہے۔ استدبار کعبہ واستقبال مأمومین کی حکمت حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حرمتِ مسلم حرمت کعبہ سے زیادہ ہے۔ تیامن وتیاسر میں اگرچہ استدبار جیسی قباحت نہیں مگر کسی قدر صورتِ اعراض ضرور پائی جاتی ہے۔

④ شرعاً سلام کے بعد امام اور مقتدیوں کا رابطہ بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے سلام کے بعد کی مجلس عام مجالس کی طرح ہے اور عام مجلس میں تقابل کی بجائے کسی کا پہلوتہی اختیار کرنا

معیوب اور آدابِ مجلس کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

غرضیکہ تیامن سے استقبال اولیٰ وافضل ہے۔ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں تیامن کی اولویت بیان فرمائی ہے وہ بنسبت تیاسر کے ہے۔ کما ھو ظاھر من عبارۃ الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ استقبال تیامن سے بھی اَولیٰ ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بوجوہِ ذیل تیامن مکروہ اور بدعت ہے۔

① آجکل تیامن کا اسقدر التزام ہونے لگا ہے کہ اس کے تارک پر نکیر کی جاتی ہے، حالانکہ امر مندوب بھی التزام کی وجہ سے مکروہ ہو جاتا ہے۔ قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ (متفق علیہ) قال الطیبی و فیہ ان من اصر علی امر مندوب وجعلہ عزما ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال (مرقاۃ ص۳۵۳ ج ۲)

② اس زمانہ میں فرائض سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا سے فراغت تک امام اور مقتدی آپس میں رابطہ قائم رکھتے ہیں۔ اَوراد اور دعا میں اشتراک واجتماع کی صورت ہوتی ہے، مقتدیوں کے ساتھ اس تعلق کا مقتضیٰ یہ ہے کہ بعض مقتدیوں سے اعراض کی صورت نہ پائی جائے۔ کما لا یجوز الاعراض عن البعض فی صورۃ التعلیم قال فی اعلاء السنن شارحا لکیفیۃ انصرافہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا اراد تعلیم القوم استقبلہم جمیعا وجعل ظھرہ نحو القبلۃ ولا یجری احتمال التعلیم فی الوجھین الاولین (التیامن والتیاسر) لان فیہما الاقبال علی البعض دون البعض وھذا یخالف ما ثبت فی حدیث الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما عند الترمذی فی شمائلہ من عادتہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یعطی کل جلسائہ نصیبہ حتی لا یحتسب جلیسہ ان احدا اکرم علیہ منہ (اعلاء السنن ص۱۸۹ ج ۳)

③ اوراد ودعا میں مقتدیوں کے ساتھ اشتراک کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مقتدیوں کی طرف رُخ کیا جائے مگر اس کے باوجود تیامن کو ترجیح دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں کسی مزید خصوصیت اور زیادہ ثواب کا عقیدہ ہے لہٰذا یہ عمل بدعت ہو جائے گا۔

اسی لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی اجتماعی دعا کا ذکر فرمایا ہے وہاں صرف صورت استقبال ہی بیان فرمائی ہے۔ تیامن وتیاسر کو ذکر نہیں فرمایا اور جہاں استقبال کے ساتھ تیامن وتیاسر مذکور ہے وہاں اجتماعی دعا کا ذکر نہیں، قال العلامۃ الشرنبلالی رحمہ اللہ

تعالیٰ ویستحب للامام بعد سلامه ان یتحول الی یسارہ لتطوع بعد الفرض وان یستقبل بعدہ الناس یستغفرون اللہ ویقرؤن اٰیۃ الکرسی والمعوذات ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونہ کذلک ویکبرونہ کذلک ثم یقولون لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم ثم یمسحون بھا وجوھھم فی اٰخرہ (نور الایضاح ص۹۷)

عبارت مذکورہ میں اجتماعی صورتیں اوراد و دعا مذکور ہے اسلئے تیامن وتیاسر کی صورتیں بیان نہیں فرمائیں بلکہ صرف استقبال کا ذکر فرمایا ہے۔ مراقی الفلاح میں اس مقام پر تیامن، تیاسر او ذہاب بھی مذکور ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ذہاب کی طرح تیامن وتیاسر بھی اس صورت میں ہے جبکہ امام او مقتدیوں کے مابین کوئی رابطہ نہ ہو۔ اجتماعی دعا کی تبدیع "زبدۃ الکلمات" میں ہے۔

(۴) آجکل بالعموم یہ خبر سننے میں آرہی ہے کہ اکثر لوگ اس حالتیں استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھتے ہیں اور امام کو تیامن پر مجبور کرتے ہیں یہ دین میں زیادتی اور بدعت ہے۔ روی الامام ابن ماجۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن عراک عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم یکرھون ان یستقبلوا بفروجھم القبلۃ فقال اراھم قد فعلوھا استقبلوا بمقعدتی القبلۃ۔ اس روایت کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ لوگ بول و براز کے علاوہ دوسرے حالات میں بھی استقبال و استدبار قبلہ کو مکروہ سمجھنے لگے تھے، اس غلو فی الدین کی اصلاح اور زعم باطل کی تردید کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجلس میں میری نشستگاہ کو قبلہ رُخ کردیا جائے۔ (ہدیۃ المجتنی)

غرضیکہ امام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔ البتہ اگر امام کے سامنے پہلی صف میں کوئی مسبوق ہو تو اسکا استقبال مکروہ ہے لہٰذا اس صورتیں تیامن یا تیاسر کرے۔ اگر پہلی صف کے پیچھے والی کسی صف میں مسبوق ہو تو اسکے استقبال کے جواز میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ قول کراہت نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں واستظھر ابن امیر حاج فی الحلیۃ خلاف ھذا فقال الذی یظھر انہ اذا کان بین الامام والمصلی بحذائہ رجل جالس ظھرہ الی المصلی لا یکرہ للامام استقبال القوم لانہ اذا کان سترۃ للمصلی لا یکرہ المرور ورائہ فکذا ھنا وقد صرحوا بانہ لو صلی الی وجہ انسان و بینھما ثالث ظھرہ الی وجہ المصلی لم یکرہ ولعل محمدا رحمہ اللہ تعالیٰ لم یقید بذلک للعلم بہ (رد المحتار ص۳۳۲ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۰ ذی قعدہ سنہ ۹۷ ہجری

الحاق: عقد الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب یستقبل الامام الناس اذا سلم، واورد لاثباتہ ثلاثۃ

احادیث۔ قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ وسیاق سمرۃ ظاہرہ انہ کان یواظب علی ذلک، قیل الحکمۃ فی استقبال المأمومین ان یعلمہم ما یحتاجون الیہ فعلی ھذا یختص بمن کان فی مثل حالہ صلی اللہ علیہ وسلم من قصد التعلیم والموعظۃ (فتح الباری ص۲۷۱ ج ۲) وذکر الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ ایضاً نحو ذلک من الحکمۃ والاختصاص (عمدۃ القاری ص۱۳۸ ج ۲) وقال الشیخ الجنجوھی رحمہ اللہ تعالیٰ اراد بذلک الباب اثبات ان ذلک جائز لاضیر فیہ واما اثبات المداومۃ علیہ وانہ السنۃ فغیر مقصود ھھنا وان کان صحیحا فی نفسہ (لامع الدراری ص۳۲۴ ج ۱) وقال الشیخ انور رحمہ اللہ تعالیٰ اعلم ان الامام اذا اراد الانصراف الی بیتہ سلم وانصرف وان اراد القعود فالسنۃ لہ ان یستقبل القوم وبہ جزم المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ وصرح بہ الجوزجانی فی مبسوطہ واما التیامن والتیاسر المعمول بھما فی زماننا فلیسا من السنۃ فی شیء وانما ھما عند ارادۃ الانصراف الی البیت لاعند الجلوس بعد الصلوٰۃ فعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند الترمذی انہ قال ان کانت حاجتہ عن یمینہ اخذ عن یمینہ وان کانت حاجتہ عن یسارہ اخذ عن یسارہ فھما عند الانصراف لحاجتہ وما عن البراء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند ابی داود من حبھم بکونھم فی میمنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو ان یقع بصرہ علیھم عند التسلیم اولا لاعند الجلوس بعد الصلوٰۃ دائما وغلط فیہ الناس عن عبارات بعض المتأخرین مع انھم ارادوا بیان الجواز الفقھی فحملوہ علی بیان السنۃ فان کنت ترید السنۃ فالسنۃ فی الاستقبال وان کنت ترید الجواز فافعل ما شئت (فیض الباری ص۳۱۶ ج ۲) ان عبارات سے ثابت ہوا کہ امام بخاری، عسقلانی، عینی، حضرت گنگوہی اور حضرت کشمیری رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف استقبال ہی مسنون ہے۔ عسقلانی وعینی کی عبارت میں مذکورہ حکمت بصیغۂ تمریض منقول ہے اس کو وجہ اختصاص قرار دینا غیر معقول ہے اس لئے کہ مقتدیوں کے حالات سے اطلاع اور ان کی اصلاح ہر امام کے ذمہ ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے اگرچہ ترجمۃ الباب سے اثبات سنیت کو غیر مقصود قرار دیا ہے مگر معہذا نفس سنیت کی تصریح فرمائی ہے، حاشیۂ لامع الدراری اور اعلاء السنن میں احادیث انصراف میں مختلف احتمالات اور ان کے تحت مختلف خیالات لکھے ہیں وفی ماذکرنا کفایۃ ونسأل اللہ ھدایۃ، ولہ الحمد فی البدایۃ والنہایۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۷ھ

ع تیامن وتیاسر فی نفسہ جائز ہے مگر اس کو سنت سمجھنا اور سنیت کو اس میں منحصر قرار دینا، اس پر اصرار اور سنت استقبال سے انکار نیز اجتماعی اوراد ودعا کے باوجود مقتدیوں سے اعراض بدعت ہے۔ ۱۲ منہ

باب المسبوق واللاحق

مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹ گیا:

سوال :- زید مقتدی نے امام کے ساتھ ایک سجدہ کرکے دوسرا سجدہ نہ کیا یعنی دوسرے سجدہ میں سوگیا، اور دوسرے سجدہ کے بعد آنکھ کھل تو امام کے ساتھ قیام کیا، تو آیا زید کی نماز ہوئی یا نہیں! نہیں ہوئی تو کس طرح ادا کرے، از سر نو ادا کرے یا آخر میں بعد سلام امام کے ایک سجدہ کرکے سجدۂ سہو کرے تو مذکورہ طریقہ پر نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ شخص لاحق ہے، اس پر واجب تھا کہ آنکھ کھلنے کے بعد دوسرا سجدہ کرکے امام کا اتباع کرتا، اس وقت سجدہ نہیں کیا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک سجدہ کرکے تشہد دوبارہ پڑھکر سلام پھیرنے سے نماز صحیح ہوجائے گی، مگر ترکِ واجب سے گنہگار ہوگا، سجدۂ سہو واجب نہیں، کیونکہ مقتدی کے ترکِ واجب سے سجدۂ سہو یا اعادہ واجب نہیں ہوتا، نقل فی الشامیۃ عن البحر وحکمہ انہ یبدأ بقضاء ما فاتہ بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط حتی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثۃ واستیقظ فی الرابعۃ فانہ یأتی بالثالثۃ بلا قراءۃ فاذا فرغ منہا صلی مع الامام الرابعۃ وان فرغ منہا الامام صلاھا وحدہ بلا قراءۃ ایضاً فلو تابع الامام ثم قضی الثالثۃ بعد سلام الامام صح واثم اھ (رد المحتار ص ۵۵۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان المبارک ۸۷ھ

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے:

سوال :- کیا مسبوق پر بھی امام کی متابعت میں تشہد پڑھنا واجب ہو؟ اگر نہیں پڑھا تو نماز ہوجائے گی یا نہیں اور گناہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی متابعت میں مسبوق پر بھی تشہد واجب ہے، چھوڑنے سے گناہ ہوگا مگر نماز ہوجائے گی،

لما فی واجبات الشامیة والحاصل ان متابعة الامام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبة (رد المحتار ص ۴۳۹ ج ۱) وفی العلائیة بخلاف سلامه او قیامه لثالثة قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لایتابعه بل یتمه لوجوبه ولو لم یتم جاز وفی الشامیة وشمل باطلاقه ما لو اقتدی به فی اثناء التشهد الاول او الاخیر الخ (قوله ولو لم یتم جاز) ای صح مع کراهة التحریم کما افاده ح الخ (رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱) وفی سجود السهو من الشامیة عن شرح المنیة عن القنیة من ادرک الامام فی القعدة الاولی فقعد معه فقام الامام قبل شروع المسبوق فی التشهد فانه یتشهد تبعاً التشهد امامه اھ (رد المحتار ص ۶۹۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول ۸۸ھ

مسبوق کے بیٹھتے ہی امام قعدۂ اولیٰ سے اٹھ گیا:

سوال:۔ اگر کسی شخص کے بیٹھتے ہی امام قعدۂ اولیٰ سے کھڑا ہوگیا اور یہ شخص التحیات نہ پڑھ سکا تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں مسبوق تشہد پورا کرکے اٹھے، بدون تشہد پورا کئے امام کا اتباع مکروہ تحریمی ہے، مگر نماز ہوجائے گی، آخری قعدہ میں شریک ہونے والے کا بھی یہی حکم ہے، کہ اس کا تشہد پورا ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو تشہد پورا کرکے کھڑا ہو، قال فی الدر بخلاف سلامه او قیامه لثالثة قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لایتابعه بل یتمه لوجوبه ولو لم یتم جاز وفی الشامیة (قوله فانه لایتابعه الخ) ولو خاف ان تفوته الرکعة الثالثة مع الامام کما صرح به فی الظهیریة وشمل باطلاقه ما لو اقتدی به فی اثناء التشهد الاول او الاخیر فحین قعد قام امامه او سلم ومقتضاه انه یتم التشهد ثم یقوم ولم اره صریحا ثم رأیته فی الذخیرة ناقلاً عن ابی اللیث المختار عندی انه یتم التشهد وان لم یفعل اجزأه اھ وللہ الحمد (قوله ولو لم یتم جاز) ای صح مع کراهة التحریم کما افاده ح رد المحتار ص ۴۶۳ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الآخرہ ۸۸ھ

مسبوق نے امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ نہ کیا:

سوال:۔ زید مسبوق امام کے ساتھ آخری قعدہ میں نہ بیٹھا، اور کھڑا ہوگیا۔ اور چار رکعات

ادا کرلیں اور آخری قعدہ کرکے سجدۂ سہو کرلیا تو زید کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور امام کی متابعت قصداً یا سہواً نہ کرنے سے کسی قسم کا گناہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے قبل مسبوق نے جو قراءت، قیام وغیرہ ارکان ادا کئے وہ معتبر نہیں، قدر تشہد سے امام کی تشہد سے فراغت مراد نہیں، بلکہ اتنا وقت مراد ہے جس میں جلدی سے جلدی تشہد پڑھا جا سکتا ہے، اگر ایک یا دو رکعتوں میں مسبوق ہو اور اس نے امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ تلاوت کی ہو تو اس کی نماز ہو جائے گی، ورنہ نہیں، اور اگر تین یا چار رکعات میں مسبوق ہے تو اس کی نماز کی صحت کے لئے یہ شرط نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ امام کے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد بھی مسبوق کے قیام کا کچھ حصہ پایا جائے اگرچہ اس میں قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ قراءت نہ کی ہو، بشرطیکہ اس کے بعد دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے،

بصورت عمد عدم متابعت امام کا گناہ ہوگا، ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، سجدۂ سہو بہر صورت واجب نہیں، اس لئے کہ مقتدی کا ترک واجب موجب سجدۂ سہو نہیں، قال فی العلائیۃ ولو قام قبل السلام هل یعتد بادائه ان قبل قعود الامام قدر التشهد لا وان بعده نعم وکره تحریما الا لعذر، و فی الشامیۃ (قوله لا) ای لا یعتد بما اداہ قبل قعود امامه من قیام وقراءة و انما یعتد بما اداہ بعده قال فی الفتح ولو قام قبله ای قبل قدر التشهد قال فی النوازل ان قرأ بعد فراغ الامام من التشهد ما تجوز به الصلوٰة جاز والا فلا، هذا فی المسبوق برکعة او رکعتین فان کان بثلاث فان وجد منه قیام بعد تشهد الامام جاز وان لم یقرأ لانه سیقرأ فی الباقیتین والقراءة فرض فی رکعتین اھ (رد المحتار ص ۵۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رشعبان ۸۸ھ

مسبوق باقی نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟:

سوال:- مسبوق اپنی باقی نماز پوری کرنے کے لئے کس وقت کھڑا ہو؟ امام کے دائیں جانب سلام پھیرنے کے ساتھ ساتھ، یا بعد، یا امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنی تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدۂ سہو نہ ہونا معلوم ہو جائے، قال فی الهندیۃ وینبغی للمسبوق ان یمکث ساعة بعد

سلام الامام لجواز ان یکون علی الامام سهو (عالمگیریة ص ۶۶ ج ۱) وفی العلائیة وینبغی ان یصبر حتی یفهم انه لاسهو علی الامام (رد المحتار ص ۵۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۳ھ

امام پانچویں رکعت کے لئے اٹھ گیا تو مسبوق کیا کرے ؟ :

سوال :۔ مندرجہ ذیل فتویٰ تصدیق طلب ہے ؛

اگر امام چوتھی رکعت پر بیٹھ کر پانچویں کے لئے کھڑا ہو تو مسبوق اس کی پیروی نہ کرے بلکہ خاموش بیٹھ کر انتظار کرے، اگر امام لوٹ آئے تو مسبوق اس کے ساتھ سجدۂ سہو کرکے امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو جائے اور اگر امام نہ لوٹے تو مسبوق اپنی نماز پوری کرلے، لیکن بعد میں جبکہ مسبوق نے ابھی ایک رکعت نہ پڑھی ہو امام کی نماز کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو، اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، (الدر المختار ص ۵۷۱ ج ۱، البحر الرائق ص ۲۷۰ ج ۱)

اور اگر امام قعدۂ اخیرہ کئے بغیر زائد رکعت میں کھڑا ہو گیا تو بھی مسبوق انتظار کرے، اگر امام پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے لوٹ آئے تو مسبوق سجدۂ سہو کے بعد امام کے سلام پر کھڑا ہو جائے اور اپنی نماز پوری کرے، لیکن اس صورت میں اگر امام نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی (امداد الفتاویٰ، ص ۲۴۰ ج ۱)

اور دونوں صورتوں میں اگر مسبوق بغیر امام کا انتظار کئے اپنی نماز پوری کرنا شروع کردے تو مکروہ تحریمی ہے، اس لئے اگر امام پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آئے اور مسبوق ابھی تک فارغ نہیں ہوا ہو تو اب امام کے ساتھ ہو جائے اور سجدۂ سہو کے بعد امام کے سلام پھیرنے پر کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرلے، اور اگر امام کے ساتھ شامل نہ ہوا تو اپنی نماز کے آخر میں اُسے سجدۂ سہو کرنا لازم ہے،

الجواب باسم ملهم الصواب

تحریر مذکور میں مندرجہ ذیل نقائص ہیں :۔

(۱) مسبوق کے انتظارِ عودِ امام کی حد نہیں بتائی گئی، اس کو امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ تک انتظار کرنا چاہئے،

(۲) امام کے قعدۂ اخیرہ کے بعد قیام کی صورت میں لکھا گیا ہے " اگر مسبوق نے کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہو اس کے بعد امام کی نماز فاسد ہو جائے یا نفل ہو جائے تو مسبوق کی نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا،، اس میں یہ تسامح ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے بعد نفل ہو جانے کا کوئی احتمال نہیں، یہ احتمال

ترکِ قعدۂ اخیرہ کی صورت میں ہے،

③ امداد الفتاویٰ سے جو حکم بطلان نقل کیا گیا ہے اس سے بطلانِ فرضیت مراد ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام کی نماز نفل ہوگئی، جس مقتدی مدرک نے سلام پھیر دیا خواہ امام کی پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پھیرا یا بعد بہرصورت اس کی نماز باطل ہوگئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (تتمۃ) یتفرع ایضاً علی قولہ والعبرۃ للامام مافی البحر عن الخانیۃ لوتشہد المقتدی وسلم قبل ان یقید الخامسۃ بالسجدۃ ثم قیدھا بہا فسدت صلوتہم جمیعا (رد المحتار ص۱۹۹ ج۱)

مدرک یا مسبوق نے امام کا اتباع کیا تو اس کی نماز نفل ہوگئی، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قبیل باب الاستخلاف فان قیدھا بسجدۃ انقلبت صلوتہ نفلاً فان ضم الیہا سادسۃ ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضی ماسبق بہ وتکون لہ نافلۃ کالامام ولاقضاء علیہ لو افسدہ لانہ لم یشرع فیہ قصداً (حتی رد المحتار ص۵۶۰ ج۱) مسبوق نے بقیہ نماز انفراداً شروع کردی تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، لانہ قام الی قضاء ماسبق بہ قبل تشہد الامام،

④ پانچویں رکعت میں اتباعِ امام کا حکم نہیں لکھا گیا، اس میں یہ تفصیل ہے کہ امام قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہوا اور مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو اس کی نماز اسی وقت فاسد ہوگئی، اور امام بدون قعدہ کے کھڑا ہوگیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے امام اور مسبوق و مدرک سب کی نماز نفل ہوگئی؛ قال فی العلائیۃ ولو قام امامہ لخامسۃ فتابعہ ان بعد القعود تفسد والا لاحتی یقید الخامسۃ بسجدۃ (وفی الشامیۃ (قولہ والا لا) ای وان لم یقعد وتابعہ المسبوق لا تفسد صلوتہ لان ماقام الیہ الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوۃ فان قیدھا بسجدۃ انقلبت صلوتہ نفلاً فان ضم الیہا سادسۃ ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضی ماسبق بہ وتکون لہ نافلۃ کالامام (رد المحتار ص۵۶۰ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم؛

۱۱ر ذیقعدہ ۹۳ھ

امام قعدۂ اخیرہ کے بعد اُٹھ گیا، مسبوق نے اس کا اتباع کیا تو نماز فاسد ہوگئی:

سوال :۔ آخری قعدہ کے بعد امام سہواً کھڑا ہوگیا، اس کے ساتھ مسبوق بھی کھڑا ہوگیا، لقمہ ملنے پر امام نے واپس آکر سجدۂ سہو کرکے نماز پوری کرلی، مسبوق نے بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو کیا اور امام کے سلام کے بعد اپنی باقی نماز پوری کرلی، تو اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں کھڑے ہوتے ہی مسبوق کی نماز فاسد ہوگئی، اس پر لازم تھا کہ بیٹھا رہتا اور امام کے لوٹنے کا انتظار کرتا، قال فی شرح التنویر قبیل باب الاستخلاف ولو قام امامہ لخامسۃ فتابعہ ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسۃ بسجدۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ان بعد القعود) ای قعود الامام القعدۃ الاخیرۃ (قولہ تفسد) ای صلوۃ المسبوق لانہ اقتداء فی موضع الانفراد ولان اقتداء المسبوق بغیرہ مفسد کما مر (قولہ والا) ای وان لم یقعد وتابعہ المسبوق لا تفسد صلوتہ لان ما قام الیہ الامام علی شرف الرفض ولعدم تمام الصلوۃ فان قیدھا بسجدۃ انقلبت صلوتہ نفلاً فان ضم الیہا سادسۃ ینبغی للمسبوق ان یتابعہ ثم یقضی ما سبق بہ وتکون لہ نافلۃ کالامام ولا قضاء علیہ لو افسدہ لانہ لم یشرع فیہ قصداً اھ رحمتی (رد المحتار ص ۵۶۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ر شعبان سنہ ۹۹ھ

لاحق کی فوت شدہ نماز پوری ہونے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا:

سوال:۔ لاحق کو قعدۂ آخری ملا اور اتنے وضو کرکے آیا اتنے میں ایک رکعت نکل گئی، تو کیا یہ لاحق ایک رکعت پہلے ادا کرے، یا امام کے ساتھ قعدۂ آخری میں شامل ہوکر بعد سلام امام کے ایک رکعت ادا کرے؟ کیونکہ اگر پہلے رکعت پڑھے گا تو امام سلام پھیر کر نماز ختم کردے گا، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ شخص شرائط بناء سے واقف نہیں یا اس نے شرائط کی پابندی نہیں کی، تو یہ لاحق نہیں بلکہ مسبوق ہے، اس لئے نئی نیت کرکے امام کے ساتھ شرکت کرے اس کے بعد فوت شدہ رکعات پڑھے، البتہ جو شخص شرائط بناء سے واقف ہو اور ان شرائط کی پابندی بھی کرے تو وہ لاحق ہے، لاحق اولاً فوت شدہ رکعت ادا کرے، اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہوجائے، ورنہ تنہا ادا کرے، قال فی العلائیۃ ویبدأ بقضاء مافاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادراکہ والا تابعہ ثم صلی ما نام فیہ بلا قراءۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ان امکنہ ادراکہ) قید لقولہ ویبدأ ثم یتابع وقولہ والا تابعہ الخ تصریح بمفہوم ھذا الشرط ولیس بصحیح والصواب ابدال قولہ ان امکنہ ادراکہ بقولہ ان ادرکہ مع اسقاط ما بعدہ

ومن التعبیر ان یقول وبید أ بقضاء ما فاته بلا قراءة عکس المسبوق ثم یتابع امامه ان ادرك ثم ما سبق به الخ ففی شرح المنیة وحکمه انه یقضی ما فاته اوّلاً ثم یتابع الامام ان لم یکن قد فرغ وفی النتف اذا توضأ ورجع یبدأ بما سبقه الامام به ثم ان ادرك الامام فی شیء من الصلاة یصلی معه اھ وفی البحر وحکمه انه یبدأ بقضاء ما فاته بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط حتی لو عکس یصح الخ (رد المحتار ص۵۵۵ ج۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کیا پڑھے؟:

سوال:- مسبوق کو امام کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف و دعاء بھی پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسبوق امام کے قعدۂ اخیرہ میں درود شریف اور دعاء نہ پڑھے، بلکہ تشہد سے فراغت کے بعد خاموش رہے، یا کلمۂ شہادت یا تشہد کا تکرار کرے، سب سے بہتر یہ ہے کہ تشہد ٹھیر ٹھیر کر پڑھے، تاکہ امام کے سلام کے ساتھ تشہد سے فراغت ہو، قال فی شرح التنویر واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة، وفی الشامیة (قوله فیترسل) ای یتمهل وھذا ما صححه فی الخانیة وشرح المنیة فی بحث المسبوق من باب السهو وباقی الاقوال مصحح ایضاً قال فی البحر وینبغی الافتاء بما فی الخانیة کما لا یخفی ولعل وجهه کما فی النهر انه یقضی آخر صلوته فی حق التشهد ویأتی فیه بالصلوٰة والدعاء وھذا لیس آخراً قال ح وھذا فی قعدة الامام الاخیرة کما ھو صریح قوله لیفرغ عند سلام امامه واما فیما قبلها من القعدات فحکمه السکوت کما لا یخفی اھ ومثله فی الحلیة (قوله وقیل یکرر کلمة الشهادة) کذا فی شرح المنیة والذی فی البحر والحلیة والذخیرة یکرر التشهد، تأمل۔ (رد المحتار ص۴۷۷ ج۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ شعبان ۹۷ھ

مدرک اور مسبوق کے لئے ثناء کا حکم:

سوال:- مدرک اور مسبوق نماز میں امام کی قراءت شروع ہونے کے بعد شریک ہو تو اس کو ثناء پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام کی جہری قراءت کے ساتھ نہ پڑھے، اگر مسبوق ہو تو قضاء مافات کے وقت پڑھ لے، سری نماز میں امام کے ساتھ بھی پڑھے، اور قضاء مافات کے وقت بھی دوبارہ پڑھ لے، قال فی التنویر الا اذا کان مسبوقا وامامه یجهر بالقراءة فلا یأتی به، وفی الشامیة وینبغی التفصیل ان الامام یجهر لایثنی وان کان یسر یثنی فکان المعتمد ما مشی علیه المصنف فافهم (رد المحتار ص ۴۵۶ ج ۱) وقال الحلبی رحمه الله تعالیٰ فی الغنیة والمسبوق یأتی بالثناء اذا ادرک الامام حالة المخافتة ثم اذا قام الی قضاء ماسبق به یأتی به ایضا کذا ذکره فی الملتقط ووجهه ان القیام الی قضاء ماسبق کتحریمة اخری للخروج به فاحکم الاقتداء الی حکم الانفراد الخ (کبیری، ص ۲۹۷) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۱۱ رمضان المبارک ۹۷ھ

مسبوق امام کی سری قراءت کے ساتھ ثناء پڑھ سکتا ہے:

سوال:۔ امام سری نماز کی قراءت کر چکا ہو، اس کے بعد کوئی شخص نماز میں شریک ہوا تو وہ اسی حال میں ثناء پڑھ لے؟ اس پر یہ اشکال ہے کہ جب امام کی سری قراءت کے ساتھ بھی مقتدی کو قراءتِ فاتحہ جائز نہیں تو ثناء کیونکر جائز ہے؟ تشفی بخش جواب سے ممنون فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قراءتِ جہریہ میں تو مقتدی پر استماعِ قراءت کے لئے انصات فرض ہے، مگر قراءتِ سریہ میں حکمِ انصات اس لئے ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے، چونکہ امام کی ثناء مقتدی کی ثناء نہیں اس لئے مقتدی ثناء پڑھے گا، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وعلله فی الذخیرة بما حاصله ان الاستماع فی غیر حالة الجهر لیس بفرض بل یسن تعظیما للقراءة فکان سنة غیر مقصودة لذاتها وعدم قراءة المؤتم فی غیر حالة الجهر لا لوجوب الانصات بل لان قراءة الامام له قراءة واما الثناء فهو سنة مقصودة لذاتها ولیس ثناء الامام ثناء للمؤتم فاذا ترکه یلزم ترک سنة مقصودة لذاتها للانصات الذی هو سنة تبعا بخلاف ترک حالة الجهر اھ (رد المحتار، ص ۴۵۶، ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۶ شوال ۹۹ھ

راجح یہ ہے کہ ثناء نہ پڑھے خواہ قراءت جہریہ ہو یا سریہ، تفصیل تتمہ میں ہے۔

تین رکعات کا مسبوق قعدۂ اولیٰ کب کرے؟:

سوال:- ایک شخص نمازِ رباعی میں چوتھی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا، اس نے باقی تین رکعتیں اس طرح ادا کیں کہ پہلی رکعت پر قعدہ کی بجائے دوسری رکعت پر قعدہ کیا، اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولیٰ یہ ہے کہ مسبوق ایک رکعت کے بعد قعدہ کرے، اگر دو رکعت کے بعد قعدہ کیا تو بھی کچھ حرج نہیں، قال فی العلائیۃ ویقضی اول صلوٰتہ فی حق قراءۃ وآخرها فی حق تشہد، فمدرک رکعۃ من غیر فجر یأتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشہد بینہما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط، ولا یقعد قبلها، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ھذا قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کما فی مبسوط السرخسی وعلیہ اقتصر فی الخلاصۃ وشرح الطحاوی والاسبیجابی والفتح والدرر والبحر وغیرھم (الیٰ قولہ) وفی الفیض عن المستصفی لو ادرکہ فی رکعۃ الرباعی یقضی رکعتین بفاتحۃ وسورۃ ثم یتشہد ثم یأتی بالثالثۃ بفاتحۃ خاصۃ عند ابی حنیفۃ وقالا رکعۃ بفاتحۃ وسورۃ وتشہد ثم رکعتین اولاھما بفاتحۃ وسورۃ وثانیتہما بفاتحۃ خاصۃ اھ وظاهر کلامهم اعتماد قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وتشہد بینہما) قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحسانا لا قیاسا ولم یلزمہ سجود السہو لکون الرکعۃ اولیٰ من وجہ اھ، (رد المحتار ص ۵۵۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الآخر سنہ ۹۸ھ

لاحق نے اتباعِ امام کے بعد فوت شدہ نماز پڑھی:

سوال:- لاحق نے مسبوق کی طرح ما فات کو بعد فراغ الامام ادا کیا، تو نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں، جبکہ اس کو ما فات ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہونا چاہئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق پر واجب ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز ادا کر کے امام کے ساتھ شریک ہو، اس کے خلاف سے گنہگار ہوگا، مگر نماز ہو جائے گی، مقتدی کا ترکِ واجب موجبِ اعادہ نہیں، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ ویبدأ بقضاء ما فاتہ عکس المسبوق ثم یتابع امامہ ان امکنہ ادراکہ والا تابعہ ثم صلی ما نام فیہ بلا قراءۃ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفی البحر

وحکمہ انہ یبدأ بقضاء مافاتہ بالعذر ثم یتابع الامام ان لم یفرغ وھذا واجب لا شرط حتّٰی لو عکس یصح فلو نام فی الثالثۃ واستیقظ فی الرابعۃ فانہ یأتی بالثالثۃ بلا قراءۃ فاذا فرغ منہا صلّی مع الامام الرابعۃ وان فرغ منہا الامام صلاھا وحدہ بلا قراءۃ ایضًا فلو تابع الامام ثم قضی الثالثۃ بعد سلام الامام صح وأثم (رد المحتار ص ۵۵۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن وآداب ادا کرے:

سوال :- لاحق جب ماسبق کو قضاء کرے گا تو فقط فرائض وواجبات ادا کرکے امام کے ساتھ شامل ہونے کی کوشش کرے، یا کہ ہر رکن کو مع سنن وآداب کے ادا کرے، اگرچہ اس میں امام کے سلام پھیرنے کا خطرہ ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

لاحق فوت شدہ نماز مع سنن وآداب ادا کرے، اس کے بعد امام کو نماز میں پالیا، تو اس کے ساتھ شریک ہوجائے ورنہ منفرداً نماز پوری کرے، قال فی الھندیۃ اللاحق اذا عاد بعد الوضوء ینبغی لہ ان یشتغل اوّلا بقضاء ماسبقہ الامام بغیر قراءۃ، یقوم مقدار قیام الامام ورکوعہ وسجودہ ولو زاد او نقص فلا یضرہ ھٰکذا فی شرح الطحاوی (عالمگیریۃ، ص ۹۲ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ جمادی الآخرہ ۹۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

القول السافر عن حکم المسبوق خلف المسافر

امام مسافر کے پیچھے

مقیم مسبوق باقی ماندہ رکعات کیسے پڑھے؟

فاروق

تحقیق انیق متعلق مسبوق مقیم مقتدی بالمسافر

سوال : مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہوا تو باقی رکعتیں کیسے ادا کرے ؟ یہاں کے علماء اس بارہ میں اختلاف کر رہے ہیں لہٰذا مدلّل اور مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ شخص اُٹھ کر پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ کر قعدہ کرے اور پھر دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے اور آخری دونوں رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ یہ مسئلہ علماء فحول میں معرکۃ الآراء رہا ہے اس سے متعلق ان معادن علم و معرفت کی تحریریں احقر کو پیر رشید محمد شاہ صاحب مدظلہم ساکن گھوٹکی (سندھ) سے دستیاب ہوئیں جو اہل علم کے ذوق تحقیق کی خاطر حوالہ قلم کی جاتی ہیں۔

استفتاء - از شیخ رشید احمد صاحب دہلوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام مسافر کے پیچھے مقیم مقتدی چار رکعت والی نماز پڑھتا ہے۔ مقتدی مذکور امام مذکور کے ساتھ اول رکعت میں شریک ہوا ہو تو مقتدی اپنی نماز کس طرح پوری کرے اور جو دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو کس طرح نماز پوری کرے اور جو التحیات میں ملا ہو تو کس طرح اپنی نماز پڑھے۔ بیّنوا توجروا

الجواب - از حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس اللہ سرہٗ۔

اس مسئلہ کی تحقیق اس پر منحصر ہے کہ پہلے یہ متحقق ہو جائے کہ مقتدی کس وقت مدرک ہے اور کس وقت مسبوق یا لاحق۔ یا مسبوق اور لاحق۔ پس واضح ہو کہ جب مقیم مقتدی نے پہلی رکعت میں امام مسافر کی اقتداء کی ہو وہ لاحق ہے۔ چنانچہ درمختار کے اس قول کی شرح میں (ومقیم ائتم بمسافر) صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں قولہ ومقیم ای فہو لاحق بالنظر الی الاخیرتین۔ نیز اس پر لاحق کی تعریف بھی صادق آتی ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے واللاحق من فاتتہ الرکعات کلہا او بعضہا لکن بعد اقتدائہ بعذر الخ تو یہ مقتدی جب لاحق ہے تو امام کی نماز سے جدا ہو کر اپنی دو رکعت بلا قراءۃ ادا کرے۔ چنانچہ درمختار میں ہے وحکمہ کمؤتم فلا یأتی بقراءۃ ولا سہو الخ بنا بریں علیہ یہ مقتدی جس نے پہلی رکعت میں اقتداء کی باعتبار آخر کی دو رکعتوں کے صرف لاحق ہے اور پچھلی دونوں صورتوں میں (جبکہ دوسری رکعت میں اقتداء کی ہو یا تشہد میں اقتداء کی ہو) ان دونوں صورتوں میں وہ مقتدی صرف مسبوق ہے۔ دوسری صورت میں تین رکعتوں میں

مسبوق ہے۔ اور تیسری صورت میں چاروں رکعتوں میں مسبوق ہے چنانچہ اس پر مسبوق کی تعریف صادق آتی ہے والمسبوق من سبقہ الامام بھا او ببعضہا (درمختار) لہٰذا یہ مقتدی اقتدار سے علیحدہ ہوکر منفرد ہو جائے گا۔ اس کو چاہئے کہ پہلی رکعت میں ثنا، تعوذ اور فاتحہ وسورت پڑھے۔ اور اگر مسبوق تمام رکعات کا ہے تو دو رکعت سورت کے ساتھ پڑھے اور دو رکعت باقیماندہ میں (خواہ مسبوق بثلاث رکعات ہو یا اربع رکعات) صرف فاتحہ پڑھے۔ درمختار میں ہے والمسبوق من سبقہ الامام بھا او ببعضہا وھو منفرد حتی یثنی ویتعوذ ویقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بھا لکراھیتھا مفتاح السعادۃ فیما یقضیہ ای بعد متابعتہ لامامہ اور عالمگیریہ میں ہے وتجیء الطائفۃ الثانیۃ الیٰ مکان صلوٰتھم فمن کان مسافرا یصلی رکعۃ بقراءۃ لانہ مسبوق ومن کان مقیمًا یصلی ثلاث رکعات الاولی بفاتحۃ الکتاب وسورۃ لانہ کان مسبوقًا فیہا وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب علی الروایات کلہا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

املاہ بلسانہ خلیل احمد عفی عنہ

۲۷ ربیع الثانی سنہ ۳۳ھ

الجواب صحیح : عنایت الٰہی عفی عنہ

فتوی مذکورہ کے متعلق حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ کا خط شیخ رشید احمد صاحب دہلوی کی طرف

بسم اللہ الرحمن الرحیم ——— از بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

بخدمت بابرکت جناب شیخ رشید احمد صاحب مدفیوضہم۔ بعد ہدیۂ سلام مسنون عرض ہے۔ آپ جو تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتدار مقیم خلف المسافر چھوڑ گئے تھے ان کو دیکھا اور اصل روایت عالمگیریہ کو بھی دیکھا، صلوٰۃ الخوف میں فتح القدیر اور خود شامی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ یہ حکم خلاف قاعدہ کلیہ جو کہ مسبوق لاحق کے لئے مقرر ہے جس کی تفصیل میں نے پہلے لکھی ہے شاید صلوٰۃ خوف کے لئے خاص ہے۔ یا بنا بر ثانیہ روایت کے ہے جو اقتدار مقیم خلف المسافر میں ہے جس کو بعض مشائخ نے اعتبار فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ مقیم خلف المسافر اپنی دو رکعت باقیماندہ کو قرارت سے پوری کرلے۔ مگر یہ خلاف اصح ہے۔ کذا فی الہدایۃ وغیرھا۔ باقی عالمگیریہ میں علی الروایات کلہا کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس موقع صلوٰۃ خوف میں جملہ روایات اسی طرح ہیں کہ طائفہ ثانیہ اپنی رکعات قرارت سے پوری کرے،

ے وفی الشامیۃ تحت (قولہ لانہم لاحقون) وعم کلامہ المقیم خلف المسافر حتی یقضی ثلاثا بلا قراءۃ ان کان من الطائفۃ الاولیٰ وبقراءۃ ان کان من الثانیۃ ۱۲ رشید احمد لدھیانوی

اگرچہ قاعدہ مسبوق لاحق کے خلاف ہے۔ مگر اتباع روایت سے یہ حکم دیا گیا۔ واللہ اعلم ۔ اور عالمگیریہ میں ایک رکعت کو فاتحہ اور سورت سے پڑھنے کے بعد یہ لکھنا " لانہ کان مسبوقا فیھا " اس کا مؤید ہے کہ مسبوق صرف اسی ایک رکعت میں ہے ورنہ آخر میں لکھتے لانہ مسبوق فیھا ای فی جمیع الرکعات اور قاعدہ کلیہ جو احقر نے شامی کے حوالہ سے نقل کیا تھا اس کو صاحب فتح القدیر نے بھی مسبوق و لاحق کی بحث میں اسی طرح لکھا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ جو شخص مسبوق بھی ہو اور لاحق بھی وہ حسب ترتیب عرض کردہ احقر رکعات کو پورا کریگا اور جو تطبیق حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے تحریر فرمائی ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اس میں تأمل ہے۔ میں نے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب و مولانا انورشاہ صاحب کو بھی دکھلایا۔ سب حضرات نے بعد غور یہی فرمایا کہ اقتضاء قاعدہ کلیہ کا وہی ہے جو پہلے لکھا گیا۔ بندہ اسی تأمل میں تھا کہ پرسوں ایک صاحب حافظ عبدالرحمٰن منڈاوری نے وہی سوال بعینہٖ لکھ کر اسکے نیچے حضرت مولٰنا گنگوہی رحمہ اللہ تعالٰے کا جواب نقل کیا ہے۔ جو مطابق جواب احقر کے ہے مع قلیل تغیر کے بندہ نے ان سے بذریعہ خط دریافت کیا ہے کہ آپکے پاس اصل فتوی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا موجود ہے یا آپنے کہیں سے نقل کیا ہے ۔اگر موجود ہو تو اسکو بھیجدیجئے بعد ملاحظہ واپس کر دیا جائے گا۔ سوال و جواب ان کا بعینہٖ بغرض ملاحظہ مرسل ہے۔ ان کی غرض بھی اختلاف کا رفع کرنا ہے۔ کیونکہ انھوں نے ایک دوسرا جواب اسکے خلاف کتاب علم الفقہ سے نقل کیا ہے وہ سب مرسل خدمت ہیں۔ انتہیٰ۔

خط از اصل مجیب مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ۔ بنام شیخ رشید احمد صاحب دہلوی

عنایت فرمایم جناب شیخ رشید احمد صاحب

السّلام علیکم۔ عنایت نامہ مع تحریرات متعلقہ مسئلہ اقتداء مقیم بالمسافر پہنچا۔ میں نے بغور ان تمام تحریرات کو دیکھا، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ تمام بڑے اور چھوٹے حضرات کو اس مسئلہ میں درمختار اور شامی کی اس عبارت سے جو مسبوق و لاحق کی بحث میں لکھی ہے دھوکہ واقع ہوا ہے۔ وجہ اس اشتباہ کی یہ ہوئی کہ فقہاء نے مقیم خلف المسافر کے مسئلہ کو اسقدر مختلف مواقع اور مظان بعیدہ میں لکھا ہے کہ جن کی طرف انسباق خیال نہیں ہوتا، چنانچہ صلوٰۃ الخوف اور سجدۂ سہو اور صلوٰۃ المسافر اور بحث مسبوق ولاحق وغیرہ میں اس مسئلہ کو لکھا ہے۔ چونکہ تبادر اس مسئلہ میں بحث مسبوق ولاحق کی طرف ہے۔ لہٰذا اس مجمل عبارت کو دیکھ کر حضرات

مفتیین اکتفاء فرما لیتے ہیں اور دوسرے مواقع غیر متبادرہ کی طرف التفات اور تتبع کی نظر نہیں فرماتے پہلے خود میرا مسلک بھی اس عبارت کی بنا پر وہی تھا جو اور سب حضرات کا ہے لیکن غور کرنے کے بعد میرے خیال میں تغیّر واقع ہوا اور یہ خیال ہوا کہ مقیم خلف المسافر جبکہ پہلی رکعت میں اقتداء کرے تو باعتبار رکعتین اخریین کے بحق قراۃ بحکم لاحق ہے لیکن جب کہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں اقتداء کرے تو ان دونوں صورتوں میں وہ منفرد محض بحکم مسبوق ہے اور بحکم لاحق بالکل نہیں ہوتا چونکہ اس مسئلہ میں متعدد حضرات علماء میرے اس خیال کے خلاف ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنا مدعا مع تمام استدلالات کے مفصلاً لکھ کر حضرات علماء کرام کی خدمت میں پیش کردوں اور التماس کروں کہ اگر یہ صحیح ہے تو قبول فرماویں ورنہ جو امر صحیح ہو اور محقق ہو بدلائل مطلع فرماویں کہ بندہ کو انشاء اللہ تعالیٰ قبول حق سے ذرا بھی انحراف وانکار نہ ہوگا۔ واللہ ولیّ التوفیق وبیدہٖ ازمۃ التحقیق۔

محل نزاع یہ ہے کہ مقیم خلف المسافر صلوٰۃ رباعی میں خواہ وہ پہلی رکعت میں اقتداء کرے یا دوسری میں یا تشہد میں وہ باعتبار رکعتین اخریین مسبوق ہے یا لاحق، یا لاحق اور مسبوق دونوں ہے پس واضح ہو کہ تصریحات محققین فقہاء سے ثابت ہے کہ مقیم خلف المسافر اگرچہ اس نے رکعت اولیٰ میں اقتداء کی ہو نہ حقیقۃً مسبوق ہے نہ حقیقۃً لاحق۔ بلکہ بعض فقہاء اسکو مثل مسبوق کے کہتے ہیں، اور بعض مثل لاحق کے، اور قول اول کو محققین فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے۔ اوّل تو لفظ مسبوق اور لفظ لاحق کا مدلول اور ان کی تعریف خود اس پر دال ہے۔ کیونکہ مسبوق وہ ہے جس کا امام اس سے پہلے کُل یا بعض رکعات ادا کر چکا ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مفہوم وتعریف خلف المسافر پر باعتبار رکعتین اُخریین صادق نہیں آتی اور لاحق وہ ہے جو اپنی فوت شدہ رکعات جو بعد اقتداء امام کے کسی وجہ سے فوت ہوگئی ہوں ادا کرکے امام کے برابر ہو جاتا ہے اور مقیم خلف المسافر پر یہ مفہوم بھی صادق نہیں آتا، کیونکہ اس نے بقدر صلوٰۃ امام کے نیت اقتداء کی تھی اس کو پورا کر دیا اور اس میں سے کوئی رکعت فوت نہیں ہوئی اور رکعتین اُخریین نہ امام کی نماز میں تھیں اور نہ اس نے انہیں اقتداء کی تھی اور نہ وہ امام کی معیت ومتابعت سے ہوئیں۔ لہٰذا یہ مقیم حقیقۃً لاحق بھی نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں عبارات فقہاء رحمہم اللہ اس پر شاہد ہیں۔ درمختار کے باب سجود السہو میں لکھا ہے والمسبوق یسجد مع امامہ مطلقاً سواء کان السہو قبل الاقتداء او بعدہٗ ثم یقضی ما فاتہ ولو سہا فیہ سجد ثانیاً وکذا اللاحق لکنہ یسجد فی اٰخر صلاتہ ولو سجد مع امامہ اعادہٗ والمقیم خلف المسافر کالمسبوق و قیل کاللاحق۔ علامہ طحطاوی اس پر لکھتے ہیں۔ قولہ کالمسبوق فیلزمہ السجود وصححہٗ فی

البدائع لانہ انما اقتدی بالامام بقدر صلوٰۃ الامام فاذا انقضت صلوٰۃ الامام صار منفردًا فیما وراء ذٰلک وانما لا یقرأ فیما یتم لان القراءۃ فرض فی الاولیین وقرأ الامام فیہما (بحر)
اس عبارت سے ہرسہ مسبوق و لاحق و مقیم خلف المسافر کا باہم تقابل اور نیز تشبیہ و مماثلت واضح دلیل ہے کہ مقیم خلف المسافر نہ حقیقۃً مسبوق ہے اور نہ حقیقۃً لاحق۔ البتہ بعد اختتام صلوٰۃ امام منفرد ہوجاتا ہے جیساکہ مسبوق بھی منفرد ہوجاتا ہے۔ اب اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ جب اسکو رکعتین میں منفرد قرار دیا تو اس صورتمیں ترک قراءۃ کی کوئی وجہ نہیں۔ اسکا یہ جواب دیا کہ چونکہ فرض قراءۃ رکعتین اولیین میں آپکی طرف سے امام ادا کرچکا ہے اسوجہ سے وہ اس جگہ قراءۃ ترک کردے۔ اور بدائع کی عبارت یہ ہے۔ واما المقیم اذا اقتدی بالمسافر ثم قام الی اتمام صلاتہ وسہا ھل یلزمہ سجود السہو ذکرہ فی الاصل وقال انہ یتابع الامام فی سجود السہو واذا سہا فیما یتم فعلیہ سجود السہو ایضًا وذکر الکرخی فی مختصرہ انہ کاللاحق لا یتابع الامام فی سجود السہو واذا سہا فیما یتم لا یلزمہ سجود السہو لانہ مدرک لاول الصلوٰۃ فکان فی حکم المقتدی فیما یؤدیہ بتلک التحریمۃ کاللاحق ولہٰذا لا یقرأ کاللاحق والصحیح ما ذکر فی الاصل لانہ ما اقتدی بامامہ الا بقدر صلوٰۃ الامام فصار منفردًا فیما وراء ذٰلک وانما لا یقرأ فیما یتم لان القراءۃ فرض فی الاولیین وقد قرأ الامام فکانت قراءۃ لہ۔ اور صاحب رد المحتار نقلا عن البحر تحریر فرماتے ہیں۔ قولہ والمقیم الخ ذکر فی البحر ان المقیم المقتدی بالمسافر کالمسبوق انہ یتابع الامام فی سجود السہو ثم یستقل بالامام۔ واما اذا قام الی اتمام صلوٰتہ وسہا ذکر الکرخی انہ کاللاحق فلا سجود علیہ بدلیل انہ لا یقرأ وذکر فی الاصل انہ یلزمہ السجود وصححہ فی البدائع لانہ انما اقتدی بالامام بقدر صلوٰۃ الامام فاذا انقضت صار منفردًا وانما لا یقرأ فیما یتم لان القراءۃ فرض فی الاولیین وقرأ الامام فیہما ان عبارات سے مقیم مقتدی بالمسافر کا حقیقۃً مسبوق و لاحق نہونا واضح ہوگیا نیز یہ بھی صاحب رد المحتار بعد نقل عبارات تحریر فرماتے ہیں۔ قال فی النہر وبہذا اعلم انہ کاللاحق فی حق القراءۃ فقط۔ اس عبارت نے مسئلہ کے چہرہ سے بالکل پردہ اٹھادیا اور اس سے ثابت ہوگیا کہ اس کا ترک قراءۃ کرنا اس کے بحکم مسبوق ہونے کے مزاحم نہیں۔ بلکہ اس کو بحکم لاحق صرف قراءۃ کے بارے میں قرار دیا جاتا ہے۔ باقی تمام احکام میں وہ مثل مسبوق کے منفرد ہے۔ ان عبارات نے واضح کردیا کہ وہ منفرد ہوکر پہلے رکعات اخیرہ[۵] کو مثل مسبوق کے ادا

عــہ۵ یعنی اولیین کو جو بحکم لاحق قرار دینے والوں کے خیال میں اخیرہ ہیں۔ ۱۲ رشید احمد

کرے گا۔ نہ مثل لاحق کے۔ اسی مضمون کو صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں واذا صلی المسافر بالمقیم رکعتین سلم واتم المقیمون صلاتھم لان المقتدی التزم الموافقۃ فی الرکعتین فینفرد فی الباقی کالمسبوق الا انہ لا یقرأ فی الاصح لانہ مقتد تحریمۃ لا فعلا والفرض صار مؤدیا فیترکھا احتیاطا بخلاف المسبوق لانہ ادرک قراءۃ نافلۃ فلم یتأد الفرض فکان الاتیان اولی۔ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے اعتراض مذکور کے جواب میں اپنی عادت کے موافق راہ تدقیق اختیار کی ہے اور ترک قراءۃ کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ مقیم خلف المسافر باعتبار تحریمہ کے مقتدی ہے اور باعتبار فعل کے غیر مقتدی۔ تحریمۃً اقتدار پر نظر کرکے اس کو قراءۃ پڑھنا جبکہ امام کی اوّل صلوٰۃ کا ادراک کرچکا ہو مکروہ تحریمی ہے اور فعلاً غیر مقتدی ہونے پر نظر کرکے اس کے لئے قراءۃ مستحب ہے اور جبکہ فعل مستحب وحرام میں دائر ہوا تو اس کا ترک احتیاطاً لازم ہوا۔ بخلاف مسبوق کے کہ اس نے فرض قراءۃ کو نہیں پایا بلکہ قراءۃ نافلہ کا ادراک کیا ہے۔ لہٰذا اس کو ترک قراءۃ ناجائز ہے۔ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ قولہ احتیاطا فانہ بالنظر الی الاقتداء تحریمۃ حیث[ع] ادرکوا اول صلوٰۃ الامام یکرہ القراءۃ تحریما وبالنظر الی عدمہ فعلا اذ لم یفتھم مع الامام ما یقضون وقد ادرکوا فرض القراءۃ تستحب واذا دار الفعل بین وقوعہ مستحبا او محرما لایجوز فعلہ بخلاف المسبوق فانہ ادرک قراءۃ نافلۃ اگرچہ عبارات بدائع اور طحطاوی اور شامی وغیرہ سے واضح تھا مگر ھدایہ کی عبارت نے بہت زیادہ وضاحت کردی کہ وہ مقیم خلف المسافر جس نے تحریمہ میں اقتدار کی ہو، ہر دو رکعت اخیرہ میں مثل مسبوق منفرد ہے اور بقول صحیح لاحق نہیں اور باوجود منفرد ہونے کے اس کو بوجہ ایک عارض کے ترکِ قراءۃ کا حکم ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اسکا ترکِ قراءۃ اس کے لاحق ہونے کو مقتضی نہیں اور اس کی لاحق کے ساتھ مماثلت صرف حکم ترک

ع الظاھر ان ھذا لیس قیدا الکراھۃ القراءۃ بالنظر الی الاقتداء تحریمۃ لان من لم یدرک اول صلوٰۃ الامام بل ادرک الرکعۃ الثانیۃ او التشھد فھو ایضا مقتد تحریمۃ فزادہ واللہ اعلم لان المقصود ھھنا بیان حکم مدرک الامام المسافر فی الرکعۃ الاولی لا لان المدرک بعدھا لیس بمقتد تحریمۃ۔ فالقید لبیان الواقع لا للاحتراز ولما کان ذلک کذلک یرد علیہ انہ یقتضی ان لا یقرأ فی الاخریین المقیم المقتدی بالمسافر بعد الاولی ایضا وکذا المقتدی بالمقیم اذا کان مسبوقا بثلاث رکعات فصاعدا ویمکن الجواب بانا لما اسقطنا اعتبار الاقتداء تحریمۃ لاداء القراءۃ الواجبۃ فی الاولیین لا یعود اعتبارہ فی الاخریین۔ واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد لدھیانوی

القول السافر ــــــــــ ۷

قرارۃ میں ہے نہ دوسرے احکام میں۔کیونکہ دوسرے احکام میں یہ شخص منفرد مثل مسبوق ہے
نیز یہ حکم ترک قرارۃ مخصوص اس مقیم مقتدی بالمسافر کے ساتھ ہے جس نے اپنے امام کی تحریمہ
میں اقتدار کی ہے۔ اور جس نے تحریمہ میں اقتدار نہیں کی اور ادراک اول صلوٰۃ امام کا نہیں کیا
بلکہ رکعت ثانیہ یا تشہد میں شریک ہوا ہے تو اس کا یہ حکم نہیں ہے کہ وہ بھی ترک قرارۃ کرے بلکہ
اس کے لئے قاعدہ مذکورہ کے موافق قرارۃ کرنا مستحب ہوگا۔کیونکہ اس کے لئے قرارۃ سے مانع
تحریمۃً اقتدار تھا اور مسبوق برکعۃ یا برکعتین کے حق میں وہ مانع مرتفع ہوگیا جو موجب کراہت
تحریم قرارۃ تھا۔صرف استحباب باقی رہا۔ علاوہ ازیں اس پر اور متعدد عبارات وروایات دلالت
کرتی ہیں۔ فتح القدیر کی صلوۃ الخوف میں ہے۔قولہ لانھم مسبوقون ویدخل فی حکمہ
المقیم خلف المسافر حتی یقضی ثلاث رکعات بلا قراءۃ ان کان من الطائفۃ الاولیٰ
وبقراءۃ ان کان من الثانیۃ۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے وان کان الامام مسافراً والقوم
مقیمین ومسافرین صلی الامام بالطائفۃ الاولیٰ رکعۃ ثم انصرفوا بازاء العدو وجاءت
الطائفۃ الثانیۃ وصلی بھم رکعۃ فمن کان مسافرا خلف الامام بقی الی تمام صلاتہ رکعۃ
ومن کان مقیما بقی الی تمام صلاتہ ثلٰث رکعات ثم ینصرفون بازاء العدو ورجع الطائفۃ
الاولیٰ الی مکان الامام فمن کان مسافرا یصلی رکعۃ بغیر قراءۃ لانہ مدرک اول
الصلوٰۃ ومن کان مقیما یصلی ثلاث رکعات بغیر قراءۃ فی ظاهر الروایۃ فاذا اتمت
الطائفۃ الاولیٰ صلاتھم ینصرفون بازاء العدو وتجیٔ الطائفۃ الثانیۃ فمن کان مسافرا
یصلی رکعۃ بقراءۃ لانہ مسبوق وان کان مقیما یصلی ثلاث رکعات الاولیٰ بفاتحۃ الکتاب
وسورۃ لانہ کان مسبوقا فیھا وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب علی الروایات کلھا۔
اس عبارت عالمگیریہ میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے جو اشکال پیش کیا ہے اور فرمایا ہے
لانہ کان مسبوقا فیھا کو مقدم بیان کیا ہے۔اگر رکعتین اخریین میں بھی مسبوق ہوتا تو
یہ دلیل اس موقع پر نہ بیان کی جاتی بلکہ وفی الاخریین بفاتحۃ الکتاب علی الروایات کلھا
کے لکھنے کے بعد لکھی جاتی۔ اس اشکال کا جواب بندہ ناچیز کی تحریر سے بالکل صاف اور
واضح ہوگیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جس کے بعد دلیل لانہ کان مسبوقا فیھا لکھی ہے
وہ شخص حقیقۃً مسبوق ہے۔ اس لئے اس کے بعد یہ دلیل لکھی اور چونکہ رکعتین اخریین میں
حقیقۃً مسبوق نہیں اس لئے اس کے بعد یہ دلیل نہ لکھی اگر رکعتین کے بعد یہ دلیل لکھی جاتی

تو واہمہ پیدا ہوتا کہ مقیم تینوں رکعتوں میں حقیقۃً مسبوق ہے والحال انہ لیس کذلک کما حققناہ من قبل۔ بندہ کی گزشتہ تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مقیم خلف المسافر نہ حقیقۃً مسبوق ہے نہ حقیقۃً لاحق بلکہ وہ رکعات باقیہ میں منفرد بحکم مسبوق ہے پس جن عبارات میں اس کو لاحق یا مسبوق کہا گیا ہے وہ اطلاق مجاز ہے۔ چنانچہ در مختار بحث لاحق و مسبوق میں لکھا ہے واللاحق من فاتتہ الرکعات کلھا او بعضھا بعذر کغفلۃ وزحمۃ او سبق حدث ومقیم ائتم بمسافر اور شامی میں ہے ومقیم ائتم الخ ای فھو لاحق بالنظر الی الاخیرتین وقد یکون مسبوقًا ایضا کما اذا فاتتہ اول صلاۃ امامہ المسافر (طحطاوی) ان دونوں عبارتوں میں مقیم مقتدی بالمسافر پر لفظ لاحق اطلاق ہوا ہے۔ پس یہ اطلاق مجاز ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ حکم ترک قراءۃ میں بمنزلہ لاحق ہے۔ یہ عبارت ہے جس سے مفتی صاحب مدرسہ عالیہ دیوبند مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلمہٗ نے کہا ہے کہ مقیم خلف المسافر خواہ اس نے تحریمہ میں اقتداء کی ہو یا بعد فوت رکعت بہر حال بجمیع احکام لاحق ہے اور دعوی فرمایا ہے کہ قاعدہ کلیہ ہے اور بطور شبہہ یہ بھی فرمایا ہے کہ صلوۃ الخوف میں جو حکم لکھا ہے وہ شاید صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خلاف قاعدہ کلیہ مخصوص ہو مگر دعوے کلیۃ قاعدہ اور دعوی اختصاص محتاج دلیل ہے۔ حالانکہ اسکے مثبت کو دلیل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عبارات و تصریحات سابقہ سے واضح ہوچکا ہے کہ یہ قضیہ جزئیہ ہے جس سے مراد وہ مقیم ہے جس نے رکعت اولیٰ میں اقتدار کی ہو اور جو مسبوق برکعۃ یا برکعتین ہو وہ قطعاً اس میں داخل نہیں۔ نیز طحطاوی مطبوعہ مصر کی عبارت سے صاف واضح ہے۔ قولہ ومقیم ائتم بمسافر فھو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقاً کما اذا فاتتہ اول صلوٰۃ امامہ المسافر۔ مقیم مقتدی بالمسافر کی دو حالتیں بیان کیں۔ اول وہ کہ جس نے پہلی رکعت میں اقتدار کی ہو اس کو باعتبار رکعتین اخریین کے لاحق فرمایا۔ دوسری حالت وہ ہے جس کو اوّل صلوٰۃ امام مسافر فوت ہوچکی ہو خواہ دوسری رکعت میں یا تشہد میں اقتدار کی ہو اس کو صرف مسبوق قرار دیا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ مقیم ائتم بمسافر قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ مقیم اس جگہ وہ مراد ہے جس نے اول رکعت میں اقتدار کی ہو۔ چنانچہ اسی طرف بندہ نے اپنی پہلی تحریر میں اشارہ کیا تھا۔ اور شامی نے طحطاوی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے مگر اصل کے خلاف اسمیں لفظ ایضاً زائد ہے۔ طحطاوی میں ہے وقد یکون مسبوقاً اور شامی میں نقلاً

عن الطحطاوی ہے۔ وقد یکون مسبوقاً ایضاً اور یہ لفظ ایضاً موجبِ خلجان اور موہم خلاف مقصود تھا اسکی بھی توجیہ کردی ہے کہ بشرط تسلیم مزاحم مقصود نہیں مگر حضرت مفتی صاحب نے اسکی توجیہ نہیں فرمائی۔ بعض اذکیاءعہ کا یہ خیال بھی مسموع ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کی مشروعیت علی خلاف القیاس ہے۔ لہٰذا اس پر دوسری نمازوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ تو جو حکم صلوٰۃ الخوف میں ہے ضروری نہیں کہ دوسری نمازوں میں بھی ہو۔ دیکھو چلنا پھرنا وغیرہ افعال صلوٰۃ الخوف میں مشروع ہیں اور دوسری نمازوں میں غیر مشروع بلکہ مفسد صلوٰۃ ہیں۔ جواب اس منع کا یہ ہے کہ یہ منع اسوقت قابلِ تسلیم ہوسکتا ہے جب استدلال صرف صلوٰۃ الخوف سے ہو اور فی الحقیقت استدلال ان روایات سے ہے جنہیں مقیم خلف المسافر کو مثل مسبوق قرار دیا گیا ہے اور روایات صلوٰۃ الخوف بطور تائید و تقویت لکھی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں صلوٰۃ الخوف میں جو افعال من غیر جنس الصلوٰۃ جائز کئے گئے ہیں وہ افعال ہیں جن کی بوقت خوف ضرورت پڑتی ہے، یہ ہرگز نہیں کہ تمام افعال صلوٰۃ خوف خلاف قیاس بضرورت مشروع ہوئے ہیں اور افعال مبحوث فیہ ان افعال میں سے نہیں ہیں جن کی مشروعیت بضرورت خوف خلاف قیاس ہوئی ہو۔ لہٰذا یہ خیال بھی اس بحث میں کارآمد نہیں ہوسکتا۔ معہٰذا بالفرض والتسلیم کوئی حکم معدول عن القیاس بدون نص نہیں ہوسکتا تو لامحالہ ایسی نص کا موجود ہونا ضروری ہے جو صلوٰۃ الخوف میں حکم لاحق کے لئے صارف عن القیاس ہو۔ اگر کسی صاحب کو معلوم ہو تو براہ کرم مجھ کو بھی مطلع فرما کر شکر گزار احسان فرمائیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحریر کے آخر میں ایک فتوی جس کو حضرت سیدی و مولائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور ایک علم الفقہ کا جواب جو غالباً مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کی تالیف ہے نقل فرمایا ہے۔ جب ایک حکم روایات فقہیہ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہوگیا تو ان کے متعلق کچھ لکھنے اور عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ بلسانہ الاحقر خلیل احمد وفقہ اللہ لتزود غد

اقول ونقل عن العلامۃ المخدوم محمد ھاشم التتوی (قدس سرہٗ) مثل قول مولانا خلیل احمد (قدس سرہٗ) وزاد فیہ جواب شبھۃ ونصہٗ فان قلت قد ذکر ایضاً صاحب المحیط والسراج والجوھرۃ ان الامام اذا جعل الناس فی صلوٰۃ اربع طوائف فصلی لکل طائفۃ رکعۃ فصلوٰۃ الاولی والثالثۃ فاسدۃ لانھم انصرفوا عن القبلۃ فی غیر اوان الانصراف وصلوٰۃ الثانیۃ والرابعۃ صحیحۃ و یقرأ کل طائفۃ فیما سبقت ولا یقرأ فیما لحقت فاذا عادت الطائفۃ الثانیۃ صلوا الرکعۃ الثالثۃ

عہ یعنی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کما سیأتی عن امداد الفتاوی ۱۲ رشید احمد

والرابعة بغیر قراءة لانهم فیها لاحقون ثم الرکعة الاولی بقراءة لانهم فیها مسبوقون فکان ھٰذا مناقضا لما ذکرتموه اوّلا (ای الروایة الخ اوردها مولانا خلیل احمد رحمه اللّٰه من الهند یة نقلها المخدوم رحمه اللّٰه من الجوهرة والمحیط والظهیریة والخزانة) قلنا لا منا قضة لان هٰذه المسألة الاخیرة مصورة فیما اذا کان الامام والمقتدون مقیمین کما صرح به فی تلک الکتب فکان ذٰلک مسألة المسبوق صار لاحقاً بخلاف ما ذکرنا اولاً فانه مصور فیما اذا کان الامام مسافرا والمقتدی المسبوق مقیما ۔ فکان اختلاف الاجوبة لاختلاف موضوع المسألة فلیتأمل اھ

ارسل الیّ تحریر المخدوم قدس اللّٰه تعالیٰ سرہ مولانا احمد الهالائی ناقلا عن کراسة ابیه مولانا محمد الهالائی رحمهما اللّٰه تعالیٰ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اس مسئلہ پر طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں ۔ اسکے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہوجانے کے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اسکے بعد مسافر امام کا اقتدا کیا ہو ۔ مدرسہ سہارنپور میں ایک فتوی لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے، تو یہ شخص اپنی نماز میں قراءۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے (یعنی جن میں قراءۃ فرض ہے اخریین میں قراءۃ فرض نہیں مندوب ہے ۔ رشید احمد) اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتوی لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق دونوں ہے اسلئے غیر قراءۃ والی رکعتوں کو مقدم کرے پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر اولی کہتا تھا وہ فتوی سہارنپور میں واجب ہے اور جسکو بندہ اولی کہتا تھا وہ اس فتوی میں ناجائز ہے اور فتوی دیوبند موافق مشہور کے ہے ۔ ناظرین اسکی مزید تحقیق اپنے موقعِ اطمینان سے کریں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہو تو مثل مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصداً یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً وعادۃً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگادیا جاوے ۔ اور یہ موافق ہوگا میرے قول اول یعنی ہر دو کے جواز کے جسکے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کیلئے متعین ہوجاویگی اور ادلّہ جانبین کے بعض تو استنباطات ہیں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں ۔ چنانچہ مظاہر العلوم کی دلیل عالمگیریہ کی صلوٰۃ الخوف کی وہ روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول سوال میں مذکور ہے جسمیں یہ عبارت ہے ۔ وتجئ الطائفة الثانیة الی مکان صلوٰتهم فیصلون ثلاث رکعات الاولی بفاتحة الکتاب وسورة لانهم مسبوقون فیها والاخریین بفاتحة الکتاب ۔ جس سے معلوم ہوا کہ غیر اولی میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ۔ اور دار العلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے وقد یکون رای المقیم

المؤتم بالمسافر) مسبوقاً ایضاً کما اذا فاتتہ اول صلوٰۃ امامہ المسافر ط ص ۱۲۱ ج ۱، احکام المسبوق والمدرک واللاحق ۔ مگر مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے (نقلہا الشامی : رشید احمد) جو فصل ہٰذا کے سب سے اخیر کے سوال میں منقول ہے جسمیں یہ عبارت ہے والمسبوق ان ادرک رکعۃ من الشفع الاول فھو من اھل الاولی والا فمن الثانیۃ (ج ۱ ص ۸۸٦ صلوٰۃ الخوف) یہ شبہ پڑ گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم (کہ شفعۂ اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانے والا طائفہ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اس کو قرارت سے منع کیا گیا۔ چنانچہ طائفہ اولیٰ بقیہ نماز میں قرارت نہیں کیا کرتا ہے لانہ لاحق حقیقۃ کمدرک الرکعۃ الاولیٰ او حکماً کمدرک الرکعۃ الثانیۃ من الشفعۃ الاولیٰ) اس شخص کے عدم مسبوقیت حقیقۃً کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قرارت کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا۔ اسی طرح عالمگیریہ کا یہ حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانے والا بقیہ میں قرارۃ کرے اسکے عدم لاحقیت حقیقۃً کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قرارت کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ نہر کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً لاحق کہیں گے اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہدیں گے اور جب نہر کا حکم صلوٰۃ الخوف کیساتھ خاص ہوگا لعدم التعدیۃ اسی طرح عالمگیریہ کے حکم کو بھی صلوٰۃ الخوف کیساتھ مخصوص کہیں گے اور دونوں حکم کسی استحسان پر مبنی ہونگے جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیے مقیم خلف المسافر صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہونے میں مشترک بھی ہیں پس دونوں شقوں کی ایک حالت ہوگی۔ پس وہ مقدمہ کہ صلوٰۃ خوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں مخدوش ہوگیا ۱۲ (حاشیہ امداد الفتاوی مبوب ج ۱ صفہ ۳۵۰)

اقول نہر کے جزئیہ کا یہ مطلب نہیں کہ رکعت ثانیہ میں شریک ہونیوالا باقی تینوں رکعتوں میں قرارت نہ کرے اور اس حکم میں وہ طائفہ اولیٰ کی طرح ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ذہاب و ایاب میں اور ترک القرارۃ فی الاخریین میں طائفہ اولیٰ کے حکم میں ہے نہ کہ رکعت مسبوقہ میں بھی و ہٰذا ظاہر جدًا۔ فتح القدیر کے دو جزئیے بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔

ولو جعلہم ثلاث طوائف (ای فی صلوٰۃ المغرب) وصلی بکل طائفۃ رکعۃ فصلاۃ الاولی فاسدۃ وصلاۃ الثانیۃ والثالثۃ صحیحۃ والمعنی ما قدمنا وتقضی الثانیۃ الثالثۃ اولاً بلا قراءۃ لانہم لاحقون فیھا وتشھد واتم الرکعۃ الاولیٰ بقراءۃ لانہم مسبوقون (وبعد سطرین) لو جعلہم اربعًا فی الرباعیۃ وصلی بکل رکعۃ فسدت صلوٰۃ الاولی والثالثۃ دون الثانیۃ والرابعۃ ثم تقضی الطائفۃ الثانیۃ الثالثۃ والرابعۃ اولاً بغیر قراءۃ ثم الاولیٰ بقراءۃ

والطائفة الرابعة تقضی رکعتین بقراءة و بتخییر فی الثالثة لانهم مسبوقون بثلاث رکعات (فتح القدیر ج۱ ص ۴۴۳) وکذا فی الهندیة ایضاً۔ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس سرہٗ کے فتوی میں بھی یہ جزئیہ محیط اور سراج و جوہرہ سے گزر چکا ہے۔

نیز نہر کا یہ جزئیہ مقیم خلف المسافر سے متعلق نہیں ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ خلف المسافر مدرک رکعت ثانیہ طائفہ ثانیہ سے ہوگا۔ اسے طائفہ اولی سے شمار کرنے کے کوئی معنی نہیں اور یہ "والا (ای ان لم یدرک الرکعة الثانیة) فمن الثانیة" کے خلاف ہے اور ثانیاً اس لئے کہ اگر نہر کے جزئیہ کو خلف المسافر سے متعلق کہا جائے تو یہ بعینہٖ عالمگیریہ کے جزئیہ کا مفہوم ادا کریگا۔ دونوں میں قطعاً کوئی فرق نہیں رہے گا۔ حالانکہ دونوں کے حکم میں تباین کلی ہے کہ نہر کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں ترک قراءۃ کا حکم متصوّر ہے اور عالمگیریہ کے جزئیہ میں رکعات ثلاث میں قراءۃ کرنے کا حکم ہے۔ غرضیکہ نہر کا جزئیہ نہ ہی صلوٰۃ الخوف کیساتھ مخصوص ہے اور نہ ہی خلف المسافر ہونے میں عالمگیریہ کے جزئیہ کے ساتھ مشترک ہے۔ پس مظاہر العلوم کی دلیل میں نہر کے جزئیہ سے جو شبہہ پیدا ہوگیا تھا وہ مرتفع ہوگیا۔ علاوہ ازیں سہارنپور کی تحقیق میں صلوٰۃ الخوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے دلائل ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا۔ بلکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی تصریح کے مطابق اصل دلائل دوسرے ہیں۔ صلوٰۃ الخوف کا جزئیہ محض تائیداً لکھا گیا ہے اسکے مقابلہ میں دار العلوم کی دلیل کا جواب مظاہر العلوم کی تحریر میں موجود ہے۔ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی قدس سرہٗ کے جواب کا مظاہر العلوم کے جواب سے موافق ہونا اوپر گزر چکا ہے۔ پس جب تحقیق ادلّہ سے مظاہر العلوم کا جواب راجح ثابت ہوگیا تو عمل اور تعلیم کے لئے یہی متعیّن ہوگا۔ فقط

ولله الحمد علی توفیقه لهذا التحریر وهو علی ما یشاء قدیر فاغتنمه وتفکر ولعل الحق لا یعدوه فتشکر۔ وهذا ما جاء فی فهم هذا الفقیر والعلم عند الله اللطیف الخبیر۔

رشید احمد

۱۰ ربیع الآخر سنہ ۷۹ ہجری

بابُ مفسدات الصّلوٰۃ والمکروہاتُ

سجدہ میں دونوں پاؤں اُٹھ جانے کا حکم :

سوال :- نماز میں بحالتِ سجدہ اگر دونوں پیر زمین سے جدا ہوجائیں تو فسادِ صلوٰۃ کے حکم سے واجب الاعادہ ہے یا نہیں ؟ نیز اگر فسادِ صلوٰۃ کا حکم ہے تو کس بنا پر؟ مع الدلیل تفصیل وار جواب طلب ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصّواب

بحالتِ سجدہ پاؤں زمین پر رکھنے کے بارہ میں تین قول ہیں - فرض ، واجب ، سنت - قولِ وجوب راجح ہے ، دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیحۂ واحدہ رکھنا کافی ہے ، پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہوجائے گا ، اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترکِ واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی ، واضح رہے کہ ظہرِ قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہوجائے گا ، مگر مکروہ ہے ، اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رُخ رکھنا سنتِ مؤکدہ ہے ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ والحاصل ان المشہور فی کتب المذہب اعتماد الفرضیۃ والارجح من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیۃ وکذا قال فی العنایۃ والدرر انہ الحق ثم الاوجہ حمل عدم الفرضیۃ علی الوجوب واللہ اعلم (وبعد اسطر) قال فی الفیض ولو وضع ظہر القدم دون الاصابع بان کان المکان ضیقا او وضع احدہما دون الاخری لضیقہ جاز کما لو قام علی قدم واحد وان لم یکن المکان ضیقا یکرہ اھ (الی قولہ المصرح بہ ان توجیہہا (الاصابع) نحو القبلۃ سنۃ یکرہ ترکہا کما فی البرجندی و القہستانی (رد المحتار ص ۴۶۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ ربیع الاول سنہ ۸۶ ھ

نماز میں ستر کھل جانے کا حکم:

سوال:۔ ایسی صدری پہن کر نماز ہوگی یا نہیں جس سے کہ رکوع و سجود میں جاتے وقت ناف سے نیچے کا حصہ کھل جائے جس کو ڈھکنا فرض ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ ستر کی کتنی مقدار کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اس صدری میں ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود اس میں نماز پڑھی، یا غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور ربع عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوئی خواہ تھوڑی سی دیر ہی کے لئے ستر کھلا ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر ستر کھل گیا تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک ربع عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار ہو یا وقت اس سے کم ہو تو نماز ہو جائے گی، جو عضو کھلا ہو اس کی چوتھائی معتبر ہے، اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر ربع ہو گیا تو مفسد ہوگا، اور اگر متعدد اعضاء کھل جائیں تو سب کا مجموعہ ان میں سے چھوٹے عضو کی چوتھائی کے برابر ہونا مفسد ہے، ناف کی محاذات سے لے کر عانہ تک چاروں طرف ایک ہی عضو شمار ہوتا ہے، عانہ کی ابتداء ناف سے نیچے مدور خط سے ہوتی ہے، فی شرح التنویر وتجمع بالاجزاء لو فی عضو واحد والا فبالقدر فان بلغ ربع ادناها کاذن منع، وفی الشامیۃ فی بیان اعضاء عورۃ الرجل الثامن مابین السرۃ الی العانۃ مع مایحاذی ذٰلک من الجنبین والظهر والبطن، (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ر محرم ۸۷ھ

تحقیق مسئلہ بالا:

سوال:۔ بخدمت مخدومی حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے مزاج سامی بعافیت ہوں گے، ایک سوال تحقیق طلب ارسال خدمت ہے، محقق جواب ارقام فرما کر احسان فرمایا جائے، امراض ظاہرہ وباطنہ سے شفاء کے لئے دعاء فرما کر مزید احسان فرمایا جائے، فقط والسلام

عبد الستار مقیم دار الافتاء خیر المدارس ملتان، ۱ر ۱ر ۹۵ھ

اصلی بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ:۔ اگر نماز پڑھتے وقت چوتھائی پنڈلی یا چوتھائی ران ..... کھل جائے اور

اتنی دیر کھلی رہے جتنی دیر میں تین بار سُبحان اللہ کہہ سکے تو نماز جاتی رہی (حصہ دوم، ص ۱۳)

اس مسئلہ میں قابل تحقیق یہ امر ہے کہ زمانِ کثیر کی یہ مقدار (تین بار سُبحان اللہ کہہ سکنا) صحیح ہے یا نہیں؟ منحۃ الخالق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین تسبیحات رکوع یا سجدے والی ہیں، وہ عبارت یہ ہے: (وقدرالکثیر مایؤدی فیہ رکن) ای بسنتہ کما قید فی المنیۃ قال شارحھا ابن امیرحاج ای بما لہ من السنۃ ای بما ھو مشروع فیہ من الکمال السنی کالتسبیحات فی الرکوع والسجود مثلاً وھو تقیید غریب ووجھہ قریب ولم اقف علی التقیید بکونہ قصیراً او طویلاً اھ ای تقیید الرکن ای ھل المراد منہ قدر رکن طویل بسنتہ کالقعود الاخیر او القیام المشتمل علی قراءۃ المسنون او قدر رکن قصیر کالرکوع او السجود بسنتہ ای قدر ثلاث تسبیحات وبالثانی جزم البرھان الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال وذلک مقدار ثلاث تسبیحات اھ فافاد ان المراد اقصر رکن وکأنہ لانہ الاحوط واللہ اعلم (منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق ص ۲۸۷ ج ۱)

الغرض منیہ، کبیری، منحۃ الخالق وغیرہ کی عبارات سے بندہ کے فہم نارسا میں جو تحقیق آتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنے ائمۂ ثلاثہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انکشافِ عورت، قیام علی النجاسۃ، تقدّم علی الامام اور ان کے دیگر نظائر کا زمانِ قلیل کے لئے پایا جانا دفعِ حرج کی غرض سے معاف ہے، ہاں اگر یہ امور زمنِ کثیر کے لئے باقی رہے تو نماز فاسد ہوجائے گی،

زمنِ کثیر کی تحقیق

زمنِ کثیر امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ: اسی حالتِ انکشاف وغیرہ میں بالفعل ایک رکن ادا کر لیا جائے، اور شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک بالفعل اداءِ رکن ضروری نہیں بلکہ ادائیگی رکن بالفعل یا اتنا وقت جس میں اداءِ رکن ہوسکے زمنِ کثیر ہے، اب چونکہ ارکان صلوٰۃ بعض طویل ہیں کالقعود الاخیر اور بعض قصیر ہیں کالرکوع والسجود تو تحقیق مذہبِ شیخین کے لئے اس کی تشریح ضروری ہوئی، کہ رکنِ طویل کی ادائیگی بالقوۃ کا زمانہ معتبر ہے یا رکنِ قصیر کی ادائیگی کا، تو حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتیاطاً احتمالِ ثانی کو لے لیا ہے، فافاد ان المراد اقصر رکن وکأنہ لانہ الاحوط (منحۃ) کما مرّ ــــــ لیکن اس تشریح کے باوجود مذہبِ شیخین میں ابھی ابہام باقی ہے، کیونکہ قصیر رکن مثلاً رکوع کی ادائیگی کی تین صورتیں ہیں:

① درجۂ فرض و رکنیت میں ادائیگی،

② تعدیل و اطمینان واجب سے ادائیگی،

③ رکوع کے ذکرِ مسنون کے ساتھ اس کی ادائیگی،

ان احتمالات میں سے حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے احتمالِ ثالث کو متعین فرمادیا ہے، جیساکہ منیہ وغیرہ میں مصرح ہے، درمختار وشامی میں ہے قدر اداء رکن ای بسنتہ اھ، البحر الرائق مع منحۃ الخالق میں ہے: وقدر الکثیر مایؤدی فیہ رکن ای بسنتہ کما قیدہ فی المنیۃ اھ اس تفصیل وتشریح سے مذہب شیخین یہ محقق ومنقح ہوا کہ زمن کثیر اتنا وقت ہے کہ جس میں رکوع یا سجدہ ان کے ذکرِ مسنون ومشروع کے ساتھ ادا کیا جاسکے، اور یہ تین مرتبہ تسبیحاتِ رکوع یا سجدہ کہہ سکنے کا زمانہ ہے، کیونکہ رکوع وسجدہ کا ذکرِ مشروع ومسنون تسبیحاتِ رکوع وسجدہ ہی ہیں، نہ کہ سبحان اللہ پس رکوع کو اس کے ذکرِ مسنون ومشروع کے ساتھ ادا کرنے کا زمانہ تین بار سبحان ربی العظیم کا زمانہ ہوسکتا ہے، پس یہی زمنِ کثیر ہے، نماز کے بارے میں خود مصلّی کے لئے تسبیح کا لفظ عموماً جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہی تسبیحاتِ رکوع وسجدہ ہوتی ہیں، کیونکہ نماز میں یہی تسبیح مشروع ہے، سننِ صلوٰۃ میں فرماتے ہیں، والتسبیح فیہ ثلاثاً، سجدہ کے متعلق فرماتے ہیں والتسبیح فیہ ثلاثاً اھ (در مختار) مراد یہی مخصوص تسبیح ہے، تعدیلِ ارکان واطمینان کے متعلق لکھتے ہیں، ای تسکین الجوارح قدر تسبیحۃ فی الرکوع والسجود اھ (درمختار) وقال فی العنایۃ ومقدار الطمانینۃ بمقدار تسبیحۃ اھ وفی شرح الوقایۃ وقدر بمقدار تسبیحۃ اھ

اِن عبارات میں تسبیحہ سے مراد تسبیحۂ رکوع یا سجدہ ہے، نہ کہ سبحان اللہ، کما قال فی عمدۃ الرعایۃ، ای قدر الاطمینان الواجب بمقدار تسبیحۃ واحدۃ من تسبیحات الرکوع والسجود اھ (شرح وقایہ سعیدی، ص۱۶۳) پس اسی طرح اس مقام پر بھی ثلاث تسبیحات سے مراد تسبیحاتِ رکوع وسجود ہی ہوں گی، لہٰذا اس سے عموم مراد لیتے ہوئے اکتفاء علی الادنیٰ (یعنی سبحان اللہ) کرنا محلِ نظر ہے، نیز سبحانہ یا سبحانک، سبحان اللہ سے بھی مختصر ہے، پھر یہ کیوں مراد نہ لیا جائے؟

اگر کسی فقیہ نے رکن بلا سنۃ کو مقدر بسبحان اللہ کیا ہے تو اس سے رکن بسنتہٖ کو بھی مقدر بسبحان اللہ کرنا لازم نہیں آتا، کیونکہ رکن قصیر کے اندر کوئی ذکر درجۂ فرض و واجب میں فرض و واجب نہیں اس لئے خارج سے تعیین بسبحان اللہ کی حاجت ہوگی لیکن قدر اداءِ رکن بسنتہٖ جس کی تشریح ای بما لہ من السنۃ ہے، اور جس کی توضیح ای بما ھو مشروع فیہ من الکمال السنی ہے، اور جس کی تمثیل کالتسبیحات فی الرکوع والسجود ہے، اس کی تقدیر

بسبحان اللہ کی کیا حاجت وضرورت ہے؟ نیز یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان دونوں میں سے افقہ واقدم کون ہے؟ فقط

الجواب باسم ملهم الصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ! بخیریت ہوں، مسئلہ مرسلہ میں آپ کی تحقیق صحیح ہے، آپ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں اور اپنے لئے دعاء جو ہوں، فقط والسلام علیکم

رشید احمد
۱۳ محرم ۹۵ھ

نماز میں عورت کے ٹخنے کھلے رہنے کا حکم:

سوال:۔ نماز کی حالت میں عورت کے ٹخنے کھلے رہے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً ربع عضو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تک کھلا رہا تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور قصداً ربع عضو ایک لمحہ بھی کھلا چھوڑ دیا تو نماز فاسد ہوگئی، ربع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً، تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہرحال مفسد نہیں، ٹخنے پنڈلی کے ساتھ مل کر ایک عضو ہے اور ربع عضو سے کم ہے اس لئے نماز ہوجائے گی، قال فی العلائیۃ ویمنع کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعہ وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فلو بہ فسدت فی الحال عندھم قنیۃ قال ح ای وان کان اقل من اداء رکن اھ وفی الخانیۃ اذا طرح المقتدی فی الزحمۃ امام الامام او فی صف النساء او مکان نجس او حولوہ عن القبلۃ او طرحوا ازارہ او سقط عنہ ثوبہ او انکشفت عورتہ ففیما اذا تعمد ذلک فسدت صلوتہ وان قل والا فان ادی رکنا فکذلک والا فان مکث بعذر لا تفسد فی قولھم والا ففی ظاھر الروایۃ عن محمد تفسد اھ (رد المحتار ص ۳۷۹ ج ۱) وقال بعد ذکر الاعضاء الثمانیۃ من عورۃ الرجل وفی الحرۃ ھذہ الثمانیۃ ویزاد فیھا ستۃ عشر الساقان مع الکعبین الخ (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب ۱۶ھ

باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی:

سوال:۔ باریک قمیص یا دوپٹہ اوڑھ کر عورت نے نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے باریک دوپٹہ میں نماز نہیں ہوتی جس سے بالوں کی رنگت نظر آئے، اسی طرح قمیص میں سے عورت کے بدن کا رنگ جھلکے تو نماز نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر وللحرۃ جمیع بدنہا حتی شعرہا النازل فی الاصح خلا الوجہ والکفین فظہر الکف عورۃ علی المذہب والقدمین علی المعتمد (رد المحتار ص ۳۷۶ ج ۱) وقال فی الشامیۃ (قولہ لا یصف ما تحتہ) بان لا یری منہ لون البشرۃ احترازا عن الرقیق ونحو الزجاج (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ربیع الاول ۸۷ھ

چست لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال:۔ آجکل مغرب زدہ عورتیں ایسا تنگ اور چست لباس پہنتی ہیں کہ اس میں سے مخفی اعضاء کی صورت وشکل نمایاں ہوتی ہے، کیا اس طرح عورت کو اپنے اعضاء دکھانا جائز ہے؟ اور ان کا دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے لباس میں نماز درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا چست لباس پہننا جس سے اعضاء مخفیہ کی شکل نظر آئے حرام ہے، اس طور پر اعضاء مخفیہ دکھانا بھی حرام اور دیکھنا بھی حرام، اگرچہ بلا شہوت ہو، ایسا لباس اگر اتنا موٹا ہو کہ اس میں سے بدن کا رنگ نظر نہ آتا ہو تو اس میں اگرچہ نماز کا فرض ادا ہو جائے گا مگر حرام لباس میں نماز مکروہ اور واجب الاعادہ ہوگی، عورتوں کے لباس کی بنسبت مردوں کی چست پتلون زیادہ خطرناک ہے، اس لئے کہ عورت نے چست کرتے کو چادر یا دوپٹہ سے چھپا کر نماز پڑھی تو اس میں کراہت نہیں، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ولا یضر التصاقہ ای بالالیۃ مثلا وقولہ وتشکلہ من عطف المسبب علی السبب وعبارۃ شرح المنیۃ اما لو کان غلیظا لا یری منہ لون البشرۃ الا انہ التصق بالعضو وتشکل بشکلہ فصار شکل العضو مرئیا، فینبغی ان لا یمنع جواز الصلوٰۃ لحصول الستر اھ قال ط وانظر ہل یحرم النظر الی ذلک المتشکل مطلقا او حیث وجدت الشہوۃ اھ قلت سنتکلم علی ذلک فی کتاب الحظر والذی یظہر من کلامہم ہناک ہو الاول، (رد المحتار ص ۳۸۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ صفر ۸۱ھ

مرد کو نماز میں ٹخنے ڈھانکنا:

سوال:- نماز میں اگر ٹخنے ڈھکے ہوئے ہوں تو نماز میں کیا اثر پڑتا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مرد کے لئے نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں ٹخنے ڈھانکنا ناجائز اور گناہ ہے، حدیث میں اس پر جہنم کی وعید آئی ہے، نماز کے اندر گناہ کا ارتکاب اور بھی زیادہ بُرا ہے، نماز میں ٹخنے ڈھانکنے سے اگرچہ نماز ہوجائے گی، مگر متکبرین کا شعار ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور واجب الاعادہ ہے، قال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی المکروھات وکذا ماھو من عادۃ اھل التکبر (طحطاوی علی المراقی ص۱۸۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹخنے ڈھانکنے، ڈاڑھی کٹانے اور گانے بجانے کو ان بداعمالیوں کی فہرست میں شمار فرمایا ہے جن کی وجہ سے قوم لوط علیہ السلام پر عذاب آیا، (درمنثور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رجمادی الاولیٰ س۹۶ھ

ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال:- ناپاک جگہ پر پاک کپڑا بچھا کر نماز پڑھی، تو نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہوجائے گی، بشرطیکہ کپڑا اتنا موٹا ہو کہ نیچے سے نجاست نظر نہ آتی ہو، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ولوکان رقیقاً وبسطہ علی موضع نجس ان صلح ساتراً للعورۃ تجوز الصلوٰۃ کما فی البحر عن الخلاصۃ (رد المحتار ص۳۷۴ ج۱)، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ رشوال س۹۱ھ

ناپاک جگہ پر شیشہ بچھا کر نماز پڑھنا:

سوال:- کسی ناپاک جگہ پر شیشہ کا تختہ بچھا کر اس پر نماز پڑھ لی تو درست ہے یا نہیں، جبکہ شیشہ کے نیچے کی ناپاکی نظر آتی ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہوجائے گی، قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وفی القنیۃ لو صلیٰ علی زجاج یصف ما تحتہ قالوا جمیعاً یجوز اھ (رد المحتار، ص۳۷۴ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الآخر س۹۷ھ

وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر نفل کی نیت باندھ لی :

سوال :۔ بھولے سے دو وتر پڑھ کر سلام پھیر دیا، اور نفلوں کی نیت باندھ لی، پھر یاد آیا کہ دو رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً نیت توڑ کر کھڑا ہو گیا، اور ایک رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کرکے نماز تمام کی، تو وتر ہوتے یا نہیں؟ یا پھر سے پڑھنا واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر دوبارہ پڑھنا واجب ہے، البتہ اگر نفل کی نیت نہ باندھی ہوتی اور بھی کوئی کام و کلام مفسدِ نماز نہ کیا ہوتا تو سجدۂ سہو کرلے سے نماز صحیح ہوجاتی، قال فی الهندیة ومن صلّی من المغرب رکعتین وقعد قدر التشهد وزعم انه اتمها فسلّم ثم قام فکبّر ونوی الدخول فی سنة المغرب وقد سجد للسنة اولا فصلوٰة المغرب فاسدة لانه صار منتقلاً من الفرض الی النفل قبل فراغه، اما اذا اسلم وتذکر انه لم یتم فحسب ان صلوٰته فسدت فقام وکبر للمغرب ثانیا وصلّی ثلاثا ان صلی رکعة وقعد قدر التشهد اجزأه المغرب والا فلا (عالمگیریة ص۱۰۵ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ر ذیقعدہ ۸۶ھ

فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا :

سوال :۔ زید نے بھولے سے فرض کی تیسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اور دعاء میں مشغول ہو گیا، اللهم انت السلام الخ پڑھنے پایا تھا کہ یاد آیا کہ تین رکعت پر سلام پھیرا ہے، فوراً کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کرکے نماز پوری کر دی تو نماز ہو گی یا نہیں؟ جبکہ نہ قبلہ سے سینہ پھرا اور نہ کسی سے گفتگو کی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نماز ہو گئی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۴ر ذیقعدہ ۷۶ھ

ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد نمازی کے سامنے سے گذرنا جائز ہے :

سوال :۔ زید نے نماز کا ایک طرف سلام پھیرا تھا کہ بکر آگے سے نکل گیا، تو بکر گنہگار ہو گا یا نہیں؟ ایک عالم دین کہتے ہیں کہ دونوں طرف سلام پھیرنا واجب ہے، لہٰذا بکر گنہگار ہوگا، تو کیا اُن کا کہنا صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب :۔ اس صورت میں بکر گنہگار نہیں ہوگا، کیونکہ

نماز پہلے سلام سے ختم ہوجاتی ہے، بلکہ لفظ السلام یعنی علیکم کہنے سے بھی پہلے ہی نماز پوری ہوجاتی ہے، دونوں سلام واجب ہیں، مگر سلام ثانی خارج صلوٰۃ میں واجب ہو، اس لئے اگر کوئی پہلا السلام کہنے کے بعد اور علیکم کہنے سے قبل اقتدار کرے تو اقتدار صحیح نہیں، کمافی الدر المختار ولفظ السلام مرتین فالثانی واجب علی الاصح، برهان، دون علیکم وتنقضی قدوۃ بالاول قبل علیکم علی المشهور عندنا وعلیه الشافعیة وفی الشامیة قوله (وتنقضی قدوۃ بالاول) ای بالسلام الاول قال فی التجنیس الامام اذا فرغ من صلوته فلما قال السلام جاء رجل واقتدی به قبل ان یقول علیکم لا یصیر داخلاً فی صلوته لان هذا السلام الاتری انه لو اراد ان یسلم علی احد فی صلوته ساهیاً فقال السلام ثم علم فسکت تفسد صلوته اهـ رحمتی (رد المحتار، ص ۴۳۶ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۱ محرم ۸۷ھ

نماز میں ڈکار آنا :

سوال :- دورانِ نماز اگر ڈکار آجائے جس سے آواز پیدا ہو، تو نماز درست ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز درست ہوجائے گی، مگر حتی الامکان آواز کو روکنا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ شعبان ۹۴ھ

آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے :

سوال :- زید نے وضو کرنے کے لئے آستین چڑھائی تھی، اب رکعت جانے کے خوف سے جلدی میں بغیر آستین اتارے جماعت میں شامل ہوگیا، تو کیا زید کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اگر مکروہ ہوگی تو تنزیہیہ یا تحریمیہ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بلاوجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور اگر نماز سے پہلے کسی کام کے لئے یا وضو کے لئے آستینیں چڑھائی تھیں اور اسی طرح نماز شروع کردی، یا اس کی ہیئت ہی ایسی ہے تو اس کی کراہت میں اختلاف ہے، بہرصورت بہتر یہ ہے کہ نماز کے اندر ہی عمل قلیل سے آستینیں کھول دے قال فی شرح التنویر وکرہ کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل، وقال ابن عابدین رحمه اللہ تعالیٰ ای کما لو دخل فی الصلوٰۃ وهو مشمر کمه او ذیله واشار بذلك الی

ان الکراھۃ لا تختص بالکف وھو فی الصلوٰۃ کما افادہ فی شرح المنیۃ لکن قال فی القنیۃ واختلف فیمن صلّی وقد شمر کمیہ لعمل کان یعملہ قبل الصلوٰۃ اوھیئتہ ذٰلک اھ، ومثلہ مالو شمر للوضوء ثم عجل لادراک الرکعۃ مع الامام واذا دخل فی الصلوٰۃ کذلک وقلنا بالکراھۃ فھل الافضل ارخاء کمیہ فیھا بعمل قلیل او ترکھما الم ارہ والاظہر الاول بدلیل قولہ الاٰتی ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتھا افضل تأمل ھٰذا وقید الکراھۃ فی الخلاصۃ والمنیۃ بان یکون رافعا کمیہ الی المرفقین وظاھرہ انہ لا یکرہ الی مادونھما قال فی البحر والظاھر الاطلاق لصدق کف الثوب علی الکل اھ وکذا قال فی شرح المنیۃ الکبیر ان التقیید بالمرفقین اتفاقی قال وھذا لو شمرھما خارج الصلوٰۃ ثم شرع فیھا کذلک اما لو شمر وھو فیھا تفسد لانہ عمل کثیر (رد المحتار، ص ۵۹۹ ج ۱) وقال ایضا تحت (قولہ ای رفعہ) وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ (ص ۵۹۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ محرم ۱۳۸۷ھ

سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- بعض لوگ نماز میں عادۃً سجدہ میں جاتے وقت پاجامہ یا تہبند کو اٹھا لیتے ہیں، یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ تحریمی ہے، قال فی العلائیۃ وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای سواء کان من بین یدیہ او من خلفہ عند الانحطاط للسجود، بحر وحرر الخیر الرملی ما یفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ (رد المحتار ص ۵۹۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رجمادی الآخرہ ۱۳۸۷ھ

آدھی آستین کے کرتہ میں نماز مکروہ نہیں:

سوال:- آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کو درمیان صف سے نکالنا چاہئے یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

آدھی آستین والا کرتہ پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اگر اس کو ثیاب بذلہ میں شمار کیا جاتا ہو اور اس کو عام مجلس میں پہننا معیوب سمجھا جاتا ہو تو مکروہ ہے، بہرصورت اُن کو صف سے نکالنا جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

رومال وعقال سدل میں داخل نہیں:

سوال:- سر پر کپڑا ڈال کر اگر اس پر عقال باندھ دیا جائے، جیسا کہ اہل عرب کا طریقہ ہے، یہ سدل میں شمار ہوگا یا نہیں؟ نیز اس سے نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

سدل کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کی کراہت کی تین وجوہ ہیں:

① اہل کتاب سے تشبہ

② کشف عورت کا خطرہ، اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ صرف سر پر کپڑا ڈال کر لٹکا دیا جائے اور ازار وغیرہ نہ ہو،

③ لبس غیر معتاد،

رومال سر پر ڈال کر جو عقال باندھا جاتا ہے یہ لبس معتاد ہے، اس میں کشف عورت کا بھی خطرہ نہیں، اور تشبہ باہل کتاب بھی نہیں، اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رجمادی الآخرہ سنہ ۹۱ھ

نمازی کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اٹھکر جا سکتا ہے:

سوال:- اگر کوئی شخص کسی مصلی کے سامنے بیٹھا ہوا ہو تو وہ اٹھکر جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جا سکتا ہے، قال فی رد المحتار تحت عنوان (تتمة) عن القنية اراد المرور بين يدى المصلى فان كان معه شیء يضعه بين يديه ثم يمر ويأخذه ولو مر اثنان يقوم احدهما امامه ويمر الآخر ويفعل الآخر هكذا ويمران (رد المحتار ص۵۹۵ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رصفر سنہ ۸۶ھ

نمازی کے سامنے کتنے فاصلہ سے گزرنا جائز ہے ؟:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے متعلق کہ نمازی کے آگے سے تین صف چھوڑ کر یا چار صف چھوڑ کر نکلنا جائز ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اتنی چھوٹی مسجد یا کمرے یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اُسکا کُل رقبہ ۱۶۰۰ ہاتھ=۳۳۴،۴۵۱ مربع میٹر سے کم ہے تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ قریب سے گزرے یا دُور سے، بہرحال گناہ ہے۔ البتہ اگر کھُلی فضاء میں یا ۳۳۴،۴۵۱ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے کمرے میں یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہو وہاں تک گذرنا جائز نہیں، اُس سے ہٹکر گذرنا جائز ہے، بندہ نے اس کا اندازہ لگایا تو سجدہ کی جگہ سے ایک صف کے قریب ہوا، لہٰذا نمازی کے موضع قیام سے دو صف کی مقدار (تقریباً آٹھ فٹ = ۲،۴۴ میٹر) چھوڑ کر گذرنا جائز ہے، قال شارح التنویر فی مفسدات الصلوٰۃ ومرور مار فی الصحراء او فی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح او مرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت ومسجد صغیر فانہ کبقعۃ واحدۃ، وفی الشامیۃ (قولہ فی الاصح) ھو ما اختارہ شمس الائمۃ وقاضی خان وصاحب الھدایۃ واستحسنہ فی المحیط وصححہ الزیلعی ومقابلہ ما صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع واختارہ فخر الاسلام ورجحہ فی النھایۃ والفتح انہ قدر ما یقع بصرہ علی المار لو صلی بخشوع ای رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ وارجع فی العنایۃ الاول الی الثانی بحمل موضع السجود علی القریب منہ وخالفہ فی البحر وصحح الاول وکتبت فیما علقتہ علیہ عن التجنیس ما یدل علی ما فی العنایۃ فراجعہ (قولہ فی بیت) ظاھرہ ولو کبیرا وفی القھستانی وینبغی ان یدخل فیہ ای فی حکم المسجد الصغیر الدار والبیت (قولہ ومسجد صغیر) ھو اقل من ستین ذراعا وقیل من اربعین وھو المختار کما اشار الیہ فی الجواھر قھستانی (رد المحتار ص ۵۹۳ ج ۱) وقال الرافعی (قولہ ظاھرہ ولو کبیرا الخ) لکن ینبغی تقییدہ بالصغیر کما تقدم فی الامامۃ تقیید الدار بالصغیرۃ حیث لم یجعل قدر الصفین مانعا من الاقتداء بخلاف الکبیرۃ وفی المتانۃ معزیا الجواھر الفتاوی سئل قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ عن الدار ان لہ حکم المسجد ام حکم الصحراء فی حکم اتحاد المکان واختلافہ قال اختلفوا فیہ بعضھم قالوا ان کان ستین ذراعا فی ستین ذراعا بذراع الشاھجھان

فہی کبیرۃ والا فصغیرۃ وبعضہم قالوا ان کان اربعین ذراعا فی اربعین ذراعا فہی کبیرۃ والا فصغیرۃ ھذا ھو المختار ھکذا افتاہ (المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ ص۱۹۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ ر ذی قعدہ ۸۶ھ

رُومال یا چھڑی کا سترہ بنانا:

سوال :۔ ایک شخص نمازی کے سامنے سے گزرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کرکے اس کے پیچھے سے گزر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، ونصہ واذا کان معہ عصا لا تقف علی الارض بنفسہا فامسکہا بیدہ ومر من خلفہا ھل یکفی ذلک لم ارہ (رد المحتار، ص ۵۹۵ ج ۱) بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں، لہٰذا بوقتِ ضرورت اس کی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ عند البعض لکڑی زمین پر لٹا دینا یا خط کھینچ دینا بھی سترہ کے لئے کافی ہے، علاوہ ازیں مسجد کبیر اور صحراء میں موضعِ سجود کے ساتھ کراہتِ مرور کی تخصیص کا قول بھی مصحح ہے، بوقتِ ضرورت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ر رمضان ۹۸ھ

بوقتِ ضرورت سترہ کی مختلف صورتیں:

سوال :۔ اگر نمازی اپنے سامنے دستی بیگ یا کوئی کپڑا وغیرہ رکھ لے تو اس کے سامنے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصّواب

سترہ کم از کم ایک ہاتھ اونچا ہونا چاہئے، اس سے کم اونچائی کے اکتفاء میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ بقدر ذراع سُترہ میسّر نہ ہو تو اس سے کم بھی کافی ہے، بوقتِ ضرورت سترہ کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً

① کوئی ایسی چیز جو ایک ذراع سے کم بلند ہو،
② چھڑی وغیرہ لٹا لینا، اگر کھڑی نہ ہوسکے،
③ سامنے خط کھینچ لینا،

چھڑی اور خط طولاً یعنی قبلہ رُخ ہونا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ عرضاً بھی جائز ہے،

④ جانماز یا کپڑا بچھا کر اس پر نماز پڑھنا،

⑤ اگر دو آدمی گزرنا چاہیں تو ایک نمازی کے سامنے اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہوجائے دوسرا گزر جائے، پھر وہ اسی طرح نمازی کے سامنے ہوجائے اور پہلا گزر جائے،

⑥ ایک قول مصحح یہ بھی ہے کہ ۳۶۰۰ مربع فٹ = ۳۳۴٫۴۵۱ مربع میٹر، یا اس سے بڑی مسجد اور صحراء میں موضع سجود سے ہٹ کر گزرنا بدون سترہ جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رمضان ۹۸ھ

مسجدِ حرام میں نمازی کے سامنے سے گذرنا:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ مسجدِ حرام میں نمازی کے سامنے سے گذرنا کیسا ہے؟ کیا اس کا حکم دوسری مساجد کی طرح ہے یا کہ مختلف ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس مسئلہ میں مسجدِ حرام کی کوئی تخصیص نہیں، بلکہ دوسری بڑی مساجد کی طرح اس میں بھی نمازی کے مقام سے دو صفوں کی جگہ چھوڑ کر گذرنا جائز ہے، اس حد کے اندر گزرنا جائز نہیں، مگر طواف کرنے والے موضع سجود چھوڑ کر گذر سکتے ہیں، قال فی الشامیۃ (تنبیہ) ذکر فی حاشیۃ المدنی لایمنع المار داخل الکعبۃ وخلف المقام وحاشیۃ المطاف لما روی احمد وابو داؤد عن المطلب بن ابی وداعۃ انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی مما یلی باب بنی سہم والناس یمرون بین یدیہ ولیس بینہما سترۃ وھو محمول علی الطائفین فیما یظہر لان الطواف صلوۃ، فصار کمن بین یدیہ صفوف من المصلین انتہی ومثلہ فی البحر العمیق وحکاہ عز الدین بن جماعۃ عن مشکلات الآثار للطحاوی ونقلہ المنلا رحمۃ اللہ فی منسکہ الکبیر ونقلہ سنان آفندی ایضاً فی منسکہ اھ، وسیأتی انشاء اللہ تعالیٰ تأیید ذلک فی باب الاحرام من کتاب الحج (رد المحتار ص ۵۹۴ ج ۱) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لایمنع المار داخل الکعبۃ الخ) المرور بین یدی المصلی فی موضع سجودہ داخل الکعبۃ لاشک فی کراھتہ وان وراءہ او خلف المقام او حاشیۃ المطاف فلا یتوھم فیہ الکراھۃ حیث کان لا فی موضع السجود ھذا معلوم من کلام المصنف فان المسجد کبیر ولا حاجۃ حینئذ الی حمل الوارد علی الطائفین (التحریر المختار ص ۷۳ ج ۱)،

قلت حمل الوارد علی الطائفین محمول علی ان منع المرور غیر مختص بموضع السجود بل ہو قدر مایقع بصرہ علی المار لو صلی بخشوع ای رامیًا ببصرہ الی موضع سجودہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۲ محرم ۹۹ھ

فسادِ وضو کے عذر سے نمازیوں کے سامنے سے گذرنا:

سوال:۔ زید اول جماعت میں شریک تھا کہ ریح خارج ہوگئی، اب زید نمازیوں کے سامنے سے نکل کر وضو کرنے جائے تو سامنے سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ درمیان سے گذرنا مشکل ہو، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز ہے، بلکہ صف کو درمیان سے چیرنے کی بنسبت سامنے سے گذرنا اہون و اولیٰ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ رجب ۹۹ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا:

سوال:۔ گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز ادا کرنا باوجودیکہ نیچے جگہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اوپر بھی ایک منزل مسجد کا برآمدہ ہو، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

فی الهندیة فی الباب الخامس من الکراهیة الصعود علی سطح المسجد مکروہ، ولهذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقہا الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الغرائب اھ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، مگر اس میں یہ تفصیل بنظرِ فقہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اوپر مسقف منزل نہ ہو تو چھت پر چڑھنا اور نماز پڑھنا بہرکیف مکروہ ہے، اور اگر اوپر بھی مسقف ہے تو اس میں منفردًا نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، اور نچلی منزل میں جگہ ہوتے ہوئے اوپر کی منزل میں جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے، هذا اعندی ولعل عند غیری احسن منه، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ صفر ۸۸ھ

نمازی کا عکس شیشے میں نظر آنے کا حکم:

سوال:۔ مسجد میں سامنے دیوار کے پاس الماریاں رکھی ہوئی ہیں، جن میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں، اور الماریوں میں شیشے لگے ہوئے ہیں، جو شخص صف میں ان کی محاذات میں ہوتا ہے

اس کا عکس نظر آتا ہے، ایسا عکس نہیں جیسا کہ منہ دیکھنے کے آئینہ میں نظر آتا ہے، بلکہ ایسا عکس ہے جیسا کہ پانی میں نظر آتا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا عکس نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر نماز میں اس کی طرف توجہ جاتی ہو اور یکسوئی میں مخل ہو تو ایسا شیشہ لگانا مکروہ ہے، ورنہ فی نفسہٖ اس میں کوئی کراہت نہیں، جیسا کہ مصلی کا سایہ بحالتِ نماز سامنے پڑنا موجبِ کراہت نہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رجب ۸۷ھ

ریشمی لباس میں نماز مکروہ ہے:

سوال:- اگر مرد سونا یا ریشم پہنکر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ہفتم و ہشتم ص ۲۳۵ میں درج ہے کہ "سونا اور ریشم پہنکر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے،، اس بارہ میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز ہو جائے گی، قال فی الشامیۃ وستر عورتہ ولو بما لا یحل لبسہ کثوب حریر وان اثم بلا عذر کالصلوٰۃ فی الارض المغصوبۃ (رد المحتار ص ۲۷۵ ج ۱) مگر حالتِ ارتکابِ کبیرہ میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، نیز کراہت کی یہ وجہ بھی ہے کہ یہ متکبرین اور فساق کا لباس ہے، لہٰذا یہ نماز واجب الاعادہ ہے، لما فی مکروہات الصلوٰۃ من الهدایۃ والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطها وتعاد علی وجه غیر مکروہ وهذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراهۃ (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ شوال ۸۷ھ

لہسن یا پیاز کھا کر گھر میں بھی نماز مکروہ ہے:

سوال:- لہسن پیاز کھا کر اپنے گھر میں نماز ادا کرے تو نماز مکروہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

پیاز یا لہسن کھانے کے بعد منہ کی بدبو زائل کئے بغیر گھر میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ دربارِ خداوندی کی عظمت کے خلاف ہے اور بدبو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز کھانے سے منع فرمایا ہے، عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اکل الثوم الا مطبوخا رواه الترمذی (مشکوٰۃ ص ۳۶۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۴ محرم ۸۸ھ

حالتِ نماز میں بیڑی سگریٹ اور نسوار جیب میں رکھنا جائز نہیں:

سوال: مسجد میں بیڑی، سگریٹ یا نسوار بعض جیب سے نکال کر صحن میں رکھدیتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بدبودار چیزوں کا مسجد میں رکھنا کیسا ہے؟ یا جیب میں رکھ کر ایسی چیزوں کو نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسی بدبودار چیزوں کو مسجد میں لانا یا نماز کی حالت میں جیب میں رکھنا جائز نہیں، البتہ نماز صحیح ہوجائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ رجب ۸۶ھ

نماز میں چلنا:

سوال: مشی فی الصلوٰۃ کس صورت میں مفسد ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قال فی شرح التنویر (فروع) مشی مستقبل القبلة هل تفسد ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی ووقف کذلك وهکذا لا تفسد وان کثر ما لم یختلف المکان وقیل لا تفسد حالة العذر ما لم یستدبر القبلة استحسانا ذکره القهستانی، وفی الشامیة (قوله ما لم یختلف المکان) ای بان خرج من المسجد او تجاوز الصفوف لو الصلوٰة فی الصحراء فحینئذ تفسد کما لو مشی قدر صفین دفعة واحدة، قال فی شرح المنیة وهذا ابناء علی ان الفعل القلیل غیر مفسد ما لم یتکرر متوالیا وعلی ان اختلاف المکان مبطل ما لم یکن لاصلاحها وهذا اذا کان قدامه صفوف، واما ان کان اماما فجاوز موضع سجوده فان بقدر ما بینه و بین الصف الذی یلیه لا تفسد وان کثر فسدت، وان منفردا فالمعتبر موضع سجوده فان جاوزه فسدت والا فلا، والبیت للمرأة کالمسجد عند ابی علی النسفی وکالصحراء عند غیره اه وقال تحت (قوله وقیل لا تفسد حالة العذر) وذکر فی الحلیة ایضا فی فصل المکروهات ان الذی تقتضیه القواعد المذهبیة المستندة الی الادلة الشرعیة ووقع به التصریح فی بعض الصور الجزئیة ان المشی لا یخلو اما ان یکون بلا عذر او بعذر فالاول ان کان کثیرا متوالیا تفسد وان لم یستدبر القبلة، وان کان کثیرا غیر متوال بل تفرق فی رکعات او کان قلیلا فان استدبرها فسدت صلوته للمنافی بلا ضرورة والا فلا، وکره لما عرف ان ما افسد کثیره کره قلیله بلا ضرورة وان بعذر فان کان للطهارة عند سبق

الحدث او فی صلوٰۃ الخوف لم یفسدھا ولم یکرہ قل او کثر استدبر او لا وان لغیر ماذکر فان استدبر معہ فسدت قل او کثر وان لم یستدبر فان قل لم یفسد ولم یکرہ وان کثیرا متلاحقا افسد واما غیر متلاحق ففی کونہ مفسدا او مکروھا خلاف وتأمل اھ ملخصا قال فی ھذا الباب والذی یظھر ان الکثیر الغیر المتلاحق غیر مفسد ولا مکروہ اذا کان لعذر مطلقا۔ (رد المحتار ص۵۸۵ ج۱) وفی باب الاستخلاف من العلائیۃ استخلف ما لم یجاوز الصفوف لو فی الصحراء ما لم یتقدم حدہ السترۃ او موضع السجود علی المعتمد کالمنفرد وما لم یخرج من المسجد او الجبانۃ او الدار لو کان یصلی فیہ وفی الشامیۃ (قولہ ما لم یتقدم الخ) تخصیص لما فی المتن کالھدایۃ وحاصلہ ان حد الصفوف ان ذھب یمنۃ ویسرۃ او خلفا واما ان ذھب اماما فحد السترۃ او موضع السجود ان لم تکن سترۃ قال فی الفتح انہ الاوجہ وفی البدائع انہ الصحیح قال فی البحر فما فی الھدایۃ من ان الامام اذا لم یکن بین یدیہ سترۃ فالمعتبر مشیہ مقدار الصفوف خلفہ ضعیف اھ لکن قال الخیر الرملی ان اغلب الکتب علی اعتماد ما فی الھدایۃ فکیف یکون ضعیفا (قولہ کالمنفرد) فان المعتبر فیہ موضع سجودہ من الجوانب الاربع الا اذا مشی امامہ وبین یدیہ سترۃ فیعطی لداخلھا حکم المسجد بحر عن البدائع (قولہ او الدار) کذا اطلقھا فی الزیلعی والبحر والظاھر ان المراد منھا الصغیرۃ لما قدمناہ فی موانع الاقتداء ان الصغیرۃ کالمسجد والکبیرۃ کالصحراء وان المختار فی تقدیر الکبیرۃ اربعون ذراعا تأمل (رد المحتار ص۵۶۳ ج۱) وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالی (قولہ ھو اقل من ستین ذراعا) وفی حاشیۃ عبد الحلیم الصغیر ما یکون اقل من جریب کما فی البرجندی اھ والجریب ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری سبع قبضات تأمل (التحریر المختار ص۸۳ ج۱)

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے:

① بلا عذر مشی کثیر متوالی مفسد ہے،

② بلا عذر مشی غیر متوالی خواہ کثیر ہو یا قلیل، مفسد نہیں مکروہ ہے، البتہ اختلافِ مکان مفسد ہے،

③ عذرِ طہارت اور صلوٰۃ خوف میں مشی بہرکیف نہ مفسد ہے نہ مکروہ،

④ عذر مذکور کے سوا کسی اور عذر سے مشی کثیر متوالی مفسد ہے،

⑤ بالعذر مشی کثیر غیر متوالی اور مشی قلیل نہ مفسد ہے نہ مکروہ،

(۶) انحراف عن القبلۃ عذرِ طہارت و صلوٰۃ خوف کے سوا ہر حال میں مفسد ہے،

(۷) بقدر دو صف مشیِ کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل ہے،

(۸) عدمِ اختلافِ مکان سے مراد یہ کہ مسجد یا ۹۰ مربع فٹ = ۳۶ ر ۸ مربع میٹر سے چھوٹے مکان سے باہر نہ نکلے، اور بڑے مکان یا صحراء میں ہو تو مقتدی جوانب اربعہ میں صفوف سے تجاوز نہ کرے، اور امام جانبِ قبلہ کے سوا باقی تین اطراف میں صفوف سے اور جانبِ قبلہ میں سترہ سے تجاوز نہ کرے، اگر سُترہ نہ ہو تو موضعِ سجود سے آگے نہ بڑھے، اور ایک قول کے مطابق امام اور اس سے پچھلی صف کے درمیان جتنا فاصلہ ہو اس قدر امام آگے نہ بڑھے، تیسرا قول یہ ہے کہ پیچھے تمام صفوں کے مقام کے برابر آگے نہ بڑھے، اور منفرد چاروں طرف موضعِ سجود کے برابر مقام سے تجاوز نہ کرے، البتہ سامنے سُترہ ہو تو سامنے کی طرف سُترہ سے آگے نہ بڑھے،

عبارتِ رافعی میں ستّون فی ستّین سے معلوم ہوتا ہے کہ اربعون ذراعًا سے بھی اربعون فی اربعین مراد ہے، مگر عام کتب کی عبارات کا مفہوم متبادر چالیس مربع ہاتھ ہے،

(۹) مشیِ غیر متوالی سے مراد یہ ہے کہ قدرِ کثیر سے قبل کم از کم بقدرِ رکن توقف کرے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ربیع الآخر ۱۳۸۹ھ

نماز میں بلاضرورت کھجلانا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: نماز میں کھجلانے کا کیا حکم ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بلاضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ تحریمی ہے، اور نماز واجب الاعادہ ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدون کھجلائے نماز میں یکسوئی نہ ہو تو ایک یا دو بار کھجلانا بلاکراہت جائز ہے، اور تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت میں تین بار بضرورت کھجلانا بھی مفسد ہے

فی مکروهات الصلوٰة من العلائية وعبثه به ای بثوبه وبجسده للنهی الا لحاجة وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ (قوله للنهی) وهو ما اخرجه القضاعی عنه صلی الله عليه وسلم ان الله كره لكم ثلاثا العبث فی الصلوٰة والرفث فی الصيام والضحك فی المقابر وهی كراهة تحريم كما فی البحر (قوله الا لحاجة) كحك بدنه لشیء اكله واضره وسلت العرق يؤلمه ويشغل قلبه وهذا لو بدون عمل كثير (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱)

وفی مكروهات المراقی كعبثه بثوبه وبدنه لانه ينافی الخشوع الذی هو روح الصلوٰة

فکان مکروھا (الیٰ قولہ) ورأی علیہ الصلوٰۃ والسلام رجلاً یعبث بلحیتہ فی الصلوٰۃ فقال لوخشع قلبہ لخشعت جوارحہ، وقال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (نکان مکروھا) ای تحریماً افادہ السید وغیرہ (طحطاوی علی المراقی ص ۱۸۹) وقال فی البدایۃ ویکرہ للمصلی ان یعبث بثوبہ او بجسدہ وفی الشرح والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطھا وتعاد علیٰ وجہ غیر مکروہ وھٰذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ وقال ابن الھمام رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذکور اعنی قولہ وتعاد یفیدہ ایضاً علیٰ ماعرف والحق التفصیل بین کون تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم فتجب الاعادۃ او تنزیہ فتستحب (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۱)۔ مطلق کراہت سے کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے، اور شامیہ سے بحوالۂ بحر اور طحطاوی سے بحوالہ سید وغیرہ کراہتِ تحریمیہ کی تصریح گزر چکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۳ / رمضان المبارک ۸۷ھ

مسلسل تین بار کھجلانا مفسدِ نماز ہے:

سوال:۔ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکن میں تین دفعہ کھجلانے سے نماز فاسد ہوگی، اگر کسی کو خارش کا مرض ہو، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جبکہ بغیر کھجلائے نہ رہا جائے، کیونکہ یہ تو معذور ہے، شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

تین دفعہ کھجلانے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ یہ اُس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھائے اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اُٹھا کر تین دفعہ کھجلایا تو نماز فاسد نہ ہوگی، کذا ذکرہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ونصہ قال فی الفیض الحک بید واحدۃ فی رکن ثلاث مرات یفسد الصلوٰۃ ان رفع یدہ فی کل مرۃ وفی الجوھرۃ عن الفتاوی اختلفوا فی الحک ھل الذھاب والرجوع مرۃ اوالذھاب مرۃ والرجوع اخریٰ (رد المحتار ص ۵۹۹ ج ۱) نیز اگر تین بار اس طرح کھجلایا کہ تیسری حرکت سے پہلے تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت گزر گیا تو اس طرح تین بار کھجلانا بھی مفسد نہیں، لان المفسد ھو کون الحرکات الثلاث متوالیۃ کما فی الشامیۃ ص ۵۸۴ ج ۱،

زیادہ مجبوری کی حالت میں نماز کو اس طرح مختصر کیا جا سکتا ہے کہ صرف فرائض اور واجبات پر اکتفاء کرے، سنن وآداب کو ترک کردے، قیام میں ثناء، تعوذ، اور تسمیہ چھوڑ دے، سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد تیس حروف تک قراءت کرے، رکوع اور سجود صرف ایک تسبیح کی مقدار ادا کرے، اور آخری قعدہ میں

صرف تشہد اور اس کے بعد اللّٰھم صل علی محمد تک پڑھکر سلام پھیر دے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قدر درود شریف فرض ہے، بہتر ہے کہ سلام سے قبل رَبِّ اغْفِرْ لِی جیسی مختصر دعاء بھی پڑھ لے،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳ رشوال ۸۷ھ

عملِ کثیر کی تعریف:

سوال:۔ عملِ کثیر جو مفسدِ صلوٰۃ ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ اگر مثال سے واضح فرمادیں تو سمجھنے میں سہولت ہوگی، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عملِ کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں:۔

① ایسا عمل کہ اس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والے کو ظنِ غالب ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں، جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا ظنِ غالب نہ ہو بلکہ شبہ ہو وہ قلیل ہے،

② جو کام عادۃً دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند باندھنا، اور عمامہ باندھنا وہ کثیر ہے، خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے، اور جو عمل عادۃً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو وہ دونوں ہاتھوں سے بھی کرے تو قلیل ہے، جیسے ازار بند کھولنا اور ٹوپی سر سے اُتارنا،

③ تین حرکاتِ متوالیہ یعنی تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار وقت میں ہوں تو عمل کثیر ہے ورنہ قلیل،

④ ایسا عمل کثیر ہے جو فاعل کو ایسا مقصود ہو کہ اس کو عادۃً مستقل مجلس میں کرتا ہو، جیسے حالتِ نماز میں بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا،

⑤ نمازی کی رائے پر موقوف ہے وہ جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے،

پہلے تین اقوال زیادہ مشہور ہیں، اور درحقیقت تینوں کا حاصل ایک ہی ہے، اس لئے کہ قول ثانی وثالث میں مذکور عمل کے فاعل کو دیکھنے سے غیر نماز میں ہونے کا ظنِ غالب ہوتا ہے، قال فی العلائیۃ ویفسدھا کل عمل کثیر لیس فی اعمالھا ولا لاصلاحھا وفیہ اقوال خمسۃ اصحھا مالا یشك بسببہ الناظر من بعید فی فاعلہ انہ لیس فیھا وان شك انہ فیھا ام لا فقلیل، قال فی الشامیۃ (قولہ وفیہ اقوال خمسۃ اصحھا مالا یشك الخ) صححہ فی البدائع وتابعہ الزیلعی والولوالجی وفی المحیط انہ الاحسن وقال الصدر الشھید انہ الصواب وفی الخانیۃ والخلاصۃ انہ اختیار العامۃ وقال فی المحیط وغیرہ رواہ الثلجی عن اصحابنا حلیۃ القول الثانی

ان ما یعمل عادۃ بالیدین کثیر وان عمل بواحدۃ کالتعمم وشد السراویل وما عمل بواحدۃ قلیل وان عمل بھما کحل السراویل ولبس القلنسوۃ ونزعھما الا اذا تکرر ثلاثا متوالیۃ وضعفہ فی البحر بانہ قاصر عن افادۃ ما لا یعمل بالید کالمضغ والتقبیل، الثالث الحرکات الثلاث المتوالیۃ کثیر والا فقلیل، الرابع ما یکون مقصودا للفاعل بان یفرد لہ مجلسا علیحدۃ قال فی التتارخانیۃ وھذا القائل یستدل بامرأۃ صلت فلمسھا زوجھا او قبلھا بشھوۃ او مص صبی ثدیھا وخرج اللبن تفسد صلاتھا، الخامس التفویض الی رأی المصلی فان استکثرہ فکثیر والا فقلیل، قال القھستانی وھو شامل للکل واقرب الی قول ابی حنیفۃ فانہ لم یقدر فی مثلہ بل یفوض الی رأی المبتلی اھ قال فی شرح المنیۃ ولکنہ غیر مضبوط وتفویض مثلہ الی رأی العوام مما لا ینبغی واکثر الفروع او جمیعھا مفرع علی الاولین والظاھر ان ثانیھما لیس خارجا عن الاول لان ما یقام بالیدین عادۃ یغلب ظن الناظر انہ لیس فی الصلوٰۃ وکذا قول من اعتبر التکرار ثلاثا متوالیۃ فانہ یغلب الظن بذلک فلذا اختارہ جمھور المشائخ اھ (رد المحتار ص ۵۸۳ ج ۱)

فائدہ: بعض عبارات میں ثلاث حرکات متوالیۃ کی بجائے ثلاث حرکات فی رکن ہے، اس میں رکن سے مقدار رکن مراد ہے، یعنی جتنے وقت میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہا جا سکے، ظاہر ہے کہ اتنے وقت میں تین حرکات واقع ہوئیں تو وہ متوالیہ ہی ہوں گی، یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ وحدۃ رکن کے ساتھ توالی بھی شرط ہے، سو کسی طویل رکن میں تین حرکات کا اس طرح وقوع کہ آخری حرکت بقدر رکن وقت کے بعد ہو مفسد نہیں، قول اول جو اصل الاقوال و اصح ہے اس کے مطابق بھی ثلاث حرکات متوالیہ مفسد ہوں گی، اس لئے کہ ثلاث حرکات غیر متوالیہ دیکھنے والے کو غیر نماز میں ہونے کا ظن غالب نہیں ہوتا، اگرچہ یہ تینوں حرکات ایک ہی رکن میں ہوں، بالخصوص جبکہ رکن طویل ہو اور حرکات کے درمیان وقفہ بھی زیادہ ہو، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجمادی الآخرہ سنہ ۸۹ھ

نماز میں دونوں ہاتھوں سے ٹوپی سر پر رکھنا:

سوال: دوران نماز میں ٹوپی اگر حالت سجدہ میں گر جائے تو دونوں ہاتھوں سے سر پر رکھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر اس قسم کی ٹوپی ہو جو عادۃً ایک ہاتھ سے سر پر رکھی جاتی ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایسی ٹوپی ہو جو عادۃً دو ہاتھوں سے پہنی جاتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، قال فی شرح التنویر ویفسدها کل عمل کثیر لیس من اعمالها ولا لاصلاحها وفیه اقوال خمسة اصحها ما لا یشك بسببه الناظر من بعید فی فاعله انه لیس فیها، وفی الشامیة القول الثانی ان ما یعمل عادة بالیدین کثیر وان عمل بواحدة کالتعمم وشد السراویل وما عمل بواحدة قلیل وان عمل بهما کحل السراویل ولبس القلنسوة ونزعها الا اذا تکرر ثلاثا متوالیة (وبعد اسطر) عن شرح المنیة والظاهر ان ثانیهما لیس خارجا عن الاول لان ما یقام بالیدین عادة یغلب ظن الناظر انه لیس فی الصلوٰة (رد المحتار ص ۵۸۴ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رصفر ۹۰ھ

حالتِ نماز میں سانپ مارنا:

سوال: زید نے دورانِ نماز ایک سانپ کو ماردیا، اور سینہ قبلہ سے نہ پھیرا، اور مار کر پھر نماز پوری کی، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ سانپ بھی قبلہ کی طرف بھاگا، اِدھر اُدھر نہ ہوا، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سانپ مارنے میں عملِ کثیر ہو، یعنی دو سے زیادہ ضربیں لگائیں یا قبلہ کی طرف اتنا چلا کہ مقامِ سجدہ سے آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد ہوگئی، ورنہ فاسد نہ ہوگی، اگر سانپ سے خوفِ ایذاء ہو تو نماز میں عملِ قلیل سے مارنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے، بحالتِ خوفِ ایذاء عملِ قلیل سے مارنا ممکن نہ ہو تو نماز توڑ دینا جائز ہے، مقامِ سجدہ سے تجاوز کا مذکور حکم منفرد کے لئے ہے، مقتدی کی نماز جب فاسد ہوگی کہ سامنے کی دو صفوں تک چلے، اور امام کی اس صورت میں کہ اس کے اور اس سے پچھلی صف کے درمیانی فاصلہ سے زیادہ آگے بڑھ جائے، قال فی العلائیة لا یکرہ قتل حیّة او عقرب ان خاف الاذی (الی قوله) مطلقاً ولو بعمل کثیر علی الاظهر لکن صحح الحلبی الفساد، وفی الشامیة (قوله لکن صحح الحلبی الفساد) حیث قال تبعا لابن الهمام فالحق فیما یظهر هو الفساد والامر بالقتل لا یستلزم صحة الصلوٰة مع وجوده کما فی صلوٰة الخوف بل الامر فی مثله

لاباحة مباشرته وان كان مفسدًا للصّلوٰة اه ونقل كلام ابن الهمامؒ فى الحلية والبحر والنهر واقروه عليه وقالوا ان ماذكره السرخسى ردّه فى النهاية بانه مخالف لما عليه عامة رواة شروح الجامع الصغير ومبسوط شيخ الاسلام من ان الكثير لايباح اھ (ردالمحتار ص۶۱۱ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ ذیقعدہ ۸۹ھ

نماز میں لاحول پڑھنا:

سوال :- اگر کوئی شخص عادت کی وجہ سے ہر وقت لاحول ولاقوۃ پڑھتا رہتا ہو وہ شخص اگر نماز کے اندر بھی ایک دم -- کسی خیال کی وجہ سے پڑھ لے تو نماز ٹوٹتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر امور دنیا سے متعلق کوئی وسوسہ آنے کی وجہ سے لاحول پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر امور آخرت سے متعلق پڑھی تو فاسد نہ ہوگی، قال فى العلائية ولوحوقل لدفع الوسوسة ان لامور الدنيا تفسد لا لامور الأخرة (ردالمحتار ص۵۸۱ ج۱)، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلا نیت ہی زبان سے الفاظ مذکورہ نکل گئے تو نماز نہ ٹوٹے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ شعبان ۸۸ھ

سینما کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- سینما کی چھت پر نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ نماز بلا کراہت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وہاں جانا ہی حرام ہے تو نماز بطریق اولیٰ مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ یہ موضع لہو ولعب اور مجمع شیاطین ہے، کما قالوا فى الصلوٰة فى معابد اليهود والنصارىٰ، اگر یہ عمارت سینما کی آمدنی یا اور کسی قسم کے مال حرام سے بنائی گئی ہو تو اس سے استعمال کا گناہ بھی ہوگا، اور نماز میں مزید کراہت کا باعث ہوگا، اس نماز کا اعادہ بہر حال واجب ہے، قال شارح البداية فى مكروهات الصلوٰة والصلوٰة جائزة فى جميع ذلك لاستجماع شرائطها وتعادعلىٰ وجه غير مكروه وهذا الحكم فى كل صلوٰة اديت مع الكراهة (فتح القدير ص۲۹۵ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ شعبان ۸۸ھ

مُصلّی کا کونہ ناپاک ہو تو نماز ہو جائے گی:

سوال:۔ مصلّی کا ایک کونہ ناپاک ہوگیا تو کیا اس ناپاک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ یا دوسرے کونہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے سے نماز ہو گی یا نہیں؟ یا اس کونے کے ناپاک ہونے کی وجہ سے تمام مصلّی کو ناپاک کہیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں نماز ہو جائے گی، صرف دونوں پاؤں، دونوں ہاتھوں، گھٹنوں اور سجدہ کی جگہ پاک ہونا شرط ہے، فی شروط الصلوٰۃ من التنویر هی طهارة بدنه من حدث وخبث و ثوبه ومکانه وفی الشرح ای موضع قدمیه او احدهما ان رفع الاخری وموضع سجوده اتفاقا فی الاصح لاموضع یدیه ورکبتیه علی الظاهر الا اذا سجد علی کفه وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ فی شرح قول الشارح وکذا ما یتحرك بحرکته ای شیء متصل به یتحرك بحرکته (الی قوله) بخلاف مالم یتصل کبساط طرفه نجس وموضع الوقوف والجبهة طاهر فلا یمنع مطلقا (قوله ومکانه) فلا تمنع النجاسة فی طرف البساط ولو صغیرا فی الاصح (قوله علی الظاهر) ای ظاهر الروایة کما فی البحر لکن قال فی منیة المصلّی قال فی العیون هذه روایة شاذة اھ وفی البحر واختار ابو اللیث ان صلوته تفسد وصححه فی العیون اھ وفی النهر وهو المناسب لاطلاق عامة المتون وایده بکلام الخانیة قلت وصححه فی متن المواهب ونور الایضاح والمنیة وغیرها فکان علیه المعول وقال فی شرح المنیة وهو الصحیح لان اتصال العضو بالنجاسة بمنزلة حملها وان کان وضع ذلك العضو لیس بفرض (ردالمحتار ص۳۷۴ ج۱) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۲۸ رشوال سنہ ۸۸ھ

نماز میں ہنسنا:

سوال:۔ ایک شخص نماز باجماعت پڑھ رہا ہے، اچانک ہنس گیا، دانت ظاہر ہو گئے ہیں مگر آواز نہیں نکلی، اس صورت میں نماز ہوئی یا فاسد ہوئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر ہنسی میں فقط دانت کھل گئے آواز بالکل نہیں نکلی تو نہ وضو ٹوٹا نہ نماز گئی، اور اگر اتنی آواز نکلی کہ خود یا بالکل قریب والے شخص نے بھی سن لی تو نماز ٹوٹ گئی، وضو نہیں ٹوٹا، اور اگر اتنی زور

سے ہنسا کہ اہلِ مجلس نے آواز سُن لی، تو وضو بھی جاتا رہا بشرطیکہ بالغ ہو، نابالغ کا وضو نماز میں ہنسنے سے نہیں ٹوٹتا. قال صاحب التنویر فی نواقض الوضوء وقهقهة بالغ، وفی الشامیة واحترز به عن الضحك وهو لغة اعم من القهقهة واصطلاحًا ماكان مسموعًا له فقط فلا ينقض الوضوء بل يبطل الصلوٰة وعن التبسم وهو مالاصوت فيه اصلا بل تبدو اسنانه فقط فلا يبطلهما وتمامه فی البحر ولم ار من قدر الجواز بشئ، ومقتضى تعريف الضحك بماكان مسموعًا له فقط ان القهقهة ماليسمعها غيره من اهل مجلسه فهم جيرانه لاخصوص من عن يمينه او عن يساره لان كل ماكان مسموعًا له يسمعه من عن يمينه او يساره تأمل (رد المحتار ص۱۳۴ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۲ر محرم ۸۹ھ

ایسے پلاسٹک پر نماز جس کی نچلی جانب نجس ہو:

سوال: پلاسٹک اور نائلون کو ملا کر ایک کپڑا تیار کیا گیا ہے، جو دبیز بھی ہے، اور اس میں پانی جذب نہیں ہوتا، کیا ایسا کپڑا اگر نیچے کی طرف سے ناپاک ہو جائے یا اس کو ناپاک یا مشتبہ جگہ بچھا کر اس کے اوپر نماز پڑھی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

ہر ایسی چیز کہ اس میں ایک جانب لگی ہوئی نجاست دوسری طرف سرایت نہ کرے اس کی پاک جانب پر نماز درست ہے، اسی طرح ناپاک یا مشتبہ زمین پر ایسا پلاسٹک بچھا کر نماز جائز ہے بلکہ ایسے شفاف پلاسٹک پر بھی نماز درست ہے جس کے اندر سے نیچے کی نجاست نظر آتی ہو، کما قالوا فی الزجاج، البتہ اگر کپڑا اتنا باریک ہو کہ اس میں سے نجس زمین یا نجاست نظر آتی ہو یا نجاست کی بدبو محسوس ہو تو اس پر نماز درست نہیں، قال فی الشامية عن البدائع لو صلى على حجر الرحى او باب او بساط غليظ او مكعب اعلاه طاهر وباطنه نجس عند ابی یوسف لا يجوز نظرًا الى اتحاد المحل فاستوى ظاهره وباطنه كالثوب الصفيق وعند محمد يجوز لانه صلى فی موضع طاهر كثوب طاهر تحته ثوب نجس بخلاف الثوب الصفيق لان الظاهر نفاذ الرطوبة الى الوجه الآخر وظاهره ترجيح قول محمد وهو الاشبه (وبعد سطر) وذكر فی المنية وشرحها اذا كانت النجاسة على باطن اللبنة او الآجرة وصلى على ظاهرها جاز وكذا الخشبة ان كانت غليظة بحيث يمكن ان تنشر نصفين فيما بين الوجه الذى فيه النجاسة والوجه الآخر والا فلا اھ، وذكر

فی الحلیۃ ان مسألۃ اللبنۃ والآجرۃ علی الاختلاف المار بینہما وانہ فی الخانیۃ جزم بالجواز وھو اشارۃ الی اختیارہ وھو حسن متجہ وکذا مسألۃ الخشبۃ علی الاختلاف وان الاشبہ الجواز علیہا مطلقا ثم ایدہ باوجہ فراجعہ، وایضا فیہا تحت (قولہ ومبسوط علی نجس الخ) عن شرح المنیۃ وکذا الثوب اذا فرش علی النجاسۃ الیابسۃ فان کان رقیقا یشف ما تحتہ او توجد منہ رائحۃ النجاسۃ علی تقدیر ان لہا رائحۃ لا تجوز الصلوٰۃ علیہ وان کان غلیظا بحیث لا یکون کذلک جازت اھ (رد المحتار ص ۵۸۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

آللّٰہُ آکْبَار کہنا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا امام آللّٰہُ آکْبَرْ اس طرح ادا کرتا ہے کہ بَرْ کی بجائے بَارْ سمجھ میں آتا ہے، اس کی اپنی اور مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حلیہ وغیرہ سے نقل فرمایا ہے کہ تکبیر میں اسم ذات اللہ اور اکبر کے الف کو کھینچکر پڑھنا مفسدِ نماز ہے، اور لام کو اتنا کھینچنا کہ ایک الف مزید پیدا ہو جائے مکروہ ہے، مفسد نہیں، اسی طرح ہاء کو کھینچنا مکروہ ہے، بار کی مد کے مفسد ہونے میں اختلاف ہے، اور راء پر پیش کھینچکر پڑھنا مفسد ہے،

مگر غلبۂ جہل کی وجہ سے متاخرین کا یہ فیصلہ ہے کہ اعراب اور مد کی غلطی مفسد نہیں، البتہ اگر کوئی تنبیہ کے باوجود اصلاح کی کوشش نہیں کرتا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اور غلط خواں کو امام بنانا بہرصورت ناجائز ہے، بجز اس مجبوری کے کہ کوئی صحیح پڑھنے والا موجود نہ ہو، اس کی تفصیل میرے رسالہ "الارشاد الیٰ مخرج الضاد" میں ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۸ رجب سنہ ۸۹ھ

سلام علیکم کہنا:

سوال:- ایک مسجد کا امام السّلام علیکم کے بجائے سلام علیکم ہر نماز ختم کرتے وقت کہتا ہے، الف لام ادا نہیں کرتا، شریعت کا ایسے امام کے متعلق کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

سلام علیکم خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، امام کو سمجھایا جائے کہ تصحیح کرلے،
قال فی الشامیۃ (قولہ ہو السنۃ) قال فی البحر وہو علیٰ وجہ الاکمل ان یقول السلام
علیکم ورحمۃ اللہ مرتین فان قال السلام علیکم او السلام او سلام علیکم او علیکم
السلام اجزأہ وکان تارکًا للسنۃ وصرح فی السراج بکراہۃ الاخیر اھ قلت تصریحہ
بذلک لاینافی کراہۃ غیرہ ایضًا مما خالف السنۃ (رد المحتار ص۴۹۱ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۱۸ رجب ۸۹ھ

کتا یا عورت سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی:

سوال:۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے کتا یا گدھا یا عورت نکل جائے تو
نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور مشکوٰۃ شریف کا حوالہ دیتے ہیں، اس کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ حدیث
صحیح ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ یا یہ حدیث جعلی ہے یا متروک ہے یا ضعیف ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت اعدلتمونا بالکلب والحمار لقد
رأیتنی مضطجعۃ علی السریر فیجیٔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیتوسط السریر فیصلی
فاکرہ ان اسنحہ فانسل من قبل رجلی السریر حتی انسل من لحافی (بخاری ص۷۲ ج۱)

(۲) عن أم سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یفرش لی حیال مصلی رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی وانی حیالہ (طحاوی ص۲۲۳ ج۱)

(۳) عن میمونۃ بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان فراشی حیال مصلی
النبی صلی اللہ علیہ فربما وقع ثوبہ علیّ وانا علی فراشی (بخاری، ص۷۴ ج۱)

(۴) عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اقبلت راکبًا علی حمار
اتان وانا یومئذ قد ناہزت الاحتلام ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس
بمنی الی غیر جدار فمررت بین یدی بعض الصف فنزلت وارسلت الاتان ترتع
ودخلت فی الصف فلم ینکر ذلک علیّ احد (بخاری ص۷۱ ج۱)

(۵) عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال زار رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عباسًا فی بادیۃ لنا ولنا کلیبۃ وحمارۃ ترعی فصلی النبی صلی اللہ وسلم العصر

رھابین یدیہ فلم یزجرا ولم یؤخر (نسائی ص ۱۲۲ ج ۱ ، ابوداؤد ، ص ۱۰۲ ج ۱)

پہلی تین حدیثوں میں ہے کہ حضرت عائشہ ، حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا بستر مختلف اوقات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلّٰی کے سامنے ہوتا تھا ، اور آپ اُن کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے تھے ،

چوتھی حدیث میں ہے کہ حالتِ نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گدھی گزری مگر آپ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا ،

پانچویں حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے ، اور کتیا اور گدھی آپ کے سامنے تھیں ،

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عورت یا گدھا یا کتا سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور جس حدیث میں فسادِ نماز کا حکم ہے وہ منسوخ ہے کیونکہ اس حدیث سے مذکورہ بالا احادیث متأخر ہیں ، دلیل تاخیر یہ ہے کہ پہلی تین احادیث کو حضرت عائشہ ، حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد روایت کر رہی ہیں ، اس سے ثابت ہوا کہ ان ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے نزدیک عورت کا سامنے ہونا مفسدِ نماز نہیں ، اور جس حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے وہ منسوخ ہے ، باقی رہا گدھے اور کتے کا حکم سو حدیث فساد کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ یہ ہے کہ گدھا اور کتا مفسدِ نماز نہیں ، عن عکرمۃ قال ذکر عند ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مایقطع الصلوٰۃ قالوا الکلب والحمار فقال ابن عباس الیہ یصعد الکلم الطیب ومایقطع ھذا ولکنہ یکرہ (طحاوی ، ص ۲۲۲ ج ۱) خود راوی حدیث کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دینا دلیل نسخ ہے ،

قول نسخ کی بجائے یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ قطعِ نماز سے مراد یہ ہے کہ یہ اشیاء قاطعِ توجہ ہیں اور یکسوئی میں مخل ہیں ، اس لئے کہ عورت کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے ، اور گدھے اور کتے کی شرارت کی وجہ سے اس طرف دھیان ہو جاتا ہے ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول ولکنہ یکرہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۲۸ رجب ۸۹ھ

تصویر والے مقام میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے :

سوال :۔ جس گھر میں تصویر ہو اس میں نماز مکروہ ہے ، اب اس کا اعادہ واجب ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

تصویر والے مقام میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، فی مکروهات الصلوٰة من التنویر ولبس ثوب فیه تماثیل وان یکون فوق رأسه او بین یدیه اوبحذائه تمثال واختلف فیما اذا کان خلفه والاظهر الکراهة (رد المحتار ص۶۰۶ ج۱)،

وفی قضاء الفوائت من الشامیة عن البحر ان من ترك واجبا من واجباتها اوارتکب مکروها تحریمیا لزمه وجوبا ان یعید فی الوقت فان خرج اثم ولا یجب جبر النقصان بعده فلوفعل فهوافضل اه وبعد اسطر واماکونها واجبة فی الوقت مندوبة بعده کما فهمه فی البحر وتبعه الشارح فلا دلیل علیه وقد نقل الخیر الرملی فی حاشیة البحر عن خط العلامة المقدسی ان ماذکره فی البحر یجب ان لا یعتمد علیه لاطلاق قولهم کل صلوٰة ادیت مع الکراهة سبیلها الاعادة اه، قلت ای لانه یشمل وجوبها فی الوقت وبعده ای بناءً علی ان الاعادة لا تختص بالوقت وظاهره ماقدمناه عن شرح التحریر ترجیحه وقد علمت ایضاً ترجیح القول بالوجوب فیکون المرجح وجوب الاعادة فی الوقت وبعده ویشیر الیه ماقدمناه عن المیزان من قوله یجب علیه الاعادة وهواتیان مثل الاول ذاتاً مع صفة الکمال ای کسال ما نقصه منها وذلك یعم وجوب الاتیان بها کاملة فی الوقت وبعده کما مر، ثم هذا حیث کان النقصان بکراهة تحریم لما فی مکروهات الصلوٰة من فتح القدیران الحق التفصیل بین کون تلك الکراهة کراهة تحریم فتجب الاعادة اوتنزیه فتستحب اه ای تستحب فی الوقت وبعده ایضاً، (رد المحتار ص۹۰۶ ج۱) وفی الهدایة فی مکروهات الصلوٰة ویکره ان یکون فوق رأسه فی السقف اوبین یدیه اوبحذائه تصاویر اوصورة معلقة (الی قوله) والصلوٰة جائزة فی جمیع ذلك لاستجماع شرائطها وتعاد علی وجه غیر مکروه وهذا الحکم فی کل صلوٰة ادیت مع الکراهة وفی الفتح (قوله وتعاد) صرح بلفظ الوجوب الشیخ قوام الدین الکاکی فی شرح المنار ولفظ الخبر المذکور اعنی قوله وتعاد یفیده ایضاً علی ماعرف والحق التفصیل بین کون تلك الکراهة کراهة تحریم فتجب الاعادة او تنزیه فتستحب فان کراهة التحریم فی رتبة الواجب فان الظنی ان افاد المنع بدلالة قطعیة اعنی بطریق الحقیقة مجرد عن القرائن الصارفة عنه فالثابت

کراھۃ التحریم وان افاد الزام الفعل کذلک فالوجوب وان افاد ندب المنع فتنزیھیۃ او الفعل فالمندوب ولذا کان لازمھما معنیً واحداً وھو ترتب الاثم بترک مقتضاھما (فتح القدیر ص ۲۹۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

ارضِ مغصوبہ میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کذا فی الشامیۃ قبیل باب الاذان، اس لئے اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروھات الصلوٰۃ من شرح البدایۃ والصلوٰۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطھا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وھذا الحکم فی کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ (فتح القدیر ص ۲۹۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ صفر سنہ ۹۱ھ

نماز میں مرد کا پاؤں عورت کے سر کو لگنے کا حکم:

سوال :- اگر عورت کا سر مرد کے پاؤں سے بوقت سجدہ لگ جائے اور مرد میں یا عورت میں یا دونوں میں شہوت پیدا ہو جائے تو کیا مرد کی نماز یا عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملھم الصواب

عورت کے سر پر لازماً دوپٹہ ہوگا، اس کے اوپر سے مرد کا پاؤں لگے گا، جو کسی حال میں بھی نماز کے لئے مفسد نہیں، البتہ اگر بلا حائل مس ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد میں شہوت پیدا ہو جائے تو مرد اور عورت دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر صرف عورت میں شہوت ہوئی تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی، کتبِ فقہ میں اس مقام پر بلا حائل کی قید نظر سے نہیں گذری، مگر حرمتِ مصاہرت اور ثبوت رجعت میں یہ قید مصرح ہے، اس لئے یہاں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی، لان العلۃ کونہ من دواعی الجماع۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مرد کے مس بالشہوۃ بلا حائل سے بھی عورت کی نماز فاسد نہیں ہوتی قال فی الدر او مستھا بشھوۃ او قبلھا بدونھا فسدت لا لو قبلتہ ولم یشتھھا والفرق

ان فی تقبیلہ معنی الجماع وفی الشامیۃ عن البحر عن شرح الزاہدی انہ لو قبل المصلیۃ لاتفسد صلوتہا ومثلہ فی الجوھرۃ وعلیہ فلا فرق (رد المحتار ص ۵۸۸ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ رشعبان ۹۲ھ

ٹائی کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- ٹائی اور ہر وہ چیز جو یہود ونصاریٰ کا مذہبی نشان ہو مسلمان کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو باندھکر نماز پڑھنا کیسا ہے، نماز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

مسلمان کے لئے دوسری اقوام کا مخصوص لباس اور وضع قطع اختیار کرنا ہر حالت میں ناجائز اور حرام ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من تشبہ بقوم فھو منھم، نماز میں ایسا لباس پہننا اور بھی زیادہ قبیح ہے، اس میں نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳ ربیع الآخر ۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک دینی مدرسہ کا متعلم ہے، وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر مدرسہ کے لئے چرم قربانی کا کام کرتا ہے، جس میں جو چرم بغیر رسید یا رسید سے ملتا ہے، لیکن تھوڑا بہت بدل کر اپنے اندازے کے مطابق جائز مصرف پر خرچ کرتا ہے، مثلاً شلوار کرتہ وغیرہ، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان اشیاء سے نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا؟ یہاں علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ صحیح جواب دے کر عند اللہ اجر عظیم کے مستحق بنئے،

الجواب باسم ملہم الصواب

اس لباس کا استعمال زید کے لئے حرام ہے، اور اس میں نماز مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے واجب الاعادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،　　　۲۹ ذوالحجہ ۹۲ھ

حرام آمدنی سے خریدے ہوئے قالین پر نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال :- مال حرام جیسے سودی کاروبار یا شراب کا کاروبار کرنے والا قالین مسجد میں ڈال دے

کہ اس پر نماز پڑھی جائے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ واپس کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسے قالین پر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، کسی مسکین پر صدقہ کر دیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر صفر ۹۴ھ

چوری کے لباس میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال:۔ زید نے ایک رومال خریدا، زید کو اس کے متعلق یہ علم نہیں تھا کہ یہ چوری کا مال ہے، خرید سے چند روز کے بعد علانیہ طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ رومال اموالِ مسروقہ میں سے ہے، زید مذکور رومال میں اب تک نماز پڑھتا رہا، جاننے کے بعد بھی، عند الشرع اس کی نماز کیسی ہوگی؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل،

الجواب باسم ملہم الصواب

چوری کا علم ہو جانے کے بعد اس رومال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعادہ ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، غرۂ محرم ۹۳ھ

پیشانی پر کپڑا ہونے کی حالت میں سجدہ:

سوال:۔ امام صاحب کی پیشانی پر عمامہ اس قدر نیچے آجاتا ہے کہ پیشانی ڈھکی رہتی ہے اور پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا نہیں ہوتا، ایسے امام کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پیشانی ڈھکی رہنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، مگر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عمامہ کا وہ حصہ زمین سے لگا جو پیشانی سے اوپر سر پر ہے، پیشانی زمین سے نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوا، قال شارح التنویر یکرہ تنزیہا بکور عمامتہ الا لعذر وان صح عندنا بشرط کونہ علی جبہتہ کلہا او بعضہا کما مر اما اذا کان الکور علی رأسہ فقط وسجد علیہ مقتصرا ای ولم تصب الارض جبہتہ ولا انفہ علی القول بہ لا یصح لعدم السجود علی محلہ (رد المحتار ص ۴۶۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ر شوال ۹۳ھ

قضاءِ حاجت کے تقاضا کی حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہے:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ کسی آدمی کو نماز کے وقت پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہوئی، اب اگر وہ آدمی حاجت پوری کرے تو اندیشہ ہے کہ اس کی نماز قضاء ہوجائے گی، یا کم از کم جماعت تو ضرور فوت ہوجائے گی، تو اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے، یعنی حاجت پوری کرلے یا جلدی سے وضو کرکے نماز پڑھ لے، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر نماز قضاء ہونے کا خطرہ ہو تو نماز پڑھ لے، اور اگر قضاء ہونے کا خطرہ نہیں صرف جماعت نہ ملنے کا اندیشہ ہو، تو قضاءِ حاجت سے فارغ ہوکر نماز پڑھے، ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہے، نماز شروع کرنے کے بعد تقاضا ہو تو بھی اسی حال میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس پر واجب ہے کہ اس وقت نماز قطع کردے اور فراغت کے بعد پڑھے، کما فی مکروہات الصلوٰۃ من التنویر وصلوٰته مع مدافعة الاخبثين، وفی الشامية قال فی الخزائن سواء کان بعد شروعه او قبله فان شغله قطعها ان لم یخف فوت الوقت وان اتمها اثم اھ (ولیعد سارین) بقی ما اذا خشی فوت الجماعة ولا یجد جماعة غیرھا فهل یقطعها کما یقطعها اذا رأی علیٰ ثوبه نجاسة قدر الدرهم لیغسلها اولا کما اذا کانت النجاسة اقل من الدرهم والصواب الاول (رد المحتار، ص ۶۰۰ ج ۱)، قلت والاقرب انه لا یجب غسل قدر الدرهم من النجاسة کما فی انجاس الشامية فلا یحل قطع الصلوٰۃ لغسلها، فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم،

۲۷ ر ذیقعدہ سنہ ۹۴ھ

نماز میں کسی بزرگ کی قبر کا نقشہ سامنے ہونا:

سوال:- اگر کاغذ پر کسی ولی اللہ کی قبر کا نقشہ ہو، اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ حالانکہ نیت تقرب الی ولی اللہ نہیں ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ قال فی الحلیة وتکرہ الصلوٰۃ علیه (ای علی القبر) والیه لورود النهی عن ذلك (رد المحتار ص ۳۸۴ ج ۱) وفی الدر او لغیر ذی روح لا یکرہ لانها لا تعبد وفی الشامية فان قیل عبد الشمس والقمر

والکواکب والشجرۃ الخضراء قلنا عبن عینہ لا تمثالہ فعلی ھذا ینبغی ان یکرہ استقبال عین ھذہ الاشیاء معراج ای لانھا عین ما عبد بخلاف مالو صورھا واستقبل صورتھا (رد المحتار ص۶۰۰ ج۱) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا مضر نہیں، کیونکہ قبر کے نقشہ کی کوئی پرستش نہیں کرتا، البتہ اگر کسی قوم میں رسم ہو تو اس میں بھی کراہت ثابت ہوجائے گی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷، ذی الحجہ سنہ ۹۴ھ

گدّے پر سجدہ کا حکم:

سوال:- ہسپتال میں چارپائیوں پر گدے بہت موٹے ہوتے ہیں، اُن پر سجدہ کرنے سے نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملھم الصواب

اگر گدّا سر کے مکمل بوجھ کو برداشت کرلے تو اس صورت میں نماز صحیح ہوجائے گی، اور اگر برداشت نہ کرسکے بلکہ دبتا ہی چلاجائے تو نماز صحیح نہ ہوگی، قال فی شرح التنویر وان یجد حجم الارض، وفی الشامیۃ تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لا یتسفل رأسہ ابلغ من ذٰلک (رد المحتار ص۲۱۰ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴، محرم سنہ ۹۵ھ

نماز میں غیر عربی میں دُعاء مکروہ ہے:

سوال:- اگر کسی نے نماز میں عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں دعاء کی تو نماز صحیح ہوجائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملھم الصواب

اس میں تین قول ہیں، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح و اوسط ہے، لہٰذا اس نماز کا اعادہ واجب ہے، قال شارح التنویر رحمہ اللہ تعالیٰ ودعاء بالعربیۃ وحرم بغیرھا، نہر، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ذکر الاقوال ولا یبعد ان یکون الدعاء بالفارسیۃ مکروھًا تحریمًا فی الصلوٰۃ وتنزیھًا خارجھا فلیتأمل ولیراجع (رد المحتار ص۴۸۶ ج۱) خارج نماز میں غیر عربی میں دعاء مکروہ تنزیہی اس صورت میں ہے کہ قلبی توجہ میں عربی و غیر عربی دونوں برابر ہوں، اگر غیر عربی زیادہ توجہ کا باعث ہو تو اس میں

کوئی کراہت نہیں بلکہ یہی افضل ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۱ ذی قعدہ ۹۵ھ

نماز میں بلا قصد کوئی لفظ نکل جانا:

سوال :- ایک شخص نماز میں حدیث النفس میں مبتلا ہوگیا، اور اس حالت میں اس کی زبان سے اردو یا فارسی یا عربی زبان کے کسی شعر یا نثر کے صرف دو یا تین الفاظ نکل گئے، تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر کسی کو نمازِ جماعت میں یہ صورت پیش آئے تو کیا کرے؟ پہلی نماز کالعدم سمجھ کر دوبارہ نیت کرے اور باقی نماز امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کرے یا امام کے ساتھ اس نماز کو پوری کرے، اور بعد میں فرض کی پوری نماز بلاجماعت پڑھ لے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز میں اردو یا فارسی میں دعاء یا حمد وثناء کے الفاظ کہنا مکروہ تحریمی ہے، اور یہ نماز واجب الاعادہ ہے، عربی دعاء یا حمد وثناء کے بے موقع الفاظ سے احتراز کرنا چاہیے، مگر نماز کا اعادہ واجب نہیں، دعاء اور حمد وثناء کے سوا کوئی اور کلمہ کہنا جو کلام الناس سے ہو مفسدِ نماز ہے، خواہ کسی بھی زبان میں ہو۔

فسادِ صلوٰۃ کی صورت میں ازسرِ نو تکبیر تحریمہ سے نماز شروع کرے، اور سابقہ رکعات فراغِ امام کے بعد پڑھے، البتہ کراہتِ تحریمیہ کی صورت میں یہ نماز امام کے ساتھ پوری کرلے، پھر بعد میں اس کو لوٹائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ ربیع الآخر ۹۹ھ

انفرادی نماز میں عورت کی محاذاۃ مکروہ ہے:

سوال: جماعت میں عورت مرد کے بالکل سامنے دائیں بائیں طرف ملی نہ کھڑی ہوں بلکہ ایک مرد کی جگہ خالی ہو، تو مرد کی نماز ہو جاتی ہے؟ بلاجماعت کے عورت اور مرد ایک کمرہ میں نماز پڑھ رہے ہوں اور فرض نماز ہو تو کیا جب بھی عورت اور مرد کے درمیان ایک آدمی کی جگہ چھوڑ دی جائے؟ اگر نفل نماز مرد پڑھ رہا ہو اور عورت بھی نفل نماز پڑھتی ہو تو مرد اور عورت محرم بالکل پاس کھڑے ہو سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصوّاب

نماز ہو جائے گی، مگر مرد اور عورت کا متصل کھڑا ہونا مکروہ ہے، قال فی الدر فمحاذاۃ المصلیۃ لمصل لیس فی صلوتہا مکروھۃ لا مفسد فتح (رد المحتار ص ۵۳۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ شعبان ۹۳ھ

شرائط صحت بناء:

سوال: اگر نماز مغرب یا کوئی نماز پڑھ رہا ہو، تین رکعتیں یا دو رکعتیں پڑھ چکا ہو، اس کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ دوبارہ وضو کرنے گیا تو پوری نماز پڑھے گا یا دو رکعتیں یا ایک رکعت جو رہتی ہے وہ پڑھے گا؟ کن صورتوں میں بناء جائز ہے؟ تفصیل سے بیان فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جواز بناء کے لئے تیرہ۱۳ شرائط ہیں:-

① حدث میں یا اس کے سبب میں کسی انسان کا کوئی دخل نہ ہو، اگر عمداً وضو توڑا یا کسی نے زخم کر کے خون نکال دیا تو بناء نہیں کر سکتا، اس لئے کہ پہلی صورت میں نفس حدث اور دوسری میں سبب حدث یعنی زخم انسان کی طرف سے ہے، کھانسنے سے خروج ریح بناء سے مانع ہے، اور چھینکنے سے خروج ریح کا مانع ہونا مختلف فیہ ہے،

② حدث نمازی کے بدن سے ہو، اگر خارج سے کوئی نجاست اس پر گر گئی تو بناء درست نہیں،

③ حدث موجب غسل نہ ہو، اگر نماز میں نیند آ گئی، اور احتلام ہو گیا تو بناء صحیح نہیں،

④ حدث نادر الوجود نہ ہو، مثلاً قہقہہ یا بیہوشی،

⑤ حدث کے ساتھ کوئی رکن ادا نہ کرنا، اگر حالت سجدہ میں حدث ہوا اور اتمام سجدہ کی نیت سے سر اٹھایا، یا وضو کے لئے جاتے ہوئے قراءت میں مشغول رہا تو بناء نہیں کر سکتا،

⑥ چلنے کی حالت میں کوئی رکن ادا نہ کرنا، مثلاً وضو کے بعد لوٹتے ہوئے قراءت کرنا، ہاں آتے جاتے تسبیح پڑھنا مانع نہیں،

⑦ نماز کے منافی کوئی کام نہ کرنا، مثلاً قدرتی حدث کے بعد عمداً حدث یا کلام وغیرہ یا کنوئیں سے پانی کھینچنا،

⑧ بے ضرورت کام نہ کرنا، مثلاً وضو کے لئے قریب جگہ چھوڑ کر دو صف سے زیادہ دور جانا، ہاں قریب مقام پر ازدحام یا نسیان کی وجہ سے دور جانے میں حرج نہیں،

⑨ بلا ضرورت تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی مقدار تاخیر نہ کرنا، ازدحام کے عذر سے یا نکسیر وغیرہ کا خون بند نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر مضر نہیں،

وضو کی سنتیں بھی ادا کرے، اگر وضو کے صرف چار فرائض پر اکتفاء کیا تو بناء جائز نہیں،

⑩ حدث سابق کا ظاہر نہ ہونا، مثلاً موزہ پر مسح کی مدت ختم ہونا، متیمم کا پانی دیکھنا، خروج وقت مستحاضہ

(۱۱) صاحبِ ترتیب کو قضا نماز یاد نہ آنا، البتہ اگر یاد آنے پر قضا نہ پڑھی بلکہ وقتیہ کی بناء کرلی، پھر مزید چار یعنی مجموعہ چھ فرض نمازیں اس کے ذمہ قضا ہوگئیں، تو بناء والی نماز صحیح ہوجائے گی،

(۱۲) اگر مقتدی کو حدث ہو یا امام کو ہو اور اس نے کوئی خلیفہ بنا دیا ہو، اور وضو سے فراغت تک جماعت ختم نہ ہوئی ہو اور مقامِ وضو ایسی جگہ ہو کہ وہاں سے اقتداء صحیح نہ ہو تو یہ شرط ہے کہ یہ امام یا مقتدی ایسی جگہ پر آکر بناء کرے جہاں سے اقتداء صحیح ہو، اگر مقامِ وضو لائقِ اقتداء ہو، یا وضو سے قبل جماعت ختم ہوچکی ہو، یا منفرد کو حدث ہوا ہو تو ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے کہ مقامِ وضو ہی میں بناء کرے یا سابق مقام پر لوٹ کر آئے، مقامِ وضو ہی میں بناء افضل ہے،

(۱۳) امام کو حدث ہو تو اس کا ایسے شخص کو خلیفہ نہ بنانا جو امامت کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یہ بھی منافیِ صلوٰۃ میں داخل ہے، جس کا بیان ۷ میں گزرا، مگر بوجہ خفاء اس کو مستقل ذکر کیا گیا ہے، درحقیقت شرائط بارہ ہی ہیں،

شرائطِ مذکورہ سے بناء اگرچہ جائز ہے، مگر استیناف افضل ہے، البتہ وقت تنگ ہو تو بناء افضل بلکہ زیادہ تنگ ہو تو واجب ہے، استیناف کے لئے ضروری ہے کہ پہلی نماز کو سلام پھیر کر یا کسی فعل منافی سے ختم کرے، پھر نئی نماز شروع کرے، بدون سلام یا فعلِ منافی استیناف صحیح نہیں،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ رشعبان ۸۸ھ

سوتے شخص کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنا:

سوال:۔ کوئی شخص سو رہا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا بدون سترہ کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر ویسے ہی لیٹا ہو سویا نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دونوں صورتوں میں جائز ہے، البتہ نماز کی طرف توجہ میں مخل ہونے کا خطرہ ہو تو مکروہ ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رمضان ۹۸ھ

نماز میں بضرورت کرتہ درست کرنا مکروہ نہیں:

سوال:۔ ایک امام صاحب جب بھی سجدہ سے اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں، تو ایک ہاتھ سے اور کبھی دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف سے کُرتہ پکڑ کر درست کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کُرتہ درست کرنے کی ضرورت عموماً دو وجہ سے پیش آتی ہے، ایک یہ کہ کرتہ کمربند کے اوپر اٹک جاتا ہے، جو بعض طبائع کے لئے مشوش اور خشوع میں مخل ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگوں کے سُرین کے اندر کرتہ اٹک جاتا ہے، کسی ایسی ضرورت کی وجہ سے کُرتے کو کھینچ کر درست کرنے میں کوئی کراہت نہیں، البتہ اس کے لئے ایک ہاتھ کافی ہے، دوسرا ہاتھ استعمال کرنا مکروہ ہے، اور بلا ضرورت ایک ہاتھ کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہے، اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے،

قال فی التنویر وکرہ کفہ وعبثہ بہ وفی الشامیۃ (قولہ وعبثہ) ھو فعل لغرض غیر صحیح قال فی النھایۃ وحاصلہ ان کل عمل ھو مفید للمصلی فلا بأس بہ اصلہ ما روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرق فی صلوتہ فسلت العرق عن جبینہ ای مسحہ لانہ کان یؤذیہ فکان مفیدا وفی زمن الصیف کان اذا قام من السجود نفض ثوبہ یمنۃ او یسرۃ لانہ کان مفیدا کی لا تبقی صورۃ فاما مالیس بمفید فھو العبث اھ وقولہ کی لا تبقی صورۃ یعنی حکایۃ صورۃ الالیۃ کما فی الحواشی السعدیۃ (رد المحتار ص۵۹۹ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ رجمادی الآخرہ ۹۹ھ

نماز میں چادر کندھے سے گر جائے:

سوال:- نماز کی حالت میں اگر چادر یا رزائی یا دوپٹہ بائیں کندھے سے گر جائے تو کیا اس کو داہنے ہاتھ سے بائیں کندھے پر ڈال سکتے ہیں، یا اُسی حالت میں رہنے دیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

کندھے پر ڈال لینا چاہیے، کپڑے کا لٹکنا نماز میں تشویش کا باعث ہے، اور ازالۂ مشوّش کے لئے ایک یا دوبار ہاتھ ہلانا جائز ہے، کحرکۃ الید لسلت العرق وتسویۃ الحصا للسجود، نیز کپڑا لٹکنا سدل میں داخل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے، اور اصلاح مکروہ بعمل قلیل مندوب ہے، کما قالوا فی ارخاء الکمین المشمرتین، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ رجمادی الاولیٰ ۹۸ھ

نماز میں تہبند درست کرنا:

سوال:- نماز میں تہبند کھل جانے کا اندیشہ ہو تو کیا اس کو دونوں ہاتھوں سے باندھ سکتے ہیں؟

یا کس سکتے ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

پہلے ایک ہاتھ سے ایک جانب کس لیں، پھر تین بار سُبحان ربّی الاعلیٰ کہنے کی دیر تک توقف کرنے کے بعد دوسری جانب دوسرے ہاتھ سے درست کرلیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۷ رجمادی الاولیٰ ۹۸ھ

مسجد میں چٹائی کی ٹوپیاں رکھنا اور ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے:

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اکثر لوگ ثواب کی نیت سے مساجد میں چٹائی کی ٹوپیاں نمازیوں کے استعمال کے لئے رکھ دیتے ہیں، جس سے برہنہ سر لوگ نماز کے وقت اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں، کیا یہ فعل شرعاً جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو براہِ کرم اس کی وجوہ تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا جائز نہیں، اور ان کو سر پر رکھکر نماز پڑھنا مکروہ ہے،

وجوہ درجِ ذیل ہیں:

① ایسی ٹوپیاں مسجد میں رکھنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے، بالخصوص جبکہ ان کے تنکے نکل کر مسجد میں بکھرتے ہیں، اور اُن پر مَیل کی تہ نظر آتی ہے، اور پسینے اور مَیل کی بُو آتی ہے، کیا کوئی شخص ایسی ٹوپیوں کو اپنے مکان کی زینت بنانے کو تیار ہے؟ اگر نہیں تو خدا کے گھر کے لئے اس کو کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

② اس قسم کی ضروریات مسجد میں رکھنے سے عوام کے ذہن میں یہ خیال ترقی کر رہا ہے کہ وہ مسجد کو عبادت گاہ کی بجائے خیراتی اور رفاہی ادارہ سمجھنے لگے ہیں، اور یہ مسجد کے مقصد کے خلاف ہے، اور اس میں مسجد کی توہین ہے،

③ جو لباس پہن کر انسان کسی مجلس میں جانے سے شرماتا ہو ایسے لباس میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور اس پر دوام مکروہ تحریمی کے قریب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۰ رجمادی الآخرہ ۹۸ھ

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا:

سوال :- مسجد کے صحن میں باہر نماز باجماعت ادا کر رہے تھے، بارش زور سے شروع ہوگئی، تو

کیا نماز توڑ کر اندر مسجد میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

بارش کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں، البتہ بارش سے کسی کو مرض کا خطرہ ہو، یا بھیگنے سے ۱/۲ ۳ ماشہ (۳،۶۰۲ گرام) چاندی کی قیمت کے برابر مالی نقصان ہو رہا تھا، تو ایسا شخص نماز توڑ سکتا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجب سنہ ۹۸ھ

نماز میں کھکھارنا:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تنحنح مفسدِ صلوٰۃ ہے یا نہیں، اگر نہیں تو مطلقاً مفسد نہیں یا اس میں کوئی تفصیل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر طبعی ضرورت سے بلا اختیار کھانسی آگئی یا کسی صحیح غرض سے کھکھارا، مثلاً قراءت کے لئے آواز صاف کرنا، یا امام کو تنبیہ یا اپنے نماز میں ہونے کی اطلاع مقصود ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوٰۃ والتنحنح بحرفین بلاعذر اما بہ بان نشأ من طبعہ فلا او بلاغرض صحیح فلو لتحسین صوتہ او لیھتدی امامہ او للاعلام انہ فی الصلوٰۃ فلا فساد علی الصحیح، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ بحرفین) یعلم حکم الزائد علیھما بالاولی لکن یوھم ان الزائد لوکان بعذر یفسد ویخالفہ ظاھر مافی النھایۃ عن المحیط من انہ ان لم یکن مدفوعًا الیہ بل لاصلاح الحلق لیتمکن من القراءۃ ان ظھر لہ حروف نحو قولہ اُح اُح وتکلف لذلک کان الفقیہ اسمٰعیل الزاھد یقول یقطع الصلوٰۃ عندھما لانھا حروف مھجاۃ اھ ای والصحیح خلافہ کما یأتی (قولہ بان نشأ من طبعہ) ای بان کان مدفوعًا الیہ، (ردالمحتار ص ۵۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ محرم سنہ ۹۹ھ

سہواً سلام پھیر کر دوسری نیت باندھ لی:

سوال:- زید مسبوق نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، جبکہ زید کی تین رکعت نماز ہوئی تھی، دعاء کے بعد زید نے سنتیں شروع کر دیں، سنتوں کی تکبیرِ تحریمہ کے بعد یاد آیا کہ امام کے پیچھے تین رکعت پر سلام پھیر دیا ہے، زید نے ایک رکعت اور پڑھ کر سجدہ سہو کر لیا، تو نماز ہوگئی، یا اعادہ

واجب ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

سنتوں کی تکبیرِ تحریمہ کہنے سے فرائض کی تحریمہ باطل ہوگئی، اس لئے یہ نماز صحیح نہیں ہوئی، اعادہ فرض ہے، قال فی العلائیۃ ولا تبطل بنیۃ القطع مالم یکبر بنیۃ مغایرۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا بنیۃ الانتقال الی غیرہا ط (قولہ مالم یکبر بنیۃ مغایرۃ) بان یکبر ناویاً النفل بعد شروع الفرض وعکسہ او الفائتۃ بعد الوقتیۃ وعکسہ او الاقتداء بعد الانفراد وعکسہ و اما اذا کبر بنیۃ موافقۃ کأن نوی الظہر بعد رکعۃ الظہر من غیر تلفظ بالنیۃ فان النیۃ الاولیٰ لا تبطل و یبنی علیہا ولو بنی علی الثانیۃ فسدت الصلوٰۃ (رد المحتار ص ۴۱۱ ج ۱) وفی العلائیۃ ویفسدہا انتقالہ من صلوٰۃ الی مغایرتہا ولو من وجہ حتی لو کان منفرداً فکبر ینوی الاقتداء او عکسہ صار مستأنفاً بخلاف نیۃ الظہر بعد رکعۃ الظہر الا اذا تلفظ بالنیۃ فیصیر مستأنفاً مطلقاً، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ویفسدہا انتقالہ الخ) ای بان ینوی بقلبہ مع التکبیرۃ الانتقال المذکور قال فی النہر بان صلی رکعۃ من الظہر مثلاً ثم افتتح العصر او التطوع بتکبیرۃ، فان کان صاحب ترتیب کان شارعاً فی التطوع عندہما خلافاً لمحمد، اولم یکن بان سقط للضیق او للکثرۃ صح شروعہ فی العصر لانہ نوی تحصیل ما لیس بحاصل فخرج عن الاول فمناط الخروج عن الاول صحۃ الشروع فی المغایر ولو من وجہ فلذا لو کان منفرداً فکبر ینوی الاقتداء او عکسہ او امامۃ النساء فسد الاول وکان شارعاً فی الثانی، وکذا لو نوی نفلاً او واجباً او شرع فی جنازۃ فجیئ باخری فکبر ینویہما او الثانیۃ یصیر مستأنفاً علی الثانیۃ کذا فی فتح القدیر اھ (قولہ او عکسہ) بالنصب عطفاً علی منفرداً ح (قولہ بخلاف نیۃ الظہر الخ) ای نیتہ مع التکبیرۃ کما مر قال فی البحر یعنی لو صلی رکعۃ من الظہر فکبر ینوی الاستئناف للظہر بعینہا لا یفسد ما اداہ ویحتسب بتلک الرکعۃ حتی لو صلی ثلاث رکعات بعدہا ولم یقعد فی آخرہا حتی صلی رابعۃ فسدت الصلوٰۃ ولغت النیۃ الثانیۃ (قولہ مطلقاً) ای سواء انتقل الی المغایرۃ او المتحدۃ لان التلفظ بالنیۃ کلام مفسد للصلوٰۃ الاولیٰ فصح الشروع الثانی، (رد المحتار ص ۵۸۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ / صفر سنہ ۹۹ ھ

نماز سے فراغت کے بعد وضو میں شک کا حکم :

سوال :- اگر کسی شخص کو نماز کے بعد شک ہوا کہ میرا وضو تھا یا نہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ نماز ہوگئی یا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، الیقین لا یزول الا بالیقین کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اس کا وضو ثابت نہیں، اس لئے نماز صحیح نہ ہو، مگر نماز سے فراغت کے بعد اس کی نوعیت وقوع الشک فی ارکان الصلوٰۃ بعد الفراغ جیسی ہوگئی، جو غیر معتبر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز صحیح ہے، معہٰذا اعادہ احوط ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۶ جمادی الآخرہ سنہ ۹۹ھ

کھاد والی گھاس پر نماز پڑھنا :

سوال : میرے محلہ کی مسجد شریف کے صحن میں جو مسجد سے ملحق (متصل) ہے موجودہ انتظامیہ بجائے پختہ کرنے کے گٹر یا گوبر کی کھاد ڈال کر گھاس لگا رہی ہے اور ظاہر ہے گھاس کو زندہ رکھنے کے لئے پانی برابر دیا جاتا رہے گا، کیا یہ جگہ کسی قسم کی نماز کے لئے موزوں ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس گھاس پر نماز دو صورتوں سے صحیح ہو سکتی ہے، ایک یہ کہ کھاد بالکل مٹی بن جائے اور اسکا علیحدہ وجود قطعاً نظر نہ آئے، دوسری صورت یہ کہ گھاس اتنی گھنی اور بڑی ہو کہ اسمیں سے کھاد تک نمازی کا کوئی عضو نہ پہنچے، کھاد سے نجس پانی جو گھاس کو لگا ہوگا وہ پانی جب گھاس پر سے خشک ہوجائے گا گھاس پاک ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ر شوال سنہ ۹۹ھ

ریح روک کر نماز پڑھنا :

سوال : پیٹ میں ہمیشہ خرابی رہنے کی وجہ سے اگر بار بار وضو ٹوٹے ریح کے ذریعے تو اس ریح کو روک کر نماز تراویح یا فرائض وغیرہ پڑھا سکتے ہیں اور خود پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دوسرے وقت میں اطمینان سے پڑھنے کا موقع مل جاتا ہو تو ریح کو روک کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر منفرداً مختصر طور پر اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے نہ پڑھیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۸ر رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

پاک کپڑا نہ ہو تو ناپاک میں نماز پڑھ لے:

سوال: زید کے کپڑے ناپاک ہو گئے اور نماز کا وقت ہو گیا، پانی موجود نہیں، نماز قضاء کرے یا ناپاک کپڑوں ہی میں ادا نماز پڑھ لے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس وقت ناپاک کپڑے ہی میں پڑھ لے مگر اسکے بعد دوسری نماز کے وقت کے اندر پاک کپڑا ملنے کا ظن غالب ہو تو اس وقت نماز پڑھنا فرض نہیں، معہذا بہتر ہے کہ اس وقت بھی پڑھ لے اور بعد میں قضا بھی پڑھے کما قالوا فی العاجز عن القیام ویغلب علی ظنہ القدرۃ بعدہ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ

نماز میں چھینک پر الحمد للہ کہنا:

سوال: کسی کو نماز میں چھینک آئی اور اُسنے قصداً یا بلا قصد الحمد للہ کہا تو یہ جائز ہے یا مکروہ ہے یا اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چھینک کے بعد الحمد للہ کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر قصداً نہیں کہنا چاہیئے، قال فی البدایۃ ومن عطس فقال لہ آخر یرحمک اللہ وھو فی الصلوٰۃ فسدت صلوٰتہ، وفی الشرح لانہ یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامہم بخلاف ما اذا قال العاطس او السامع الحمد للہ علی ما قالوا لانہ لم یتعارف جوابا (شرح البدایۃ ص۳۶ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

کسی کی چھینک پر نماز میں یرحمک اللہ کہنا:

سوال: زید نماز پڑھ رہا تھا، اسنے کسی نمازی یا غیر نمازی کی چھینک سنکر یرحمک اللہ کہدیا، قصداً یا بلا قصد، چھینکنے والے نے الحمد للہ کہا ہو یا نہ کہا ہو، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ یرحمک اللہ کہنا جائز ہے یا مکروہ یا مفسد؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ان سب صورتوں میں یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مفسدات الصلوٰۃ وتشمیت عاطس بیرحمک اللہ ولو من العاطس لنفسہ لا (رد المحتار ص۵۸۰ ج۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم - ۲۵ صفر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسائل زلۃ القاری

دو رکعتوں کی قراءت کے درمیان ایک چھوٹی سورت چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال:- پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی ہو اس کے بعد ایک یا زیادہ سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت پڑھنا کیسا ہے؟ یا کہ متصل ساتھ والی سورت پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورت کے بعد والی سورت اس سے اتنی زیادہ طویل ہو کہ جتنا دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ ہے، تو اس کا ترک کرنا بلا کراہت جائز ہے، ورنہ ایک سورت کا ترک مکروہ ہے، دو یا زیادہ سورتوں کے ترک میں کوئی کراہت نہیں، قال شارح التنویر رحمه الله تعالیٰ ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منه اطالۃ الرکعۃ الثانیۃ اطالۃ کثیرۃ فلا یکرہ شرح المنیۃ کما اذا کانت سورتان قصیرتان (رد المحتار، ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ رمضان سنہ ۹۸ھ

پہلی رکعت میں سورۂ ناس پڑھ لی:

سوال:- ایک شخص نے غلطی سے رکعتِ اُولیٰ میں سورۂ ناس پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟ اوپر سے پڑھنا مکروہ ہے، اور ایک ہی سورت کا تکرار بھی مکروہ ہے، ایسی مجبوری میں کیا کرے؟ دوسری رکعت میں سورۂ فلق پڑھے یا اس میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے؟ حکمِ شرع تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوسری رکعت میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے، سہو کی حالت میں سورت کا تکرار مکروہ نہیں، قال فی الفتح قرأ فی الاولیٰ بقل اعوذ برب الناس یقرأ فی الثانیۃ ھٰذہ السورۃ ایضا (فتح القدیر، ص ۲۴۳ ج ۱) وفی شرح التنویر لا بأس ان یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ وفی الشامیۃ افاد انه یکرہ تنزیھا وعلیه یحمل جزم القنیۃ بالکراھۃ ویحمل فعله علیه الصلوٰۃ والسلام لذلك علی بیان الجواز، ھٰذا اذا لم یضطر فان

اضطرباں قرأ فی الاولیٰ قل اعوذ برب الناس اعادها فی الثانیة ان لم یختم نعم لان التکرار اهون من القراءة منکوسا بزازیة واما لو ختم القرآن فی رکعة فیأتی قریبا انه یقرأ من البقرة (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رشعبان ۷۲ھ

پہلی رکعت میں سورۂ ناس شروع کرکے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال:۔ امام نے پہلی رکعت میں غلطی سے سورۂ ناس شروع کردی، مگر فوراً ہی اس کو چھوڑ کر سورۂ فلق پڑھ لی، اس میں کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

سورۂ ناس کو شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے، اسی کو پوری کرکے دوسری رکعت میں بھی یہی سورت پڑھنی چاہئے، قال فی الفتح ولو قصد سورة وافتتح غیرها فاراد ترکها الی المقصود کره ذلك ولو کان حرفا واحدا (فتح القدیر ص ۲۴۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رشعبان ۷۲ھ

دوسری رکعت میں اوپر کی سورت شروع کرکے چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال:۔ امام صاحب نے پہلی رکعت میں سورۂ تبت پڑھی، اور دوسری میں اذا جاء شروع کردی، مگر ابھی ایک آیت بھی نہ پڑھی تھی کہ اس کو چھوڑ کر سورۂ اخلاص پڑھ لی، اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

دوسری رکعت میں سورۂ نصر ہی پوری کرنا چاہئے تھی، اس کو چھوڑ کر سورۂ اخلاص پڑھنا مکروہ ہے۔ فی شرح التنویر عن القنیة قرأ فی الاولیٰ الکافرون وفی الثانیة الم تر او تبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ، وفی الشامیة افاد ان التنکیس او الفصل بالقصیرة انما یکره اذا کان عن قصد فلو سهوا فلا کما فی شرح المنیة واذا انتفت الکراهة فاعراضه عن التی شرع فیها لا ینبغی وفی الخلاصة افتتح سورة وقصد سورة اخریٰ فلما قرأ آیة او آیتین اراد ان یترك تلك السورة ویفتتح التی ارادها یکره اھ وفی الفتح ولو کان ای المقروء حرفا واحدا، (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رشعبان ۷۲ھ

ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف انتقال:

سوال:- ایک سورت کو چھوڑ کر دوسری کی طرف انتقال سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس میں فرض و نفل کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

نماز ہوجائے گی، مگر عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، فرائض اور نوافل دونوں کا ایک ہی حکم ہے،
قال ابن الهمام رحمه الله تعالیٰ قال فی الخلاصة هٰذا كله فی الفرائض اما فی النوافل فلا یکره، وعندی فی الکلیة نظر فانه صلی الله علیه وسلم نهی بلالا عن الانتقال من سورة الی سورة وقال له اذا ابتدأت بسورة فاتمها علی نحوها حین سمعه ینتقل من من سورة الی سورة فی التهجد، (فتح القدیر ص ۲۴۳ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۲۵ شعبان ۷۴ھ

نماز میں خلافِ ترتیب قرأت مکروہ ہے:

سوال:- نماز میں منکوساً قرآن مجید پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

سجدۂ سہو نہیں، البتہ عمداً ایسا کرنا مکروہ ہے، سہواً مکروہ نہیں، ایک ہی رکعت میں عمداً ایسا کیا تو فرض اور نفل دونوں میں مکروہ ہے، اور اگر دوسری رکعت میں اوپر سے پڑھا تو صرف فرض میں مکروہ ہے نفل میں نہیں، قال فی الهندیة واذا قرأ فی رکعة سورة وفی الرکعة الاخریٰ او فی تلك الرکعة سورة فوق تلك السورة یکره وكذا اذا قرأ فی رکعة اٰیة ثم قرأ فی الرکعة الاخریٰ او فی تلك الرکعة اٰیة اخریٰ فوق تلك الاٰیة (الی قوله) هٰذا كله فی الفرائض اما فی السنن فلا یکره (عالمگیریة، ص ۴۰ ج ۱) وفی الشامیة ان التنکیس او الفصل بالقصیرة انما یکره اذا كان عن قصد فلو سهوا فلا، وایضاً فیها تحت (قوله ولا یکره فی النفل شیء من ذلك) واعترض ح ایضاً بانهم نصوا بان القراءة علی الترتیب من واجبات القراءة فلو عکسه خارج الصلوٰة یکره فکیف لا یکره فی النفل تأمل واجاب ط بان النفل لاتساع بابه نزلت کل رکعة منه فعلا مستقلا فیکون کما لو قرأ انسان سورة ثم سکت ثم قرأ ما فوقها فلا کراهة فیه، (رد المحتار، ص ۵۱۱ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،
۲۵ شعبان ۷۴ھ

قرآن دیکھکر پڑھنا مفسدِ نماز ہے:

قرآن مجید دیکھکر پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں، جبکہ ورق نہ پلٹے جائیں، اگر فاسد ہوگی، تو فساد کی وجہ کیا ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز میں دیکھکر قرآن پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائے گی، اگرچہ اوراق نہ پلٹے، اس لئے کہ یہ خارج سے تلقن ہے، جو کہ مفسد ہے جیسا کہ کسی خارجِ نماز آدمی سے لقمہ لینا مفسد ہے، فی مفسدات الصلوٰۃ من شرح التنویر وقراءته من مصحف ای ما فیه قرآن مطلقًا لانه تعلم الخ، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ انه تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیره (رد المحتار، ص ۵۸۳ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۱۵ جمادی الآخرہ سنہ ۸۷ھ

قرارت میں فاحش غلطی کی، پھر صحیح کرلیا تو نماز ہوگئی:

سوال:- اگر کسی نے غلطی سے اما من ثقلت موازینه فامه هاویة پڑھ لیا، مگر پھر فوراً ہی صحیح کرلیا، تو نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز ہوگئی، فی الهندیة ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحیحًا قال عندی صلوته جائزة (عالمگیریة، ص ۸۲ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۵ شعبان سنہ ۸۷ھ

سورت کے درمیان آیت چھوٹ جانا:

سوال:- امام صاحب نے عشاء کی نماز کی پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا من اهل الکتٰب والمشرکین منفکین حتیٰ تأتیهم البیّنة پڑھا، رسول من الله یتلوا سے قیّمة تک نہیں پڑھا، وما تفرق الذین سے آخر سورت تک پڑھا، نماز کے بعد ایک صاحب نے کہا کہ نماز دُہرائی جائے، کیونکہ شروع میں تین آیتوں کی مقدار نہیں پڑھا گیا ہے، امام صاحب نے کہا کہ میں نے صرف ایک آیت چھوڑی ہے باقی سورت پوری پڑھ لی نماز ہوگئی، اس بارے میں کیا فتویٰ ہے نماز دُہرائی جائے یا ہوگئی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز ہوگئی، دُہرانے کی ضرورت نہیں، بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، قال فی الشامیة لو

انتقل فی الرکعۃ الواحدۃ من آیۃ الی آیۃ یکرہ وان کان بینہما آیات بلاضرورۃ فان سہا ثم تذکر یعود مراعاۃ لترتیب الآیات، شرح المنیۃ (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۱) یہ حکم جب ہے کہ دوسری آیت کو پہلی کے ساتھ ملانے سے فسادِ معنی لازم نہ آئے، جیسا کہ صورتِ سوال میں ہے، اگر ملانا مفسدِ معنی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہو کہ پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں نماز ہو جائے گی، اور اگر بدون وقف دوسری آیت ملائی تو نماز نہ ہوگی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ذی الحجہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا :

سوال :- امام صاحب نے سورۂ غاشیہ پڑھی، تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ کے بعد چند آیات چھوڑ کر فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ سے پڑھا، اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر اٰنِيَةٍ پر وقف کئے بغیر آگے فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ پڑھا تو فسادِ معنی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، وقف کیا ہو تو نماز صحیح ہے، ایک آیت کی بجائے دوسری آیت پڑھنے میں یہ تفصیل ہو کہ معنی میں فساد نہ آئے تو بالاتفاق نماز صحیح ہے، اور اگر معنی میں فساد آ گیا تو پہلی آیت پر وقف کرنے کی صورت میں بالاتفاق نماز ہو جائے گی، اور وقف نہیں کیا تو اس میں اختلاف ہو، صحیح یہ ہے کہ یہ مفسد ہے، قال فی الخانیۃ وان ذکر آیۃ مکان آیۃ ان وقف علی الاولی وقفاً تاماً وابتدأ بالثانیۃ لا تفسد صلوٰتہ کما لو قرأ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ووقف ثم ابتدأ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ لا تفسد صلوٰتہ وکذا لو قرأ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ووقف ثم قرأ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ وان لم یقف وقرأ موصولاً ان لم تتغیر الاولی بالثانیۃ کما لو قرأ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَزَآءُ الْحُسْنٰى او قرأ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا لا تفسد صلوٰتہ وان تغیر المعنی بان قرأ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ او قرأ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ او قرأ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا تفسد صلوٰتہ لانہ اخبر بخلاف ما اخبر اللہ تعالیٰ بہ۔ وقال بعضہم لا تفسد صلوٰتہ لعموم البلوی والاول اصح۔ (وقال قبیل هذا) وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ روایتان الصحیح ہو الفساد لانہ اخبر بخلاف ما اخبر اللہ تعالیٰ بہ (خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص ۱۵۲ ج ۱)

وفیہا وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى قرأ الْاَتْقَى بالتاء وقال ان وصل بہ اَلَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی تفسد صلوٰتہ وان لم یصل بل وقف ثم ابتدأ بالَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی لا تفسد صلوٰتہ وکذا لو قرأ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ سَيُجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِیْ ان وصل بہ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی تفسد صلوٰتہ والا فلا (خانیۃ علی ہامش الہندیۃ ص۱۴۶ج۱)

وفی العلائیۃ وصحح الباقانی الفساد ان غیر المعنی نحو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَنّٰتٍ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف وقفا تاما اما لو وقف ثم قال لَفِیْ جَنّٰتٍ فلا تفسد الخ (رد المحتار، ص۵۹۳ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۹ رجمادی الآخرہ سنہ۹۹ھ

اشقٰی کی بجائے اتقٰی پڑھ گیا:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز جمعہ پڑھاتے ہوئے پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ پڑھی اور اس کی آیت سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی کی بجائے وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی الی آخر سورۃ اللیل ختم کردی، پھر بغیر درست کئے پہلی رکعت کا رکوع کردیا، نماز درست ہوگئی یا فاسد ہوگئی اور اعادہ کی ضرورت ہے؟ بحوالہ تحریر فرمائیں، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یَخْشٰی پر وقف کرکے آگے پڑھا تو نماز ہوگئی، ورنہ نہیں، قال فی العلائیۃ وصحح الباقانی الفساد ان غیر المعنی نحو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ للاضافۃ کما لو بدل کلمۃ بکلمۃ وغیر المعنی نحو اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَنّٰتٍ، وفی الشامیۃ وقید الفساد فی الفتح وغیرہ بما اذا لم یقف وقفا تاما اما لو وقف ثم قال لَفِیْ جَنّٰتٍ فلا تفسد (رد المحتار ص۵۹۳ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ربیع الآخر سنہ۹۸ھ

دوسری رکعت کے اطالۂ مکروہہ کی مقدار:

دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بڑی سورت پڑھنا مکروہ ہے، اس زیادتی کی مقدار کیا ہے؟ کتنی آیتیں زیادہ ہوں تو کراہت ہوگی؟ نیز یہ کراہت نوافل میں بھی ہے کہ صرف فرائض میں ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

فرائض میں بالاتفاق اور نوافل میں علی الراجح دوسری رکعت کا اطالہ مکروہ تنزیہی ہے، اطالہ کی مقدار میں راجح اور سہل قول یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں تفاوت بیّن ہو، قال فی العلائیۃ واطالۃ الثانیۃ علی الاولی یکرہ تنزیھًا اجماعًا ان بثلاث اٰیات ان تقاربت طولاً وقصرًا والا اعتبر الحروف والکلمات واعتبر الحلبی فحش الطول لا عدد الاٰیات واستثنی فی البحر ماوردت به السنۃ واستظهر فی النفل عدم الکراهۃ مطلقًا وان باقل لا یکرہ لانه علیه الصلوٰۃ والسلام صلی بالمعوذتین، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالی بعد نقل کلام الحلبی والذی تحصل من مجموع کلامه وکلام القنیۃ ان الطلاق کراهۃ اطالۃ الثانیۃ بثلاث اٰیات مقید بالسور القصیرۃ المتقاربۃ الاٰیات لظهور الاطالۃ حینئذ فیها اما السور الطویلۃ او القصیرۃ المتفاوتۃ فلا یعتبر العدد فیهما بل یعتبر ظهور الاطالۃ من حیث الکلمات وان اتحدت اٰیات السورتین عددًا هذا ما ظهر لی والله تعالی اعلم، (قوله واستثنی فی البحر ماوردت به السنۃ) ای کقراءته علیه الصلوٰۃ والسلام فی الجمعۃ والعیدین فی الاولی بالاعلیٰ وفی الثانیۃ بالغاشیۃ فانه ثبت فی الصحیحین مع ان الاولی تسع عشرۃ اٰیۃ والثانیۃ ستۃ وعشرون وعلی ما مرّ عن شرح المنیۃ لاحاجۃ الی الاستثناء لان هاتین السورتین طویلتان ولا تفاوت ظاهر بینهما من حیث الکلمات والحروف بل هما متقاربان، وقال تحت (قوله مطلقًا) والاصح کراهۃ اطالۃ الثانیۃ علی الاولی فی النفل ایضًا الحاقا له بالفرض فیما لم یرد به تخصیص من التوسعۃ کجوازہ قاعدًا بلا عذر ونحوہ واما اطالۃ الثالثۃ علی الثانیۃ والاولی فلا تکرہ لما انه شفع اٰخر اھ (رد المحتار ص ۵۰۷ ج ۱)

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ میں تفاوت باعتبار حروف و کلمات کو غیر ظاہر قرار دینا غیر ظاہر ہے، ظاہر یہ ہے کہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر کے مطابق سو طوال میں اس قدر تفاوت غیر ظاہر ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ رمضان ۹۸ھ

بابُ الوترِ والنّوافِل

قنوت وتر میں کوئی دوسری دعاء پڑھنا :

سوال : ایک شخص کہتا ہے کہ وتر میں قنوت پڑھنا ضروری نہیں اور نہ ہی دعاء قنوت کا سیکھنا ضروری ہے، اس کے سوا بھی نماز ہوجاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے ؟ بینوا توجروا ،

الجواب ومنه الصدق والصواب

وتر کی تیسری رکعت میں سورت کے بعد کوئی دعاء پڑھنا واجب ہے، اگر کوئی دعاء بھی نہ پڑھی تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، کوئی دعاء ربنا آتنا الخ یا کوئی دوسری دعاء پڑھ لی تو نماز صحیح ہوجائے گی البتہ دعاء مشہور اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ الخ پڑھنا مسنون ہے، دعاء مسنون کا نہ سیکھنا یا باوجود یاد ہونے کے عمداً ترک کرنا گناہ ہے، قال شارح التنویر رحمه الله تعالیٰ فی واجبات الصلوٰۃ وقراءۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء، وفی الشامیۃ ای القنوت الواجب یحصل باتی دعاءکان، قال فی النھر واما خصوص اللّٰھم انا نستعینك فسنة فقط حتیٰ لواتی بغیرہ جاز اجماعاً (رد المحتار ج ۱ ص ۴۳۰) وایضاً فی باب الوتر من شرح التنویر وقنت فیه ویسن الدعاء المشھور، وفی الشامیۃ ومن لایحسن القنوت یقول ربّنا آتنا فی الدنیا حسنة الآیة وقال ابو اللیث یقول اللّٰھم اغفرلی یکررھا ثلاثا وقیل یقول یارب ثلاثا ذکرہ فی الذخیرۃ اھ (رد المحتار ج ۱ ص ۶۲۴) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم،

۳۰ جمادی الآخرہ ۷۵ھ

تکبیر قنوت چھوٹ جانے کا حکم :

سوال :- وتر میں قنوت کی تکبیر چھوٹ جانے سے سجدۂ سہو ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ،

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس کے وجوب میں اختلاف ہے، شامیہ میں عدم وجوب کو ترجیح دی ہے، معہذا سجدۂ سہو

کرنے میں احتیاط ہونہ کرنے کی گنجائش ہے، (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السہو ومالحق بہ ای بالقنوت تکبیرہ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ وذکر فی الظہیریۃ انہ لو ترک لا روایۃ فیہ وقیل یجب السجود اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا اھ وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ الاصل ولادلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید اھ (رد المحتار، ج۱ ص ۴۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ صفر سنہ ۷۶ھ

دعاء قنوت کا تکرار:

سوال :- دعاء قنوت وتروں میں دو دفعہ پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر میں کوئی غیر معین دعاء پڑھنا واجب ہے، اور جو دعاء ماثورعام طور پر وتر میں پڑھی جاتی ہے سنت ہے، اس کے علاوہ اور دعائیں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، لہٰذا اس موقع پر جتنی دعائیں بھی پڑھی جائیں یا ان کا تکرار کر لیا جائے، بہرکیف سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

دعاء قنوت سے ترک یا تکرار:

سوال :- اگر وتر میں دعاء قنوت آدھی پڑھی یا بھولنے کے بعد پھر ابتداء سے شروع کرکے پوری پڑھی تو کیا ان صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

قنوت میں کوئی بھی دعاء مختصر یا طویل پڑھ لی جائے تو واجب ادا ہوجاتا ہے، دعاء معروف پوری پڑھنا سنت ہے، واجب نہیں، لہٰذا اس میں سے کسی حصہ کے ترک یا تکرار یا پوری دعاء کے تکرار سے سجدۂ سہو نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۹ محرم سنہ ۹۰ھ

پانچوں نمازوں میں سنتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں:

سوال :- ایک شخص پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، اور تہجد بھی پڑھتا ہے، مگر سنتیں نہیں پڑھتا، اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتیں پڑھنا یا حکم دینا کہیں ثابت نہیں، کوئی عالم ثابت نہیں کرسکتا، بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

جو شخص کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں نہیں پڑھیں وہ جاہل ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنتیں پڑھنا اور امت کو ترغیب دینا اور بعض سنتوں کے ترک پر وعید فرمانا صریح اور صحیح احادیث سے ثابت ہے،

① عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی قبل الظهر اربعًا وبعدها رکعتین وبعد المغرب ثنتین وبعد العشاء رکعتین وقبل الفجر رکعتین، (رواه مسلم وابوداؤد وابن حنبل)

② عن ابی ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنه کان یصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الزوال اربع رکعات فقلت ماهذه الصلوٰة التی تداوم علیها فقال هذه ساعة تفتح ابواب السماء فیها فاحب ان یصعد لی فیها عمل صالح فقلت افی کلهن قراءة قال نعم فقلت بتسلیمة واحدة ام بتسلیمتین فقال بتسلیمة واحدة (رواه الطحاوی وابوداؤد والترمذی وابن ماجة) قال فی الشامیة روره من غیر فصل بین الجمعة والظهر فیکون سنة کل واحدة منهما اربعًا،

③ روی ابن ماجة رحمه اللہ تعالیٰ باسناده عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعة اربعا لایفصل فی شیء منهن (ابن ماجة)

④ عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه انه صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان منکم مصلیًا بعد الجمعة فلیصل اربعًا (رواه مسلم)

⑤ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صابر علی اثنتی عشرة من السنة بنی اللہ له بیتًا فی الجنة اربع رکعات قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر، (رواه الترمذی وابن ماجة)

⑥ روی الجماعة الا البخاری رحمه اللہ تعالیٰ من حدیث اُم حبیبة رضی اللہ تعالیٰ عنها انها سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول مامن عبد مسلم یصلی فی کل یوم اثنتی عشرة رکعة تطوعًا من غیر الفریضة الا بنی اللہ له بیتًا فی الجنة زاد النسائی والترمذی اربعا قبل الظهر ورکعتین بعدها

ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل صلوٰۃ الغداۃ،

⑦ لاتدعوا رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل، (رواہ ابوداؤد)

⑧ رکعتا الفجر خیر من الدنیا ومافیھا (رواہ مسلم)

⑨ لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی شیء من النوافل اشد تعاھداً منہ علی رکعتی الفجر، (رواہ البخاری)

⑩ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من ترک اربعًا قبل الظھر لم تنلہ شفاعتی (شامیۃ ج۱)

⑪ واما الاربع قبل العشاء فاخرج ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی حاشیتہ علی البحر المسماۃ بمنحۃ الخالق فیھا حدیثًا، وایضا یستدل علیھا بعموم قولہ علیہ السلام بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء (رواہ الجماعۃ) واما کونھا اربعا فیتمشی علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حیث قال ان الافضل فی صلوٰۃ اللیل کونھا اربع رکعات اوبالقیاس علی صلوٰۃ الظھر والعصر، والوجہ ظاھر،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹ / صفر ۷۵ھ

سنتِ مؤکدہ اور نفل ایک سلام سے پڑھنا:

سوال:- مندرجہ ذیل فتوٰی کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں:-

اگر کوئی شخص دو رکعت سنت بعد از ظہر یا بعد مغرب کو دو رکعت نفل سے جمع کرکے ایک ہی تحریمہ اور ایک سلام سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

جواب: صحیح ہے، چاہے نیت سنت کی کرے یا نفل کی، یا مطلق نماز کی، سنت بھی ادا ہو جائے گی اور نفل بھی، اس کی تحقیق تفصیل کے ساتھ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں ہے نیز رد المحتار وغیرہ میں بھی ہے قال فی الدر المختار وستٍ بعد المغرب لیکتب من الاوابین (الی قولہ) وھل تحسب المؤکدۃ من المستحب ویؤدی الکل بتسلیمۃ واحدۃ اختار الکمال نعم وفی رد المحتار بعد ذکر الاختلاف واختار ھو انہ اذا صلی اربعا بتسلیمۃ اوتسلیمتین وقع علی السنۃ والمندوب وحقق ذٰلک بما لامزید علیہ واقرہ فی شرح المنیۃ والبحر والنھر، انتھی،

تحقیق بالا سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ بینوا بیانًا شافیًا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

تحقیق بالا صحیح ہے، مگر خروج عن الاختلاف کے لئے علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہی بہتر ہے، صورتِ ضم کے عدم جواز پر درمختار کے اس جزئیہ سے شبہہ نہ ہو، صلی اربعا فوقع رکعتان بعد طلوعہ (ای الفجر) لاتجزیہ عن رکعتیہا علی الاصح تجنیس؛ لان السنة ما واظب علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بتحریمة مبتدأة، وکذا فی الشامیة ایضًا ورجحہ (ردالمحتار ج۱ ص ۶۳۲) کیونکہ سنن فجر میں مواظبت بتحریمۂ مبتدأہ ثابت ہے، اور صورتِ مسئولہ میں مواظبت علی عدم الضم ثابت نہیں، بعد الظہر رکعتین واربع رکعات دونوں قسم کی روایات ہیں، اربع رکعات والی روایت میں بتسلیمتین کی تصریح نہیں، اور متبادر بتسلیمة واحدة ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۹ر صفر ۷۵ھ

دو رکعت نفل میں قعدہ کے بعد سہوًا کھڑا ہوگیا:

سوال:۔ دو رکعت نفل کی نیت باندھی اور قعدہ کے بعد سہوًا کھڑا ہوگیا، اور تیسری رکعت کو مقید بسجدہ کرنے سے قبل یاد آگیا، تو عود کرنا بہتر ہے یا کہ چار رکعت کا پورا کرنا؟ بینوا توجروا،

الجواب ومنه الصدق والصواب

شفع ثانی پورا کرلینا بہتر ہے، اس لئے کہ عود میں شفع ثانی کا ابطال لازم آتا ہے، معہذا شفع ثانی کی تکمیل ضروری نہیں، کیونکہ وجوب اتمام مقید ہے شروع قصدًا سے، اور صورتِ مسئولہ میں شروع قصدًا نہیں، لزم نفل شرع فیہ قصدًا (شرح التنویر باب النوافل) (مزید دلائل وتفصیل باب صفة الصلوٰة وما یتعلق بہا میں عنوان "توہم فساد کی بناء پر الخ" میں ملاحظہ ہو، مرتب)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ر رجب ۷۵ھ

قنوتِ وتر کے ساتھ قنوتِ نازلہ ملانا:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص وتر کے اندر دعاء قنوت کے ساتھ قنوتِ نازلہ پڑھے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر میں اللّٰھم انا نستعینک الخ اور اللّٰھم اھدنا الخ پڑھنا ماثور ہے، ان دونوں کے ساتھ

مزید جو دعاء چاہے ملا سکتا ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی شرح المنیۃ والصحیح ان عدم التوقیت فیما عدا المأثور لان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اتفقوا علیہ ولانہ ربما یجری علی اللسان مایشبہ کلام الناس اذا لم یوقت ثم ذکر اختلاف الالفاظ الواردۃ فی اللّٰھم انا نستعینک الخ ثم ذکر ان الاولی ان یضم الیہ اللّٰھم اھدنی الخ وان ماعدا ھذین فلا توقیت فیہ ومنہ ما عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان یقول بعد عذابک الجد بالکفار ملحق اللّٰھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات وألف بین قلوبہم واصلح ذات بینہم وانصرھم علی عدوک وعدوھم اللّٰھم العن کفرۃ الکتاب الذین یکذبون رسلک ویقاتلون اولیائک اللّٰھم خالف بین کلمتہم وزلزل اقدامہم وانزل علیہم بأسک الذی لا یرد عن القوم المجرمین، (رد المحتار ص ۶۲۴ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ر شوال ۸۶ھ

وتر میں دو تشہد کا ثبوت:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وتر کی تین رکعت بیک سلام اگر پڑھی جائیں تو وتر کی صرف آخری رکعت ہی میں تشہد پڑھا جائے یا دوسری رکعت میں بھی پڑھنا چاہئے، جس طرح کہ مغرب کی نماز فرض تین رکعت میں دوسری اور تیسری رکعت میں تشہد پڑھا جاتا ہے،

زید کہتا ہے کہ تین رکعت وتر میں صرف آخری رکعت میں ایک ہی بار تشہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) سے ثابت ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ کوئی صحیح حدیث جس میں دو دفعہ تشہد ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین رکعت وتر پڑھتے تو دوسری اور تیسری رکعت ہر دو میں تشہد پڑھنا ثابت ہو، تحریر فرمائیں، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

احادیث ذیل میں دو تشہد کی صراحت ہے،

① عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر ثلاث کثلاث المغرب، رواہ الطبرانی فی الاوسط،

② عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ مثنی مثنی تشہد فی کل رکعتین، الحدیث (مشکوٰۃ، ص ۷۷) یہ حدیث اگرچہ نوافل

کے بارے میں ہیں لیکن تشہد فی کل رکعتین کا عموم وتر کو بھی شامل ہے،

③ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال الوتر ثلاث کوتر النہار صلوٰۃ المغرب (رواہ الطحاوی) فیہ دلالۃ علی ان الوتر ثلاث رکعات وتشبیہہ بصلوٰۃ المغرب یفید وجوب القعدۃ علی الرکعتین ایضاً کما فی المشبہ بہ ویشعر بمنع نقصہ عن الثلث ایضاً کما فی المغرب وھذا اثر صحیح موصول،

④ عن حفص بن سلیمان عن ابان بن ابی عیاش عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ارسلت امی لیلۃ لتبیت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنظر کیف یوتر فصلی ما شاء اللہ ان یصلی حتی اذا کان اٰخر اللیل واراد الوتر قرأ بسبح اسم ربک الاعلیٰ فی الرکعۃ الاولیٰ وقرأ فی الثانیۃ قل یا ایھا الکفرون ثم قعد ثم قام ولم یفصل بینہما بالسلام ثم قرأ بقل ھو اللہ احد حتی اذا فرغ کبر ثم قنت فدعا بما شاء اللہ ان یدعو ثم کبر ورکع اھ اخرجہ الحافظ ابن عبد البر فی الاستیعاب له ولم یتکلم علیہ بشیء (اعلاء السنن، ج ۶ ص ۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ رمضان ۸۶ھ

جماعت وتر کی رمضان کے ساتھ تخصیص:

سوال:۔ رمضان شریف کے سوا باقی سال میں وتر کی جماعت کیوں نہیں کرائی جاتی، اس کی کیا علت ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع ہے، اس لئے یہ رمضان کے ساتھ مخصوص ہے،

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الذی یظہر ان جماعۃ الوتر تبع لجماعۃ التراویح وان کان الوتر نفسہ اصلا فی ذاتہ لان سنۃ الجماعۃ فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعۃ للتراویح (رد المحتار، ص ۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ رمضان ۸۶ھ

سنن ونوافل کے لئے مطلق نماز کی نیت کافی ہے:

سوال:۔ جمعہ کے بعد والی سنن ونوافل کی نیت میں بعد جمعہ کے کہنا مستحب ہیں یا اس وقت کا نام لے؟ مثلاً اس طرح "چار رکعت سنت بعد جمعہ منہ میرا قبلہ کی طرف اللہ اکبر" اور دل میں

کیا ارادہ کیا جائے گا، بعد جمعہ کا یا اُس وقت کا؟ اور جمعہ سے قبل والی سنت میں جمعہ کہا جائے گا یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سنن ونوافل میں مطلقاً نماز کی نیت کافی ہے، چاہے جمعہ کی سنتیں ہوں یا دوسرے اوقات کی، صرف دل سے نیت کافی ہے، زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں، کہہ لے تو بہتر ہے، قال فی التنویر والمعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ وھو ان یعلم بداھۃ ای صلوٰۃ یصلی والتلفظ بہا مستحب وقیل سنۃ (الی قولہ) وکفی مطلق نیۃ الصلوٰۃ لنفل وسنۃ وتراویح وفی الشرح علی المعتمد اذ تعیینہا بوقوعہا وقت الشروع والتعیین احوط (رد المحتار، ص ۳۸۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۸ ربیع الاول ۸۸ھ

سوال مثل بالا:

سوال:- زید کی ظہر سے قبلیہ چار سنت چھوٹ گئیں، جماعت ختم ہونے کے بعد زید نے دو سنت کی نیت کر کے نماز شروع کی، قعدہ کے بعد بھول کر کھڑا ہوگیا، اور چار کی نیت کر لی، تو یہ چار قبل از جماعت والی ادا ہوئیں یا دو بعد الفرائض والی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت ونفل میں بدون تعیین رکعات مطلق نماز کی نیت کافی ہے، لہٰذا قبلیہ چار رکعتیں ہوگئیں دو رکعتیں بعدیہ پڑھ لے، قال فی التنویر وکفی مطلق نیۃ الصلوٰۃ لنفل وسنۃ وتراویح، وفی الشامیۃ بان یقصد الصلوٰۃ بلا قید نفل اوسنۃ اوعدد (رد المحتار، ص ۳۸۸ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ رجمادی الاولیٰ ۹۰ھ

قبلیہ سنت مؤکدہ چھوٹ گئیں تو وقت کے اندر قضا سنت مؤکدہ ہی:

سوال:- جمعہ وظہر کی سنت مؤکدہ قبل والی اگر پہلے فرضوں کے نہ پڑھی جائیں تو بعد فرض کے پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہی رہے گا یا نفل؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد الفرائض بھی سنتِ مؤکدہ ہی ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ

علی انہا سنۃ) ای اتفاقا وما فی الخانیۃ وغیرہا من انہا نفل عندہ سنۃ عندہما فہو من تصرف المصنفین لان المذکور فی المسألۃ الاختلاف فی تقدیمہا او تأخیرہا والاتفاق علی قضائہا وہو اتفاق علی وقوعہا سنۃ کما حققہ فی الفتح وتبعہ فی البحر والنہر و شرح المنیۃ (رد المحتار، ص ۱۳۶۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۴ر شوال ۸۶ھ

وتر کے بعد فرض کا فساد معلوم ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں:

سوال :- زید نے عشاء کی سنن کے بعد چار فرض تنہا ادا کئے مگر بھول کر چار کی بجائے دو پڑھ لئے اور بعد کی سنتیں اور نفل اور وتر پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ فرض دو رکعت پڑھے گئے ہیں تو اب سنتوں اور وتر کا اعادہ بھی ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

وتر فرض کے تابع نہیں، مگر دو رکعت سنت مؤکدہ فرض کے تابع ہیں، لہٰذا فرض صحیح نہ ہونے کی صورت میں وتر کا اعادہ لازم نہیں، صرف دو سنت کا اعادہ کرے، قال فی الشامیۃ عن ح لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنۃ بہ یعید العشاء والسنۃ لا الوتر (رد المحتار ص ۱۳۶۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲ر صفر ۸۸ھ

وتر کے بعد معلوم ہوا کہ فرض میں سجدۂ سہو نہیں کیا:

سوال :- زید نے نماز پڑھائی، اور اس میں سجدۂ سہو واجب ہوگیا، لیکن بوجہ جہالت کے اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا، جب مقتدیوں نے سنن ونوافل ووتر سے فراغت حاصل کی، تب جناب زید صاحب کو علم ہوا کہ میرے اوپر سجدۂ سہو واجب تھا، پھر اس نے دوبارہ جماعت کرائی، تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ مقتدی اب جو سنن وغیرہ پڑھ چکے تھے وہ بھی اب فرض کے ساتھ لوٹائیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دو رکعت سنت مؤکدہ دوبارہ پڑھیں، وتر چونکہ مستقل نماز ہے اس لئے اس کو نہ لوٹائیں قال فی الشامیۃ لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنۃ بہ یعید العشاء والسنۃ لا الوتر لانہ اداہ ناسیا ان العشاء فی ذمتہ فسقط الترتیب افادہ ح (رد المحتار ص ۱۳۶۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ر ربیع الاول ۹۰ھ

فرض صحیح نہ ہوئے تو بعد والی سنت دوبارہ پڑھے:

سوال:۔ کسی کے فرض عشاء نہ ہوئے، مثلاً سجدۂ سہو واجب تھا اور یاد نہ آیا، اور سلام کے بعد دوسری نماز یعنی سنن نوافل وتر کے بعد یاد آیا تو فرض کا اعادہ کرنے کے بعد سنن، نوافل، وتر کا اعادہ بھی لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر وتر غلطی سے دو پڑھ گیا اور اس کے بعد نفل بھی پڑھ لئے، اور نفل کے بعد یاد آیا، تو آیا نفل کا اعادہ بھی واجب ہے یا نہیں یا صرف وتر کا اعادہ کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سنن بعدیہ فرض کے تابع ہیں، لہٰذا ان کا اعادہ ضروری ہے، وتر اور نوافل کا اعادہ ضروری نہیں۔ قال فی الشامیۃ لو صلی الوتر ناسیًا انہ لم یصل العشاء ثم صلاھا لا یعید الوتر لقولہم انہ لو صلی العشاء بلا وضوء والوتر والسنۃ بہ یعید العشاء والسنۃ لا الوتر لانہ اداہ ناسیًا ان العشاء فی ذمتہ فسقط الترتیب افادہ ح (رد المحتار ص ۱۸۱ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ ربیع الاول ۸۹ھ

فرض یا تراویح منفرداً پڑھنے والے کی جماعت وتر میں شرکت:

سوال:۔ اگر کوئی شخص فرض کی جماعت ختم ہونے کے بعد آیا، اور اکیلے فرض پڑھ کر تراویح میں شریک ہوگیا، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر تراویح میں بھی جماعت نہ ملی ہو تو کیا وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

شامیہ کی تحریر کے مطابق اگر فرض اور تراویح یا صرف فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وتر کی جماعت میں شرکت مکروہ ہے، اور اگر فرض جماعت سے پڑھے مگر تراویح منفرداً پڑھیں، تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، قال فی العلائیۃ ولو لم یصلہا ای التراویح بالامام او صلاھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معہ بقی لو ترکہا الکل ھل یصلون الوتر بجماعۃ فلیراجع وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ولو لم یصلہا الخ) رأیت القہستانی ذکر تصحیح ما ذکرہ المصنف ثم قال لکنہ اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر اھ فقولہ ولو لم یصلہا ای وقد صلی الفرض معہ لکن ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازًا عن صلوتہا[1] منفردًا اما لو صلاھا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ

---

[1] الضمیر عائد الی الفرض فکان ینبغی تذکیرہ وکذا فی قولہ صلاھا واللہ اعلم ۱۲ رشید احمد

لا کراھة تأمل (قولہ بقی الخ) الذی یظھران جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسہ اصلا فی ذاتہ لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح علی انھم اختلفوا فی افضلیة صلاتھا بالجماعة بعد التراویح کما یأتی (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)؛ وقال الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ الذی یظھران جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح) الذی یظھران جماعتہ تبع لجماعة الفرض لا التراویح فان المفھوم من قول المصنف ولا یصلی الوتر الخ انہ یصلی جماعة فی رمضان فیعمل بعمومہ حتی یوجد ما یقتضی تخصیصہ بما اذا صلی التراویح جماعة نعم التقیید بما اذا صلی الفرض جماعة نقلہ القھستانی، (التحریر المختار ص ۹۴ ج ۱)

مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہ ہے کہ بہر صورت وتر کی جماعت میں شامل ہو سکتا ہے، البتہ اگر کسی نے بھی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو یہ لوگ تراویح اور وتر کی جماعت نہ کریں، اس صورت میں تراویح کی جماعت سے ممانعت مصرح ہے، وتر کی صراحت نظر سے نہیں گزری، مگر ظاہر ہے کہ اس کا حکم بھی یہی ہے، اس لئے کہ جماعتِ وتر جماعتِ تراویح یا جماعتِ فرض کے تابع ہے، قال الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح المنیة الصغیر فاتتہ ترویحة او ترویحتان وقام الامام الی الوتر یوتر مع الامام ثم یقضی ما فاتہ واذا لم یصل الفرض مع الامام قیل لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معہ التراویح لا یتبعہ فی الوتر والصحیح انہ یجوز ان یتبعہ فی ذلک کلہ حتی لو دخل بعد ما صلی الامام الفرض وشرع فی التراویح فانہ یصلی الفرض اولاً وحدہ ثم یتابعہ فی التراویح، وفی القنیة لو ترکوا الجماعة فی الفرض لیس لھم ان یصلوا التراویح جماعة (صغیری ص ۲۱۰) وفی الدر ونصلیہ وحدہ یصلیھا معہ، وفی الشامیة اما لو صلیت بجماعة الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحدہ فلہ ان یصلیھا مع ذلک الامام لان جماعتھم مشروعة فلہ الدخول فیھا معھم لعدم المحذور (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)، علائیہ وشامیہ کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ تراویح با جماعت پڑھ سکتا ہے، اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اس صورت میں وتر با جماعت جائز ہو، اس لئے کہ تراویح فرض کے تابع ہیں اور وتر مستقل نماز ہے، قال العلامة الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ فلیراجع) قضیة التعلیل فی المسألة السابقة بقولھم لانھا تبع ان یصلی الوتر بجماعة فی ھذہ الصورة لانہ لیس بتبع

للتراویح ولا للعشاء عند الامام رحمہ اللہ تعالیٰ (طحطاوی علی الدر ص ۲۹۷ ج۱) جب جماعت فرض سے متخلف تابع یعنی تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے تو مستقل نماز یعنی وتر کی جماعت میں بطریق اولیٰ شرکت جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب سنہ ۸۶ھ

فرض اور وتر میں امام مختلف ہو تو کراہت نہیں:

سوال:- ایک امام نے فرض نماز پڑھائی اور وتر دوسرے امام نے پڑھائے، تو جائز ہیں یا نہیں یا مکروہ ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بلا کراہت جائز ہے، لما نقلنا فی المسألۃ السابقۃ عن الشامیۃ ینبغی ان یکون قول القہستانی معہ احترازاً عن صلوتہا[۱] منفرداً اما لو صلاہا جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لا کراہۃ تأمل (رد المحتار ص ۶۶۳ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ رجب سنہ ۸۶ھ

جماعتِ فجر کے وقت سنت پڑھنا:

سوال:- جماعت فجر کی کھڑی ہوجائے تو سنت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ سکتا ہے تو کس صورت میں پڑھے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

امام کے ساتھ تشہد ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے، جہاں تک ہوسکے مقامِ جماعت سے علیحدہ ہوکر پڑھے، مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو کسی دیوار یا ستون کی آڑ میں پڑھے، صف کے پیچھے بلا حائل پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، البتہ مسجد کے دو حصے ہوں تو دوسرے حصہ میں پڑھنے کی گنجائش ہے، قال فی شرح التنویر واذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتہا ترکہا لکون الجماعۃ اکمل والا بان رجا ادراک رکعۃ فی ظاہر المذہب وقیل التشہد واعتمدہ المصنف والشرنبلالی تبعاً للبحر لکن ضعفہ فی النہر، لایترکہا بل یصلیہا عند باب المسجد ان وجد مکانا والا ترکہا لان ترک المکروہ مقدم علی السنۃ، وفی الشامیۃ (قولہ لکن

---

[۱] انظر الحاشیۃ الماضیۃ ۱۲ رشید احمد

ضعفه فی النهر) قلت لکن قواہ فی فتح القدیر (الی قوله) لان المدارهنا علی ادراك فضل الجماعة وقد اتفقوا علی ادراکه بادراك التشهد فیأتی بالسنة اتفاقا کما اوضحه فی الشرنبلالیة ایضا واقرہ فی شرح المنیة وشرح نظم الکنز وحاشیة الدرلنوح آفندی وشرحها للشیخ اسمٰعیل ونحوہ فی القهستانی وجزم به الشارح فی مواقیت الصلوٰۃ (قوله عند باب المسجد) ای خارج المسجد کما صرح به القهستانی وقال فی العنایة لانه لو صلاها فی المسجد کان متنفلاً فیه عند اشتغال الامام بالفریضة وهو مکروہ فان لم یکن علی باب المسجد موضع للصلوٰۃ یصلیها فی المسجد خلف ساریة من سواری المسجد واشدها کراهة ان یصلیها مخالطاً للصف مخالفاً للجماعة والذی یلی ذلك خلف الصف من غیر حائل اھ ومثله فی النهایة والمعراج، وقال تحت (قوله والاترکها) اذا کان للمسجد موضعان والامام فی احدهما ذکر فی المحیط انه قیل لایکرہ لعدم مخالفة القوم وقیل یکرہ لانهما کمکان واحد قال فاذا اختلف المشایخ فیه فالافضل ان لایفعل قال فی النهر وفیه افادة انها تنزیهیة الخ لکن فی الحلیة قلت وعدم الکراهة اوجه للاٰثار التی ذکرناها اھ (رد المحتار ص ۶۷۱ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۱۱ر رمضان المبارک ۹۳ھ

سنتِ فجر ایسی جگہ پڑھنا جہاں قراءتِ امام سنائی دے:

سوال:۔ اگر کسی مسجد کا ایک درجہ ہو اور اس میں جماعتِ فجر ہو رہی ہو تو صبح کی سنت کس جگہ ادا کریں؟ اگر صف کے پیچھے ادا کریں تو قراءت سُنائی دے گی، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سنتِ فجر گھر میں ادا کرکے مسجد جانا چاہئے، خصوصاً جبکہ قیامِ جماعت کا وقت ہو چکا ہو، اگر گھر میں سنت نہیں پڑھی تو مسجد سے باہر پڑھے، اگر باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی ستون یا دیوار کی آڑ میں پڑھے، امام کی قراءت سُنائی دینے میں کوئی حرج نہیں، صف کے پیچھے بلا حائل سنت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶ر رمضان المبارک ۸۷ھ

نفل کی دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا:

سوال:۔ زید نفل نماز کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا، اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا، سجدۂ سہو کرکے نماز تمام کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا؟

اگر قعدۂ اخیرہ کرکے سہواً کھڑا ہو گیا، اور تیسری رکعت بھی پڑھ لی اور پھر یاد آیا تو کیا حکم ہوگا؟

سجدۂ سہو سے دوسری صورت میں ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پہلی صورت میں اگر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آگیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر تیسری کے سجدہ کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملاکر چار کرلے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، اگر تین ہی پر سجدۂ سہو کرکے سلام پھیر دیا تو نماز فاسد ہوگئی، دو رکعتیں دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔

دوسری صورت میں سجدۂ سہو سے دو رکعتیں صحیح ہوگئیں، چونکہ تیسری کی طرف قیام سہواً ہوا ہے، اس لئے اس کے نقض سے شفع ثانی کی قضاء واجب نہیں، اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ چار رکعتیں پوری کرلے، چار پڑھنے کی صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں، قال فی التنویر وقضی رکعتین لو نوی اربعا ونقض فی الشفع الاول او الثانی وفی العلائیۃ ای وتشہد للاول والا یفسد الکل اتفاقا، والاصل ان کل شفع صلوۃ الا بعارض اقتداء او نذر او ترک قعود اول، وفی الشامیۃ (قولہ او الثانی) ای وکذا یقضی رکعتین لو اتم الشفع الاول بقعدتہ ثم شرع فی الثانی فنقضہ فی خلالہ قبل القعدۃ فیقضی الثانی فقط لتمام الاول لکن ینبغی وجوب اعادۃ الاول لترک واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سہو کما ہو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع ترک واجب (قولہ او ترک قعود اول) لان کون کل شفع صلوۃ علی حدۃ یقتضی افتراض القعدۃ عقیبہ فیفسد بترکہا کما ہو قول محمد وہو القیاس لکن عندہما لما قام الی الثالثۃ قبل القعدۃ فقد جعل الکل صلوۃ واحدۃ شبیہۃ بالفرض وصارت القعدۃ الاخیرۃ ہی الفرض وہو الاستحسان وعلیہ فلو تطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدۃ وہو الرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ما قبلہا (رد المحتار، ص ۶۴۸ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم۔

۱۳ شوال ۹۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال:۔ اگر نفل کی دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا، سہواً کھڑا ہوگیا، اور تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد یاد آیا اور چوتھی رکعت ملاکر آخر میں سجدۂ سہو کرلیا، تو اس کی دو رکعتیں ہوئیں یا چار؟ نفل کے ہر دوگانہ پر قعدہ فرض ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں صرف دو رکعتیں ہوں گی، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

قیاس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ پوری نماز فاسد ہو، شفع اول ترک فرض قعدہ کی وجہ سے اور شفع ثانی اس لئے کہ وہ شفع اول پر مبنی ہے، والمبنی علی الفاسد فاسد، مگر استحساناً چاروں رکعتیں صحیح ہیں، اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدۂ اولیٰ کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہوگئی، اور ترکِ واجب کے نقصان کا تدارک سجدۂ سہو سے ہوگیا،

چونکہ فرائض چار سے زائد نہیں، اس لئے صورت مذکورہ میں استحساناً صحت صرف چار رکعات کے ساتھ مخصوص ہے، چار سے زائد رکعات پڑھنے کی صورت میں نماز فاسد ہے، اسی طرح تین رکعتیں پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہوجائے گی، اس میں اگرچہ نماز مغرب سے تشبہ موجود ہے، مگر نفل کی ایک رکعت غیر مشروع ہے اور وہ ماقبل کو بھی فاسد کردیتی ہے، قال فی العلائیۃ والاصل ان کل شفع صلوٰۃ الا بعارض اقتداء او نذر او ترك قعود اول، وفی الشامیۃ (قوله او ترك قعود اول) لان کون کل شفع صلوٰۃ علی حدۃ یقتضی افتراض القعدۃ عقیبه فیفسد بترکها کما هو قول محمد رحمه الله تعالیٰ وهو القیاس لکن عندهما لما قام الی الثالثۃ قبل القعدۃ فقد جعل الکل صلوٰۃ واحدۃ شبیهۃ بالفرض وصارت القعدۃ الاخیرۃ هی الفرض وهو الاستحسان وعلیه فلو تطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتباراً بصلوٰۃ المغرب لکن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدۃ وهو الرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ما قبلها ولو تطوع بست رکعات بقعدۃ واحدۃ قیل یجوز والاصح لا، فان الاستحسان جواز الاربع بقعدۃ اعتباراً بالفرض ولیس فی الفرض ست رکعات تؤدی بقعدۃ فیعود الامر الی اصل القیاس کما فی البدائع (رد المحتار، ص ۶۴۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۲ ذیقعدہ ۹۹ھ

وتر کا آخری قعدہ بھول گیا:

سوال:- اگر وتر کے آخری قعدہ پر نہ بیٹھا ہو اور چوتھی رکعت بھی ادا کرگیا، پھر یاد آیا تو سجدۂ سہو کرنے کے بعد وتر ہوئے یا دوبارہ ادا کرنا واجب ہے؟ اور اگر قعدۂ اخیرہ کرکے چوتھی رکعت کو کھڑا ہوگیا اور سجدہ کے بعد یاد آیا تو پھر بھی سجدۂ سہو سے وتر ادا ہوئے یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کا واجب ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر وتر میں قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور چوتھی رکعت ادا کرگیا تو وتر ادا نہ ہوں گے، بلکہ یہ رکعات نفل ہوجائیں گی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، وتر دوبارہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ اگر فرض نماز کی چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پانچویں رکعت ادا کرلی تو اس رکعت کو ضیاع سے بچانے کے لئے چھٹی رکعت بھی ملائے گا، اور یہ سب رکعات نفل ہوجائیں گی، قال فی التنویر ولوسها عن القعود الاخیر عاد مالم یقیدها بسجدة وان قیدها تحول فرضه نفلا برفعه وضم سادسة ان شاء ولا یسجد للسهو علی الاصح (رد المحتار، ص ۶۹۸ ج ۱)

اور اگر وتر کے قعدۂ اخیرہ کے بعد چوتھی رکعت پڑھی تو وتر صحیح ہوگئے، بہتر ہے کہ ایک رکعت اور ملالے، تاکہ دو رکعت نفل ہوجائیں، کما فی التنویر وان قعد فی الرابعة ثم قام عاد وسلم وان سجد للخامسة سلموا وضم الیها سادسة لتصیر الرکعتان نفلا وسجد للسهو (رد المحتار ص ج ۱)

دونوں صورتوں میں وتر کو فرض پر قیاس کیا جائے گا، اس لئے کہ وتر بھی عملاً فرض ہے کما قال صاحب التنویر هو فرض عملاً (رد المحتار، ص ۶۲۱ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ رشوال ۸۷ھ

سنتِ فجر کی چار رکعتیں پڑھ لیں:

سوال:۔ فجر کی سنت کا آخری قعدہ نہ کیا اور تیسری رکعت پڑھنے کے بعد یاد آیا، اور چوتھی رکعت بھی ملالی اور سجدۂ سہو کرکے نماز تمام کی، تو سنت ہوئی یا نہیں؟ یعنی دو سنت اور دو نفل۔ یا چاروں نفل ہوں گی، اور سنت پھر ادا کرنی پڑے گی؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں دو رکعت سنت ہوئیں، اور دو نفل، چونکہ یہ نفل قصداً نہیں پڑھے اس لئے وقت مکروہ میں کوئی حرج نہیں،

فائدہ:

صورتِ مذکورہ میں چوتھی رکعت ملانا واجب ہے، اس لئے کہ تیسری پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی، اور شفع اول چونکہ قصداً شروع کیا ہے اس لئے اس کا اتمام واجب ہے، افساد جائز نہیں، البتہ اگر فجر کے فرض میں یہ صورت پیش آگئی تو بہتر ہے کہ تیسری رکعت پر سلام پھیر دے چوتھی نہ ملائے، اس لئے کہ ترکِ قعدہ سے فرض نفل ہوگئے تو نفل کا شفع اول قصداً شروع نہیں ہوا

لہٰذا اس کا اتمام واجب نہیں، اور مکروہ وقت میں اگرچہ ایسے نوافل کا اتمام جائز ہے مگر ترک اُولیٰ ہے،

اگر عصر میں قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا تو چھٹی رکعت ملانا واجب نہیں، پانچویں پر سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی، اور یہ افساد جائز ہے، لما ذکرنا فی صلوٰۃ الفجر، البتہ عصر میں چھٹی رکعت ملانا بہتر ہے، اس لئے کہ ترکِ قعدۂ اخیرہ سے فرض نفل ہوگئے، تو وقت مکروہ نہ ہوا، کراہت فرضِ عصر کے بعد ہے، اور صورتِ مذکورہ میں فرض تاحال نہیں ہوئے، لہٰذا اتمام اَولیٰ ہے، کذا فی الشامیۃ وغیرھا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ رذی الحجہ ۸۸ھ

اشراق، چاشت اور اوّابین کی رکعات:

سوال:- اشراق، چاشت، اوّابین کی کم سے کم کتنی رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ کتنی رکعتیں ہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اشراق و چاشت دونوں کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، اشراق کی زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں، اور چاشت کی زیادہ سے زیادہ بارہ، اوّابین دو رکعت سنت مؤکدہ سمیت کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعات ہیں، عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الفجر فی جماعۃ ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ وعمرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تامۃ تامۃ تامۃ (ترمذی، ص ۱۰۹ ج ۱) عن نعیم بن عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یقول اللہ عزوجل یا ابن آدم لا تعجزنی من اربع رکعات فی اول نہارک اکفک آخرہ (ابوداؤد، ص ۱۲۹ ج ۱) وفی العلائیۃ عن المنیۃ اقلھا (صلوٰۃ الضحیٰ) رکعتان واکثرھا اثنا عشر واوسطھا ثمان وھو افضلھا کما فی الذخائر الاشرفیۃ لثبوتہ بفعلہ وقولہ علیہ السلام واما اکثرھا بقولہ فقط، وفی الشامیۃ (قولہ واکثرھا اثنا عشر) لما رواہ الترمذی والنسائی بسند فیہ ضعف انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی الضحیٰ ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللہ لہ قصرًا من ذھب فی الجنۃ، وقد تقرر ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الفضائل، شرح المنیۃ (رد المحتار، ص ۶۳۹ ج ۱)، عن محمد بن عمار بن یاسر قال رأیت عمار بن یاسر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال رأیت حبیبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بعد المغرب ست رکعات وقال من صلی بعد المغرب ست رکعات غفرت لہ ذنوبہ وان کانت مثل زبد البحر، للطبرانی (جمع الفوائد، ص ۲۰۱ ج ۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی بعد المغرب عشرین رکعۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (ترمذی ص ۹۰ ج ۱، ابن ماجۃ ص ۹۸)،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲، محرم ۸۸ھ

دو رکعت سنت مؤکدہ اوابین میں داخل ہیں:

سوال:۔ اوابین کے نوافل کم از کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے ہیں؟ بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ "مغرب کے فرض اور سنتوں کے بعد کم سے کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں پڑھے، اسی کو اوابین کہتے ہیں" اور حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے: "یستحب ست بعد المغرب" الخ (شرح التنویر ج ۱ ص ۵۰۷)

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ اوابین کے کم از کم نوافل چھ ہیں، اور بہشتی زیور کی مذکورہ بالا عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، لیکن بعض حضرات علماء کا خیال ہے کہ مغرب کی دو سنتوں کے علاوہ اوابین کے نوافل صرف چار ہیں، چھ نوافل جو مشہور ہیں ان میں مغرب کی دو سنتیں مؤکدہ بھی شامل ہیں، یعنی مغرب کے فرائض اور سنتوں کے علاوہ اوابین کے نوافل کم از کم چار پڑھنا کافی ہے، کیا یہ خیال صحیح ہے؟ اس طرح اوابین کے نفل کی تعداد کم از کم چھ بنتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینھن بسوء عدلن لہ بعبادۃ ثنتی عشرۃ سنۃ (رواہ الترمذی، ص ۹۰ ج ۱) وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی بعد المغرب عشرین رکعۃ بنی اللہ لہ بیتًا فی الجنّۃ، (رواہ الترمذی، ص ۹۰ ج ۱) قال علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ المفھوم ان الرکعتین الراتبتین داخلتان فی الست وکذا فی العشرین المذکورۃ فی الحدیث الآتی، قالہ الطیبی (مرقاۃ، ص ۱۱۴ ج ۳) وفی شرح التنویر وست بعد المغرب لیکتب من الاوابین بتسلیمۃ او ثنتین او ثلاث والاول ادوم واشق وھل تحسب المؤکدۃ من المستحب

ویؤدی الکل بتسلیمۃ واحدۃ اختارا لکمال نعم، وفی الشامیۃ (قولہ اختارا لکمال) ذکر الکمال فی فتح القدیر انہ وقع اختلاف بین اھل عصرہ فی ان الاربع المستحبۃ ھل ھی اربع مستقلۃ غیر رکعتی الراتبۃ او اربع بھما وعلی الثانی ھل تؤدی معھما بتسلیمۃ واحدۃ اولا فقال جماعۃ لا واختار ھو انہ اذا صلی اربعاً بتسلیمۃ او تسلیمتین وقع عن السنۃ والمندوب، وحقق ذلک بما لا مزید علیہ واقرہ فی شرح المنیۃ والبحر والنھر (رد المحتار، ص ۶۳۱ ج ۱) مذکورہ بالا حدیثوں اور شامیہ کی عبارت سے ثابت ہوا کہ اوّابین کی تعداد کم از کم چھ اور زیادہ سے زیادہ بیس رکعتیں ہیں، اور مغرب کی دو سنتیں اوّابین میں داخل ہیں، بہشتی زیور کے حاشیہ میں محررہ حوالہ کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال ۸۸ھ

اشراق، چاشت اور تہجد کے اوقات:

سوال:۔ مندرجہ ذیل نوافل کے اوقات وضاحت سے تحریر فرمائیں:

(۱) اشراق کا وقت طلوعِ آفتاب سے کتنے منٹ بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت طلوعِ آفتاب کے بعد کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟

(۲) چاشت کا وقت طلوعِ آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور آخری وقت کتنے گھنٹے تک رہتا ہے؟

(۳) تہجد کا وقت غروبِ آفتاب سے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ اور طلوعِ آفتاب سے کتنے گھنٹے پہلے تک رہتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) طلوع کے بعد جب آفتاب میں اتنی تیزی آجائے کہ اس پر کچھ دیر تک نظر جمانا مشکل ہو، تو اشراق کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اس کی مقدار ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتی ہے، میری کتاب "صبح صادق" میں نقشہ اوقاتِ اشراق کا بھی اضافہ کردیا گیا ہے، یہ کتاب الگ بھی شائع ہوئی ہے، اور "احسن الفتاویٰ" جدید جلد دوم میں بھی۔

اشراق کا وقت نصف النہار تک رہتا ہے، مگر شروع میں پڑھنا افضل ہے۔

(۲) چاشت کا وقت اشراق کی نماز کے بعد متصل شروع ہوکر نصف النہار تک ہے، اور اس کا افضل وقت دن کا ایک چوتھائی حصہ گذرنے کے بعد ہے، قال فی العلائیۃ وندب اربع

فصاعداً الی الضحی علی الصحیح من بعد الطلوع الی الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهار۔ (رد المحتار ص۶۳۹ ج۱)

③ وقتِ تہجد عشاء کی نماز کے بعد سے صبح صادق تک ہی، غروب آفتاب سے ابتداءِ عشاء اور صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک وقت کی گھنٹوں سے تعیین نہیں کی جا سکتی، اس لئے کہ یہ وقت ہر مقام اور ہر موسم میں مختلف ہوتا ہے، البتہ ایک گھنٹہ سے کم کبھی نہیں ہوتا، مختلف مقامات کے اوقات عشاء و صبح صادق کا نقشہ میری کتاب "صبح صادق" میں ملاحظہ ہو،

جو شخص رات کی ایک تہائی تہجد میں مشغول رہنا چاہے اس کے لئے افضل وقت یہ ہے کہ رات کے تین حصے کرکے درمیانی حصہ میں تہجد پڑھے، اول وآخر میں سوئے، اور اگر نصف شب تہجد میں گزارنا چاہے تو آخری نصف افضل ہے،

اگر تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلنے کا خطرہ ہو تو نمازِ عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعت بنیت تہجد پڑھ کر سو جائے اور پھر اٹھ کر تہجد پڑھنے کا ارادہ بھی رکھے، اگر آنکھ نہ کھلی تو تہجد کا ثواب مل جائے گا،

لحدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنا فی سفر فقال ان ھذا السفر جھد وثقل فاذا اوتر احدکم فلیرکع رکعتین فان استیقظ والا کانتا له (شرح معانی الآثار ص۱۶۸ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۹۶ھ

نوافل کی جماعت رمضان میں بھی مکروہ ہے:

سوال: عموماً ہمارے اکابر علماء شبینہ سے منع فرماتے ہیں، اور وجوہِ کراہت میں ایک وجہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے، مگر ایک عالم فرماتے ہیں کہ نوافل کی جماعت صرف غیر رمضان میں مکروہ ہے، رمضان میں مکروہ نہیں، اُن کی تحریر ارسال ہے، امید ہے کہ اس کا شافی جواب تحریر فرمائیں گے،

فی الدر ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی التداعی بان یقتدی اربعة بواحد، وفی الرد عن البدائع ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان (وبعد اسطر) والنفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم تفعله الصحابة فی غیر رمضان (رد المحتار ص۶۶۴ ج۱) وفی الفتح عن کافی الحاکم ویکرہ صلوٰۃ التطوع جماعة ماخلا قیام رمضان (فتح القدیر ص۴۳۸ ج۱) وفی الموطا

للامام محمد، قال محمد وبهذا نأخذ لابأس بالصلوٰۃ فی شہر رمضان ان یصلی الناس بامام تطوعاً لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلک (موطا محمد، ص ۱۱۱)

عبارات بالا میں تطوع، نفل اور قیام رمضان کے الفاظ ہیں، ان میں سے تطوّع اور نفل کا عموم ظاہر ہے، اسی طرح قیام رمضان بھی تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نوافل کو بھی شامل ہے، قال الحافظ العینی ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعۃ فی لیالی رمضان ویقال یرید صلوٰۃ التراویح وقال بعضہم لا یختص ذلک بصلوٰۃ التراویح بل فی ای وقت صلی تطوعاً حصل لہ ذلک الفضل (عمدۃ القاری، ص ۲۳۳ ج ۱) وقال ایضاً فی باب فضل من قام رمضان قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیامہ صلوٰۃ التراویح، قلت قال النووی المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح ولکن الاتفاق من این اخذہ بل المراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام سواء کان قلیلاً او کثیراً (عمدۃ القاری، ص ۱۲۴ ج ۱۱) وقال الحافظ العسقلانی والمراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام کما قدمناہ فی التہجد سواء وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح یعنی انہ یحصل بہا المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یکون الا بہا واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح (فتح الباری، ص ۲۱۷ ج ۴)

الجواب باسم ملہم الصواب

اس تحریر میں بعض اکابر کی ایک قدیم تحریر کا مضمون نقل کیا گیا ہے، جس کا جواب بھی اسی وقت کے مختلف علماء نے لکھدیا تھا، مذہب حنفی میں امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں تو یہ جماعت بالاتفاق مکروہ ہے، اور مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ جماعت اگرچہ بلا کراہت جائز ہے، مگر اس میں بھی جماعت کی فضیلت اور ثواب نہیں، قال فی العلائیۃ یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ اما اقتداء واحد بواحد او اثنین بواحد فلا یکرہ وثلاثۃ بواحد فیہ خلاف، بحر عن الکافی، وھل یحصل بہذا الاقتداء فضیلۃ الجماعۃ ظاہر ما قدمناہ من ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ یفید عدمہ تأمل (رد المحتار، ص ۶۶۴ ج ۱)

وقال الطحطاوی والتداعی سببہ الاجتماع لان اجتماعہم علی ذلک یدعو من

یراهم الی الدخول معهم (طحطاوی علی الدر المختار، ص ۲۹۷ ج ۱)

یہ حکم رمضان اور غیر رمضان دونوں کو عام ہے، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ فی "مطلب فی احیاء لیالی العیدین والنصف من شعبان وعشر ذی الحجة ورمضان" وفی الامداد ویحصل القیام بالصلوٰة نفلاً فرادی من غیر عدد مخصوص وبقراءة القرآن والاحادیث وسماعها وبالتسبیح والثناء والصلوٰة والسلام علی النبی صلی الله علیه وسلم ثم قال (تتمة) اشار بقوله فرادی الی ماذکره بعد فی متنه من قوله ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی فی المساجد وتمامه فی شرحه وصرح بکراهة ذلک فی الحاوی القدسی وقال ماروی عن الصلوات فی هذه الاوقات یصلی فرادی غیر التراویح،
(رد المحتار، ص ۶۴۲ ج ۱)

وقال الحلبی رحمه الله تعالیٰ واعلم ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروه علی ماتقدم ماعدا التراویح وصلوٰة الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من صلوٰة الرغائب لیلة اول جمعة من رجب وصلوٰة البراءة لیلة النصف من شعبان وصلوٰة القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة بدعة مکروهة وقال حافظ الدین البزازی شرعا فی نفل فافسدا ه واقتدی احدهما بالآخر فی القضاء لایجوز لاختلاف السبب وکذا اقتداء الناذر لایجوز وعن هذا اکره الاقتداء فی صلوٰة الرغائب وصلوٰة البراءة ولیلة القدر (شرح المنیة ص ۴۱۱)، ان عبارات میں رمضان وغیر رمضان دونوں میں جماعتِ نوافل کی کراہت مصرّح ہے،

وقال الامام الکاسانی رحمه الله تعالیٰ اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوها ثانیاً یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعة مکروه (بدائع ص ۲۹۰ ج ۱)

ونقل ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ عن الخلاصة ولو صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوها ثانیاً یصلون فرادی (البحر الرائق، ص ۶۸ ج ۲) وقال ایضاً وانما لم یذکر (التراویح) مع السنن المؤکدة قبل النوافل المطلقة لکثرة شعبها ولاختصاصها بحکم من بین سائر السنن والنوافل وهو الاداء بجماعة (البحر، ص ۷۱ ج ۲)، وقال ایضاً فی الاشباه یکره الاقتداء فی صلوٰة الرغائب وصلوٰة البراءة ولیلة القدر (الاشباه والنظائر، ص ۲۱۹ ج ۱)

وقال الشیخ الحموی اداء النفل بجماعة علی سبیل التداعی مکروہ الا ما استثنی کصلوٰۃ التراویح (الاشباہ، ص ۲۱۹ ج۱)

وقال العلامة البابرتی رحمه الله تعالیٰ ذکر التراویح فی فصل علیٰ حدۃ لاختصاصها بما لیس لمطلق النوافل من الجماعة (عنایة علی هامش الفتح ص ۳۳۳ ج۱)

وفی الهندیة ولو صلّی التراویح ثم ارادوا ان یصلوها ثانیاً یصلون فرادیٰ کذا فی التاتارخانیة (عالمگیریه ص ۱۱۶ ج۲)

وفی البزازیة صلوها بجماعة ثم ارادوا اعادتها بالجماعة یکرہ بل یصلون فرادی لان النفل بجماعة علی التداعی یکرہ الا بالنص (بزازیة علی هامش الهندیة ص۴۹ ج۴)

وقال العلّامة طاهر بن عبد الرشید البخاری ولو زاد علی العشرین بالجماعة یکرہ عندنا بناءً علیٰ ان صلوٰۃ التطوع بالجماعة مکروہ (خلاصة الفتاوٰی، ص ۶۳ ج۱)

وقال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ وهی (الجماعة) سنة عین الا فی التراویح فانها فیها سنة کفایة ووتر رمضان فانها فیه مستحبة واما وتر غیرہ وتطوعه فمکروهة فیهما علی سبیل التداعی (طحطاوی علی المراقی ص ۱۵۶)

وفی شرح التنویر (لا تقضی اذا فاتت اصلا ولو وحدہ فی الاصح وقال الطحطاوی وقیل یقضیها منفرداً (طحطاوی علی الدر المختار، ص ۲۹۶ ج۱)

وفی شرح التنویر لو ترکوا الجماعة فی الفرض لم یصلّوا التراویح جماعة لانها تبع وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ ای لأن جماعتها تبع لجماعة الفرض فانها لم تقم الّا بجماعة الفرض فلو اقیمت بجماعة وحدها کانت مخالفة للوارد فیها فلم تکن مشروعة (رد المحتار، ص ۶۶۳ ج۱)

وفی شرح التنویر بقی لو ترکها الکل هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ الذی یظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح (رد المحتار، ص ۶۶۳ ج۱) اس سے ثابت ہوا کہ تراویح اور وتر کی جماعت بھی بالتبع مشروع ہے، مطلقاً نہیں، تو نوافل کی جماعت بطریق اولیٰ مشروع نہ ہوگی، لانها ادنیٰ حالا منهما، بلکہ نوافل کو نذر سے واجب کر لیا ہو تو بھی ان کی جماعت مشروع نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھکر

اگر نوافل بالجماعت کی نذر کی ہو تو بھی کراہت سے خالی نہیں، قال فی شرح التنویر وفی الاشباہ عن البزازیۃ یکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ رغائب وبراءۃ وقدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام جماعۃ اھ قلت وتتمۃ عبارۃ البزازیۃ من الامامۃ ولا ینبغی ان یتکلف کل ھذا التکلف لامر مکروہ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ قلت الخ) لم ینقل عبارۃ البزازیۃ بتمامھا ونصھا ولا ینبغی ان یتکلف لالتزام مالم یکن فی الصدر الاول کل ھذا التکلف لاقامۃ امر مکروہ وھو اداء النفل بالجماعۃ علیٰ سبیل التداعی فلو ترک امثال ھذہ الصلوٰت تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشعار فحسن اھ وظاھرہ انہ بالنذر لم یخرج عن کونہ اداء النفل بالجماعۃ (رد المحتار ص ۶۶۴ ج ۱) وقال الرافعی (قولہ لم ینقل عبارۃ البزازیۃ بتمامھا الخ) وصدرھا وعن ھذا اکرہ الاقتداء فی صلوٰۃ الرغائب وصلوٰۃ البراءۃ ولیلۃ القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام بالجماعۃ لعدم امکان الخروج عن العھدۃ الا بالجماعۃ ولا ینبغی الخ (التحریر المختار ص ۹۴ ج ۱) وقال الطحطاوی (قولہ لامر مکروہ) فیہ منافاۃ للاستثناء فان مقتضاہ عدم الکراھۃ ومرادہ بالتکلف النذر وقد یقال ان المکروہ ھو الاجتماع والاستثناء من کراھۃ الاقتداء فلا منافاۃ (طحطاوی علی الدر ص ۲۹۷ ج ۱)

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ شکوا ھل صلوا تسع تسلیمات او عشرا یصلون تسلیمۃ اخریٰ فرادیٰ فی الاصح للاحتیاط فی اکمال التراویح والاحتراز عن التنفل بالجماعۃ (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱)

وقال الشیخ عبد الحق الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اذا فاتت التراویح ھل تقضی بعد وقتھا بالجماعۃ او بغیر الجماعۃ فالجواب لا تقضی بجماعۃ (ما ثبت بالسنۃ ص ۹۳) وقال ایضاً اذا شکوا انھم صلوا تسع تسلیمات او عشرا اختلف المشائخ فیہ (الیٰ قولہ) والصحیح انھم یصلون تسلیمۃ اخریٰ فرادیٰ حتی یقع الاحتیاط فی السنۃ باتمامھا ویقع الاحتراز عن اداء النافلۃ بجماعۃ غیر التراویح (ما ثبت بالسنۃ آخر الفصل الاول من بیان شھر رمضان) وقال ایضاً وقال مالک ویروی عن الشافعی ایضاً انھا ست وثلاثون او تسع وثلاثون مع الوتر فھو عمل اھل المدینۃ خاصۃ وکان سبب ذلک ان اھل مکۃ یطوفون بالبیت اسبوعاً ویصلون رکعتی

الطواف بین ترویحتین واھل المدینة لما ارادوا ادراک ھذہ الفضیلة صلوا بین ذلک
اربع رکعات ویسمونھا الستة عشریة واستمر عادتھم علی ذلک الی الاٰن وقد یروی ذلک
عن عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما لکنہ غیر مشھور عنھما فان صلی غیرھم ایضاً لا بأس ویستوی
فیہ الامام وغیرہ وینبغی ان یصلوا افرادی لان التنفل بجماعة فی غیر التراویح مکروہ عندنا
لکن اھل المدینة یصلونھا بجماعة والتنفل بجماعة لا یکرہ عندھم قال الشیخ
القاسم الحنفی من متأخری علماء مصر التنفل بجماعة مکروہ لانہ لوکان مستحبًا
لکانت افضل کالمکتوبات ولوکانت افضل لکان المتھجدون القائمون باللیل یجتمعون
فیصلون جماعة طلبًا للفضیلة فلما لم یرو ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
والصحابة رضوان اللہ علیھم اجمعین علم انہ لا فضل فی ذلک (ماثبت بالسنة ۵۲)

وقال الامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فانھا عشرون رکعة سوی الوتر عندنا
وقال مالک السنة فیھا ست وثلاثون، قیل من اراد ان یعمل بقول مالک ویسلک مسلکہ
ینبغی ان یفعل کما قال ابوحنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ یصلی عشرین رکعة کما ھو السنة ویصلی
الباقی فرادی کل تسلیمتین اربع رکعات وھذا من ھبنا، وقال الشافعی لا بأس باداء
الکل بجماعة کما قال مالک بناء علی ان النوافل بجماعة مستحبة عندہ وھو مکروہ عندنا،
والشافعی قاس النفل بالفرض لانہ تبع لہ فیجری مجری الفرض فیعطی حکمہ ولنا ان
الاصل فی النوافل الاخفاء فیجب صیانتھا من الاشتھار ما امکن وفیما قالہ الخصم
الاشتھار فلا یعمل بہ بخلاف الفرائض لان مبناھا علی الاعلان والاشتھار وفی
الجماعة اشتھار فکان احق، ویوضح ما قلنا ان الجماعة لوکانت مستحبة فی حق النوافل
لفعلہ المتھجدون القائمون باللیل لان کل صلوٰة جوزت بالانفراد وبالجماعة کانت
الجماعة فیھا افضل ولم ینقل اداؤھا بالجماعة فی عصرہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی
زمن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم ولا فی زمن غیرھم من التابعین رحمھم اللہ تعالیٰ
فالقول بھا مخالفة لامة أجمع وھذا باطل (مبسوط، ص۱۴۴ ج۲)

وفی شرح التنویر والافضل فی النفل غیر التراویح المنزل الا لخوف شغل عنھا
وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ غیر التراویح) ای لانھا تقام بالجماعة
ومحلھا المسجد واستثنی فی شرح المنیة ایضًا تحیة المسجد وھو ظاھر واقول ویستثنی

ایضاً رکعتا الاحرام والطواف فان الاولی تصلی فی مسجد عند المیقات ان کان کما فی اللباب والثانیة عند المقام وکذا رکعتا القدوم من السفر بخلاف انشائه فانها تصلی فی البیت کما یأتی وکذا نفل المعتکف وکذا ما یخاف فوتها بالتأخیر وکذا صلوٰۃ الکسوف لانها تصلی بجماعة، وعلی هامش الشامیة قوله وکذا صلوٰۃ الکسوف لانها تصلی بجماعة وجد هنا فی نسخة المؤلف لکن بغیر خطه ما نصه وکذا سنة الجمعة القبلیة لان الافضل فی الجمعة التبکیر قبل الوقت فیلزم وقوع سنتها فی المسجد فصارت جملة المستثنیات تسعة (رد المحتار ص ۶۳۸ ج ۱)

وفی شرح التنویر وکل ما شرع بجماعة فالمسجد فیه افضل قاله الحلبی (رد المحتار ص ۶۶۰ ج ۱)

ان نصوص صریحہ کثیرہ سے ثابت ہوا کہ جن عبارات میں رمضان میں جماعت کے ساتھ تطوع، نفل، اور قیام کے الفاظ ہیں، ان سے تراویح مراد ہے، بالخصوص جبکہ جن کتب میں یہ الفاظ ہیں خود انہی میں رمضان میں بھی جماعت نوافل کی کراہت مصرح ہے، علاوہ ازیں ان عبارات میں "لانه لم تفعله الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فی غیر رمضان" اور "لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك" بھی مستقل دلیل ہے کہ یہاں نفل اور تطوع سے تراویح مراد ہے، اس لئے کہ بجز تراویح کے دوسرے نوافل کی جماعت رمضان میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اور تابعین وائمۂ دین رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت نہیں، بلکہ اس کے خلاف ترکِ جماعت پر اجماع ہے کما قد منا نص الشیخ الدهلوی والامام السرخسی رحمهما الله تعالیٰ وقال الشاہ ولی الله رحمه الله تعالیٰ وزادت الصحابة ومن بعدهم فی قیام رمضان ثلاثة اشیاء، الاجتماع له فی مساجدهم وذلك لانه یفید التیسیر علی خاصتهم وعامتهم وادائه فی اول اللیل مع القول بان الصلوٰۃ اٰخر اللیل مشهودة وهی افضل کما نبه عمر رضی الله تعالیٰ عنه لهذا التیسیر الذی اشرنا الیه، وعدده عشرون رکعة (حجة الله البالغة ص ۱۸ ج ۲)

اول اللیل اور عشرون رکعۃ سے ثابت ہوا کہ اجتماع فی المسجد صرف تراویح کے لئے ہوتا تھا۔

وقال الامام الطحاوی رحمه الله تعالیٰ حدثنا روح بن الفرج قال حدثنا یوسف ابن الفرج قال حدثنا یوسف بن عدی قال حدثنا ابو الاحوص عن مغیرة عن ابراهیم قال کان المتهجدون یصلون فی ناحیة المسجد والامام یصلی بالناس فی رمضان (شرح معانی الاٰثار ص ۲۰۷ ج ۱) ونقل الحافظ العینی رحمه الله تعالیٰ عن البیهقی عن

السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کانوا یقومون علیٰ عھد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ وعلیٰ عھد عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنھما مثلہ (عمدۃ القاری ص۲۶۷ ج۵)

باقی رہی قیام رمضان سے متعلق حافظ عینی اور حافظ عسقلانی رحمہما اللہ کی تحقیق، سو اس کا مسئلۂ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اس تحقیق سے مقصود یہ ہے کہ حدیث میں قیام لیل کی جو فضیلت وارد ہے وہ تراویح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام ہے، مگر عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں جہاں رمضان میں قیام یا لجماعۃ مذکور ہے وہاں تراویح ہی متعین ہے، اور یہ تعیین خود انہی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہو رہی ہے، کما مرّ،

اس سے بھی بڑھکر حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر تنصیص فرمائی ہے کہ قیام لیل اور تراویح دونوں مترادف ہیں، جیسا کہ کتب فقہ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، خانیہ، مبسوط، بدائع وغیرہ کے تتبع سے ظاہر ہے، خوف طوالت سے ان کی نصوص نقل نہیں کی جاتیں، ومن شاء فلیراجع، بلکہ حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اکثریت بھی قیام لیل سے تراویح مراد لیتی ہے، بالخصوص قیام بالجماعۃ میں تو سب تراویح ہی مراد لینے پر متفق ہیں، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضل قیام میں تو مطلق قیام کو ترجیح دی ہے، کما مرّ نصہ، مگر قیام بالجماعۃ سے وہ بھی تراویح ہی مراد لیتے ہیں، چنانچہ حدیث "صلّوا ایھا النّاس فی بیوتکم فانّ افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الّا الصلوٰۃ المکتوبۃ" کے تحت فرماتے ہیں واستثنی من عموم الحدیث عدۃ من النوافل ففعلھا فی غیر البیت اکمل وھی ما تشرع فیھا الجماعۃ کالعیدین والاستسقاء والکسوف (وبعد اسطر) قال الامام حمید الدین الضریر نفس التراویح سنّۃ اما اداءھا بالجماعۃ فمستحبۃ (وبعد سطر) وفی جوامع الفقہ التراویح سنّۃ مؤکدۃ والجماعۃ فیھا واجبۃ وفی الروضۃ لاصحابنا انّ الجماعۃ فضیلۃ وفی الذخیرۃ لاصحابنا عن اکثر المشایخ ان اقامتھا بالجماعۃ سنۃ علی الکفایۃ (عمدۃ القاری، ص ۲۶۷ ج۵)

موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت "لا بأس فی شھر رمضان ان یصلّی النّاس تطوّعاً بامام لان المسلمین قد اجمعوا علیٰ ذلک ورأوہ حسناً" کی تشریح میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (قولہ تطوعاً) اطلاق التطوع علی التراویح باعتبار انھا زائدۃ علی الفرائض الخ (قولہ علی ذلک) ای علی صلوٰتھم بامامھم فی لیالی رمضان فی زمان الخلفاء عمر وعثمان وعلی فمن بعدھم الی یومنا ھذا (قولہ ورأوہ حسناً) لما یدل علیہ قول عمر نعمت البدعۃ (التعلیق الممجد، ص ۱۴۰) -

غرضیکہ عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں رمضان میں جماعت تطوع سے تراویح کی جماعت مراد ہے،
قال الشاہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ قال الفقہاء ان الجماعة فی النوافل مکروھة الا فی رمضان
ولم یفھم مرادھم بعض الاغبیاء فحملہ علی جواز الجماعة فی النفل المطلق فی رمضان مع
ان مرادھم التراویح لاغیر فافھم فان العلم لایتحصل الا بعد السبر (فیض الباری ص۴۳۳ ج۲)

آخر میں نوافل کو با جماعت پڑھنے کی بدعت سے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شکایت ملاحظہ ہو،

"افسوس ہزار افسوس! بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست، دریں طریقۂ علیہ احداث نمودہ اند و نماز تہجد را بجماعت می گذارند از اطراف وجوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند و بجمعیت تمام ادا می نمایند و ایں عمل مکروہ ہست بکراہت تحریمہ، جمعے از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیۂ مسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را بالاتفاق مکروہ گفتہ اند،
مکتوبات ۱۳۱ ص۲۳۷ دفتر اول)

مخدوما، مکرما! احداث وابداع را دریں طریقۂ علیہ بحیثیتے رواج دادہ اند کہ اگر مخالفان گویند کہ دریں طریقۂ التزام بدعت ست واجتناب از سنت ہم گنجائش دارد، نماز تہجد را بجمعیت تمام ادا می نمایند وایں بدعت را در رنگ سنت تراویح در مسجد رواج و رونق می بخشند وایں عمل را نیک می دانند و مردم را براں ترغیب می کنند، وحال آنکہ ادا نوافل را بجماعت فقہاء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم مکروہ گفتہ اند اشد کراہت، و جمعے از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت در جماعت نفل داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیۂ مسجد ساختہ اند و زیادہ از سہ کس را بالاتفاق مکروہ گفتہ اند (مکتوبات ۱۶۸ ص۲۸۰ دفتر اول)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم،
۲۸ ذیقعدہ سنہ ۸۵ھ

سنت فجر کی قضاء:

سوال: سنت فجر تنہا رہ جائے تو طلوع آفتاب سے قبل بلاکراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور ناجائز ہونے کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو نقل کر دیں، عین کرم ہوگا، بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

طلوع آفتاب سے قبل جائز نہیں، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سمعت غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منھم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وکان من احتجهم الیٰ ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیہ وسلم نھی عن الصلوٰۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس وعن الصلوٰۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس (ترمذی ص ۱۲۵۳ ج ۱) صحیح بخاری میں بھی اس مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، (بخاری ص ۸۲ ج ۱)

فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۲۵ رذی الحجہ ۸۶ھ

سوال مثل بالا:

سوال: صبح غسلِ جنابت کرنا بھول گیا، اور فجر کی نماز ادا کرلی، اور بعد ادا کرنے نماز کے یاد آیا تو اب اس نماز کی قضاء تو لازم ہے، تو قضاء صرف فرض کی کرے یا سنتوں کی بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر طلوعِ آفتاب سے قبل جلدی سے غسل کرکے سنت و فرض دونوں ادا کرسکتا ہو تو دونوں پڑھے، ورنہ صرف فرض پڑھ لے، زیادہ تنگ وقت میں فرض کی سنن و مستحبات کو چھوڑدے، قضاء کی صورت میں اگر اسی روز دوپہر سے قبل قضاء کی تو سنتیں بھی پڑھے، ورنہ صرف فرائض کی قضاء کرے، اگر تنہا سنت چھوٹ گئیں تو فرض کے بعد طلوع سے قبل پڑھنا جائز نہیں، طلوع کے بعد زوال تک پڑھ لے تو بہتر ہے ضروری نہیں، قال فی الدر نسی المضمضۃ اوجزءًا من بدنہ فصلی ثم تذکر فلو نفلاً لم یعد لعدم صحۃ شروعہ، وفی الشامیۃ (قولہ لعدم صحۃ شروعہ) ای النفل انما تلزم اعادتہ بعد صحۃ الشروع فیہ قصدا وسکت عن الفرض لظھور انہ یلزمہ الاتیان بہ مطلقا (رد المحتار، ص ۱۴۳ ج ۱) وقال فی شرح التنویر ولا یقضیھا الا بطریق التبعیۃ لقضاء فرضھا قبل الزوال لا بعدہ فی الاصح لورود الخبر بقضائھا فی الوقت المھمل بخلاف القیاس فغیرہ علیہ لایقاس، وفی الشامیۃ (قولہ ولا یقضیھا الا بطریق التبعیۃ) ای لا یقضی سنۃ الفجر الا اذا فاتت مع الفجر فیقضیھا تبعا لقضائہ لو قبل الزوال واما اذا فاتت وحدھا فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراھۃ النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فکذلک عندھما وقال محمد احب الیّ ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر (قولہ لورود الخبر) وھو ماروی انہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قضاھا مع الفرض غداۃ لیلۃ التعریس بعد ارتفاع الشمس کما رواہ مسلم فی حدیث طویل (رد المحتار ص ۶۶۳ ج ۱)

فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رذیقعدہ ۸۸ھ

استخارہ کی حقیقت:

سوال: بہشتی زیور میں استخارہ کی نماز کا طریقہ یہ لکھا ہے "پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد خوب دل لگا کر یہ دعاء پڑھے، اللّٰھم انی استخیرك بعلمك الخ، اور جب ھٰذا الامر پر پہنچے تو اس کام کا جس کے لئے استخارہ کیا ہے خیال کرے، اس کے بعد پاک وصاف بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کرکے باوضو سو جائے، جب سو کر اٹھے اس وقت جو بات دل میں مضبوطی سے آئے وہی بہتر ہے، اسی کو کرنا چاہئے، اگر ایک دن میں کچھ نہ معلوم ہو اور دل کا خلجان اور تردد نہ جائے تو دوسرے دن پھر ایسا ہی کرے، اسی طرح سات دن تک کرے، انشاء اللہ ضرور اس کام کی اچھائی برائی معلوم ہو جائے گی۔"

معلم الحجاج میں مفتی سعید احمد صاحب نے استخارہ کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ "دو رکعت نماز پڑھو، اول رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور سلام کے بعد حق تعالیٰ کی حمد وثناء کرو، درود شریف پڑھو، اور یہ دعاء نہایت خشوع وخضوع سے پڑھو، اللّٰھم انی استخیرك بعلمك الخ اور جب ھٰذا الامر پہ پہنچو تو اس چیز کا خیال دل میں کرو جس کے لئے استخارہ کرنا ہے، اس کے بعد جس جانب دل کا رجحان ہو وہی بہتر ہے، اس کے موافق عمل کرنا چاہئے، ایک دفعہ میں اطمینان نہ ہو تو پھر کرو سات دفعہ تک، انشاء اللہ رجحان اور اطمینان حاصل ہو جائے گا، استخارہ میں اصل چیز یہی ہے کہ تردد رفع ہو جائے اور ایک جانب کو ترجیح ہو جائے، خواب کا دیکھنا وغیرہ ضروری نہیں ہے۔"

مناجاتِ مقبول میں جہاں استخارہ کی دعاء لکھی ہے یہ لکھا ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ دو رکعت نفل ادا کرے، پھر یہ دعاء پڑھے، اللّٰھم انی استخیرك بعلمك الخ

مرشدی وسیدی حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ العزیز نے بعد میں تحریر فرمایا ہے کہ استخارہ سے مقصود محض طلبِ خیر ہے نہ کہ استخبار، فرمایا کہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعاء ہے، جس سے مقصود صرف طلبِ اعانت علی الخیر ہے، یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے، کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو، اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، پس جب استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے، پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے، اور اسی کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالح کی بناء پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے اندر خیر سمجھے، کیونکہ پہلی صورت میں الہام کا حجتِ شرعیہ ہونا لازم آتا ہے، اور لازم صحیح نہیں، لہٰذا ملزوم بھی صحیح نہیں، پس حاصل یہ ہے کہ استخارہ سے مقصود محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار۔ (بوادر النوادر ص ۴۶۳ ج ۲، انفاس عیسیٰ حصہ دوم ص ۲۵۳ ج ۵۶)

دریافت طلب یہ امور ہیں کہ:-

① کیا استخارہ جیسا کہ بعض حضرات کا معمول ہے اس طرح کرنا ضروری ہے کہ بعد نمازِ عشاء دو رکعت نفل پڑھکر اور دعاءِ استخارہ پڑھکر پاک بستر پر باوضوء قبلہ رُخ لیٹ کر سو جائے، یا شب و روز میں جس وقت چاہیں استخارہ کر سکتے ہیں؟

② جب حضرت کی تحقیق کے مطابق استخارہ محض طلبِ خیر ہے نہ کہ طلبِ خبر (استخبار) اور نہ استخارہ میں خواب کا نظر آنا یا تردد کا رفع ہوجانا اور ایک جانب کو ترجیح ہوجانا ضروری ہے تو کیا اس صورت میں بھی بعد نماز و دعاءِ استخارہ پاک بستر پر باوضوء اور قبلہ رُخ سونا چاہئے؟ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ دن رات میں جس وقت چاہے (بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو) دو رکعت نفل پڑھ کر خشوع وخضوع کے ساتھ دعاءِ استخارہ عربی میں یا اس کا ترجمہ اردو میں یا دونوں زبانوں میں پڑھ لیں اور بس؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث صحاح میں صرف دو رکعت نفل کے بعد دعاء کا حکم ہے، البتہ روایت ابن السنی میں اعتبار وارد قلبی بھی مذکور ہے، باقی تفصیلات علماء کی بیان فرمودہ ہیں، ان کی رعایت ضروری نہیں، دعاء عربی ہی میں ہونا چاہئے، کسی کو دشوار ہو تو اپنی زبان میں کرلے،

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی تحقیق صحیح ہے کہ وارد قلبی پر عمل کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسباب و موانع پر نظر رکھے، وارد قلبی سے متعلق روایت کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس کا اعتبار بدرجۂ سبب ہوگا نہ بدرجۂ لزوم، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ومنہا رکعتا الاستخارۃ) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلّمنا الاستخارۃ فی الامور کلہا کما یعلمنا السورۃ من القرآن یقول اذا ھم احدکم بالامر فلیرکع رکعتین من غیر الفریضۃ ثم لیقل اللّٰھم انی استخیرک بعلمک الخ رواہ الجماعۃ الا مسلما شرح المنیۃ، (وبعد اسطر) وفی الحلیۃ ویستحب افتتاح ھٰذا الدعاء وختمہ بالحمد لہ والصلوٰۃ وفی الاذکار انہ یقرأ فی الرکعۃ الاولیٰ الکافرون وفی الثانیۃ الاخلاص اھ وعن بعض السلف انہ یزید فی الاولیٰ وربک یخلق مایشاء ویختار الی قولہ یعلنون وفی الثانیۃ وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ الآیۃ وینبغی ان یکررھا سبعا لما روی ابن السنی یا انس اذا ھممت بامر فاستخر ربک فیہ سبع مرات ثم انظر الی الذی سبق الی قلبک فان الخیر فیہ ولو تعذرت علیہ الصلوٰۃ استخار بالدعاء الخ ملخصا وفی شرح الشرعۃ المسموع

من المشايخ انه ينبغي ان ينام على طهارة مستقبل القبلة بعد قراءة الدعاء المذكور فان رأى في منامه بياضا اوخضرة فذلك الامرخير وان رأى فيه سوادا اوحمرة فهوشر ينبغي ان يجتنب اهـ (رد المحتار ص ۶۴۳ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۲۵ ذیقعدہ ۸۸ھ

نمازِ کسوف عصر کے بعد مکروہ ہے:

سوال: نمازِ کسوف یعنی سورج گرہن کی نماز عصر کے بعد پڑھنا کیسا ہے، جبکہ عصر کے بعد شروع ہو؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نمازِ کسوف وخسوف وغیرہ وقتِ مکروہ میں پڑھنا جائز نہیں، ان اوقات میں کسوف یا خسوف ہو تو نماز کی بجائے صرف دعاء میں مشغول رہنا چاہئے، قال فی الدر فی غیر وقت مکروہ، وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ لان النوافل لا تصلی فی الاوقات المنهی عن الصلوٰة فیها وهذه نافلة جوهرة وما مرعن الاسبیجابی من جعله الوقت مستحبا قال فی البحرلا یصح قال ط وفی الحموی عن البرجندی عن الملتقط اذا انکسفت بعد العصر اونصف النهار دعوا ولم یصلوا (رد المحتار ص ۸۹ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم،

۳۰ محرم ۸۹ھ

نمازِ مغرب سے قبل تحیۃ الوضوء وتحیۃ المسجد کا حکم:

سوال: کیا ارشاد فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد مغرب کی اذان سے پانچ منٹ قبل ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا یا نہیں؟ اور ان ہر دو نماز میں کسی سورت کی تخصیص ہوگی یا نہیں؟ مثلاً فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص کو ہی ہر رکعت میں بعض لوگ تین تین مرتبہ پڑھتے ہیں، اس کی کیا اصل ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

عصر کے بعد غروب تک کوئی نفل نماز پڑھنا جائز نہیں، البتہ غروب کے بعد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نفل مختصر طور پر پڑھنا جائز ہے، مگر افضل یہ ہے کہ نمازِ مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے، اس میں کسی سورت کی تخصیص نہیں، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ وافاد فی الفتح واقره فی الحلیة والبحر ان صلوٰة رکعتین اذا تجوز فیها لاتزید علی الیسیر فیباح فعلهما

وقد اطال فی تحقیق ذلک فی الفتح فی باب الوتر والنوافل (رد المحتار، ص ۴۴۹ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ صفر ۸۹ھ

صبح صادق کے بعد تحیۃ الوضوء وتحیۃ المسجد جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوقت صبح صادق اذانِ فجر کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء قبل از ادائیگی دو رکعت سنت مؤکدہ جائز ہیں یا کہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقت صبح صادق اذان کے بعد دو رکعت تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ براہِ کرم ولطف جواب جلد عنایت فرمائیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صبح صادق کے بعد تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز نہیں، دو رکعت سنت مؤکدہ کے سوا ہر قسم کے نوافل مکروہ ہیں، اوقاتِ مکروہہ میں مسجد میں بیٹھکر ذکر میں مشغول رہنے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جاتا ہے۔

نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن القہستانی ورکعتان او اربع وھی افضل لتحیۃ المسجد الا اذا دخل فیہ بعد الفجر او العصر فانہ یسبح ویھلل ویصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ حینئذ یؤدی حق المسجد کما اذا دخل للمکتوبۃ فانہ غیر مأمور بہا حینئذ کما فی التمرتاشی اھ. (رد المحتار، ص ۶۳۵ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الآخرہ ۸۹ھ

تحیۃ الوضوء وتحیۃ المسجد کی تفصیل:

سوال: جب مسجد میں داخل ہوں اور وضو بھی مسجد کے وضوخانہ میں کریں تو پہلے تحیۃ الوضوء پڑھیں یا پہلے تحیۃ المسجد جبکہ دونوں ادا کرنا ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد میں داخل ہونے پر دو رکعت پڑھ لے تو وہ تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد دونوں کے قائم مقام ہو جائیں گی، بلکہ مسجد میں داخل ہوتے ہی کوئی بھی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا، اسی طرح وضو کی تری خشک ہونے سے قبل کوئی بھی نماز پڑھ لے تو تحیۃ الوضوء ادا ہو جائے گا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ

سوال متعلق بالا:

سوال: آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسجد میں دخول کے بعد فرض نماز پڑھے تو یہ تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی، ایک عالم فرماتے ہیں کہ اس نماز میں تحیۃ المسجد کی نیت بھی کرے تو تحیۃ المسجد کا ثواب ملے گا، ورنہ نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مفصل کلام کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ طلب تعظیم مسجد تو بدون نیت بھی ساقط ہو جائے گی، البتہ ثواب نیت پر موقوف ہے، لیکن بندہ کے خیال میں راجح یہ ہے کہ تعظیم مسجد کی نیت کرے، سنت تحیۃ المسجد کی نیت نہ کرے، اس لئے کہ اس صورت میں صحتِ نماز میں اختلاف ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوم العرفہ سنہ ۱۴۰۰ھ

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضاء خشک ہونے سے قبل ہے:

سوال: گھر سے وضوء کر کے مسجد کو جائے تو مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ جب وضوء کے اعضاء خشک ہو جائیں تو تحیۃ الوضوء نہیں پڑھ سکتا، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تحیۃ الوضوء کا وقت اعضاء خشک ہونے سے قبل ہے، قال فی شرح التنویر وندب رکعتان بعد الوضوء یعنی قبل الجفاف کمافی الشرنبلالیۃ عن المواھب (رد المحتار ص ۱۳۹ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم سنہ ۹۵ھ

بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ساقط نہیں ہوتا:

سوال: زید مسجد میں جا کر اس خیال سے بیٹھ گیا کہ جماعت کا وقت قریب ہے، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی کچھ وقت ہے، اس لئے دو رکعت نفل پڑھ لئے تو تحیۃ المسجد ادا ہو گیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیٹھنے سے قبل تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے، مگر بیٹھنے سے ساقط نہیں ہوتا، اس لئے بیٹھنے کے بعد اگر جلدی ہی جماعت قائم ہو گئی تو یہ فرض تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائیں گے اور اگر جماعت میں تاخیر ہو تو اٹھ کر تحیۃ المسجد ادا کر لے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

تحیۃ المسجد وقتی نمازوں کے ساتھ مخصوص نہیں :

سوال : کیا تحیۃ المسجد صرف اس وقت مسنون ہے جب پنجوقتہ نماز کے لئے مسجد میں جائے یا جب بھی اور جس کام کے لئے بھی مسجد میں جانا ہو ہر حال میں تحیۃ المسجد پڑھے ؟ بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملہم الصواب

اوقاتِ مکروہہ کے سوا جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد مسنون ہے ، وقتی نمازوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ، بلکہ پنجوقتہ نماز کے لئے تو مسجد میں داخل ہوتے ہی بیٹھنے سے قبل یا بیٹھنے کے بعد جلد ہی اگر وقتی فرض یا سنت شروع کر دیں تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہوگئی ، مستقل تحیۃ المسجد کا حکم صرف اسی صورت میں ہے جب بلانیتِ نماز مسجد میں داخل ہو البتہ اگر بنیتِ نماز داخل ہوا اگر جماعت میں تاخیر ہے اور سنتیں وغیرہ بھی جلد پڑھنے کا قصد نہیں تو تحیۃ المسجد مستقل پڑھے ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۳ ر ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

دن میں ایک بار تحیۃ المسجد سنت مؤکدہ ہے :

سوال : اگر کسی کام سے بار بار مسجد میں جانا پڑے تو کیا ہر بار تحیۃ المسجد مسنون ہے ، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دن میں ایک بار تحیۃ المسجد پڑھنا سنت مؤکدہ ہے ، خواہ پہلی مرتبہ دخول میں پڑھے ، یا آخری مرتبہ ، اگر اسی روز اس مسجد میں کوئی نماز پڑھ لی تو تحیۃ المسجد کی سنت ادا ہوگئی ، قال فی التنویر ولیسن تحیۃ المسجد ، وفی الشامیۃ کتب الشارح فی ھامش الخزائن ان ھذا رد علی صاحب الخلاصۃ حیث ذکر انہا مستحبۃ ، وفی العلائیۃ وتکفیہ لکل یوم مرۃ ، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ ای اذا تکرر دخولہ لعذر وظاھر الطلاقہ انہ مخیر بین ان یؤدیہا فی اوّل المرات او آخرھا ط (رد المحتار، ص ۶۳۶ ج ۱) ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ،

۳ ر ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

تحیۃ المسجد کے قائم مقام تسبیحات :

سوال : زید ضروری کام سے مسجد میں جاتا ہے ، اتنی فرصت نہیں کہ وضو کر کے تحیۃ المسجد ادا کرے تو کیا کچھ ذکر کر لینے سے تحیۃ المسجد کا ثواب مل جائے گا ؟

بینوا توجروا ،

الجواب باسم ملهم الصواب

بالکل محروم ہونے کی بجائے کچھ تو کرہی لینا چاہیے، خواہ چند بار سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہی کہہ لے، نقل فی الشامیۃ عن الضیاء وقال بعضهم من دخل المسجد ولم یتمکن من تحیۃ المسجد اما لحدث اولشغل اونحوہ یستحب له ان یقول سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، قاله ابوطالب المکی فی قوت القلوب اھ وقد منا نحوہ عن القهستانی (رد المحتار، ص ۶۳۶ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ رذی الحجہ ۹۹ھ

چار رکعت نفل نماز تیسری رکعت پر توڑ دی:

سوال:۔ اگر کوئی شخص چار رکعت نفل شروع کرکے بعد میں تیسری یا چوتھی رکعت پر نماز توڑ دے تو کیا چاروں رکعت کی قضاء ہے یا صرف دو کی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

چاروں رکعات کی قضاء واجب ہے، شفع ثانی افساد کی وجہ سے اور شفع اوّل ترک سلام کے جبر نقصان کے لئے، قال فی الدر وقضی رکعتین لونوی اربعاً غیر مؤکدۃ علی اختیار الحلبی وغیرہ ونقض فی خلال الشفع الاوّل اوالثانی ای وتشهد للاوّل والاّ یفسد الکل اتفاقاً والاصل ان کل شفع صلوٰۃ، وفی الشامیۃ (قوله اوالثانی) ای وکذا یقضی رکعتین لواتم الشفع الاوّل بقعدته ثم شرع فی الثانی فنقضه فی خلاله قبل القعدۃ فیقضی الثانی فقط لتمام الاوّل لکن ینبغی وجوب اعادۃ الاوّل لترك واجب السلام مع عدم انجبارہ بسجود سهو کما هو الحکم فی کل صلوٰۃ اُدّیت مع ترك واجب ولا یخالف ذلك کلامهم هنا لان کلامهم فی لزوم القضاء وعدمه بناء علی الفساد وعدمه والاعادۃ هی فعل ما ادّی صحیحاً مع الکراهۃ مرّۃ ثانیۃ بلاکراهۃ (رد المحتار، ص ۶۴۸ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رجمادی الاولیٰ ۸۹ھ

قبلیہ سنتیں چھوٹ گئیں تو بعدیہ کے بعد پڑھے:

سوال:۔ قبل الظہر چار سنتیں اگر چھوٹ جائیں تو ان کو بعد الفرض جو دو رکعت سنت ہیں ان کے بعد ادا کرنا چاہیے یا کہ ان سے قبل؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اب جبکہ اپنی جگہ سے

ہٹ گئی ہیں تو اُن کی حیثیت کیا ہوگی؟ سنت مؤکدہ کی یا کہ نفل کی؟ اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ اب یہ ادا سمجھی جائیں گی یا قضاء؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد الفرض پہلے دو رکعت سنت پڑھے، پھر پہلی چار رکعت کی قضاء کرے، اپنے اصل مقام سے ہٹ جانے کے باوجود وقت کے اندر ان کی قضاء سنتِ مؤکدہ ہے، قال فی الدر بخلاف سنۃ الظہر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکہا ویقتدی ثم یأتی بہا علی انہا سنۃ فی وقتہ ای الظہر قبل شفعہ عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ و بہ یفتی جوھرۃ، وفی الشامیۃ (قولہ وبہ یفتی) اقول وعلیہ المتون لکن رجح فی الفتح تقدیم الرکعتین قال فی الامداد وفی فتاوی العتابی انہ المختار وفی مبسوط شیخ الاسلام انہ الاصح لحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کان اذا فاتتہ الاربع قبل الظہر یصلیہن بعد الرکعتین وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا فی جامع قاضی خان اھ (رد المحتار ص ۶۷۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳ رجب سنہ ۸۹ھ

جمعہ کی قبلیہ سنتیں رہ گئیں تو کس وقت پڑھے؟

سوال:۔ قبل الجمعہ والی چار رکعت سنتیں اگر خطبہ سے پہلے نہ پڑھ سکا تو فرض کے بعد پہلے ان کی قضاء پڑھے یا کہ جمعہ کے بعد والی چار سنتیں پہلے پڑھے پھر پہلی سنتیں پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

سنت اور نفل نماز کی نیت میں تعیین وقت کی ضرورت نہیں، اس لئے فرض کے بعد مطلقاً آٹھ رکعات پڑھ لینا کافی ہے، قبلیہ وبعدیہ کی تعیین کی حاجت نہیں، اگر تعیین کرنا ہی چاہے تو پہلے بعدیہ کی نیت کرے پھر قبلیہ کی، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ رجب سنہ ۹۷ھ

نمازِ جمعہ کے بعد تعداد رکعات:

سوال:۔ بعد از فرض جمعہ جو چھ رکعتیں سنت کی پڑھی جاتی ہیں ان کے بارے میں بعض علماء اس بات پر مصر ہیں کہ پچھلی دو رکعت مستحب ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ از حوالہ کتب حنفیہ روشنی ڈالیں، مزید براں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد از نمازِ جمعہ

چھ رکعات سنتیں پڑھی ہیں یا کہ چار؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

نمازِ جمعہ کے بعد مرفوع حدیث میں چار رکعات مذکور ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چھ مروی ہیں، لہٰذا چھ پڑھنا افضل ہے، پہلے چار مؤکدہ پھر دو غیر مؤکدہ، قال العلاء رحمہ اللہ تعالیٰ وسن مؤکداً اربع قبل الظہر واربع قبل الجمعۃ واربع بعدھا بتسلیمۃ (رد المحتار، ص ۶۳۰ ج ۱) وقال ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ والدلیل علی استنان الاربع بعدھا ما فی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعا وفی روایۃ اذا صلیتم بعد الجمعۃ فصلوا اربعا و ذکر فی البدائع انہ ظاہر الروایۃ وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ ینبغی ان یصلی اربعا ثم رکعتین وذکر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتاب الاعتکاف ان المعتکف یمکث فی المسجد الجامع مقدار ما یصلی اربعا او ستا اھ، وفی الذخیرۃ والتجنیس وکثیر من مشایخنا علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی منیۃ المصلی والافضل عندنا ان یصلی اربعا ثم رکعتین، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی منحۃ الخالق قال فی الذخیرۃ وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ یصلی ستاً رکعتین ثم اربعاً وعنہ روایۃ اخری انہ یصلی بعدھا ستا اربعا ثم رکعتین وبہ اخذ ابو یوسف والطحاوی وکثیر من المشایخ رحمھم اللہ تعالیٰ وعلی ھذا قال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ الاصل ان یصلی اربعا ثم رکعتین فقد اشار الی انہ مخیر بین تقدیم الاربع وبین تقدیم المثنی ولکن الافضل تقدیم الاربع کیلا یصیر متطوعاً بعد الفرض مثلھا اھ (البحر الرائق، ص ۴۹ ج ۲) وقال الحلبی رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ السنۃ بعد الجمعۃ ست رکعات وھو مروی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف (غنیۃ ص ۳۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ رجمادی الآخرہ سنہ ۸۹ھ

نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے:

سوال:- مسجد کے اندر فرض ادا کر کے مدرسہ کے صحن میں جو مسجد سے ملحق ہے سنن و

نوافل ادا کرنے میں مسجد سے زیادہ ثواب ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

نوافل وسنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے، بشرطیکہ راستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو، اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں مخل ہو تو مسجد افضل ہے، قال فی شرح التنویر والافضل فی النفل غیر التراویح المنزل الا لخوف شغل عنها والاصح افضلیة ما کان اخشع واخلص وفی الشامیة (قوله والافضل فی النفل الخ) شمل ما بعد الفریضة وما قبلها لحدیث الصحیحین علیکم بالصلوٰة فی بیوتکم فان خیر صلوٰة المرء فی بیته الا المکتوبة واخرج ابوداؤد صلوٰة المرء فی بیته افضل من صلوٰته فی مسجدی هذا الا المکتوبة وتمامه فی شرح المنیة (وحیث کان هذا افضل یراعی ما لم یلزم منه خوف شغل عنها لوذهب لبیته او کان فی بیته ما یشغل باله ویقلل خشوعه فیصلیها حینئذ فی المسجد لان اعتبار الخشوع ارجح (رد المحتار ص ۸۰۳ ج ۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ رجب ۸۹ھ

سنن جمعہ کی نیت:

سوال:۔ جمعہ سے قبل اور بعد والی سنتیں جمعہ کی کہلائیں گی یا ظہر کی، زید عالم کہتا ہے کہ یہ ظہر کی ہیں، جمعہ کے صرف دو فرض ہیں، شرعاً زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جمعہ اور ظہر کی علیحدہ مستقل سنتیں مذکور ہیں، قال فی العلائیة وسن مؤکدا الاربع قبل الظهر واربع قبل الجمعة واربع بعدها بتسلیمة (رد المحتار ص ۶۳۰ ج ۱) البتہ ان کی نیت میں ظہر یا جمعہ کا ذکر کرنا ضروری نہیں، سب سنتوں اور نفلوں کا یہی قاعدہ ہے کہ اُن میں وقت کی نیت ضروری نہیں، فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

۹ ربیع الاول ۹۱ھ

اپنے ذمہ بطور جرمانہ نفل واجب کرنا:

سوال:۔ بکر نے اپنے اوپر بطور جرمانہ کہا کہ اگر فلاں کام کروں تو بطور جرمانہ سو رکعت نفل پڑھوں گا اور بکر کا خیال تھا کہ یہ سو رکعت پڑھنا واجب ہوجائے گا، کیا بکر کے اس خیال سے یہ سو رکعت واجب ہوگئیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ہر ایسا لفظ جس سے اپنے اوپر ایجاب والزام ثابت ہوتا ہو اس سے نذر منعقد ہوجاتی ہے،

اور اس کا ایفاء واجب ہو جاتا ہے، لفظ "بطور جرمانہ" اسی قسم کا ہے، جرمانہ کا واجب الاداء ہونا ظاہر ہے، اس لئے نئو رکعت نفل ادا کرنا واجب ہو گیا، خواہ وجوب کا خیال ہو یا نہ ہو،
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳ ذی قعدہ سنہ ۹۱ھ

تکبیرِ قنوت واجب نہیں:

سوال:- کیا وتر میں دعاءِ قنوت پڑھنا واجب ہے یا صرف تکبیر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر میں تکبیر کے بعد کوئی دعاء پڑھنا واجب ہے، اور معروف دعاء سنت ہے، قنوت سے قبل تکبیر واجب نہیں بلکہ سنت ہے، فی واجبات العلائیۃ وقراءۃ قنوت الوتر وھو مطلق الدعاء وکذا تکبیر قنوتہ، وفی الشامیۃ (قولہ وھو مطلق الدعاء) ای القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان، قال فی النھر واما خصوص اللّٰھم انا نستعینک فسنۃ فقط حتی لو اتی بغیرہ جاز اجماعا (قولہ وکذا تکبیر قنوتہ) ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السھو ومما الحق بہ ای بالقنوت تکبیرۃ وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ وذکر فی الظھیریۃ انہ لو ترکہ لا روایۃ فیہ وقیل یجب السجود اعتبارا بتکبیرات العید وقیل لا اھ وینبغی ترجیح عدم الوجوب لانہ الاصل ولا دلیل علیہ بخلاف تکبیرات العید اھ (رد المحتار، ص ۴۳۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۶ رجادی الآخرہ سنہ ۹۲ھ

تکبیرِ قنوت میں رفع یدین کا ثبوت:

سوال:- نماز وتر میں آخری رکعت میں جو رفع یدین کرتے ہیں اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیں کہ کس حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

حضرت عمر و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت ہے، اور غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے بحکم حدیث مرفوع ہے، علاوہ ازیں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حقیقۃً مرفوع حدیث بھی مروی ہے، عن الاسود عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یقرأ فی آخر رکعۃ من الوتر قل ھو اللہ احد ثم یرفع یدیہ فیقنت قبل الرکعۃ رواہ

الامام البخاری فی جزء رفع الیدین وقال صحیح (اعلاء السنن ص۵۳ ج۶) عن ابی عثمان کان عمر رضی اللہ تعالیٰ یرفع یدیہ فی القنوت اخرجہ البخاری ایضاً فی الجزء المذکور وصححہ وعنہ ایضاً باسناد صحیح قال کنا وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یؤم الناس ثم یقنت بنا عند الرکوع یرفع یدیہ حتی یبدو کفاہ ویخرج ضبعیہ اخرجہ البخاری ایضاً فی الجزء المذکور (اعلاء السنن ص۵۳ ج۶)

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ارأیتم قیامکم عند فراغ الامام من السورۃ ھٰذا القنوت واللہ انہ لبدعۃ مافعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر شہر ثم ترکہ، ارأیتم رفعکم ایدیکم فی الصلوٰۃ واللہ انہ لبدعۃ مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھٰذا قط فرفع یدیہ حیال منکبیہ رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ بشر ابن حرب ضعفہ احمد وابن معین وابو زرعۃ وابوحاتم والنسائی ووثقہ ایوب وابن عدی (مجمع الزوائد) قلت فالحدیث حسن (اعلاء السنن ص۵۷ ج۶)

آخری حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قنوت میں دعاء کی طرح اطالۂ رفع یدین نہیں، قال فی الاعلاء واما قولہ ارأیتم رفعکم ایدیکم فی الصلوٰۃ واللہ انہ لبدعۃ ففیہ دلیل علی کراھۃ اطالۃ رفع الیدین فی القنوت کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوٰۃ ولیس معناہ ان مطلق رفع الیدین للقنوت بدعۃ لان قولہ مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھٰذا قط فرفع یدیہ حیال منکبیہ یفید سنیۃ رفعہما لہ فی الجملۃ ولابد من التغایر فی الرفع الذی جعلہ بدعۃ والذی اثبتہ فالظاھر انہ کرہ اطالۃ رفعہما کما ترفعان فی الدعاء خارج الصلوٰۃ واثبت رفعہما حیال المنکبین سنۃ لیس ھو الا الرفع القصیر الذی یکون قبل القنوت فان الرفع الطویل فی الدعاء لایکون بحیال المنکبین بل انما ھو بحذاء الوجہ او الصدر کما مرّ فی بابہ ھٰذا وقد تقدم ان نفس رفع الیدین للقنوت ثابت عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الفجر وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الوتر فیبعد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جعلہ بدعۃ فالظاھر انہ اراد ما قلنا ان اطالۃ الرفع بدعۃ والحدیث یفید بمفہومہ ثبوت رفع الیدین للقنوت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرفوعاً واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اعلاء السنن ص۵۸ ج۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۵ رجب سنہ ۹۲ھ

سنت غیر مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود و دعاء اور تیسری رکعت میں ثناء پڑھنا اولیٰ ہے:

سوال :- سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کی چار رکعات کی نیت باندھی تو کیا دو رکعت پر بیٹھ کر درود شریف اور دعاء بھی پڑھے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

سنن غیر مؤکدہ میں دو رکعت پر درود شریف اور دعاء پڑھنا اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء پڑھنا افضل ہے، سنن مؤکدہ میں درود شریف نہ پڑھے، اگر سہواً پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ جمعہ عہ کے بعد کی سنتوں کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنا جائز ہے، اس سے سجدۂ سہو نہیں، اس لئے کہ یہ چار رکعات اگرچہ مؤکدہ ہیں، مگر چاروں کو ایک سلام سے پڑھنا مؤکد نہیں، قال فی شرح التنویر ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولی فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا ولو صلی ناسیا فعلیہ السہو وقیل لا، شمنی ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا لانھا لتأکدھا اشبھت الفریضۃ وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلوۃ وقیل لا یأتی فی الکل وصححہ فی القنیۃ، وفی الشامیۃ (قولہ ولا یصلی الخ) اقول قال فی البحر فی باب صفۃ الصلوۃ ان ما ذکر مسلم فیما قبل الظہر لما صرحوا بہ من انہ لا تبطل شفعۃ الشفیع بالانتقال الی الشفع الثانی منھا ولو افسدھا قضی اربعا والاربع قبل الجمعۃ بمنزلتھا واما الاربع بعد الجمعۃ فغیر مسلم فانھا کغیرھا من السنن فانھم لم یثبتوا لھا تلک الاحکام المذکورۃ اھ ومثلہ فی الحلیۃ وھذا مؤید لما بحثہ الشرنبلالی من جوازھا بتسلیمتین لعذر (قولہ وقیل لا الخ) قال فی البحر ولا یخفی ما فیہ والظاھر الاول زاد فی المنح ومن ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل، (رد المحتار ص ۶۳۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ ذیقعدہ ۹۶ھ

سنن و فرائض کے درمیان فصل:

سوال :- اگر کوئی شخص ظہر کی سنن قبلیہ پڑھ کر مسجد گیا، اور جماعت میں تاخیر ہے، تو کیا تحیۃ المسجد یا دوسرے نوافل پڑھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا،

عہ جمعہ کی سنن بعدیہ کا حکم بھی قبلیہ کی طرح ہی ہے، تفصیل تتمہ میں ہے ۱۲

الجواب باسم ملهم الصواب

سنن قبلیہ اور فرائض کے درمیان نوافل پڑھ سکتا ہے، البتہ سنن و فرائض کے درمیان بلاعذر کوئی ایسا کام کرنا جو تحریمہ کے خلاف ہو منقص ثواب ہے، بعض نے مسقط سنن کہا ہے، مگر یہ صحیح نہیں، سنن بعدیہ کا بھی یہی حکم ہے والتفصیل فی العلائیۃ والشامیۃ ص۶۳۶ ج۱،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ جمادی الاولیٰ ۹۷ھ

صلوٰۃ التسبیح میں دوسری اور چوتھی رکعت کی طرف قیام کے وقت تکبیر نہ کہے:

سوال:۔ صلوٰۃ التسبیح میں پہلی اور تیسری رکعت کے دونوں سجدوں کے بعد اللہ اکبر کہہ کر بیٹھے گا اور تسبیحات پڑھے گا اس کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اس وقت تکبیر ثابت نہیں، نیز سجدہ اور قیام کے درمیان جلوس شرعاً غیر معتبر ہے، کجلسۃ الاستراحۃ، لہٰذا سجدہ سے قیام تک انتقال حکماً واحد ہے، اس لئے حسب قاعدہ ایک انتقال کے لئے ایک ہی تکبیر ہوگی، تکرار تکبیر مشروع نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۵ رمضان ۹۸ھ

صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے:

سوال:۔ ایک عالم فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ التسبیح میں رکوع کے بعد کھڑے ہوکر جب تسبیحات پڑھتے ہیں اس حالت میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا چاہئے، کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

ہر طویل قیام میں وضع الیدین مسنون ہے، اس کلیہ کے تحت صلوٰۃ التسبیح کے قومہ میں بھی ہاتھ باندھنا مسنون ہوگا، قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ لایسن (الوضع) فی قیام بین رکوع وسجود لعدم القرار ولابین تکبیرات العیدین لعدم الذکر ما لم یطل القیام فیضع سراجیۃ، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ لعدم القرار) لیس علی اطلاقہ لقولہم ان مصلی النافلۃ (لو سنۃ) یسن لہ ان یأتی بعد التحمید بالادعیۃ الواردۃ نحو ملء السموات والارض الخ واللّٰھم اغفر لی وارحمنی بین

السجدتین، نہر، ومقتضاہ انہ یعتمد بیدیہ فی النافلۃ ولم أر من صرح بہ تأمل لکنہ مقتضی اطلاق الاصلین المارین ومقتضاہ انہ یعتمد ایضًا فی صلوۃ التسابیح ثم رأیتہ ذکرہ ط، والرحمتی السائحانی بحثا (قولہ مالم یطل القیام فیضع) ای فان طال لکثرۃ القوم فانہ یضع (رد المحتار ص۴۵۵ ج۱) وقال الطحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ وظاہرہ یعم ای قیام طال وعلیہ فیضع فی قیام صلوۃ التسابیح الذی بین الرکوع والسجود (طحطاوی علی الدر ص۲۱۸ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۸ رجب سنہ ۸۹ھ

نفل پڑھتے ہوئے صبح ہوگئی:

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ نوافل پڑھتے ہوئے درمیان میں فجر طلوع ہوگئی تو نفل صحیح ہوتے کہ نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

بعد طلوعِ فجر سوائے سنتِ فجر کے نفل اور واجب لغیرہ مکروہ ہے، البتہ نفل پڑھتے ہوئے فجر ہوگئی تو یہ نفل صحیح ہیں، اور ان کا اتمام افضل ہے، قال فی الشامیۃ (قولہ قصدا) احترز بہ عما لو صلی تطوعًا فی آخر اللیل فلما صلی رکعۃ طلع الفجر فان الافضل اتمامہا لان وقوعہ فی التطوع بعد الفجر لاعن قصد ولا ینوبان عن سنۃ الفجر علی الاصح، (رد المحتار ص۳۴۸ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲ شعبان سنہ ۹۷ھ

مکروہ وقت میں شروع کئے ہوئے نفل کا حکم:

سوال:۔ کسی نے مکروہ وقت میں نفل شروع کردیئے، بعد میں تنبہ ہوا، تو کیا یہ نفل پورے کرے یا کہ نماز توڑ ڈالے؟ اگر نماز توڑ دی تو ان نوافل کی قضاء واجب ہوگی یا نہیں! اور اگر اسی وقت میں نماز پوری کرلی تو بھی دوسرے وقت میں قضاء واجب ہے یا نہیں! بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مکروہ وقت میں نفل شروع کرنے سے واجب ہوگئے، مگر اس وقت ان کا نقض واجب ہے، دوسرے وقت میں قضاء پڑھے، اگر اس وقت نماز نہ توڑی بلکہ پوری کرلی تو گناہ ہوگا، مگر واجب ادا ہوگیا، قضاء لازم نہیں، قال فی التنویر ولزم نفل شرع فیہ قصدا ولو عند غروب وطلوع واستواء فان افسدہ حرم الا بعذر ووجب قضاءہ وقال

ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ الا بعذر) استثناء من قولہ حرم ای انہ عند العذر لا یحرم افسادہ بل قد یباح ویستحب ویجب کما قدمہ فی اٰخر مکروھات الصلوٰۃ ومن العذر اذا کان شروعہ فی وقت مکروہ ففی البدائع الافضل عندنا ان یقطعھا وان اتم فقد اساء ولا قضاء علیہ لانہ اداھا کما وجبت فاذا قطعھا لزمہ القضاء قال فی البحر وینبغی ان یکون القطع واجبا خروجا عن المکروہ تحریما ولیس بابطال للعمل لانہ ابطال لیؤدیہ علی وجہ اکمل فلایعد ابطالا (رد المحتار ص ۶۴۶ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ محرم ۹۸ھ

دو تین افراد نے نفل کی جماعت شروع کی بعد میں زیادہ شریک ہوگئے:

سوال:۔ ایک یا دو آدمی امام کے ساتھ نوافل کی جماعت میں شریک تھے، مگر بعد میں کچھ اور لوگ بھی شریک ہوگئے تو یہ جماعت مکروہ ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

جو مقتدی شروع میں تھے ان پر کوئی کراہت نہیں، بعد میں مجموعہ چار مقتدیوں سے زائد جو لوگ شریک ہوتے ان پر کراہت ہے، قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ لو اقتدی بہ واحد او اثنان ثم جاءت جماعۃ اقتدوا بہ قال الرحمتی ینبغی ان تکون الکراھۃ علی المتأخرین اھ (رد المحتار، ص ۶۶۴ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ شوال ۹۸ھ

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں:

سوال:۔ کیا نماز تہجد کے لئے بعد نماز عشاء سونا شرط ہے، اگر کوئی شخص تمام رات جاگتا ہے، یا رات کا کافی حصہ جاگتا ہے، جیسا کہ عام طور پر طالب علم رات کو دیر تک پڑھتے ہیں، اگر وہ رات کے اخیر حصہ میں نماز پڑھے تو کیا یہ تہجد نہیں کہلائے گی؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

تہجد سے قبل سونا ضروری نہیں، ویسے بھی تہجد کی نماز ہوجائے گی،

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم ۹۹ھ

رکعاتِ وتر میں شک کی صورت میں قنوت مکرر پڑھے:

سوال:- عمرو کو وتر میں شک واقع ہوگیا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری، اس لئے اس میں بھی قنوت پڑھ لی اور بیٹھ گیا، اس کے بعد پھر ایک اور رکعت کو بھی ملالیا اور اس میں بھی قنوت پڑھی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

نماز صحیح ہوگئی، تکرار قنوت صحیح ہے، قال فی العلائیۃ قنت فی اولی الوتر او ثانیتہ سہوًا لم یقنت فی ثالثتہ اما لوشك انہ فی ثانیتہ او ثالثتہ کررہ مع القعود فی الاصح والفرق ان الساهی قنت علی انہ موضع القنوت فلا یتکرر بخلاف الشاك ورجح الحلبی تکرارہ لهما، وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی (قولہ ورجح الحلبی تکرارہ لهما) حیث قال الا ان هذا الفرق غیر مفید اذ لا عبرۃ بالظن الذی ظهر خطؤہ واذا کان الشاك یعید لاحتمال ان الواجب لم یقع فی موضعہ فکیف لا یعید الساهی بعد ما تیقن ذلك وقد صرح فی الخلاصۃ عن الصدر الشهید بان الساهی یقنت ثانیًا فان کان ما مر روایۃ فهی غیر موافقۃ للدرایۃ اھ قلت وکذا ارجحہ فی الحلیۃ والبحر بنحو ما مر (رد المحتار، ص ۶۲۸ ج ۱) فقط واللہ تعالی اعلم،

۲۶ محرم ۹۹ھ

نمازِ اشراق کا ثبوت:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ نمازِ اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں، یا الگ الگ ہیں؟ عام کتب فقہ میں صلوٰۃ الضحیٰ کا ذکر ہے، مگر اشراق کی نماز کا کسی کتاب میں کوئی ذکر نہیں ملتا، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

اشراق و چاشت دو الگ نمازیں ہیں، ہر ایک کا ثبوت احادیث میں موجود ہے، الکوکب الدری میں ہے: قولہ باب ماجاء فی صلوٰۃ الضحیٰ، وقت الضحیٰ من وقت ارتفاع الشمس الی الزوال وهو نصفان، الضحوۃ الکبریٰ والضحوۃ الصغریٰ، فالاولی الاخر منہ والثانیۃ الاول منہ واکثر اطلاق الضحیٰ علی الاول، والغرض من وضع الباب الرد علی من لم یرہ ثابتًا بالسّنۃ وقال ان صلوٰۃ الضحیٰ بدعۃ لکن لا اختلاف فی صلوٰۃ الضحوۃ الصغریٰ

التی نسمیها صلوٰۃ الاشراق بل الاختلاف فی الاخریٰ (الکوکب الدری ص ۱۹۲ ج ۱)

لامع الدراری میں اس سے بھی زیادہ تفصیل ہے، کتب فقہ میں سے بھی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں نماز اشراق کا ذکر موجود ہے، ونصہ (قولہ وندب اربعًا) ہو المعتمد وقیل لاتندب ومن ثمراتہا انہا تقوم مقام صلوٰۃ اللیل وتورث الغنی والبرکۃ فی الرزق ویؤدی بہا صدقات مفاصل الانسان المأمور بہا فی حدیث کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ والمستحب ان یقرأ فی الاولیٰ والشمس وضحٰہا وفی الثانیۃ والضحیٰ کما ورد فی الحدیث وہی غیر صلوٰۃ الاشراق وہی رکعتان کما ورد فی بعض الآثار (طحطاوی علی العلائیۃ ص ۱۸۷ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۰ ربیع الاول ۹۹ھ

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے دو رکعت واجب ہوئیں:

سوال:- اگر کسی شخص نے چار رکعت نفل کی نیت باندھی، پھر دو رکعت پر سلام پھیر دیا، باقی دو رکعت اس کے ذمہ واجب ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چار رکعت نفل کی نیت باندھنے سے صرف دو رکعت واجب ہوتی ہیں، اس لئے دو رکعت پر سلام پھیرنا جائز ہے، باقی دو رکعت اس پر واجب نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب ۹۹ھ

دعاء قنوت کا حوالہ:

سوال:- دعاء قنوت مروّج عند الاحناف فی الوتر کا ثبوت سند کے ساتھ بحوالہ درکار ہے، بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

المدونۃ الکبریٰ ص ۱۰۰ ج ۱، الاعتبار للحازمی معزیا الی مراسیل ابی داؤد، اعلاء السنن ص ۶۸ ج ۶، طحاوی ص ۱۲۲ ج ۱، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۶ رجب ۹۹ھ

نفل میں سجدۂ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہے:

سوال:- نفل نماز میں سجدۂ سہو واجب تھا، اور بھول کر نہ کیا، دوسرے وقت میں یاد آیا تو ان نفلوں کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کہتے ہیں کہ نفل کی قضاء تو نہیں ہے، مگر جب شروع

کردی جائے تو پھر اس کا پورا کرنا واجب ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ نفل واجب الاعادہ ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ رجب سنہ ۸۹ھ

وتر کا فدیہ بھی واجب ہے:

سوال:- کیا وتر کا بھی فدیہ دیا جائے، جبکہ مرحومہ نے فرض نمازوں کا فدیہ دینے کی وصیت کی ہے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر کا بھی فدیہ واجب ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۳ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

قنوت کے بعد درود پڑھنا افضل ہے:

سوال:- وتر کی نماز میں قنوت کے بعد درود پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ فتاوی ہندیہ ص۱۱۱ الباب الثامن فی صلوۃ الوتر میں تحریر فرماتے ہیں، ولا یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القنوت وھو اختیار مشایخنا کذا فی الظھیریۃ، درمختار اور شرح طحطاوی نے قنوت میں درود پڑھنے کو ترجیح دی ہے، اور لکھا ہے کہ قنوت کے بعد درود پڑھنا مستحب ہے، قول راجح تحریر فرمائیں، انشاء اللہ عنداللہ ماجور ہوں گے، بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

قول استحباب راجح اور مفتی بہ ہے، کما صرح بہ فی العلائیۃ، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۴ محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

ناپاک کپڑے سے پڑھے ہوئے نوافل کا اعادہ واجب نہیں:

سوال:- ناپاک کپڑے سے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو فرائض اور واجبات کا اعادہ ہی یا سنن اور نوافل کا بھی ہے؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

فرائض اور واجبات کا اعادہ بہرصورت فرض اور واجب ہے، سنن مؤکدہ کا اعادہ وقت کے اندر ضروری ہے، بعد میں نہیں، اور نفل کا اعادہ وقت کے اندر بھی ضروری نہیں، اس لئے کہ

نوافل شروع کرنے کے بعد واجب ہوتے ہیں، اور صورتِ مسئولہ میں نوافل میں شروع ہونا ہی صحیح نہیں ہوا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۸ ذی الحجہ ۹۰ھ

وتر تراویح سے پہلے پڑھ لئے تو ان کا اعادہ واجب نہیں :

سوال :- رؤیتِ ہلال کی اطلاع نہ ملنے پر ۲۹ شعبان کے بعد آنے والی رات میں عشاء کی نماز اور وتر حسبِ معمول پڑھ لئے بعد میں اطلاع ملی کہ رمضان کا چاند ہوگیا، اس لئے تراویح ادا کرلیں، تو کیا ایسی صورت میں وتر مرد دوبارہ جماعت کے ساتھ ادا کرے اور عورت بلا جماعت گھر ہی پر پڑھ لے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس صورت میں وتر کا اعادہ نہیں، قال فی التنویر ووقتها بعد صلوٰۃ العشاء قبل الوتر وبعدہ (رد المحتار، ص ۶۵۹ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱ شوال ۹۷ھ

فرض پر نفل کی بناء مکروہ ہے :

سوال :- زید نے فرض پورے کرکے آخر میں سلام نہیں پھیرا، بلکہ اسی حال میں سنت یا نفل کی نیت سے اور دو رکعت پڑھ کر آخر میں سلام پھیرا، تو اس کی فرض نماز اور سنت یا نفل کی دو رکعت ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملهم الصواب

- فرض پر نفل کی بناء مکروہ ہے، نیز اس میں عمداً تاخیرِ سلام کی وجہ سے فرض واجب الاعادہ ہے، نفل کی دو رکعتیں ہوگئیں، مگر سنتِ مؤکدہ ادا نہیں ہوئی، لانها شرعت بتحریمة مبتدئة، قال فی الشامیة ان بناء النفل علی النفل یصیرہ صلوٰۃ واحدۃ بخلاف بناء النفل علی الفرض ولٰکن کان البناء فیہ مکروها لان النفل صلوٰۃ اخرٰی غیر الفرض (وبعد سطر) لما بنی النفل عمداً صار مؤخراً للسلام عن محله عمداً والعمد لا یجبرہ سجود السهو بل تلزمه الاعادة (رد المحتار، ص ۶۹۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۰ رمضان المبارک ۹۷ھ

فرض اور سنت کے درمیان تبلیغ کرنا :

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ مندرجہ ذیل کے بارے میں :-

ہماری مسجد میں یہ دستور ہے کہ روزانہ بعد ادائے فرض ظہر فوراً پیش امام صاحب ایک حدیث شریف ریاض الصالحین سے پڑھکر سناتے ہیں مع مختصر تشریح کے بقدر پانچ منٹ جیساکہ اگر کوئی شخص ان تمام ادعیہ مأثورہ کو جوکہ احادیث سے ثابت ہیں، بعد فرضوں کے پڑھے درمیان فرض و سنت تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا یا جیساکہ اگر کوئی شخص اپنے معمول کے اوراد و وظائف درمیان فرض و سنت پڑھتا ہے تو بھی بقدر پانچ منٹ صرف ہوگا، تو ہم لوگ (مجلس منتظمہ ھٰذا) بجائے ادعیہ مأثورہ و اوراد مخصوصہ کے پانچ منٹ درمیان فرض و سنت برائے تبلیغ دین متین اور نفع عوام مسلمین صرف کرتے ہیں کہ بعد سنت و نفل کوئی ٹھیرتا نہیں ہے، تو بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ طریقہ ناجائز ہے بسبب تاخیر سنت کے، اور جو لوگ اس درس میں شرکت نہیں کرتے ہیں اُن کی نماز میں خلل پڑتا ہے، جبکہ عند المصلین تلاوت بالجہر کی اجازت نہیں فھذا الدرس اولی ان یترک بعد الفرض،

جناب والا سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہم اس تبلیغ بعد الفرض وقبل السنت کو جاری رکھیں یا موقوف کردیں؟ بینوا توجروا،

الجواب باسم ملہم الصواب

اوراد و تسبیحات مأثورہ کا وقت سنتوں کے بعد ہے، فرائض کے بعد بہت مختصر دعائیں مأثور ہیں، نیز اس وقت ادعیہ مأثورہ کی بجائے کوئی دوسرا عمل احداث فی الدین ہے، علاوہ ازیں فرائض کے بعد متصل کتاب سنانے میں یہ قباحت بھی ہے کہ مسبوقین کی نمازوں میں خلل واقع ہوگا، لہٰذا تبلیغ کا سلسلہ نمازِ عصر یا فجر کے بعد ہونا چاہئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۱۳ رجب ۹۸ھ

اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترا (رواہ البخاری)

اعدل الانظار
فی
الشفع بعد الایتار

وتر کے بعد دوگانہ نفل کا حکم

فاروقی

رکعتین بعد الوتر کا حکم :

سوال : جو نوافل وتروں کے بعد پڑھے جاتے ہیں کیا وہ سنت سے ثابت ہیں؟ اور کیا ان کا بیٹھ کر پڑھنا مسنون اور افضل ہے یا کھڑے ہو کر؟ اس بارے میں ائمہ کا مذہب کیا ہے اور احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بہت سی احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ قولیہ و فعلیہ سے یہ ثابت ہے کہ وتر کی نماز کو رات کی تمام نمازوں سے مؤخر کرنا چاہیئے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں :

(۱) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل حتی یکون اٰخر صلوٰتہ الوتر، قال النووی فی شرحہ فیہ دلیل لما قدمناہ من ان السنۃ جعل اٰخر صلوٰۃ اللیل وترا وبہ قال العلماء کافۃً وسبق تأویل الرکعتین جالسًا (مسلم ص ۲۵۵ ج ۱)

(۲) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترًا (مسلم ص ۲۵۷ ج ۱) واخرج السیوطی عن ابن عمر رضی اللہ تعم عنہما معزیا الی الصحیحین وابی داؤد برمز صحیح اجعلوا اٰخر صلوٰتکم باللیل وترًا (الجامع الصغیر ص ۹ ج ۱) واخرج مثلہ المناوی معزیا الی الشیخین (کنوز الحقائق علی ھامش الجامع الصغیر ص ۸ ج ۱)

(۳) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ اللیل فقال مثنیٰ مثنیٰ فاذا خشیت الصبح صل رکعۃ توتر صلاتک (طحاوی ص ۱۳۶ ج ۱)

(۴) روی الامام احمد فی مسندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ کان اذا سئل عن الوتر قال اما انا فلو اوترت قبل ان انام ثم اردت ان اصلی باللیل شفعت بواحدۃ ما مضی من وتری ثم صلیت مثنیٰ مثنیٰ فاذا قضیت صلوٰتی اوترت بواحدۃ لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا ان نجعل اٰخر صلوٰۃ اللیل الوتر قال فی مجمع الزوائد فیہ ابن اسحٰق وھو مدلس وھو ثقۃ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح اھ (نیل الاوطار ص ۵۳ ج ۳) واخرج الطحاوی مثلہ فی شرح معانی الآثار (ص ۱۶۷ ج ۱)

(۵) وفی الصحیح لمسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من صلی من اللیل فلیجعل اٰخر صلوٰتہ وترا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یأمر بذلک (مسلم ص ۲۵۷ ج ۱)

ابن عمر سے یہی روایت صحیح مسلم ہی میں کئی دوسرے طرق اور الفاظ سے بھی مروی ہے من شاء فلیراجع الیہ، وتر کو بالکل آخر میں پڑھنے کی روایات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے طوالت کا خوف مانع ہے، ان کی کثرت کو دیکھ کر تواتر کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ ان روایات کی صحت، شہرت اور قوت کی بنا پر بعض حضرات حتیٰ کہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی مسلک یہ رہا کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا نا قضِ وتر ہے اور اس صورت میں وتر کا اعادہ واجب ہے چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،

قال ابو جعفر فذهب قوم الى ان الوقت الذى ينبغى ان يجعل فيه الوتر هو السحر وانه لا يتطوع بعده وان من تطوع بعده فقد نقضه وعليه ان يعيد وترا آخر واحتجوا فى ذلك بتأخير رسول الله صلى الله عليه وسلم الوتر الى آخر الليل وبما روى عن جماعة من اصحابه من بعده انهم كانوا يرون ان من تطوع بعد وتره فقد نقضه (شرح معانى الآثار ص۱۶۷ ج ۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ نقضِ وتر کے قائل تھے اگرچہ قوی مسلک یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا نا قضِ وتر نہیں لیکن اگر تاخیر وتر کے لئے کوئی صریح روایت نہ بھی ہوتی تب بھی اتنے علماء بالخصوص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نقضِ وتر کے مسلک کو اختیار کرنا تاخیر وتر کی اہمیت اور اس کی شہرت کے اثبات کے لئے کافی وزن رکھتا ہے چہ جائیکہ اس پر روایات صریحہ بھی موجود ہیں۔

روایاتِ ذیل میں رکعتین بعد الوتر کا ذکر ہے۔ بعض محدثین نے ان پر "رکعتین بعد الوتر" کا عنوان قائم کیا ہے۔

(۱) عن ابى سلمة قال سألت عائشة رضى الله تعالى عنها عن صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كان يصلى ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلى ركعتين وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع ثم يصلى ركعتين بين النداء والاقامة من صلوة الصبح (صحيح مسلم ص۲۵۴ ج ۱)

وذكر نحوه الامام النسائى فى باب اباحة الصلوة بين الوتر وبين ركعتى الفجر (نسائى ص۱۸۰ ج ۱)

(۲) عن ابى سلمة قال حدثتنى عائشة رضى الله تعالى عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع (ابن ماجة ص۸۳)

(۳) وفى حديث طويل عن زرارة رضى الله تعالى عنه ثم يصلى ركعتين بعد ما يسلم (اى

عن صلوٰۃ الوتر) وھو قاعد (صحیح مسلم ص۲۵۶ ج۱)

(۴) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین وقد روی نحو ھذا عن ابی امامۃ وعائشۃ وغیر واحد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی ص۹۴ ج۱)

(۵) عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس (ابن ماجۃ ص۸۳)

(۶) وقد عقد الامام ابوجعفر الطحاوی باباً فی التطوع بعد الوتر ذکر فیہ اختلاف العلماء واخرج احادیث منھا حدیث ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کنا فی سفر فقال ان ھذا السفر جھد وثقل فاذا اوتر احدکم فلیرکع رکعتین فان استیقظ والا کانتا لہ (شرح معانی الآثار ص۱۶۸ ج۱)

او پر جتنی روایات نقل کی گئی ہیں اگرچہ ان سے رکعتین بعد الوتر پر استدلال کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے ان میں سے حدیث اوّل کے سوا اور کسی سے بھی استدلال تام نہیں کیونکہ انمیں یہ قوی احتمال موجود ہے کہ یہ دو رکعتیں سنتِ فجر ہوں۔ اس احتمال کی موجودگی میں ان احادیث سے رکعتین بین الوتر ورکعتی الفجر پر استدلال صحیح نہیں لانہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اور حدیث ۶ میں "فاذا اوتر" میں "اراد ان یوتر" کی تأویل ہوسکتی ہے، کما فی قولہ تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الخ تأخیر وتر سے متعلق احادیث کثیرہ مشہورہ کا وجود اس تأویل پر قرینہ قویہ ہے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ ایسے حضرات کے لئے جو آخر شب میں آنکھ نہ کھلنے کی شکایت کرتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد وتر سے قبل تہجد کی ہدایت فرماتے تھے ملاحظہ ہو وعظ کساء النساء اور ملفوظات کمالات اشرفیہ باب اوّل ص۲۲۶ ملفوظ ۱۰۲۰ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ بھی حدیث میں "اذا اوتر" کو بمعنی "اراد ان یوتر" قرار دیتے تھے۔

بیٹھکر پڑھنے کی روایات کو وتر علی الدابہ کی طرح قبل التأکد یا سفر وغیرہ کسی عذر پر محمول کیا جاسکتا ہے، البتہ صرف ایک حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ جو نمبر اوّل میں مذکور ہے اسمیں سُنّتِ فجر مراد لینے کا احتمال نہیں، اس لئے ان نوافل کا ثبوت تو ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو کس انداز سے پڑھا ہے۔ اس بارے میں سب سے پہلے یہ امر قابلِ غور ہے کہ جس طرح دوسری نمازوں سے قبل یا بعد آپ نے دیگر نوافل پڑھے ہیں یہ دو نفل اس طرح نہیں پڑھے، علامہ نوویؒ کی تصریح کے مطابق آپ نے یہ نفل صرف دو تین مرتبہ پڑھے ہیں ولم یواظب علیھا بل فعلہ مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ (مسلم مع نووی ص۲۵۴ ج۱)

اعدل الانظار ــــــــــ ۴

دراصل یہ نوافل آپ نے وتر کے بعد کبھی کبھار بیانِ جواز کے لئے پڑھے ہیں۔ اگرچہ بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جائیں۔ تاخیرِ وتر کی روایات، خصوصاً وہ روایات جن میں تاخیرِ وتر کا امر موجود ہے مثلاً اجعلوا آخر صلاتکم من اللیل وترا وغیرہ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ وتر کو آخر الصلوات بنانا واجب ہے کما ھو مقتضی الامر اس غلط فہمی کو دُور کرنے کے لئے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی سبق دیکر یہ سمجھا دیا کہ یہاں امر اولویت اور استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں۔ اس پر یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ "کان یصلی" کے الفاظ دوامِ عادت یا کم از کم کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے دوام و تکرار پر استدلال صحیح نہیں۔ ونصہ قلت والصواب ان ھاتین الرکعتین فعلھما صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوتر جالسا لبیان جواز الصلوۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل جالسا ولم یواظب علی ذلک بل فعلہ مرۃ او مرتین او مرات قلیلۃ ولا تغتر بقولھا کان یصلی فان المختار الذی علیہ الاکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظۃ کان لا یلزم منھا الدوام ولا التکرار وانما ھی فعل ماض یدل علی وقوعہ مرۃ فان دل دلیل علی التکرار عمل بہ والا فلا یقتضیہ بوضعھا وقد قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحلہ قبل ان یطوف ومعلوم انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یحج بعد ان صحبتہ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا الا حجۃ واحدۃ وھی حجۃ الوداع فاستعملت کان فی مرۃ واحدۃ الخ (مسلم ص۲۵۴ ج ۱)

مذاھب الائمۃ رحمھم اللہ تعالیٰ:

قاضی عیاض نے امام اوزاعی اور امام احمد کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ انھوں نے حدیثِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بنا پر بعد الوتر دو رکعت نفل کو مباح قرار دیا ہے لیکن امام احمد کا دوسرا قول جو زیادہ مشہور ہے یہ ہے کہ لا افعلہ ولا امنع عنہ، امام مالک ان نوافل کا انکار فرماتے تھے۔ قال النووی ھذا الحدیث اخذ بظاھرہ الاوزاعی واحمد فیما حکاہ القاضی عنھما فاباحا رکعتین بعد الوتر جالسا وقال احمد لا افعلہ ولا امنع عنہ قال (القاضی) وانکرہ مالک اور خود قاضی عیاض روایات مشہورہ کی بنا پر روایت رکعتین بعد الوتر کا رد فرماتے تھے۔ قال النووی واما ما اشار الیہ القاضی عیاض من ترجیح الاحادیث المشھورۃ ورد روایۃ الرکعتین جالسا فلیس بصواب الخ (مسلم ص۲۵۴ ج ۱)

عامۂ محدثین اور شراحِ حدیث نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب یہی بیان کیا ہے کہ وہ "رکعتین بعد الوتر" کے جواز کے منکر تھے لیکن فقہ مالکی کی کتاب "الشرح الصغیر" میں علامہ دردیر نے دو شرطوں کے ساتھ مالکیہ کا مذہب جواز کا نقل کیا ہے۔ ایک شرط یہ کہ وتر شروع کرنے سے قبل ان نوافل کے پڑھنے کی نیت نہ ہو۔ دوسری یہ کہ ان کو وتر کے بعد متصل نہ پڑھے۔

قال (وجاز) لمن صلی الوتر اول اللیل او اخرہ (نفل بعدہ) اذا لم یوصلہ بہ (الی ان قال) (ان لم ینوہ) ای النفل (قبل الشروع فیہ) (ثم قال بعد اسطر) فالحاصل ان جواز النفل بعد صلوۃ الوتر مقید بقیدین ان لا ینوی قبل شروعہ فیہ النفل بعدہ وان لا یوصلہ بہ (الشرح الصغیر ص۴۱۳ ج ۱)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک معلوم نہ ہو سکا، البتہ التعلیق الممجد ص۱۴۲ میں بحوالہ ابن عبد البر عدم نقض الوتر بالنوافل بعدہ کے مسئلہ میں امام شافعی، امام مالک، اوزاعی، امام احمد، ابوثور، علقمہ، ابومجلز، طاؤس اور نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک کے قریب قریب ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ بیان فرمایا ہے کہ بالخصوص رکعتین بعد الوتر کا کوئی ثبوت نہیں، ویسے وتر کے بعد جتنے نوافل چاہے پڑھ لے۔ اس سے وتر پر کوئی اثر نہ پڑیگا۔ قال امامنا محمد لا نری ان یشفع الی الوتر بعد الفراغ من صلوۃ الوتر ولکنہ یصلی بعد وترہ ما احب ولا ینقض وترہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ

(موطا للامام محمد ص۱۴۳)

امام طحاوی التطوع بعد الوتر کا عنوان قائم کر کے عدم نقض الوتر کو ثابت فرما کر آخر میں فرماتے ہیں وھذا القول الذی بیّنا قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ

(شرح معانی الآثار ص۱۶۶ ج ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے ائمۂ ثلاثہ کا مختار بھی یہی ہے کہ وتر کے بعد نوافل نہ پڑھے جائیں، اسی لئے فقہ اور فتاوی کی کسی کتاب میں بھی ان نوافل کا کہیں ذکر نہیں یہ امر مقلدین کے لئے بالخصوص توجہ طلب ہے اسلئے کہ مقلد کے لئے قول امام حجت ہے۔ حدیث کی بحث ہم نے محض تبرعاً لکھدی ہے ورنہ مقلدین کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ کتب مذہب میں ان

نوافل کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

صنیع المحدّثین رحمہم اللہ تعالیٰ:

حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کا صنیع بھی بعض مرتبہ بہت بڑے اہم مسائل کی عقدہ کشائی کرتا ہے اس لئے مسئلہ مذکورہ اس لحاظ سے بھی قابلِ توجہ ہے۔

رکعتین بعد الوتر کی روایاتِ صریحہ ومحتملہ کو ذکر کرنے میں حضرات محدثین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جنہوں نے رکعتین بعد الوتر کا باب قائم کرکے اس کے تحت یہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جیسے امام ابوجعفر الطحاوی نے شرح معانی الآثار میں التطوع بعد الوتر کا عنوان رکھا ہے اور امام نسائی نے باب "اباحۃ الصلوۃ بین الوتر وبین رکعتی الفجر" کا عنوان قائم کیا ہے اور محدثین کے دوسرے گروہ نے نقض الوتر بالنوافل بعدہ یا اور کسی عنوان کے تحت ان احادیث کو ذکر فرمایا ہے، بایںہمہ طریق بحث میں اگرچہ ائمۂ حدیث مختلف ہیں لیکن مدار بحث میں متفق ہیں۔ چنانچہ کسی نے وتر کے بعد نوافل کی سنیت یا استحباب کو مدار بنا کر بحث نہیں کی بلکہ نقض الوتر بالنوافل بعدہ او عدمہ کو مدار بنا کر بحث کی ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے نزدیک بھی ان نوافل کی حیثیت صرف جواز اور عدم نقض وتر کی ہے استحباب کا کوئی قائل نہیں۔

جمہور محدثین نے تاخیر وتر کی روایاتِ مشہورہ کے مقابلہ میں رکعتین بعد الوتر کی روایت کو ردّ کرنے کی بجائے صورت تطبیق اختیار فرمائی ہے۔ وھو الطریق الاوّل عند التعارض، چنانچہ تطبیق کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ نوافل بعد الوتر بیان جواز کے لئے پڑھے گئے تھے اور اس کی ضرورت امر ناان نجعل آخر صلوۃ اللیل الوتر جیسی روایات میں صیغۂ امر کی بنا پر پیش آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھلا دیا کہ تاخیر وتر کا امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔

(۲) حدیث ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیشِ نظر بعض علماء کا خیال ہے کہ جو حضرات سفر یا کسی اور عذر کی وجہ سے بوقتِ سحر تہجد کے لئے نہ اٹھ سکتے ہوں وہ اوّل شب میں وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیں، پھر اگر تہجد کے لئے بیدار ہوگئے تو فبہا ورنہ یہ دو رکعتیں تہجد کے قائم مقام ہوجائیں گی مگر اس تطبیق میں اوّل اللیل اور آخر اللیل کے درمیان وجہ الفرق غیر ظاہر ہے اور اس حدیث میں فاذا اوتر کی تأویل اذا اراد ان یوتر اور اس صورت سے متعلق حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ارشاد اوپر لکھا جاچکا ہے۔

(۳) اعلاء السّنن میں ایک اور لطیف توجیہ بیان کی ہے حیث قال قال العبد الضعیف معناہ اوتروا باللّیل مرۃً لا مرّتین لتکون اٰخر صلوتکم باللّیل وترًا فان من اوتر مرّتین فقد جعل اٰخر صلوتہ باللّیل شفعا یؤیدہ ما اخرجہ الطحاوی رحمہ اللہ ان ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لو جئت بثلثۃ ابعرۃ فانختھا ثم جئت ببعیرین فانختھما الیس کان یکون ذلک وترًا قال وکان یضرب بہ مثلاً لنقض الوتر (اعلاء السنن ص۸ ج۶)

(۴) قال فی فتح الملھم قال الشیخ الانور والوجہ فیھما انّہ صلی اللہ علیہ وسلم انّما صلاھما جالسًا لیبقی اٰخریّۃ الوتر لصلوٰۃ اللیل صورۃً عند ھذا ایضًا (کأن ھذا الجلوس اعلام بانتھاء قیام اللیل) ولیدل علی ان من اسقطھا فذلک الیہ اھ (فتح الملھم ص۲۹۲ ج۲)

تطبیق کی ان آخری دونوں صورتوں کو حدیث فاذا خشیت الصّبح فصل رکعۃ توتر لک صلاتک (طحاوی ص۱۳۶ ج۱) رد کرتی ہے لہٰذا تطبیق کی صحیح صورت صرف یہی ہے کہ بیان جواز کے لئے کبھی کبھار آپ نے یہ نفل پڑھے ہیں اور اصل قاعدہ یہی ہے کہ وتر آخر میں پڑھے جائیں۔

خلاصۂ بحث :

مستحب اور افضل طریقہ یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنا چاہے وتر سے پہلے پڑھ لے اور وتر آخر میں پڑھے، اس کے بعد نوافل نہ پڑھے، اگر پڑھ لے تو مباح ہے مگر نہ تو دو رکعت کی کوئی تخصیص ہے اور نہ ہی ان نوافل کا وتر کے ساتھ کوئی تعلق ہے بلکہ عام اوقات مباحہ کی طرح جتنے نوافل چاہے پڑھے کما مرّ عن الامام محمّد عن امامنا الاعظم رحمھما اللہ تعالیٰ۔

مذکور بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض علماء کی اس بحث سے کہ ان نوافل کو کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے یا بیٹھکر یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ وہ انکے استحباب کے قائل ہیں بلکہ انکی بحث کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی خلافِ اولیٰ پر عمل کرے اور ان نوافل کو پڑھے تو وہ کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھکر۔

قعود سے متعلق احادیثِ مذکورہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں پوری نماز بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر ہے۔ دوسری وہ جنمیں پہلے بیٹھ کر شروع کرنے اور پھر کھڑے ہو کر رکوع میں جانیکا بیان ہے لیکن یہ احادیث فعلی ہیں۔ دوسری طرف وہ قولی احادیث ہیں جن میں للقاعد نصف اجر القائم کی تصریح ہے ان میں سے چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرّجل وھو قاعد فقال من صلی قائما فھو افضل ومن صلاھا قاعدًا فلہ نصف

اجر القائم (ترمذی ص۸۲ ج۱)

(۲) عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان مبسورًا قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرجل قاعدًا فقال ان صلی قائمًا فھو افضل ومن صلی قاعدًا فلہ نصف اجر القائم ومن صلی نائمًا فلہ نصف اجر القاعد رواہ البخاری (اعلاء السنن ص۳۳ ج۷)

(۳) اخرج النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ فی باب فضل صلوٰۃ القائم علی صلوٰۃ القاعد عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی جالسًا فقلت حدثت انک قلت ان صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم وانت تصلی قاعدًا قال اجل ولکنی لست کاحد منکم (نسائی ص۱۷۲ ج۱)

یہ احادیث مبارکہ ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتی ہیں لہٰذا اصول ترجیح کے مطابق اس قاعدہ کو واقعہ جزئیہ پر ترجیح ہوگی۔ نیز یہ احادیث قولی ہیں اور قولی کی ترجیح فعلی پر مسلّم ہے لہٰذا انہیں تخصیص کی بجائے یہ زیادہ بہتر ہے کہ فعلی احادیث کو بیانِ جواز پر محمول کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ آخری حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعود میں بھی پورا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، اُمت کے لئے وہی قاعدہ کلیہ ہے للقاعد نصف اجر القائم۔ امام العصر حضرت گنگوہی اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہما کا بھی یہی فتوی ہے (فتاوی رشیدیہ ص۳۰۱، امداد الفتاوی ص۳۰۳-۳۰۵ ج۱) حضرت مولانا محمد یحییٰ کا بھی یہی مختار تھا کما فی ناشئۃ اللیل (حاشیہ فتاوی رشیدیہ ص۳۰۱) فقط وھذا ما ظھر لفکری السقیم وفوق کل ذی علم علیم۔

الحاق: **رشید احمد**

۳۰ صفر ۹۶ ہجری

(۱) بندہ نے "اوتر" بمعنی "اراد ان یوتر" لکھا ہے، بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں متقدمین سے بھی اس کا ثبوت مل گیا (السنن الکبری للبیہقی ص۳۳ ج۳، مرقاۃ ص۱۷۱ ج۳، کشف الستر للعلامۃ انور شاہ)

(۲) بندہ نے رکعتین جالسا کو سنتِ فجر پر محمول کیا ہے، بحمد اللہ تعالیٰ بعد میں حدیث میں بھی سنت فجر جالسًا کی تصریح مل گئی، جالسًا بین الاذانین (ابوداؤد ص۱۳۶ ج۱)

(۳) حدیث ۱ کے تین جواب دیئے گئے ہیں (۱) منسوخ ہے (بیہقی ص۳۴ ج۳، مرقاۃ ص۱۷۱ ج۳) (۲) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ احادیثِ تاخیرِ وتر کے مقابلہ میں یہ حدیث غیر مقبول ہے (نووی ص۲۵۴ ج۱) (۳) بیان جواز کے لئے کبھی کبھار اس کا وقوع ہوا ہے، وھو الصحیح کما قدمنا واختارہ ائمۃ الحدیث والفقہ،

(۴) امام ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وتر کے بعد نفل پڑھنا خلاف استحباب ہے (فتح القدیر ص۳۱۲ ج۱ آخر باب صلوٰۃ الوتر)

فصل فی التراویح

تراویح میں بقرہ پر ختم کرنا :

سوال : جب منکوساً قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے تو تراویح میں بقرہ پر کیوں ختم کیا جاتا ہے ؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ جزئیہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ جیساکہ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں غاشیہ پڑھنا ماثور ہونے کی وجہ سے بلا کراہت جائز ہے۔ حالانکہ غاشیہ کی آیات زیادہ ہیں۔ قال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسًا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ وفی الشامیۃ عن شرح المنیۃ عن الولوالجیۃ من یختم القرآن فی الصلوٰۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولیٰ یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشیٔ من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح اھ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۱۰)

نیز تنکیس صرف فرائض میں مکروہ ہے نوافل میں نہیں۔ کما صرح بہ فی الھندیۃ۔ اس بنا پر شارح التنویر کے استثناء "الا اذا ختم" کا محمل یہ ہوگا کہ فرائض میں ختم قرآن کیا ہو۔ یا یہ کہ تراویح کو من حیث الجماعۃ فرائض سے مشابہت ہے۔ عالمگیریہ کے جزئیہ "واذا کرر اٰیۃ واحدۃ مرارًا فان کان فی التطوع الذی یصلی وحدہٗ فذٰلک غیر مکروہ" میں لفظ وحدہٗ اس پر دال ہے کہ تراویح من حیث الجماعۃ بحکم فرض ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے)

۲۵ شعبان ۸۲ھ

سوال مثل بالا :

سوال : تراویح میں حافظ نے اٹھارہ رکعت میں قرآن پاک ختم کرکے انیسویں رکعت میں ایک رکوع سورۂ بقرہ کا پڑھا، بیسویں رکعت میں پھر الٓمٓ سے ھم المفلحون پر کلام پاک ختم کیا، یا بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع پڑھا، آیا تراویح میں قرآن مجید کا اس طرح ختم کرنا سنت کے خلاف تو نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

خلافِ سنت ہے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ انیسویں رکعت میں سورۂ ناس تک پڑھے اور بیسویں رکعت میں سورۂ بقرہ کے شروع سے کچھ حصہ پڑھے، نقل ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ عن شرح المنیۃ عن الولوالجیۃ من یختم القرآن فی الصلوٰۃ اذا فرغ من المعوذتین فی الرکعۃ الاولیٰ

یرکع ثم یقرأ فی الثانیۃ بالفاتحۃ وشیء من سورۃ البقرۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس الحال المرتحل ای الخاتم المفتتح اھ (رد المحتار ص۵۰۱ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(اس سے رجوع کی تفصیل تتمہ میں ہے) ۴ ذی قعدہ ۹۸ھ

تراویح میں سورۂ اخلاص کا تکرار :

سوال : تراویح میں آجکل قل ھو اللہ احد کا تکرار تین دفعہ جو مروّج ہے یہ جائز ہے یا کہ ناجائز؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فرائض میں سورت کا تکرار مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں مکروہ نہیں ۔ قال فی الشامیۃ افاد انہ یکرہ تنزیھا (ج ۱، ص ۵۱۰) وقال فی شرح المنیۃ قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشایخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شیء استحسنہ اھل القرآن و ائمۃ الامصار فلا بأس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزیدہ علی مرّۃ ، والیضاً فیہ ویکرہ تکرار قراءۃ السورۃ فی الفرض ولا یکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب النفل اوسع ۔ مگر مندرجۂ ذیل عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں تراویح بھی جماعت کی وجہ سے فرائض کے حکم میں ہیں ۔

قال فی الھندیۃ واذا کرر اٰیۃ واحدۃ مرارا فان کان فی التطوع الذی یصلی وحدہ، فذلک غیر مکروہ وان کان فی الصلوٰۃ المفروضۃ فھو مکروہ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ تطوع منفرداً ہو تو تکرار مکروہ نہیں ۔

وقال فی شرح التنویر ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ (الیٰ قولہ) ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلک ۔ آخر میں حکم نوافل مصرح ہونے کے باوجود "الا اذا ختم" سے استثناء دال ہے کہ تراویح بحکم فرض ہیں ۔

پس عبارت شرح المنیہ میں تطوع سے مراد منفرداً لیا جائے گا ۔ مگر یوں تطبیق بھی ہوسکتی ہے کہ شرح التنویر میں" الا اذا ختم " سے ختم فی الفرض مراد ہو اور عالمگیریہ میں" فی التطوع الذی یصلی وحدہٗ " کی قید احترازی نہ ہو بلکہ واقعی ہو، کیونکہ عموماً نوافل منفرد ہی پڑھے جاتے ہیں ۔ غرضیکہ تکرار کا ثبوت قرون مشہود لہا بالخیر سے قطعاً نہیں اور کراہت وعدم کراہت میں تردّد ہے ۔ اس لئے اس کا ترک ہی بہتر ہے خصوصاً جبکہ اسکا التزام ہو رہا ہو تو کراہت یقینی اور ترک لازم ہے ۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم ، ۲۵ شعبان ۷۴ھ

چار رکعت تراویح میں قعدۂ اولیٰ بھول گیا تو دو ہوئیں :

سوال : ولو صلی اربعاً بتسلیمۃ ولم یقعد فی الثانیۃ ففی الاستحسان لا تفسد وھو اظہر الروایتین عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ واذا لم تفسد قال محمد بن الفضل تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ وھو الصحیح کذا فی السراج الوھاج وھکذا فی فتاوٰی قاضیخان وعن ابی بکر الاسکاف انہ سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیۃ قال ان تذکر فی القیام ینبغی ان یعود ویقعد ویسلم وان تذکر بعد ما سجد للثالثۃ فان اضاف الیھا رکعۃ اخرٰی کانت ھٰذہ الاربعۃ عن تسلیمۃ واحدۃ وان قعد فی الثانیۃ قدر التشھد اختلفوا فیہ فعلی قول العامۃ یجوز عن تسلیمتین وھو الصحیح ھٰکذا فی فتاوٰی قاضیخان (عالمگیریہ جلد ۱ ص ۵۷) اس پر قیاس کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صلوٰۃ فجر میں قعدہ بھول گیا اور ثالثہ کا سجدہ کرلیا تو رابعہ ملانے سے چار نفل نہوں بلکہ دو ہوں۔ اسی طرح ظہر میں خامسہ کے ساتھ سادسہ ملانے سے بجائے چھ کے چار نفل ہوں۔ حالانکہ عامہ کتب میں فجر میں چار اور ظہر میں چھ کا نفل ہونا مذکور ہے جو تحقیق ہو مطلع فرمائیں۔ والاجر عند اللہ الکریم

الجواب ومنہ الصدق والصواب

فتاوٰی عالمگیریہ کا جزئیہ دیگر کتب میں بھی مذکور ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو فاسد۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دو رکعت تراویح (سنتِ مؤکدہ) ہوئیں اور دو نفل، اسی وجہ سے "تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ" کہا ورنہ "صحت الرکعتان" کہنا چاہیئے تھا۔ ومن الدلیل علی صحۃ الاربعۃ ما فی شرح التنویر ان کل شفع صلوٰۃ الا بعارض اقتداء او نذر او ترک قعود اول

(ردالمحتار جلد ۱ ص ۶۴۸)

فان قلت ان ھٰذا اذا کان نوی اربعاً لما فی الشامیۃ (بعد ذکر الخلاف فی العود وعدمہ بترک القعود الاول من النفل) والخلاف فیما اذا احرم بنیۃ الاربع فان نوی ثنتین عاد اتفاقاً (ج ۱ ص ۷۰۱)

فالجواب انہم وان اتفقوا علی الحکم بالعود ولکنہم لم یصرحوا بالفساد فی صورۃ عدم العود بل عدم الفساد مصرح فی الجزئیۃ المذکورۃ فی السؤال ای قولہ انہ سئل عن رجل الخ

الحاصل، مقصد یہ ہے کہ یہ چار تراویح کے قائم مقام نہوں گی بلکہ دو کے ہوں گی جیساکہ ظہر کی صورت میں خامسہ وسادسہ قائم مقام دو رکعت سنت مؤکدہ بعدیہ کے نہیں ہوتیں، یہ مطلب نہیں کہ ان کی نفلیت ہی باطل ہوگئی وضم الیھا سادسۃ لتصیر الرکعتان لہ نفلاً وسجد للسھو ولا تنوبان عن السنۃ الراتبۃ بعد الفرض فی الاصح (شرح التنویر باب سجود السھو) حالانکہ اس صورت میں

قعدہ اخیرہ کرکے کھڑا ہوا ہے کہ چار فرض بھی صحیح ہوگئے اور دو نفل بھی مگر چونکہ سنن بعدیہ کو تحریمہ مستقلہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے اس لئے یہ دو رکعت اسکے قائم مقام نہونگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ رجب ۸۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول گیا اور سہواً تیسری و چوتھی بھی پڑھ لی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہوگئی تو چاروں رکعات یا کہ دو؟ اگر دو ہوئیں تو پہلی دو یا کہ آخری؟

بینوا بالدلیل اجرکم اللہ الجلیل

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شفع ثانی تراویح ہے اور شفع اول نفل ہوگیا، تراویح میں شمار نہ ہوگا قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ اذا صلی الامام اربع رکعات بتسلیمۃ واحدۃ ولم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلوتہ وھو قول محمد وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ ویلزمہ قضاء ھذہ التسلیمۃ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وفی الاستحسان وھو اظھر الروایتین عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ لاتفسد واذا لم تفسد اختلفوا فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ انہا تنوب عن تسلیمۃ او تسلیمتین، قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ تنوب عن تسلیمتین لان الاربع لما جاز وجب ان ینوب عن تسلیمتین کمن اوجب علیٰ نفسہ ان یصلی اربع رکعات بتسلیمتین فصلی اربعاً بتسلیمۃ واحدۃ ذکر فی الامالی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ یجوز فکذا ھنا وکذا لو صلی الاربع قبل الظھر ولم یقعد علیٰ رأس الرکعتین جاز استحسانا وقال الفقیہ ابو جعفر والشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل رحمہما اللہ تعالیٰ فی التراویح تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ وھو الصحیح لان القعدۃ علیٰ رأس الثانیۃ فرض فی التطوع فاذا ترکہا کان ینبغی ان تفسد صلوتہ اصلاً کما ھو وجہ القیاس وانما جاز استحسانا فاخذنا بالقیاس وقلنا بفساد الشفع الاول واخذنا بالاستحسان فی حق بقاء التحریمۃ واذا بقیت التحریمۃ صح شروعہ فی الشفع الثانی وقد اتمہا بالقعدۃ فجاز عن تسلیمۃ واحدۃ و عن ابی بکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ سئل عن رجل قام الی الثالثۃ فی التراویح ولم یقعد فی الثانیۃ (الیٰ قولہ) فان ھذہ الاربعۃ عن ترویحۃ واحدۃ یعنی عن الرکعتین (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص ۲۴۰ ج ۱)

وقال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فامّا اذا لم یقعد فسدت صلوتہ عند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ وعند ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز واصل المسألۃ یصلی التطوع اربع رکعات اذا لم یقعد فی الثانیۃ قدر التشہد وقام واتم صلوتہ انہ یجوز استحسانا عندھما ولا یجوز عند محمد قیاسا ثم اذا جاز عندھما فھل یجوز عن تسلیمتین او لا یجوز الا عن تسلیمۃ واحدۃ الاصح انہ لا یجوز الا عن تسلیمۃ واحدۃ لان السنۃ ان یکون الشفع الاول کاملا وکمالہ بالقعدۃ ولم توجد والکامل لا یتأدی بالناقص (بدائع ص۲۸۹ ج۱)

خانیہ میں فساد شفع اول سے وقوع تراویح کا فساد مراد ہے، مطلقاً فساد صلوٰۃ مراد نہیں، خود خانیہ ہی میں فقیہ ابو جعفر اور امام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہما اللہ تعالیٰ سے تنوب الاربع عن تسلیمۃ واحدۃ اور ابو بکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالیٰ سے فان ھذہ الاربعۃ عن ترویحۃ واحدۃ سے ثابت ہوتا ہے کہ چاروں رکعات صحیح ہیں مگر تراویح میں صرف دو شمار ہوں گی اور بدائع میں شفع اول کے کمال کی نفی سے بھی ثابت ہوا کہ شفع اول فاسد نہیں بلکہ ناقص ہے اس لئے تراویح میں شمار نہ ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ صفر ۷۶ھ

تراویح سہواً چار رکعات پڑھ لیں :

سوال : زید تراویح کی دو رکعت پر بیٹھکر سہواً اُٹھ گیا اور چار رکعت پوری کرلی تو تراویح کی دو رکعت ہونگی یا چار رکعت ؟ اور سجدۂ سہو بھی واجب ہے یا نہیں ؟ اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا تو پھر کیا حکم ہے ؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر دو رکعت پر بیٹھکر کھڑا ہوا تو چار رکعات ہوگئیں، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں اور اگر دو رکعت کے بعد نہیں بیٹھا تو دو رکعت ہونگی اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے، پہلی دو رکعتوں کا اعادہ کرے اور ان میں پڑھا ہوا قرآن مجید بھی لوٹائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ شوال ۸۷ھ

ایک قعدہ سے تین رکعات تراویح :

سوال : امام تراویح کی دوسری رکعت پر بدوں قعدہ کئے سہواً کھڑا ہوگیا تین رکعتیں پڑھکر سجدہ سہو کرلیا تو دو رکعتیں صحیح ہونگی یا نہیں ؟ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ دو رکعتیں نہیں ہوئیں، مگر ایک کتاب میں عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس صورت میں دو رکعتیں ہوجاتی ہیں اس پر غور

فرماکر تحریر فرمائیں، بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگرچہ ایک قول جواز کا بھی ہے مگر عدم جواز راجح ہے، عالمگیریہ باب النوافل کے آخر میں دونوں قول نقل کئے گئے ہیں، مگر اسی باب کے شروع میں عدم جواز کو ترجیح دی ہے ونصها ولو صلی التطوع ثلاث رکعات ولم یقعد علی رأس الرکعتین، الاصح انه تفسد صلوته (عالمگیریۃ ص ۱۱۳ ج ۱)

اسی طرح شامیہ وخانیہ وغیرہ میں بھی فساد ہی کو راجح قرار دیا ہے، قال فی الشامیۃ تحت (قوله او ترك قعود اول) فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتبارا بصلوة المغرب لكن الاصح عدمه لانه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الاخيرة لان التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها (رد المحتار ص ۶۳۸ ج ۱)

عبارات مذکورہ اگرچہ نوافل سے متعلق ہیں مگر تراویح کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ چار سے زیادہ رکعات قعدہ واحدہ سے پڑھنے کی صورت میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک جزئیہ نوافل سے متعلق اور دوسرا اس کے خلاف تراویح سے متعلق نقل فرماکر اس کو اختلاف تصحیح پر محمول فرمایا ہے ونصه (قوله فاكثر) هذا خلاف الاصح كما قدمناه عن البدائع والخلاصة وفي التتارخانية لو صلى التطوع ثلاثا ولم يقعد على الركعتين فالاصح انه يفسد ولو ستاً او ثمانياً بقعدة واحدة اختلفوا فيه والاصح انه يفسد استحساناً وقياساً اه لكن صححوا في التراويح انه لو صلاها كلها بقعدة واحدة وتسليمة انها تجزئ عن ركعتين فقد اختلف التصحيح (رد المحتار ص ۶۵۲ ج ۱) وقال ایضاً فی شرح قول العلائی والا نابت عن شفع واحد به يفتى، لم ار من صرح بهذا اللفظ هنا وانما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى اربعا بتسليمة وقعدة واحدة واما اذا صلى العشرين جملة كذلك فقد قاسه عليه في البحر نعم صرح في الخانية وغيرها بانه الصحيح مع انا قدمنا عن البدائع والخلاصة والتتارخانية انه لو صلى التطوع ثلاثا اوستا او ثمانيا بقعدة واحدة فالاصح انه يفسد استحسانا وقياسا وقدمنا وجهه فقد اختلف التصحيح في الزائد على الاربعة بتسليمة وقعدة واحدة هل يصح عن شفع واحد او يفسد فليتنبه (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱)

اور قاضیخاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو صراحۃً تراویح وتطوع دونوں سے متعلق عدم جواز کی ترجیح نقل فرمائی ہے، چنانچہ تراویح کے بیان میں فرماتے ہیں وان صلی ثلاث رکعات بتسلیمۃ واحدۃ فهو على وجهين اما ان قعد في الثانية اولم يقعد (الى قوله) وان لم يقعد في الثانية ساهيا او

عامداً لاشك ان فی القیاس وھو قول محمد وزفر رحمھما اللہ تعالیٰ واحدی الروایتین عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ تفسد صلوٰتہ ویلزمہ قضاء رکعتین لاغیر واما فی الاستحسان ھل تفسد صلوٰتہ فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالیٰ اختلفوا فیہ قال بعضھم تفسد ولا یجزئ عن شیء وقال بعضھم تجزئ عن تسلیمۃ واحدۃ وعلیٰ ھذا الخلاف اذا تنفل بثلاث رکعات ولم یقعد فی الثانیۃ علی قول الفریق الاول لا یجزیہ، وجہ قول الفریق الثانی ان التطوع معتبر بالمکتوبۃ ولو صلی المغرب ثلاث رکعات ولم یقعد فی الثانیۃ یجوز فکذا التطوع یجوز عن تسلیمۃ لانہ لم یضم الرابعۃ الی الثالثۃ، وجہ من قال انہ لا یجوز عن شیء وھو الصحیح انہ ترك القعدۃ المشروعۃ وھو القعدۃ علی رأس الثانیۃ والقعدۃ علی رأس الثالثۃ غیر مشروعۃ فی التطوع فصار کانہ لم یقعد اصلا فلا یجوز بخلاف ما اذا صلی اربعا ولم یقعد علی رأس الثانیۃ لان القعدۃ علی رأس الرابعۃ مشروعۃ فجازت (خانیۃ علی ھامش العالمگیریۃ ص ۲۴۱ ج ۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۷ رمضان سنہ ۹۵ھ

قاری اور سامع کو کچھ لینا دینا حرام اور ایسے قاری کے پیچھے تراویح ناجائز ہے:

سوال: رمضان میں ختم قرآن پر قاری اور سامع اگر کچھ معاوضہ طے نہ کریں، ویسے ہی اہل مسجد انکی کچھ خدمت کردیں یا کپڑوں کا جوڑا بنا دیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصواب

خدمت کے نام سے نقد یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے اور اُجرت طے کرنے کی بنسبت زیادہ قبیح ہے، اس لئے کہ اسمیں دو گناہ ہیں، ایک قرآن سُنانے پر اُجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اُجرت کا گناہ،

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاری اور سامع بھی للہ کام کرتے ہیں اور ہم بھی للہ ان کی خدمت کرتے ہیں معاوضہ مقصود نہیں، ایسے حیلہ بازوں کی نیت معلوم کرنے کے لئے حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ امتحان رکھا ہے کہ اگر قاری اور سامع کو کچھ بھی نہ ملے تو وہ آئندہ بھی اس مسجد میں خدمت کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اہلِ مسجد کا امتحان یہ ہے کہ اگر یہ قاری اور سامع ان کی مسجد میں نہ آئیں تو بھی یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں یا نہیں؟ اب دَورِ حاضر کے لوگوں کو اس کسوٹی پر لائیے، قاری اور سامع کو اگر کسی مسجد سے کچھ نہ ملا تو آئندہ وہ اس مسجد کی طرف رُخ بھی نہیں کریں گے اور اہلِ مسجد کا یہ حال ہے کہ جس قاری یا سامع نے ان کی مسجد میں کام نہیں کیا وہ خواہ کتنا ہی محتاج ہو ان کو اسکی زبوں حالی پر قطعاً کوئی رحم نہیں آتا، اس سے ثابت ہوا کہ جانبین کی نیت معاوضہ کی ہے اور للّٰہیت

کے دعوے میں جھوٹے ہیں، لہٰذا اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں، اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسّر نہو یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہو تو اسکی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے ترکِ جماعت جائز نہیں مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائیں، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرکے تراویح الگ مکان میں پڑھیں۔

بالفرض کسی قاری کا مقصود معاوضہ نہو تو بھی لین دین کے عرف کی وجہ سے اسکی توقع ہوگی اور کچھ نہ ملنے پر افسوس ہوگا، یہ اشرافِ نفس ہے جو حرام ہے۔

اگر کسی قاری کو اشرافِ نفس سے بھی پاک تصور کرلیا جائے تو بھی اس لین دین میں عام مروّج فعل حرام سے مشابہت اور اس کی تائید ہوتی ہے علاوہ ازیں دینی غیرت کے بھی خلاف ہے، اس لئے بہرکیف اس سے کُلّی اجتناب واجب ہے، فقط واللہ الموفق،

۲۳ر شوال سنہ ۸۶ھ

بوقتِ ختمِ قرآن امام اور مؤذن کو کچھ دینا :

سوال : عام مسجدوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے چندہ وصول کرکے مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے اور امام ومؤذن کو بطور امداد عطیہ دیا جاتا ہے، کیا امام اور مؤذن کو یہ رقم لینا شرعاً درست ہے؟ اور اگر چندہ کی بجائے دوسرے کسی ذریعہ سے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وجوہ ذیل کی بناء پر امام اور مؤذن کے لئے یہ عطیات خواہ از قسم نقد ہوں یا بصورت لباس وغیرہ جائز نہیں،

(۱) بالعموم چندہ وصول کرنے میں ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں کہ انسان کچھ نہ کچھ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اس لئے یہ وصول کردہ رقم حرام ہے جب تک دینے والے کی طیبِ خاطر کا یقین نہو اس سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں،

(۲) چندہ دہندگان میں بنک اور بیمہ کے ملازمین اور دوسرے حرام ذرائع آمدنی رکھنے والے

بکثرت ہوتے ہیں،

③ یہ رسم عام ہوجانیکی وجہ سے ایک قسم کا معاوضہ ہے جسکی تفصیل سوال سابق کے جواب میں لکھی جاچکی ہے، امام اور مؤذن کو تنخواہ لینا اگرچہ جائز ہے مگر اس رقم کی مقدار مجہول ہے اسلئے یہ لین دین ناجائز ہے۔

④ اگر امام واقعۃً اس رقم کو معاوضہ نہ سمجھتا ہو، جس کا امتحان سوال سابق کے جواب میں لکھا جاچکا ہے تو اشراف نفس کی وجہ سے حرام ہے۔

⑤ اگر بالفرض اشراف نفس نہ بھی ہو تو بھی اس سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے اس لئے ناجائز ہے،

اگر یہ عطیہ چندہ سے نہ ہو تو بھی آخری تین وجوہ کی بناء پر ناجائز ہے۔

اگر اہل مسجد واقعۃً امام اور مؤذن کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کی جائز صورت یہ ہے کہ ان کی مقرر تنخواہ میں اضافہ کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ر شوال سنہ ۸۶ ھ

سامع کی اُجرت :

سوال : سامع کو اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہے اور امداد الفتاوٰی جلد اول کا حوالہ دیتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

امداد الفتاوٰی میں اس کو تعلیم قرار دیکر اس پر اُجرت کا جواز تحریر فرمایا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ تعلیم نہیں بلکہ تذکیر ہے، ثانیاً اگر تعلیم ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ اس قسم کی ضروری تعلیم نہیں جس پر جواز اُجرت کا فتوٰی ہے، جب تراویح میں ختم قرآن ہی ضروری نہیں اسی لئے اس پر اُجرت لینا جائز نہیں تو قاری کو تعلیم یا تذکیر ایسی ضروری کیونکر ہوسکتی ہے کہ اس پر اُجرت لینا جائز ہو، لہٰذا قاری کی طرح سامع کو بھی اُجرت لینا جائز نہیں، خواہ اُجرت متعین ہو یا بلا تعیین بنام امداد و خدمت ہو بہرحال ناجائز ہے بلکہ بدون تعیین میں مزید قباحت یہ ہے کہ اسمیں اجرت مجہول ہے اس لئے یہ اور بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ر رمضان المبارک سنہ ۹۲ ھ

نابالغ سامع کو صفِ اوّل میں کھڑا کرنا :

سوال : تراویح کی جماعت میں بعض جگہ سامع نابالغ بچہ ہوتا ہے اور سامع کو صفِ اوّل میں کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے کیا اس صورت میں نابالغ کو صفِ اوّل میں کھڑا کرنا جائز ہوگا یا

اس میں کوئی کراہت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

نابالغ بلاضرورت بھی بالغین کی صف میں بلاکراہت کھڑا ہوسکتا ہے، ضرورت سے بطریقِ اولیٰ جواز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۱رجب سنہ ۸۷ھ

فرض پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت صحیح نہیں:

سوال: زید ایسے وقت آیا کہ وتر کی جماعت کھڑی تھی تو کیا زید وضو کرکے وتر میں شامل ہوجائے یا عشاء کی نماز اور تراویح ادا کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

پہلے فرض پڑھے اس کے بعد وتر کی جماعت مل جائے تو شریک ہوجائے اسکے بعد تراویح پڑھے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۳رشوال سنہ ۸۷ھ

تراویح پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شریک ہونا:

سوال: بکر ایسے وقت آیا کہ تراویح کی جماعت ختم پر تھی، بکر نے وضو کرکے عشاء کی نماز فرض وسننِ مؤکدہ ادا کیں تو تراویح کی جماعت ختم ہوکر وتر کی جماعت کھڑی ہوگئی تو کیا بکر بغیر تراویح ادا کئے وتر کی جماعت میں شامل ہوجائے یا اپنی تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں اور پھر وتر کی جماعت کھڑی ہوجائے تو جماعت میں شرکت کرے یا اپنی بقیہ تراویح تنہا ادا کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وتر کی جماعت میں شریک ہوجائے اس کے بعد تراویح پڑھے، اگر کچھ تراویح رہ گئی ہوں تو وہ بھی جماعت وتر کے بعد پڑھے، قال فی الدر ووقتها بعد صلوٰة العشاء الی الفجر قبل الوتر وبعدہ فی الاصح فلو فاته بعضها وقام الامام الی الوتر اوتر معه ثم صلی ما فاته، وفی الشامیة ای علی وجه الافضلیة (رد المحتار ص۶۵۹ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲رشوال سنہ ۸۷ھ

ڈاڑھی کٹانے والے کے پیچھے تراویح جائز نہیں:

سوال: زید امام مسجد ہے وہ اپنی ڈاڑھی کو کبھی مشین سے خسخسی کراتا ہے اور کبھی قینچی سے کترا تا ہے، یعنی اس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہے اگر کوئی اس سے پوچھے کہ آپ ایک مشت یا اس سے زیادہ کیوں نہیں رکھتے تو جواب دیتا ہے کہ ڈاڑھی کا صرف منہ پر نظر آنا ضروری ہے، ایک

مُشت یا اس سے زائد ڈاڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے، مسمی زید کے اس جواب کی شرعی نوعیت کیا ہے اور ایسے امام مسجد کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

بکر حافظ قرآن اور خوش الحان ہے اور وہ بھی اپنی ڈاڑھی کتراتا ہے اس کی ڈاڑھی زید کی طرح ہے صورت وسیرت میں متبع شریعت حفاظ بآسانی مل سکتے ہیں، اگر کسی مسجد کی انتظامیہ کے کچھ ارکان بکر کو تراویح میں قرآن سنانے کے لئے مقرر کردیں تو حافظ مذکور کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جو مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کے صدر یا ممبر ہونے کی وجہ سے پابند شریعت حفاظ کی جگہ بکر جیسے حافظ کا تقرر کریں جبکہ ان کو مسئلہ بھی بتادیا جائے ایسے ارکان کے لئے کیا حکم ہے؟ ایسے حفاظ یا ائمہ جو ڈاڑھی کترا کر مشت سے کم رکھ کر تراویح یا پنجگانہ نماز کے امام بن جاتے ہیں انکے لئے شریعت مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ مساجد یا مدارس عربیہ کی انتظامیہ کمیٹی کا صدر یا متولی یا مہتمم کا صورت وسیرت میں حتی الوسع متبع شریعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ وما کانوا اولیآئہٗ ان اولیائہٗ الا المتقون (پ۹ سورۂ انفال) کا مفہوم کیا ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے بلکہ شریعت کی علانیہ بغاوت ہونیکی وجہ سے دوسرے کبائر سے بھی شدید گناہ ہے قال فی شرح التنویر واما الاخذ منها وهی دون ذلك (القبضة) کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد (رد المحتار ص۲۳ ج۲) لہٰذا زید فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، متبع شریعت حافظ نہ بھی ملے تو بھی فاسق کو تراویح کا امام بنانا جائز نہیں، فرائض میں صالح امام میسر نہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ اس کے پیچھے فرض نماز پڑھ لے مگر تراویح میں فاسق کی اقتدار کسی صورت میں بھی جائز نہیں، صالح حافظ نہ ملنے کی صورت میں تراویح چھوٹی سورتوں سے پڑھی جائیں، اگر ڈاڑھی کٹانے والے کو مسجد کی منتظمہ متعین کردے تو بھی اس کی اقتدار میں تراویح پڑھنا جائز نہیں، ایسے ارکان جو مسئلہ کا علم ہونیکے بعد بھی فاسق کو امام متعین کرنے پر بضد ہوں خود فاسق ہیں اہل محلہ پر فرض ہے کہ ایسے بے دین ارکان کو مسجد کی مجلس منتظمہ سے فوراً برطرف کردیں یہ لوگ اس منصب کے اہل نہیں اگر اہل محلہ کو اس پر قدرت نہیں تو حکومت پر فرض ہے کہ ان کو اس مقدس منصب سے برطرف کرے اور ان کو مناسب سزا دے۔

مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہراً و باطناً متبع شریعت ہونا ضروری ہے اگر

کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۲۶ر شوال سنہ ۸۷ ھ

تراویح کے بعد دعاء:

سوال: تراویح ختم ہونے پر وتر سے پہلے اجتماعی دعا ہاتھ اٹھا کر کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

اس سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں البتہ دعاء بعد الصلوٰۃ کے کلیہ میں یہ بھی داخل ہے کیونکہ تراویح مستقل نماز ہے لہٰذا انفراداً دعاء کی گنجائش ہے، امام کے ساتھ بصورتِ اجتماعیہ دعا بدعت ہے، باآواز بلند ہو تو دوسری بدعت، اور بالالتزام ہو تو تین بدعات کا مجموعہ، اس سے احتراز لازم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ر شوال سنہ ۸۸ ھ

دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ کا حکم:

سوال: پورا کلام پاک جب تراویح میں پڑھا جاتا ہے تو تسمیہ بین السورتیں کا کیا حکم ہے؟ آیا جہراً پڑھا جائے یا سراً، یا بالکل ترک کر دیا جائے جیسے بعض ایسے کیا کرتے ہیں اور نیز فرائض میں تسمیہ بین السورتین کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

فرائض اور تراویح دونوں میں تسمیہ بین السورتین افضل ہے مگر قراءت خواہ جہریہ ہو یا سرّیہ بہرکیف بسم اللہ آہستہ پڑھے، اسمیں جہر خلافِ سنت ہے، البتہ تراویح میں ایکبار جہر ضروری ہے تاکہ مقتدیوں کا قرآن مکمل ہو جائے، قال فی الشامیۃ (قوله ولا تکره اتفاقاً) ولهذا صرح فی الذخیرة والمجتبی بانه ان سمی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرًّا او جهرًا کان حسنًا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ و رجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها اٰیة من کل سورة بحر،

(رد المحتار ص۴۵۸ ج ۱)

بعض کو اشکال ہوا ہے کہ بسم اللہ کا نزول جب متعدد بار ہے تو یہ متعدد آیات ہوئیں جیسا کہ فبای اٰلاء ربکما تکذبان، ویل یومئذ للمکذبین، انّ فی ذٰلک لاٰیة وما کان اکثرهم مؤمنین و انّ ربک لهو العزیز الرحیم، ولقد یسّرنا القراٰن للذکر فهل من مدکر، وغیرها، لہٰذا ہر سورت سے قبل تسمیہ جہراً ہونا چاہیے ورنہ مقتدیوں کا قرآن مکمل نہوگا

اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار نزول تعدد کو مستلزم نہیں جیسا کہ ایک قول کے مطابق سورۂ فاتحہ

دوبار نازل ہوئی ہے معہذا اس کی آیات سات ہی ہیں، چودہ نہیں قال فی العلائیۃ وھی اٰیۃ واحدۃ من القرآن کلہ (رد المحتار ص۴۵۵ ج ۱)

اگر کہا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے لہٰذا تراویح میں ہر سورت سے قبل جہراً پڑھنا افضل ہونا چاہیے تاکہ مقتدیوں کے قرآن کی تکمیل میں شبہۂ اختلاف نہ رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سنت میں رعایتِ مذہب غیر مستلزم ہے اپنے مذہب میں ترکِ سنت کو اس لئے کہ مذہب حنفی میں اخفاء سنت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۹ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت :

سوال : نماز تراویح مسجد چھوڑ کر مکان میں یا کسی دوسری جگہ حافظ مقرر کرکے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

فرائض مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کرکے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ محلہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلہ میں کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوئی تو سب گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان سنہ ۹۱ھ

قضا نمازوں کے لئے تراویح چھوڑنا جائز نہیں :

سوال : ایک شخص شکی مزاج ہے اور اس کے ذمہ بہت قضا نمازیں ہیں، مرض مذکور کی وجہ سے تھوڑی تھوڑی کرکے قضا نمازیں پڑھتا ہے اگر یہ شخص عشاء کی جماعت بھی چھوڑ دے اور تراویح بھی چھوڑ دے اور قضا نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصّواب

قضا نمازوں کے لئے عشاء کی جماعت اور تراویح کی نماز چھوڑ دینا جائز نہیں، فقط واللہ اعلم

۱۹ رمضان المبارک سنہ ۹۱ھ

بدون سامع قرآن سنانا :

سوال : کیا تراویح میں حافظ کے پیچھے سامع ہونا ضروری ہے؟ بغیر سامع بھی پورا قرآن مجید کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر قاری کا حفظ پختہ ہو تو سامع ضروری نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷؍ شوال سنہ ۹۱ھ

شبینہ کا حکم:

سوال: گزشتہ چند سال سے یہ طریقہ رائج ہے کہ تراویح پڑھانے والا بارہ رکعت کے بعد مصلیٰ چھوڑ دیتا ہے اور بقیہ آٹھ تراویح امام صاحب پڑھاتے ہیں، مقتدی بھی حافظ کے ساتھ تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور بعد وتر کی جماعت کے حافظ صاحب اپنی بقیہ آٹھ رکعت تراویح شروع کرتے ہیں تو بہت سے مقتدی بھی ان کے ساتھ نوافل کی نیت سے نماز میں شریک ہو جاتے ہیں شبینہ تقریباً دو ڈھائی بجے تک رہتا ہے اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا خاص انتظام ہوتا ہے بعض حضرات کو متوجہ کیا گیا کہ چند آدمیوں کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال سوائے نمائش کے کچھ بھی نہیں تو انھوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ گانا بجانا عام ہے جگہ جگہ ریکارڈنگ ہوتی ہے، تو ہم کیوں نہ لاؤڈ اسپیکر استعمال کریں اسکا شرعاً حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اس قسم کے متعارف شبینہ میں کئی قبائح ہیں، مثلاً

(۱) نوافل کی جماعت، وان مال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ الی جواز اقتداء المتنفلین بمن یصلی التراویح ولکن لی فیہ[عہ] نظر،

(۲) لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے اہلِ محلہ کے کام، آرام اور عبادات میں خلل،

(۳) نام و نمود

(۴) بعض لوگوں کا جماعت میں کھڑے ہونا اور بقیہ کا بیٹھے رہنا جو جماعت اور قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے۔

(۵) ضرورت سے زیادہ روشنی اور مٹھائی وغیرہ کا التزام،

(۶) ایسی خرافات کے لئے چندہ کرنا،

عہ وجہ نظر آئندہ سوال کے جواب میں ملاحظہ ہو ۱۲

اس قسم کی اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جنکی بنا پر مروّج شبینہ جائز نہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ شوال سنہ ۹۶ھ

سوال مثل بالا :

سوال : حافظ اپنی باقی ماندہ تراویح میں شبینہ پڑھے اور مقتدی کچھ تراویح اور کچھ نوافل پڑھیں تو جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مقتدی بیس پچیس پیچھے کھڑے ہوں۔ اگر سارے مقتدی نوافل میں شبینہ سُنیں اور حافظ اپنی بقیہ تراویح میں شبینہ پڑھے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

جماعت میں اکثر افراد تراویح پڑھ رہے ہوں، نوافل پڑھنے والے کم ہوں تو یہ صورت جائز ہے مگر متعارف شبینہ میں دیگر قبائح بہرحال ہوتے ہیں لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ثم اقتدی متنفلاً) ای ان شاء وھو افضل امداد واورد ان التنفل بجماعۃ مکروہ خارج رمضان واجیب بنعم اذا کان الامام والقوم متطوعین اما اذا ادی الامام الفرض والقوم النفل فلا لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام للرجلین اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما صلوٰۃ قوم فصلیا معھم واجعلا صلوٰتکما معھم سبحۃ ای نافلۃ کذا فی الکافی بحر (رد المحتار ص ۶۶۸ ج ۱)

اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح پڑھنے والے امام سے متنفلین کی اقتدار مکروہ نہیں، مگر حدیث سے استدلال محل تأمل ہے اس لئے کہ اس میں صرف دو مقتدیوں کو تنفل کا حکم ہے اس سے سب مقتدیوں کے تنفل کی عدم کراہت پر استدلال تام نہیں، قاعدہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مقتدیوں کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۹۷ھ

مسافر، مریض اور عورت کے لئے تراویح کا حکم :

سوال : جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں، مثلاً مسافر، مریض، عورت اور غلام، اگر وہ تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

تراویح مرد و عورت دونوں کے لئے سُنتِ مؤکدہ ہے، مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے، قال فی العلائیۃ التراویح سنۃ مؤکدۃ

لمواظبۃ الخلفاء الراشدین للرجال والنساء اجماعا (رد المحتار ص۶۵۹ ج ۱) وایضاً فیھا و یأتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار الا بان کان فی خوف وفرار لا یأتی بھا ھو المختار لانہ ترک للعذر تجنیس (رد المحتار ص۷۴۲ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۲ھ

ایک امام کا دو جگہ تراویح پڑھانا :

سوال : زید نے ایک مسجد میں قرآن کا ایک پارہ سُنایا، پھر دوسری مسجد میں یہی ایک پارہ سُنایا تو کیا ایک حافظ دو مسجدوں میں اس طرح قرآن مجید سُنا سکتا ہے، اور اس طرح سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصّواب

اگر امام دونوں مسجدوں میں تراویح پڑھے مثلاً ایک مسجد میں دس رکعت تراویح میں ایک پارہ پڑھا اور پھر دوسری مسجد میں دس رکعتوں میں یہی پارہ پڑھا، یا ایک روز ایک مسجد میں اور دوسرے روز دوسری مسجد میں پڑھا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، ختم قرآن کی سنت بھی ادا ہو جائے گی، اور اگر ایک مسجد میں تراویح بیس رکعت پوری کرکے اسی رات دوسری مسجد میں بھی تراویح کی امامت کی تو امام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں مگر مقتدیوں کی تراویح صحیح ہیں، اس لئے کہ تراویح میں متنفل کی اقتداء جائز ہے۔ نقل ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ عن الخلاصۃ امام یصلی التراویح فی مسجدین کل مسجد علی وجہ الکمال لا یجوز لانہ لا یتکرر (بحر ص۶۸ ج ۲) وفی امامۃ الشامیۃ تحت (قولہ فی الصحیح خانیۃ) یصح الاقتداء فی التراویح وغیرھا بمفترض وغیرہ ومثلھا سائر السنن الرواتب کما تفیدہ عبارۃ الخانیۃ، تأمل (رد المحتار ص۵۵۲ ج ۱) وفی التراویح منھا (قولہ وفی التتارخانیۃ الخ) عبارتھا نقلا عن المحیط وذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم امّ قوما اُخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ لہ ذٰلک ولا یکرہ للمأمومین ولو لم ینو الامامۃ و شرع فی الصلوۃ فاقتدی الناس بہ لم یکرہ لواحد منھما اھ (رد المحتار ص۶۶۳ ج ۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم،

۷ رمضان سنہ ۹۲ھ

سامع کے لئے جگہ کی تعیین :

سوال : تراویح میں سامع کے لئے جانماز بچھا کر جگہ پر قبضہ کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملھم الصّواب

اصلاح نماز کے لئے اسکی ضرورت ہے اسلئے جائز ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم، ۱۶ شوال سنہ ۹۲ھ

قرآن دیکھ کر لقمہ دینا مفسد ہے :

سوال : قرآن دیکھ کر لقمہ دینا حافظ کو تراویح میں جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگئی اور امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز جاتی رہی، لانه عمل کثیر وتلقن من الخارج، فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۴ر شوال سنہ ۹۳ھ

تراویح کی جماعت مسجد میں سنتِ مؤکدہ ہے :

سوال : ایک مسجد تنگ ہے، صحن بھی بہت چھوٹا ہے، مگر مسجد سے ملحق خالی جگہ ہے، اگر گرمی کی وجہ سے مسجد کی بجائے اس خالی جگہ میں تراویح کی جماعت کرلی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب باسم ملهم الصّواب

ہر محلہ سے ایک مسجد میں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے لہٰذا اگر اس محلہ کی کسی دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو مسجد سے باہر جماعت کی گنجائش ہے مگر فرائض کی جماعت بہرصورت مسجد میں ضروری ہے، قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت قول صاحب التنویر (والجماعة فیها سنة علی الکفایة) وهل المراد انها سنة کفایة لاهل کل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها او من المحلة، ظاهر کلام الشارح الاول واستظهر ط الثانی ویظهر لی الثالث لقول المنیة حتی لو ترك اهل محلة کلهم الجماعة فقد ترکوا السنة واساؤا اھ وظاهر کلامهم هنا ان المسنون کفایة اقامتها بالجماعة فی المسجد حتی لو اقاموها جماعة فی بیوتهم ولم تقم فی المسجد اثم الکل (رد المحتار ص ۶۶۱ ج ۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۵ر محرم سنہ ۱۴۰۰ھ

فرض منفرداً پڑھنے والا تراویح کی امامت نہ کرے :

سوال : حافظ صاحب کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے فرض کی جماعت ہوگئی، اس کے بعد حافظ صاحب بھی آگئے انھوں نے اکیلے فرض پڑھ کر تراویح کی جماعت کرائی تو اسمیں کوئی حرج تو نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصّواب

جزئیہ ذیل سے اس صورت میں کراہت معلوم ہوتی ہے لو صلیت بجماعة الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحده له ان یصلیها مع ذلك الامام لان جماعتهم مشروعة فله الدخول

فیھا معھم لعدم المحذور (رد المحتار ص۶۶۳ ج۱) اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی نے فرض منفرداً پڑھے ہوں تو وہ تراویح کی جماعت میں اس لئے شریک ہو سکتا ہے کہ وہ تابع ہے، امام چونکہ جماعت میں اصل ہے اس لئے اس کے لئے مکروہ ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والوں کی جماعت کو علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے اگرچہ مقتدی چار سے زیادہ ہوں، ابن عابدین کی اس تحقیق میں اگرچہ بندہ کو اشکال[عہ] ہے مگر اس سے اتنا ضرور ثابت ہوا کہ امام کی حالت زیادہ قابل لحاظ ہے البتہ یہ کراہت صرف امام پر ہوگی مقتدیوں پر نہیں قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ وفی التتارخانیۃ الخ) عبارتھا نقلاً عن المحیط وذکر القاضی الامام ابو علی النسفی فیمن صلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوماً اٰخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ لہ ذٰلک ولا یکرہ للمأمومین ولو لم ینو الامامۃ وشرع فی الصلوٰۃ فاقتدی الناس بہ لم یکرہ لواحد منھما اھ (رد المحتار ص۶۶۴ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ذی قعدہ سنہ ۹۸ھ

عورتوں کے لئے بھی بیس۲۰ تراویح سنت مؤکدہ ہے:

سوال: عورتوں کے لئے رمضان المبارک میں تراویح کم سے کم کتنی رکعتیں جائز ہیں؟ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعت پوری پڑھی جائیں ورنہ بالکل نہ پڑھیں، کیا یہ صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

عورتوں کے لئے بھی تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں، اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ قال فی العلائیۃ التراویح سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ الخلفاء الراشدین للرجال والنساء اجماعا (رد المحتار ص۶۵۹ ج۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ شعبان سنہ ۹۷ھ

تراویح میں نابالغ کی اقتداء صحیح نہیں:

سوال: حافظ نابالغ کو تراویح پڑھانے کے لئے امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

نابالغ کی اقتداء میں تراویح صحیح نہیں، قال فی العلائیۃ ولا یصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی وصبی مطلقا ولو فی جنازۃ ونفل علی الاصح وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ (قولہ ونفل علی الاصح) قال

عہ وجہ اشکال حکم شبینہ کے تحت ملاحظہ ہو ۱۲

فی الهدایة وفی التراویح والسنن المطلقة جوزه مشایخ بلخ ولم یجوزه مشایخنا ومنهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ والمختار انه لا یجوز فی الصلوات کلها (رد المحتار ص۵۴۳ ج۱) فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۰ رمضان سنہ ۹۹ھ

بیٹھ کر تراویح پڑھنا :

سوال : زید تراویح میں قراءۃ طویلہ کی وجہ سے قائماً نماز ادا نہیں کرسکتا آیا وہ جماعت کے ساتھ قاعداً تراویح ادا کرسکتا ہے یا علیحدہ قائماً تراویح ادا کرے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بیٹھکر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے، اس لئے کہ تراویح میں قیام فرض نہیں، ہاں بلا عذر بیٹھکر تراویح پڑھنا خلاف استحباب ہے، قال فی البزازیة واداءها قاعداً یجوز فی المختار ولو بلا عذر لکن لا یستحب بخلاف سنة الفجر فانه لا یجوز قاعداً (بزازیة علی هامش العالمگیریة ص۳۲ ج۴) و فی الخانیة (فصل فی اداء التراویح قاعداً) اختلفوا فی الجواز قال بعضهم لا یجوز بغیر عذر و استدلوا بما روی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ انه لو صلی سنة الفجر قاعداً بغیر عذر لا یجوز فکذا التراویح اذ کل واحد منهما سنة مؤکدة وقال بعضهم یجوز اداء التراویح قاعداً بغیر عذر و فرقوا بین التراویح وبین سنة الفجر وهو الصحیح الا ان ثوابه یکون علی النصف من صلوٰة القائم و وجه الفرق ان سنة الفجر سنة مؤکدة لا خلاف فیها والتراویح فی التاکید دونها فلا یجوز التسویة دونها (خانیة علی هامش العالمگیریة ص۲۴۳ ج۱) واقرّه ابن امیر الحاج فی شرح المنیة ومثله فی الظهیریة وغیرها وفی فتاوی الشیخ قاسم بن قطلوبغا ناقلاً عن الامام حسام الدین الشهید اجمعوا علی ان رکعتی الفجر قاعداً من غیر عذر لا تجوز لانها سنة شابهت الفرض واما التراویح فالصحیح انها تجوز قاعداً بغیر عذر ولکن لا تستحب، فقط والله تعالیٰ اعلم

۱۰ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں :

سوال : دو منزلہ مسجد کی ہر ایک منزل میں تراویح کی الگ جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہی منزل میں مختلف جگہوں پر کچھ فاصلہ سے دوسری جماعت کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے اور اسکا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے لہٰذا یہ بھی مکروہ ہے خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یا مختلف اوقات میں ہوں، فقط والله تعالیٰ اعلم

۲۳ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم
کان یصلّی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر

لمعات المصابیح
فی
رکعات التراویح

بیس رکعات تراویح کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
سے ثبوت اور اس پر حضرات صحابہ کرام
رضی اللہ تعالیٰ عنھم اور ائمہ دین رحمھم اللہ تعالیٰ
کا اجماع

تعداد تراویح پر مفصّل بحث

سوال : ایک عالم کہتا ہے کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور کہتا ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعتیں ثابت نہیں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ دلیل میں بخاری مسلم اور ابن خزیمہ کی روایات پیش کرتا ہے صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔ اور کہتا ہے کہ خود فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیس رکعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ کنز کی شرح الشرح فتح المبین میں ہے کہ تراویح گیارہ مع وتر ہیں۔ ماروی کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف۔ اور موطا مالک و ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے۔

دوسرا عالم آٹھ رکعات کے قائل کو کافر اور ملعون کہتا ہے۔ کیونکہ بیس رکعات اجماع سے سنّتِ مؤکدہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پہلا عالم کافر ہے؟ کیا بیس رکعات اجماع سے ثابت ہیں۔ اجماع کی تعریف کیا ہے؟ بینوا بیانا شافیا، توجروا اجرًا وافیا

الجواب ومنہ الصّدق والصّواب

اہلِ حدیث مندرجۂ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا قالت عائشۃ فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشۃ ان عینیّ تنامان ولا ینام قلبی (بخاری ص۱۵۴ ج۱)

(۲) حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللہ ثنا عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرہت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر۔ (قیام اللیل للامام ابن نصر المروزی ص۹۰)

(۳) وبہ عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان منی لیلۃ شیء قال وما ذٰلک یا ابیّ قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوٰتک فصلیت بھنّ ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا (قیام اللیل ص۹۰)

(۴) مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابیّ بن کعب وتمیما الداری رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ (موطا مالک ص۹۸)

حدیث اوّل کے جوابات

(۱) اس حدیث میں اضطراب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال تام نہیں - قال القرطبی اشکلت روایات عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علی کثیر من اھل العلم حتی نسب بعضھم حدیثھا الی الاضطراب (فتح الباری ص۱۷ ج ۳)

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیرہ رکعات کی روایت بھی بسند صحیح موجود ہے - چنانچہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ رفع اضطراب کی یہ صورت بیان فرماتے ہیں - والصواب ان کل شیء ذکرتہ من ذٰلک محمول علی اوقات متعددۃ واحوال مختلفۃ (فتح الباری ص۱۷ ج۳)

اس سے غیر مقلدین کا آٹھ رکعات میں تراویح کے انحصار اور اس سے زیادہ کے عدم ثبوت کا دعوی باطل ہو گیا - خود اہلِ حدیث عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوری فرماتے ہیں انہ قد ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان قد یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر (تحفۃ الاحوذی ص۳ ج ۲)

غرضیکہ اس حدیث میں اضطراب یا آٹھ رکعات میں عدم انحصار میں سے کوئی ایک امر ضرور تسلیم کرنا پڑیگا -

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام سے چار چار رکعات اور آخر میں ایک سلام سے تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے، حالانکہ غیر مقلدین کا عمل اسکے خلاف ہے - وہ تراویح دو دو رکعت پڑھتے ہیں اور وتر کی ایک ہی رکعت یا تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں - لہٰذا جو حدیث خود مستدل کے ہاں متروک العمل ہے اس سے استدلال صحیح نہیں -

(۴) حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے اس میں تراویح کا بیان نہیں ذیل ۳۴

میں اس پر چند قرائن ذکر کئے جاتے ہیں۔

حدیث میں بیان تہجد پر شواہد؛

(۱) حدیث کے الفاظ "ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ" بتا رہے ہیں کہ سوال ہی ایسی نماز سے متعلق تھا جو پورا سال پڑھی جاتی تھی۔ سوال میں خاص رمضان کے ذکر کی یہ وجہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ، اسلئے سائل کو خیال ہوا کہ شاید رمضان میں تہجد کی رکعات بھی زیادہ پڑھتے ہوں۔

(۲) خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی بنسبت رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے کما سنذکرھا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث زیر بحث میں صرف رکعات تہجد کا بیان ہے

(۳) اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں "فقالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا رسول اللہ اتنام قبل ان توتر" ، تراویح میں یہ بعید ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اسکا علم مردوں کو زیادہ ہونا چاہئے تھے لتقدم صفوفہم، اس کے برعکس نماز تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے اسمیں لگا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سو جاتے تھے۔

(۴) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا، چنانچہ امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں باب عدد الرکعات التی یقوم بھا الامام للناس فی رمضان، کے تحت بہت سی روایات لائے ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث اصح مافی الباب ہونے کے باوجود ذکر نہیں فرمائی بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں فرمایا۔

(۵) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلقہ ابواب میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے۔

باب ماجاء فی الوتر (ص۱۳۵ ج۱)

باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ (ص۱۵۴ ج۱)

باب فضل من قام رمضان (ص۲۶۹ ج۱)

لمعات المصابیح ——— ۴

باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ ولا ینام قلبہ (۱۷:۵۰۳)

پہلی جگہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کان یصلی احدی عشرۃ رکعۃً کانت تلک صلوٰتہ یعنی باللیل فیسجد السجدۃ من ذلک قدر ما یقرأ احدکم خمسین اٰیۃ - یہ الفاظ کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کر رہے ہیں۔ نیز اس باب سے تثلیث وتر کا اثبات مقصود ہے نہ کہ عدد رکعات تراویح -

دوسرے باب میں قیام باللیل فی رمضان کے الفاظ ہیں اور قیام اللیل تہجد کو بھی کہا جاتا ہے پھر رمضان کے ساتھ وغیرہ کے اضافہ نے مزید وضاحت کر دی کہ تہجد ہی مراد ہے -

تیسرے باب میں بھی عدد رکعات کا بیان مقصود نہیں بلکہ بیان فضل مقصود ہے -

چوتھے باب میں نوم قبل الوتر کا بیان مقصود ہے نہ کہ عدد رکعات، نیز نوم قبل الوتر مستقل دلیل ہے کہ یہاں نماز تہجد مراد ہے کما مرّ

(۶) قال الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ تحت الحدیث المذکور وظھرلی ان الحکمۃ فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ ان التھجد والوتر مختص بصلوٰۃ اللیل و فرائض النھار الظھر وھی اربع والعصر وھی اربع والمغرب وھی ثلاث وتر النھار فناسب ان تکون صلوٰۃ اللیل کصلوٰۃ النھار فی العدد جملۃً وتفصیلاً واما مناسبۃ ثلاث عشرۃ فبضم صلوٰۃ الصبح لکونھا نھاریۃ الی مابعدھا (فتح الباری ص۲۱ ج۳)

حکمت مذکورہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس نماز سے تہجد مراد ہے - علاوہ ازیں عبارت مذکورہ میں لفظ تہجد کی تصریح بھی ہے -

تہجد و تراویح میں فرق :

اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد و تراویح ایک ہی چیز ہے اُنکا یہ خیال وجوہ ذیل سے باطل ہے۔

(۱) تہجد میں تداعی جائز نہیں اور تراویح میں تداعی ہوتی ہے -

(۲) تراویح کا وقت قبل النوم ہے اور تہجد کا وقت معیّن نہیں افضل وقت بعد النوم ہے

(۳) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے - کصنیع الامام مسلم وغیرہ - صحیح مسلم کے ابواب اگرچہ خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے قائم نہیں فرمائے مگر احادیث کی ترتیب اور مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے - نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین

میں سے ہیں۔

(۴) نماز تہجد پہلے فرض تھی اسکے بعد وحی الٰہی نے اسکی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا۔ حالانکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قیام لیل پر دوام نہ فرمانیکی حکمت خشیت فرضیت بیان فرماتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ قیام لیل تہجد سے مغایر ہے کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے منسوخ کرکے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرمادیا گیا تھا۔

(۵) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ ومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا ــــ یاایھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا اور تراویح کے بارے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سننت لکم قیامہ (نسائی ص۳۰۸ ج ۱) یعنی تراویح کا حکم وحی غیر متلو سے ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہجد کے علاوہ ہے اسمیں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے اس لئے کہ اس حدیث میں بصورت تقابل ارشاد ہے ان اللہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامہ، حالانکہ صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمایا ہے۔ معہذا صورت تقابل سے ثابت ہوا کہ حکم صوم وحی متلو سے ہے اور حکم تراویح وحی غیر متلو سے۔

(۶) حدیث میں تراویح کا نام "قیام رمضان" مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ ہے۔ کیونکہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

(۷) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا ہے اور تراویح کا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد۔

(۸) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے ثم التراویح وھی عشرون رکعۃ یقوم بھا فی رمضان فی جماعۃ ویوتر بعدھا فی الجماعۃ فان کان لہ تھجد یوتر بعدہ (مقنع ص۱۸۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تہجد اور تراویح کو متغایر سمجھتے تھے۔

(۹) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کیساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اسمیں ایکبار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔

(۱۰) تہجد کی متعین رکعات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ یعنی مع الوتر زیادہ سے زیادہ تیرہ اور کم از کم سات، اور تراویح سے متعلق خود اہل حدیث حضرات کی شہادتیں ہیں کہ انکا کوئی معین عدد حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

اہل حدیث حضرات کی شہادات:

(۱) قال شیخ الاسلام العلامۃ ابن تیمیۃ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد ولا ینقص منہ فقد اخطأ (فتاوی ابن تیمیۃ ص۲۰ ج۲)

(۲) قال العلامۃ السبکی اعلم انہ لم ینقل کم صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی تلک اللیالی هل هو عشرون او اقل (شرح المنهاج)

(۳) قال العلامۃ جلال الدین السیوطی ان العلماء اختلفوا فی عددها ولو ثبت ذٰلک من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یختلف فیہ (المصابیح ص۴۷)

(۴) قال العلامۃ الشوکانی والحاصل الذی دلت علیہ احادیث الباب وما یشابهها هو مشروعیۃ القیام فی رمضان والصلوٰۃ فیہ جماعۃ وفرادی فقصر الصلوٰۃ المسماۃ بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقراءۃ مخصوصۃ لم ترد بہ سنۃ (نیل الاوطار ص۲۶ ج۱)

(۵) مولوی وحید الزماں صاحب فرماتے ہیں، ولا یتعین لصلوٰۃ لیالی رمضان یعنی التراویح عدد معین (نزل الابرار ص۱۲۶ ج۱)

(۶) ابو الخیر میر نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں وبالجملہ عددے معین در مرفوع نیامدہ۔ (العرف الجادی ص۸۴)

(۷) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں، ان صلوٰۃ التراویح سنۃ باصلها لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاها فی لیالی ثم ترکها شفقۃً علی الامۃ ان لا تجب علی العامۃ او یحسبوها واجبۃ ولم یأت تعین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ لکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددها کثیر (الانتقاد الرجیح ص۶۱)

دوسری حدیث کا جواب:

اس حدیث سے اسلئے استدلال صحیح نہیں کہ اسمیں دو راوی ضعیف ہیں۔

(۱) محمد بن حمید الرازی۔ ضعفہ الحافظ رحمہ اللہ تعالیٰ فی التقریب۔

(۲) عیسیٰ بن جاریۃ۔ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں فن جرح و تعدیل کے مسلّم امام یحییٰ بن معین سے اسکی تضعیف اور منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن عدی اور ساجی عقیلی نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے، امام نسائی

نے متروک اور منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابو داود نے بھی اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور اہلحدیث عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری سخاوی سے نقل فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث وصف فی الرجل یستحق به الترك لحدیثه (ابکار المنن ص۱۹۱)

اتنے ائمہ نے عیسٰی بن جاریہ پر اتنی شدید جرح کی ہے۔ اتنی بڑی جماعت کے مقابل صرف ابوزرعہ نے "لا بأس" کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بوجوہ ذیل جرح راجح ہے۔

(۱) اصولِ حدیث کے قاعدہ کے مطابق تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) جارحین کی ایک جماعت ہے اور وہ مسلّم امام ہیں۔

(۳) جرح بہت شدید ہے۔ چنانچہ منکر الحدیث سے متعلق خود اہلحدیث کا فیصلہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابلِ قبول نہیں بالخصوص جبکہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسٰی متفرد ہے۔ قال الامام الطبرانی لا یروی عن جابر بن عبد الله الا بهذا الاسناد کسی دوسرے صحابی سے بھی اس حدیث کا کوئی شاہد نہیں۔

تیسری حدیث کا جواب:

اس حدیث کی سند بھی بعینہٖ وہی ہے جو دوسری حدیث کی ہے۔ اسلئے یہ بھی قابلِ قبول نہیں۔

چوتھی حدیث کے جوابات:

(۱) یہ روایت مضطرب المتن ہے۔ اختلف فیه علی محمد بن یوسف فروی عنه مالك فی الموطا و یحیی القطان عند ابن ابی شیبة وعبد العزیز بن محمد عند سعید ابن منصور هكذا احدی عشرة ركعة ورواه محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق محمّد ابن اسحٰق عن محمد بن یوسف فقال ثلاث عشرة ورواه عبد الرزاق من وجه اٰخر عن محمّد بن یوسف فقال احدی وعشرین قاله الحافظ فی الفتح ص ۲۱۹ ج ۴ (اعلاء السنن ص۴۸ ج۷)

محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں۔ ان میں سے تین گیارہ رکعات، ایک تیرہ اور ایک اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔ پھر گیارہ رکعت نقل کرنے والوں کے بھی متن آپس میں مختلف ہیں۔ تینوں کے متون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام مالک: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ

لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔

یحیی القطان : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبدالعزیز بن محمد : ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی الحدیث احدی وعشرین وهو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیہ احدی عشرة الا مالکا (الی ان قال) الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرة وهم کذا فی التعلیق الحسن نقلا عن الزرقانی فی شرح الموطا ص۲۱۵ ج۲ قلت لم یهم فیہ مالک لمتابعة اثنین لہ فی ذلک عن محمد بن یوسف بل الوهم عندی فیہ من محمد بن یوسف فانہ قال مرة احدی وعشرین ومرة احدی عشرة وتارة ثلاث عشرة والجمع بینهما بالحمل علی اختلاف الاحوال ونحوہ کما قال الحافظ وغیرہ بعید مستغنی عنہ فان المخرج واحد فکیف یصح حملہ علی اختلاف الاحوال والمحفوظ ما رواہ یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شهر رمضان بعشرین رکعة کما ذکرناہ فی المتن اخرجہ البیهقی وسندہ صحیح وعزاہ الحافظ فی الفتح الی مالک ایضاً (اعلاء السنن ص۴۸ ج۷)

سائب بن یزید کے دو شاگرد ہیں محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ محمد بن یوسف کا شدید اختلاط اوپر بیان ہوا کہ انکے پانچوں شاگرد ان سے مختلف متن روایت کرتے ہیں حافظ ابن عبدالبر نے اکیس رکعات کی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اب یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت کی وجوہ قوت ملاحظہ ہوں۔

بیہقی نے سنن کبری ص۴۹۶ ج ۲ میں اس روایت کو عن ابی الذئب عن یزید بن خصیفہ نقل کیا ہے اور یہی روایت بیہقی نے معرفة السنن والآثار میں عن محمد بن جعفر عن یزید بن خصیفہ ذکر کی ہے۔ غرضیکہ یزید کے دونوں شاگرد متفق ہیں ان میں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی طرح اختلاف نہیں۔ پہلی سند کی امام نووی، امام سیوطی اور امام عراقی وغیرہم نے تصحیح کی ہے۔
(ارشاد الساری، تحفة الاخیار ص۱۹۲، تحفة الاحوذی ص۷۵ ج ۲)

دوسری سند کو امام سبکی نے شرح المنهاج میں اور ملا علی قاری نے شرح موطا میں صحیح

قرار دیا ہے (تحفۃ الاحوذی ص۷۵ ج ۲)

کسی متعسف کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس روایت میں ابوعبداللہ ابن فنجویہ دینوری ہیں جنکی عدالت معلوم نہیں۔ اوّلاً اتنے جلیل القدر ائمہ حدیث کی طرف سے اس روایت کی توثیق ثابت ہو جانے کے بعد یہ اشکال محض تعسف ہے۔ ثانیاً کسی راوی کی تعدیل کے لئے اسپر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اسکی شہرت تعدیل کے لئے کافی ہے،

قال ابن الصلاح فی المقدمۃ عدالۃ الراوی تارۃ تثبت بتنصیص العدلین علی عدالتہ و تارۃ تثبت بالاستفاضۃ فمن اشتہرت عدالتہ بین اھل النقل او نحوھم من اھل العلم وشاع الثناء علیہ بالثقۃ والامانۃ استغنی فیہ بذٰلک عن بینۃ شاھدۃ بعدالتہ تنصیصًا ھذا ھو الصحیح فی مذھب الشافعی وعلیہ الاعتماد فی فن اصول الفقہ (مقدمہ ص۲۰)

وقال الحافظ ابوعمرو ابن عبدالبر کل حامل علم معروف العنایۃ بہ فھو عدل محمول فی امرہ ابدًا علی العدالۃ حتی یتبین جرحہ (حوالہ بالا) ابوعبداللہ ابن فنجویہ پر کوئی جرح منقول نہیں اور اہل فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے ۴۱۴ھ میں وفات پانے والے مشہور محدثین میں آپ کو ذکر کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص۲۴۳ ج ۳) اور ابن اثیر جزری فرماتے ہیں عرف بھا ابوعبداللہ الحسین بن محمد بن الحسین فنجویہ الفنجوبی الدینوری الحافظ روی عن ابی الفتح محمد بن الحسین الاودی الموصلی وابی بکر ابن مالک القطیعی وغیرھما روی عنہ ابواسحٰق الثعلبی فاکثر فی تفسیرہ ویذکر کثیرا فیقول اخبرنا الفنجوبی ۔ علاوہ ازیں سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں آپ کا ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں آپ سے بکثرت روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری صحیح اور قوی روایات کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی مزید قویۃ الاسناد روایات ہم آگے ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو قابلِ عمل نہیں سمجھا اسی لئے وہ آٹھ رکعات کے قائل نہ ہوئے۔

(۵) خود موطا ہی میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں (موطا ص ۴۰، فتح الباری ص۲۱۹ ج ۴)

(۶) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہوتا تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما و من بعدھم سے بھی اس قسم کی روایت یا اس پر عمل منقول ہوتا مگر ایسی کوئی بھی روایت نہیں۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولاً حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات کی روایت پہنچی ہو اس لئے یہ حکم دیا۔ بعد میں بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی تو اس کا حکم نافذ کیا۔

موطا کی ایک اور روایت کی وضاحت:

موطا میں ایک اور روایت ہے عن الاعرج قال ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان قال وکان القاری یقرأ سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بھا فی ثنتی عشرۃ رکعۃ رأی الناس انہ قد خفف (موطا مالک) اس میں اس پر دلیل نہیں کہ کبھی آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی بارہ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقدار قرارت اتنی ہوتی تھی کہ بقرہ جیسی سورت آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے۔ مجموعہ رکعات کی تعداد کا بیان اس میں نہیں۔ لما جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

بیس تراویح کا ثبوت

(۱) قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ (رواہ مسلم)

(۲) وعنھا رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیٰی لیلہٗ وایقظ اھلہ اخرجہ البخاری (فتح الباری ج ۴ ص ۲۳۴)

(۳) روی البیھقی فی شعب الایمان عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا مرفوعًا کان اذا دخل شھر رمضان شد مئزرہ ثم لم یأت فراشہٗ حتّٰی ینسلخ واسنادہ حسن۔

(۴) وعنھا رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کان اذا دخل رمضان تغیّر لونہ وکثرت صلاتہ وابتھل فی الدعاء واشفق لونہٗ کذا فی العزیزی ج ۳ ص ۱۲۷۔ احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ یہ احتمال کہ آٹھ رکعت میں رات گذار دیتے تھے بہت بعید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں طول قیام کی مشقت شدیدہ ہے اور آخری حدیث میں "طالت صلاتہ" کی بجائے "کثرت صلاتہ" کا

لمعات المصابیح ———— ۱۱

لفظ اس پر بیّن دلیل ہے کہ رکعات میں زیادتی مراد ہے۔ نواب صدیق حسن خان اہل حدیث تحریر فرماتے ہیں یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کثیر (الانتقاد الرجیح ص۶۱)

مذکورہ بالا روایات میں آٹھ رکعتوں سے زیادتی ثابت ہوئی اگرچہ بیس کی تعیین نہیں، اور ذیل کی روایت میں بیس کی تعیین ہے۔

(۵) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والبغوی فی معجمہ والطبرانی فی الکبیر لہ والبیھقی فی سننہ (التعلیق الحسن ج ۲ ص ۵۶)

صاحب فتح القدیر اور دیگر بعض مصنفین کا اس حدیث کو راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف کہنا بوجوہ ذیل صحیح نہیں۔

(۱) مختلف محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ قال ابن عدی لہ احادیث صالحۃ وھو خیر من ابراھیم بن ابی حنیفۃ وقال یزید بن ھارون وکان علی کتابتہ ایام کان قاضیًا ما قضی علی الناس رجل یعنی فی زمانہ اعدل فی قضائہ منہ (تھذیب ج ۱ ص ۱۴۵) اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان، ابراہیم بن ابی حیہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ حالانکہ ابراہیم بن ابی حیہ بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔ نقل عثمان الدارمی عن یحیٰی بن معین انہ قال شیخ ثقۃ کبیر کذا فی اللسان (ج ۱ ص ۵۳) جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہیں تو ابراہیم بن عثمان بطریقِ اولیٰ ثقہ ثابت ہوئے۔ یزید بن ہارون کی تعدیل بہت وزن رکھتی ہے اس لئے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ نہایت ثقہ اور زبردست حافظ ہیں۔ نیز یہ ابراہیم کے حالات سے بنسبت خارجین کے زیادہ باخبر تھے اس لئے کہ یزید ان کے محکمہ میں محرر تھے۔

(۲) ضعیف حدیث کی صحت پر جب قرائن موجود ہوں تو یہ حدیث صحیح ہوتی ہے اس پر مندرجۂ ذیل شواہد ہیں۔

(۱) خود ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے اور مثال میں بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب غسل ثلاثا من ولوغ الکلب اس پر قرینہ ہے کہ اس بارہ میں حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت صحیح ہے (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۴)

(۲) وفیہ ایضاً والحاصل ان غیر المرفوع او المرفوع المرجوح فی الثبوت عن مرفوع اٰخر

قد یقدم علی عدیلہ اذا اقترن بقرائن تفید انہ صحیح عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مستمر علیہ (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۱۵)

(۳) حدیث مرسل عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ضعیف ہے۔ مگر اس سے قول صحابی موافق ہوجائے تو بالاتفاق حجت ہے اس کی بھی ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے۔ و قول الترمذی العمل علیہ عند اھل العلم یقتضی قوۃ اصلہ وان ضعف خصوص ھذا الطریق (فتح القدیر ج ۱ ص ۱۸۸)

(۴) روی اسد بن عمرو بن ابی یوسف قال سألت اباحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ عن التراویح وما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یتخرصہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعا ولم یأمر بہ الا عن اصل لدیہ و عھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی مراقی الفلاح نقلاً عن الاختیار (ص ۲۳۹)

غرضیکہ حدیث نمبر ۵ کو بالفرض ضعیف بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی پہلی چار روایتیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و من بعدہم ساری اُمت کا اجماع اس حدیث کی صحت پر حجتِ بیّنہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اعتراف کرتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں جو اُمّت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں (اخبار اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۸ء) اور آٹھ رکعات والی حدیث اسکے خلاف نہیں۔ اسلئے کہ یہ آٹھ رکعتیں تہجد کی تھیں۔ علاوہ ازیں آٹھ رکعات والی حدیث میں اضطراب ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۷) یعنی ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہ ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ اور حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین رواہ البخاری (فتح الباری ج ۳ ص ۳) وقد مرّ تفصیلہ،

(۶) علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجۃ) اس حدیث میں سنت خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ پس جو امر خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا وہ حکماً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت اور آپکی طرف سے مأمور بہ قرار پائیگا پس اگر بیس رکعات تراویح کا ثبوت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی ہوتا تو بھی اس حدیث سے بیس رکعات کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہوا۔

بیس۲ رکعات پر اجماعِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۱) عن السائب بن یزید قال کنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر رواہ البیہقی فی المعرفۃ وصححہ السبکی فی شرح المنہاج (التعلیق الحسن ص۵۴ ج۲)

(۲) وفی لفظ لہ من طریق آخر قال کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ وقال کانوا یقرؤن بالمئین وکانوا یتوکؤن علی عصیہم فی عہد عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شدۃ القیام صححہ النووی فی الخلاصۃ وابن العراقی فی شرح التقریب والسیوطی فی المصابیح (حوالہ بالا)

(۳) عن یحیٰی بن سعید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر رجلاً یصلی بہم عشرین رکعۃ رواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی (آثار السنن ص۵۵ ج۲)

(۴) عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ یوتر بثلاث اخرجہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ واسنادہ مرسل قوی (حوالہ بالا)

(۵) عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر رجلاً یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ رواہ البیہقی فی سننہ وضعفہ (کنز العمال ص۲۸۴ ج۴)

(۶) اخرج البیہقی روایۃ ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسیجیء مفصلاً عن قریب انشاء اللہ تعالیٰ

(۷) عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یؤمہم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث وفی ذلک قوۃ (بیہقی ص۴۹۶ ج۲)

(۸) عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ رواہ مالک واسنادہ قوی مرسل (بیہقی ص۴۹۶ ج۲)

(۹) عن عطاء قال ادرکت الناس وہم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر (ابوبکر ابن ابی شیبۃ واسنادہ حسن)

(۱۰) عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ (بیھقی ص۴۹۶ واسنادہ حسن)

(۱۱) عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ (ابن ابی شیبۃ واسنادہ حسن)

(۱۲) عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث (ابن ابی شیبۃ واسنادہ حسن)

(۱۳) قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیھا القراءۃ ویوترون بثلاث (قیام اللیل ص۹۱)

(۱۴) قال الاعمش کان (عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث (حوالہ بالا)

(۱۵) سیأتی عن المغنی روایۃ صالح مولی التوأمۃ

(۱۶) قال الحافظ ابن قدامۃ فی المغنی والمختار عند ابی عبد اللہ رحمہ اللہ فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابوحنیفۃ والشافعی وقال مالک ستۃ وثلاثون وزعم انہ الامر القدیم وتعلق بفعل اھل المدینۃ فان صالحا مولی التوأمۃ قال ادرکت الناس یقومون باحدی واربعین رکعۃ یوترون منھا بخمس ولنا ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما جمع الناس علی ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یصلی بھم عشرین رکعۃ رواہ ابوداؤد ورواہ السائب بن یزید وروی عنہ من طرق وروی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ وھذا کالاجماع واما ما رواہ صالح فان صالحا ضعیف ثم لا ندری من الناس الذین اخبر عنھم فلعلہ قد ادرک جماعۃ من الناس یفعلون ذلک ولیس ذلک بحجۃ ثم لو ثبت ان اھل المدینۃ کلھم فعلوہ لکان ما فعلہ عمر واجمع علیہ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فی عصرہ اولی بالاتباع قال بعض اھل العلم انما فعل ھذا اھل المدینۃ لانھم ارادوا مساواۃ اھل مکۃ فان اھل مکۃ یطوفون

سبعًا بین کل ترویحتین فجعل اهل المدینۃ مکان کل سبع اربع رکعات وما کان علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی واحق ان یتبع (المغنی ص۸۰۳ ج۱)

(۱۷) قال ابن حجر المکی الشافعی اجتمعت الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم علی ان التراویح عشرون رکعۃ (مرقاۃ)

(۱۸) التراویح سنۃ مؤکدۃ عشرون رکعۃ برمضان والاصل فی مسنونیتہا الاجماع (نیل المآرب فی الفقہ الحنبلی)

(۱۹) قال العلامۃ القسطلانی فی شرح الصحیح للبخاری وقد عدوا ما وقع فی زمان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالاجماع -

(۲۰) روی محمد بن نصر من طریق داود بن قیس قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان ابن عثمان وعمر بن عبد العزیز بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین ویوترون بثلاث - (فتح الباری ص۲۲۰ ج۴)

(۲۱) عن الزعفرانی عن الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ رأیت الناس یقومون بالمدینۃ بتسع وثلاثین وبمکۃ بثلاث وعشرین (حوالہ بالا)

قال الشیخ یرد علی ہؤلاء احداث البدعۃ فی الدین فان قیام رمضان بستۃ وثلاثین لم یثبت عن احد من الخلفاء ولم یرو ذلک فی اثر من الصحابۃ ثم اجاب قال واللہ اعلم لعلہم لم یروا التحدید فیہ وظنوا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رغب الناس وحثہم علی قیام رمضان من غیر تحدید فیہ ولا تعیین رکعات واختیار الخلفاء عشرین رکعۃ کان لدخولہ تحت ہٰذا الترغیب العام لا لمعنی فی عشرین حتی یکرہ الزیادۃ علیہا فاختار والحکمۃ ما ستۃ وثلاثین بناء علی زعمہم ان فی الامر سعۃ واما نحن فلا نجیز الزیادۃ علی العشرین رکعۃ فی الجماعۃ العامۃ ونجیز فی غیر الجماعۃ لان الجماعۃ من الشعائر فلا تشرع الا ما ورد بہ النص او المواظبۃ من الصحابۃ ولم یرد النص ولا مواظبۃ الصحابۃ بازید من عشرین رکعۃ فی رمضان واما قولہم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حث علی قیام رمضان من غیر تحدید فالجواب عنہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم حث علیہ بالاطلاق ونحن نقول بہ ولم یحث علیہ بالجماعۃ لا الی حد فلا یجوز قیامہ بالجماعۃ الا بالقدر الذی ورد فیہ الجماعۃ واللہ اعلم (حاشیہ اعلاء السنن ص۷۹ ج۷)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بیس سے کم نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم کا

اجماع ہے۔ مغنی، قسطلانی، مرقاۃ اور نیل المآرب کی خط کشیدہ عبارات میں اسکی بالکل تصریح ہے۔ بیس سے زیادہ کا تو بعض نے قول کیا ہے اس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

روایات مذکورہ میں بعض مراسیل ہیں اور ابوالحسناء کی روایت ضعیف ہے اسقدر کثرت روایات کی موجودگی میں ان سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں معہذا تتمیم فائدہ اور مزید تائید کی غرض سے قدرے توضیح کیجاتی ہے۔

حجیۃ المرسل :

حجیۃ المرسل کے انکار میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اگرچہ قولِ انکار ہے مگر ان کا راجح قول حجیت کا ہے۔ ابوداود اور ابن جریر نے امام شافعی سے قبل حجیت مرسل پر تمام اسلاف کا اجماع نقل کیا ہے۔ سب سے پہلے امام شافعی نے اس کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے اجماع نقل کرکے اسے ساقط کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بڑی مشکل سے پانچ نام پیش کرسکے ہیں (مقدمۃ فتح الملہم ص۶۰)

علاوہ ازیں جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مستقل روایت مسند یا مرسل سے ہوتی ہو تو یہ مرسل امام شافعی کے ہاں بھی مقبول ہے۔ قال الحافظ وقال الشافعی یقبل اذا اعتضد بمجیئہ من وجہ اٰخر یباین الطریق الاولیٰ مسنداً کان او مرسلاً (شرح نخبۃ الفکر ص۵۲) بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائیگا (حاشیہ شرح نخبہ)

علاوہ ازیں یزید بن رومان کی روایت مرسل مالک ہے اور مراسیل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کے ہاں بھی بلا شبہ حجت ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، قال الشافعی اصح الکتب بعد کتاب اللہ موطا الامام مالک واتفق اھل الحدیث علی ان جمیع ما فیہ صحیح علی رأی مالک ومن وافقہ واما علی رأی غیرہ فلیس فیہ مرسل ولا منقطع الا قد اتصل السند بہ من طرق اخری وقد صنف فی زمان مالک موطاٰت کثیرۃ فی تخریج احادیثہ ووصل منقطعہ مثل کتاب ابن ابی ذئب وابن عیینۃ والثوری ومعمر (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۰۶ ج۱)

ابوالحسناء کی روایت :

اس روایت کے ضعف کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

① تقریب التہذیب میں ابوالحسناء کو مجہول لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالحسناء سے انکے دو شاگرد ابوسعد اور عمرو بن قیس روایت

کرتے ہیں اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والے دو ہوں وہ مجہول الذات نہیں۔ لہٰذا ابوالحسناء مجہول نہیں بلکہ مستور ہیں اور مستور کی روایت کو ایک جماعت قبول کرتی ہے اور عند الجمہور بشرط مؤید مقبول ہے۔ یہاں اسکا مؤید عبدالرحمٰن سلمی اور شتیر بن شکل کی روایت موجود ہے جس کو بیہقی نے قوی قرار دیا ہے وقد مر نصہٗ ھذا الحدیث وان کان ضعیفا لکن یجبر بتعدد طرقہ (ابکار المنن ص۱۳۱) بلکہ کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں اور وہ سب ضعیف ہوں تو وہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے ولو سلم ان کلھا ضعیفۃ فھی بمجموعھا تبلغ درجۃ الحسن (ابکار المنن ص۱۳۱)

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوالحسناء کا لقاء ثابت نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ابوالحسناء دو ہیں ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں یہ حکم بن عتبہ کے شاگرد اور شریک نخعی کے اُستاد ہیں (تہذیب التہذیب) دوسرے ابوالحسناء جو حدیث مذکور کے راوی ہیں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور ابوسعد بقال وعمرو بن قیس کے استاد ہیں۔

بیس۲۰ رکعات پر خلفاءِ راشدین کی مواظبت

صاحبِ ہدایہ کے قول (بیس رکعات پر خلفاءِ راشدین نے مواظبت کی ہے) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بیس رکعات جماعت کیساتھ شامل ہوکر پڑھنا ثابت نہیں۔ یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ لفظ خلفاءِ راشدین تغلیباً اطلاق کیا گیا ہے۔ مقصود خلفاءِ ثلاثہ ہیں (فتح القدیر ص۳۳۴ ج۱)

باقی خلفاء کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے عدم مواظبت ثابت کرنا کوتاہ نظری ہے اس لئے کہ مواظبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عملاً۔ کمواظبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الجماعۃ والسنن الرواتب وغیرھا۔

(۲) مواظبت تشریعًا۔ یعنی کسی فعل پر ہمیشہ برانگیختہ کرتے رہنا اور ترغیب دیتے رہنا مثلاً اذان و اقامت کی سنیت پر اجماع ہے۔ حالانکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر

مداً مواظبت نہیں فرمائی بلکہ کبھی بھی اذان یا اقامت خود نہیں کہی (الا ان یکون نادرا) غرضیکہ اذان و اقامت کی سنیت صرف مواظبت تشریعی یعنی ترغیب کی وجہ سے ہے ۔ اب بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے تو بھی مواظبت تشریعی ثابت ہے۔
علاوہ ازیں یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے ۔

(۱) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزماً فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کیساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جماعت سے پڑھتے تھے (المغنی لابن قدامۃ)

(۲) قال الشوکانی واختلفوا فی ان الافضل صلاتہ فی بیتہ منفرداام فی جماعۃ فی المسجد فقال الشافعی وجمہور اصحابہ وابوحنیفۃ واحمد وبعض المالکیۃ وغیرھم رحمہم اللہ تعالیٰ الافضل صلاتھا جماعۃ کما فعلہ عمر بن الخطاب والصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم واستمر امر المسلمین علیہ لانہ من الشعائر الظاھرۃ (نیل الاوطار ص۲۹۵ ج ۲)

(۳) قد اخرج البیھقی فی سننہ عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ودعا القراء فی رمضان فامر منہم رجلاً ان یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال وکان علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوترھم وروی ذٰلک بوجہ اٰخر عن علی انتہیٰ کذا فی التعلیق الحسن قال النیموی فیہ حماد بن شعیب وھو ضعیف (ص ۵۶ ج ۲) ثم نقل اقوال مضعفیہ عن المیزان قلت وفی اللسان وقال ابن عدی یکتب حدیثہ مع ضعفہ واخرج لہٗ مع ھذا الحاکم فی مستدرکہ اھ (ص ۳۴۸ ج ۲) فالاثر حسن مع کونہ مرویًا من وجہ اٰخر ایضاً وفیہ تصریح بامر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ و اشعار بقیامہ معھم لانہ کان یوترھم فافہم (اعلاء السنن ج ۷ ص ۵۰)

مدونہ میں روایت ہے عن یحییٰ بن سعید انہ سئل عن صلوٰۃ الامیر خلف القاری قال ما بلغنا ان عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کانا یقومان فی رمضان مع الناس فی المسجد (مدونہ ص۱۹۴ ج ۱)
اس سے خلفاء ثلاثہ کا جماعت سے نماز نہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا اسلئے کہ اسمیں بصورت اقتدار نماز نہ پڑھنے کی نفی ہے ۔ ممکن ہے کہ امام بن کر نماز پڑھاتے ہوں جس سے روایت ساکت ہے علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں ۔ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کامل یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت سے تراویح ۳۵

پڑھتے تھے۔ اور حضرت علی، جابر، عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی امام احمد کی تصریح گزر چکی ہے کہ یہ حضرات جماعت سے تراویح پڑھتے تھے۔

قول ابنِ ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں۔ کیونکہ آٹھ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بیس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۴۰۷)

یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایۃً ودرایۃً ہر طرح سے باطل ہے۔ روایۃً اسلئے کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور درایۃً اس لئے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا۔ حالانکہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظبت سے سنیت ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ فی البنایۃ شرح الھدایۃ، سیرۃ العمرین رضی اللہ تعالیٰ عنھما لاشک فی ان فعلھا ثواب وفی ترکھا عقاب لانا امرنا بالاقتداء بھما لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر وعمر فاذا کان الاقتداء مأمورًا بہ یکون واجبا وتارک الواجب یستحق العقاب والعتاب (مجموعۃ الفتاوی ص ۲۱۵ ج ۱)

(۲) وقال کمال الدین بن الھمام فی تحریر الاصول قسم الحنفیۃ العزیمۃ الی فرض ما قطع بلزومہ وواجب ماظنی، وسنۃ الطریقۃ الدینیۃ منہ علیہ الصلوۃ والسلام اوالخلفاء الراشدین اوبعضھم (حوالہ بالا)

(۳) وقال بحرالعلوم فی شرح التحریر ینبغی ان یراد اعم من ان یکون طریقۃ دینیۃ مستمرۃ فی الدین عنہ صلی اللہ علیہ وسلم بان باشرہ اولابان استمر الناس علیھا باذنہ او باذن الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنھم (حوالہ بالا)

(۴) وفی التبیین شرح الحسامی، وفی عرف الشرع یراد بھا طریقۃ الدین اما للرسول صلی اللہ علیہ وسلم اوللصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم حتی یقال سنۃ الرسول اوسنۃ الخلفاء الراشدین (مجموعۃ الفتاوی ص ۲۱۶ ج ۱)

ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے ۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح (ترمذی ص ۹۲ ج ۲)

علیکم کا لفظ وضعاً لزوم پر دال ہے اور معطوف بہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے معلوم ہوا کہ سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے، لہٰذا دونوں میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں کیونکہ مندوب لازم نہیں ہوتا ۔ پھر "عضوا علیها بالنواجذ" بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے ۔ علاوہ ازیں سنۃ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی ۔ کیونکہ جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر عمل کرنا مستحب ہے لما روی عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعاً سألت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی فاوحی الیّ یا محمد ان اصحابك عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولكل نور فمن اخذ بشیء مما هم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدی رواه رزین (مشکوٰۃ ص ۵۵۴) اسی لئے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنۃ الخلفاء اور خصوصاً سنۃ الشیخین کے اتباع کی بنسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے ۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئیں تو بھی خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت موجب سنیت ہے ، صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اقتداء واتباع کا حکم فرمایا ہے ۔

بیس ۲۰ رکعت سے کم تراویح نہ ہونے پر ائمہ اربعہ وغیرہم کا اجماع

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں ۔

(۱) مغنی کی مفصل عبارت اوپر گزر چکی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا مذہب منقول ہے ۔

(۲) المسنون عند ابی حنیفة والشافعی واحمد عشرون ركعة وحكی عن مالك ان التراويح ست وثلاثون ركعة (رحمة الامة ص ۲۳)

(۳) واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التی یقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالك فی احد قولیه وابوحنیفة والشافعی واحمد وداود القیام بعشرین ركعة سوی الوتر وذكر ابن قاسم عن مالك انه كان يستحسن ستا وثلاثین ركعة والوتر ثلاث

لمعات المصابیح ———— ۲۱۰

(الی قولہ) وذکر ابن القاسم عن مالک انہ الامر القدیم، (بدایۃ المجتہد ص۲۰۲ ج۱)

(۴) وقد قالت المالکیۃ انہا کانت ثلاثا وعشرین ثم جعلت تسعا وثلاثین (قسطلانی)

(۵) قال الامام الترمذی رحمہ اللّٰہ تعالٰی واختلف اہل العلم فی قیام رمضان فرای بعضہم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وہو قول اہل المدینۃ والعمل علی ہذا عندہم بالمدینۃ واکثر اہل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وہو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وہکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ وقال احمد روی فی ہذا الوان لم یقض فیہ بشیء وقال اسحٰق بل نختار احدی واربعین رکعۃ علی ما روی عن ابی بن کعب (ترمذی ص۱۱۳ ج۱)

غرضیکہ بیس رکعات کی سنیت خود حضور کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابۂ کرام رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم ومن بعدہم ائمہ اربعہ رحمہم اللّٰہ تعالٰی وغیرہم کا اجماع ہے کہ بیس رکعات سے کم تراویح نہیں۔ لہٰذا انکے خلاف قول کرنا ضلالت اور گمراہی ہے والائمۃ اذا اختلفوا فی مسألۃ فی ای عصر کان علی اقوال کان اجماعا منہم علی ان ما عداہا باطل ولا یجوز لمن بعدہم احداث قول اٰخر (نور الانوار ص ۲۲۳)

اجماع کی تعریف:

اجماع کی تعریف میں حسامی کی تعبیر بہترین ہے۔ ونصہ والصحیح عندنا ان اجماع کل عصر من اہل العدالۃ والاجتہاد حجۃ ولا عبرۃ لقلۃ العلماء وکثرتہم ولا بالثبات علی ذٰلک حتّٰی یموتوا ولا لمخالفۃ اہل الہواء فیما نسبوا بہ الی الہواء ولا لمخالفۃ من لا رائی لہ فی الباب الا فیما یستغنی عن الرأی ثم الاجماع علی مراتب فالاقوی اجماع الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم نصًّا لانہ لاخلاف فیہ ففیہم اہل المدینۃ وعترۃ الرسول علیہ السّلام ثم الذی ثبت بنص بعضہم وسکوت الباقین لان السکوت فی الدلالۃ علی التقریر دون النص ثم اجماع من بعد الصحابۃ علی حکم لم یظہر فیہ قول من سبقہم مخالفًا ثم اجماعہم علی قول سبقہم فیہ مخالف فقد اختلف العلماء فی ہذا الفصل فقال بعضہم ہذا لا یکون اجماعًا لان موت المخالف لا یبطل قولہ وعندنا ان اجماع علماء کل عصر حجۃ فیما سبق فیہ الخلاف وفیما لم یسبق لکنہ فیما لم یسبق فیہ الخلاف بمنزلۃ المشہور من الحدیث وفیما سبق فیہ الخلاف بمنزلۃ الصحیح من الاٰحاد واذا انتقل الینا اجماع السلف باجماع کل عصر علی نقلہ کان فی معنی نقل

الحدیث المتواتر واذا انتقل الینا بالافراد کان کذعلماء السنۃ بالاٰحاد وھو یقین باصلہ ولکنہ لما انتقل الینا بالاٰحاد اوجب العمل دون العلم وکان مقدما علی القیاس (حسامی)

منکر اجماع کافر ہے یا نہیں ؟

اس سے متعلق شامیہ میں یہ تفصیل ہے۔ ثم نقل فی نور العین عن رسالۃ الفاضل الشہیر حسام چلپی من عظماء علماء السلطان سلیم بن بایزید خان ما نصہ اذا لم تکن الاٰیۃ او الخبر المتواتر قطعی الدلالۃ او لم یکن الخبر متواترا او کان قطعیا لکن فیہ شبھۃ اولم یکن اجماع الجمیع اوکان ولم یکن اجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اوکان ولم یکن اجماع جمیع الصحابۃ اوکان اجماع جمیع الصحابۃ ولم یکن قطعیًا بان لم یثبت بطریق التواتر او کان قطعیًا لکن کان اجماعًا سکوتیًا ففی کل من ھذہ الصور لا یکون الجحود کفرا یظھر ذٰلک لمن نظر فی کتب الاصول فاحفظ ھٰذا الاصل فانہ ینفعک فی استخراج فروعہ حتی تعرف منہ ما قیل انہ یلزم الکفر فی موضع کذا ولا یلزم فی موضع اٰخر اھ۔

(رد المحتار ص۲۹۳ ج۳ کتاب المرتد)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تراویح سے متعلق منعقد اجماع کے منکر کی تکفیر جائز نہیں، البتہ تضلیل کی جائے گی۔ یعنی بیس رکعت سے کم کی سنیت کا قائل ضلالتِ بیّنہ میں ہے۔ فقیام رمضان بعشرین رکعۃ والوتر ھو السنۃ المؤکدۃ یضلل تارکھا ویلام من نقص عنھا (اعلاء السنن ص۴۷ ج۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

رشید احمد

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۷۳ ہجری

تتمہ :

اقتباسات از رسالہ خیر المصابیح مؤلفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

① پاکستان کے اہلِ حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا۔ جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں یا بیس سے زائد پڑھتے ہیں اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ حالانکہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین،

علماءِ راسخین کا عمل ۲۰ بیس یا ۲۰ بیس سے زائد کا نہ ہوتا۔ حالانکہ مشترکہ ہندوستان میں دو صدی قبل پورے بارہ سو سال تک تمام مساجد شرق و غرب اور جنوب و شمال میں ۲۰ بیس یا ۲۰ بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں۔ حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت یا ۲۰ بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں۔ کیا اہلِ حدیث کے سوائے جمہور اُمت گمراہی میں رہی، یا بغیر ثبوت کے ہی ۲۰ بیس یا ۲۰ بیس سے زائد پڑھتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اسکا ثبوت، پیش کیا جاوے،

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی بلکہ ۲۰ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ مبارک میں بھی ۲۰ بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں، ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا، مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

② اہلِ حدیث علماء سے ۲۰ بیس تراویح کا ثبوت

پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست الخ (العرف الجادی ص۸۴) پس منع کرنا ۲۰ بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ پس آنکہ بزیادت عامل بسنّت ہم باشد الخ (ہدایۃ السائل ص۱۳۸) گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سُنت پر عامل ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اما آنکہ جمع از اہلِ علم ایں نماز بست رکعت قرار دادہ اند و در ہر رکعتے قرائتے معین را مستحسن داشتہ این عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجملہ چیزے ست کہ برآں ایں معنے صادق ست کہ انہ صلوٰۃ انہ جماعۃ وانہ فی رمضان پس حکم بتبدیع آں چہ معنی (انتقاد الاہلہ ص۳)

لیکن جو اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرارت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد بخصوصہ ثابت نہیں لیکن ایک مجمل چیز ہے جس پر یہ صادق ہے کہ یہ نماز ہے یہ جماعت ہے یہ رمضان میں ہے۔ پس اسکے بدعت ہونیکا حکم لگانے کے کیا معنی؟

نیز فرماتے ہیں۔

ان صلوٰۃ التراویح سنۃ باصلہا لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاہا فی لیالی ثم

ترکہ شفقۃ علی الامۃ ان تجب علی العامۃ او یحسبوھا واجبۃ ولم یأت تعیین العدد فی الروایات الصحیحۃ المرفوعۃ ولکن یعلم من حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم ان عددھا کان کثیرًا (الانتقاد الرجیح ص۶۱)

نماز تراویح اپنے اصل کے لحاظ سے سنت ہے کیونکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں۔ پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہوجائیں یا عوام انھیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرمادیا۔ اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتمی) عدد کا تعین نہیں آیا لیکن اس حدیث سے کہ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجتھد فی رمضان مالا یجتھد فی غیرہ رواہ مسلم" معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

(۳) اہلِ حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں۔ کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابوالحسن صاحب مولوی وحید الزماں صاحب، علامہ شوکانی، علامہ سبکی، علامہ ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی۔ اسلئے آجکل کے اہلحدیث اصح الکتب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں گو ولا فی غیرہٖ کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو۔ بہرحال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے یا مذکورہ حضرات کو۔

(۴) عہدِ فاروقی سے لیکر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے۔ کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی، اگر کہیں یا کسی مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جاوے۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

(۷) سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سنہ میں؟ کس شہر میں؟

انتھی الحاق من خیر المصابیح بقلم محب المؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً العبد رشید احمد رزقہ اللہ تعالیٰ حبہ وحب اولیائہ۔ والحمد للہ اولًا وآخرًا والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ وصحبہ کما یحب ویرضی بعدد ما یحب ویرضی ـــــــــ ۱۱ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۷ ہجری